وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

اور (اے نبی کریم !) ہم نے آپ کی طرف ذکر عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لئے وہ پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔ سورۃ النحل:44

اصحاب قرآن و تشنگان علوم کیلئے سرکار حافظ محمد حامد چشتی صابری صاحب کے درس قرآن کا بیش بہا تحفہ

خطبات حامد

(جلد سوم)



از

علامہ و حافظ

مدظلہ العالیٰ

محمد حامد چشتی صابری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ ننگل شریف پسرور

ترتیب زوار حیدر اور محمد امجد اسلام امجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ وَ لَعَلَّہُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (النحل:44)

اور (اے نبیِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں

اصحابِ قرآن و تشنگانِ علوم کیلئے سرکار حافظ محمد حامد چشتی صابری صاحب کے درسِ قرآن کا بیش بہا تحفہ

خُطباتِ حامِد

(جلد سوم)

از

حافظ محمد حامد چشتی صابری مدظلہ العالیٰ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ ننگل شریف پسرور

ترتیب: زوار حیدر اور محمد امجد اسلام امجد



کتاب کا نام: خطبات حامد (جلد سوم)

مصنف و پبلشر: حافظ محمد حامد چشتی صاحب

ترتیب: زوار حیدر اور محمد امجد اسلام امجد

پروف ریڈنگ: علامہ سعید احمد سعیدی صاحب اور خالد محمود آسی صاحب

سال اشاعت: 2026

ISBN 978-969-23915-6-6

انتساب

بابا جی فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

شجرہ شریف (سلسلہ چشتیہ، صابریہ، قادریہ)

1۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ
2۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم
3۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ
4۔ حضرت عبد الواحد بن زید مربیؒ
5۔ حضرت خواجہ فضیل مراتبؒ
6۔ حضرت ابراہیم ادھمیؒ
7۔ حضرت شاہ حذیفۃ المرعشیؒ
8۔ حضرت خواجہ محمد امین الدینؒ
9۔ حضرت علوی ممشاد دینوریؒ
10۔ حضرت ابو اسحاق چشتی شامیؒ
11۔ حضرت ابو احمد ابدالؒ
12۔ حضرت شیخ ابو محمد خواجہؒ
13۔ حضرت ابو یوسف ناصر الدینؒ
14۔ حضرت خواجہ ابو مودودؒ
15۔ حضرت حاجی پاک شریفؒ
16۔ حضرت عثمان ہارونیؒ
17۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ
18۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
19۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ
20۔ حضرت علی احمد صابر کلیریؒ
21۔ حضرت شمس الدین شاہ جگتؒ
22۔ حضرت شاہ جلال الدینؒ
23۔ حضرت احمد عبد الحق مخدومؒ
24۔ حضرت شیخ محمد عارفؒ
25۔ حضرت شیخ محمد جیو عالیؒ
26۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ
27۔ حضرت جلال الدین دھینسرؒ
28۔ حضرت شاہ نظام الدینؒ
29۔ حضرت ابو سعیدؒ
30۔ حضرت شیخ صادق فتح اللہ حنفیؒ
31۔ حضرت شاہ داؤد گنگوئیؒ
32۔ حضرت بھیکھ حسینی جانیؒ
33۔ حضرت شاہ عنایتؒ
34۔ حضرت عبد الکریمؒ
35۔ حضرت میاں غلام شاہؒ
36۔ حضرت شاہ محمد امیر حق شناس
37۔ حضرت شاہ محمد حسنؒ، رامپورہ
38۔ حضرت شاہ محمد حسینؒ، پاکپتن
39۔ حضرت شاہ محمد نظام الدینؒ، دولیتہ
40۔ حضرت شاہ محمد پیر شاہ رہبرؒ، دوسوہہ
41۔ حضرت شاہ محمد حسینؒ باغبانپورہ
42۔ حضرت صوفی محمد صادقؒ باغبانپورہ
43۔ حضرت صوفی محمد یوسفؒ ننگل شریف
44۔ حضرت حافظ محمد حامد چشتی مدظلہ العالی
ننگل شریف پسرور

مقدمہ

میری انتہائے نگارش یہی ہے، تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں۔

حضرتِ انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اللہ کی عطا کردہ ہدایت کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں اس کی خواہشِ نفس اسے اس ہدایت کے رستے سے دور کر دیتی ہے۔ وہ رزق و معاش کے حصول کے چکر میں یوں پھنسا کہ ہدایت کے رستے سے بھٹک گیا۔ مقصدِ حیات ہی بھول گیا۔ اُس کی منزل تو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا تھا۔ اپنے اللہ کے قرب کے لیے بے چین ہوتا، ماہی بے آب کی طرح تڑپتا۔ مگر افسوس! ایسا نہ ہوا۔ بلکہ اُس نے تو اپنی خواہشات کی تکمیل کو ہی اپنا دائمی مقصد بنالیا۔ تاریخِ انسانی پر نظر ہی نہ ڈالی، ماضی کے جھرونکوں میں جھانک کر نہ دیکھا کہ جو اللہ کے علاوہ کی تگ و دو میں لگا رہا۔ اس نے اگرچہ ساری دنیا ہی کیوں نہ حاصل کر لی ہو، اطمینانِ قلب نہ پا سکا۔ جبکہ دوسری طرف جن کا مقصود اللہ کی معرفت کا حصول رہا ہے وہ سب کچھ لُٹا کر بھی اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے سر بسجود ہی ہوئے ہیں۔ سب کچھ قربان کر کے بھی خوش اور مطمئن ہیں اور عاجزی کا یہ عالم ہے کہ ندامت کے آنسو اپنے دامن میں لیے ہوئے کچھ یوں عرض کر رہے ہیں۔

جاں دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اب ضرورت اس بات کی تھی اُسے اُس کے مقام و مرتبے سے شناسا کیا جائے اُس کو رب کریم کی پہچان کروائی جائے۔ اُسے واپس اُسی رستے پر لایا جائے جس کو وہ فراموش کر چکا ہے۔

اللہ کریم نے انسان کی تخلیق کر کے اُسے یونہی نہیں پھینک دیا بلکہ اس کے بہک جانے کے تمام خدشات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انبیاء کو بھی مبعوث فرمایا۔ اللہ نے ایک دو نہیں بلکہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔ اللہ کی انسان سے محبت کا اندازہ اِس بات سے لگا لیں کہ انسان دوسرے کو سمجھانے کے لیے دو، چار دفعہ کہتا ہے اگر مان لے تو ٹھیک ورنہ اس کو اسکے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن میرے اللہ کا کرم اور کمال محبت دیکھیں کہ ایک نہیں، دو نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے اور پھر یہیں بس نہیں کیا بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی

رہنمائی کی ذمہ داری اولیاء اکرام پر ڈال دی۔ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ انسان کو دوزخ میں نہیں پھینکنا چاہتا، اسے ناکام نہیں دیکھنا چاہتا۔ اِسی لیے وہ بھول جانے پہ، بھٹک جانے پہ فوری پکڑ نہیں لیتا بلکہ موقعہ فراہم کرتا ہے، لوٹ آنے کا، توبہ کا، دوبارہ ہدایت کی طرف پلٹنے کا۔

زیرِ نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ پہلے دو ایڈیشن کی بھرپور پذیرائی، اور دین کا فہم حاصل کرنے والوں کی تڑپ کو دیکھتے ہوئے تیسرے ایڈیشن کی اشد ضرورت محسوس کی گئی۔ "خطباتِ حامد" جلد سوم اسی تسلسل کو برقرار رکھنے کی طرف ایک اور قدم ہے۔ میرے مرشد کریم کا ارشادِ عالی ہے کہ مومن اپنی بخشش کی ہی سعی نہیں کرتا بلکہ تمام کی مغفرت کے لیے سرگرداں رہتا ہے اور یہی ذمہ داری ہے جو اولیاء اکرام کو تفویض کی گئی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے سے یہ کوشش کی گئی ہے کہ انسان کو اس کے منصب سے روشناس کروایا جائے۔ ہدایت کے رستے میں آنے والی مشکلات کو سمجھنے اور ان کو دور کرنے اور پھر استقامت سے اس راہ پر گامزن رہتے ہوئے اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش میں اس کی رہنمائی کی جائے۔ قرآنِ مجید میں انعام یافتہ لوگوں کے حالاتِ زندگی بھی درج ہیں اور ان کا انجام، اور پھر ان پر ہونے والے انعامات کا بھی بتایا گیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اللہ کے باغیوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے اور ان کے عبرتناک انجام بھی قیامت تک کے لیے ثبت کر دیئے گئے ہیں۔

تمام عبادات کی ریہرسل اسی لیے کروائی جاتی ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائے۔ بھائی یہی تو امتحان ہے اس دنیا میں۔ اختیار دیا گیا ہے اور رستے بھی کھلے ہیں۔ اگر کوئی فرعون جیسا بننا چاہتا ہے تو بھی آزاد ہے اور اگر موسیٰؑ کے رستے پر چلنے کا خواہش مند ہے تو بھی۔ جو اِس امید پر زندگی گزارتا ہے میں اللہ سے ملاقات کروں، اُس کو الہٰ مانتا ہے اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرتا ہے تو پھر یہ نہیں ہے کہ اُس کی کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی۔ نہیں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اللہ اس کے لیے اپنی طرف آنے والے رستے کھول دیتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں ذکر کر کے یہ بات سمجھائی ہے کہ جس نے فانی سے دل لگایا وہ فنا ہو گیا۔ لیکن جس نے "باقی" سے تعلق

جوڑا وہ نسلوں سمیت باقی رہ گیا۔ ایک بنیادی چیز یہ ہے کہ ہم سب کی زندگی کی آخری منزل موت ہے۔ اس کا حساب دینا ہے۔

یہ وہی مشن ہے جو خواجہ معین الدین کا ہے، بابا فرید الدین مسعود گنجِ شکر کا ہے مولا علی سرکار کا ہے، میرے اور تمہارے آقا سرکارِ مدینہ ﷺ کا ہے بلکہ یہ اللہ کا مشن ہے۔ اسی مشن کو جاری و ساری رکھا ہوا ہے ہمارے قبلہ حافظ محمد حامد چشتی صابری صاحب مدظلہ العالی نے۔ یہ صوفی محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند ہیں جو سلسلہ کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں۔ اپنے علم و عمل سے پیاسی روحوں کو سیراب کر رہے ہیں۔ آپ کی حتی الامکان یہی کوشش ہوتی ہے کہ انسان اپنے رب کی طرف لوٹ آئے۔ مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں امید کی کرن بن کر رہنمائی فرما رہے ہیں۔

اس کتاب کا مقصد اللہ کی معرفت کا نور طالبانِ حق کے سینوں میں اس طرح اُنڈیلنا کہ ہم اللہ کی راہ پر چل کر کامیاب ہو سکیں۔ خطبات حامد جلد سوم میں مختلف دروسِ قرآن، ان کے جمعہ کے بیانات اور محفل ذکر کے پروگراموں کے بیانات ہیں۔ خطبہ کے شروع میں جو آیات اور ترجمہ لکھا گیا ہے وہ انٹرنیٹ سے کاپی کیا گیا ہے (کنزالعرفان سے)۔ باقی جو تفصیل ہے وہ کوشش کی گئی ہے کہ وہی رہے جو حافظ صاحب قبلہ نے ارشاد فرمائی ہے۔ زیرزبر کی غلطی پہ معذرت چاہتے ہیں۔ یہ بیانات یوٹیوب (https://www.youtube.com/@Hafiz_M.Hamid_Chishti) پر حافظ محمد حامد چشتی صابری کے نام سے چینل پر بھی موجود ہیں۔ مختصر کلپس کی صورت میں فیس بک اور ٹک ٹاک پر بھی ہیں۔ کتاب کے آخر میں پیر و مرشد کی ابتدائی سوانح عمری کا ایک مختصر جائزہ ہے۔ دعا ہے کہ یہ کتاب قارئین کے لیے فلاح کا پیش خیمہ ثابت ہو اور مصنف، مرتبین، پروف ریڈرز اور معاونین کے لیے ذریعہ نجات بنے۔ آمین ثم آمین۔

محمد امجد اسلام امجد اور زوار حیدر

خادمین آستانہ عالیہ ننگل شریف پسرور

03127975191؛ 03456862566

تمہید

اَعُوذُ بِاللہ مِنَ الشَّیطٰنِ الَّرجِیمِ ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ متعلقہ آیت۔ امنت باللہ صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الامی الکریم۔ ونحن علی ذلک من الشاہدین والشاکرین و الحمدللہ رب العالمین۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی شان حبیبہ مخبرا و امرا، ان للہ وملائکتہ یصلون علی النبی، یا ایھاالنبی صلو علیہ وسلموا تسلیما۔ الصلاۃ والسلام علیک یا سیدی یارسول اللہ، وعلی آلک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللہ، الصلاۃ والسلام علیک یا سیدی یا رحمتہ اللعالمین، وعلی آلک واصحابک یا سیدی یا شفیع المذنبین۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء کے بعد کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی؛ اللہ کا کوئی شریک نہیں؛ وہی اس کائنات کا خالق اور معبود بر حق ہے۔ اسی نے انسان کو اَشرف المخلوقات بنایا اور ہم سب نے پلٹ کر اسی اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ بے حد و بے انتہا درود و سلام امام الانبیاء، حبیب کبریاء، شفیع المذنبین، رحمت اللعالمین، تاجدار سلطنتِ دنیا و دین، آمنہ کے لال باعثِ تخلیق کائنات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر کہ جنکے صدقے ہمیں اللہ نے ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ نہایت ہی واجب الاحترام معزز بزرگو، دوستو، عزیز بھائیو! السلام علیکم!

رمضان کریم بخشش اور مغفرت کا مہینہ

قرآن: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِۚ-فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُؕ-وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَؕ-يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘-وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(185) سورة البقره

ترجمہ:- رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتوں (پر مشتمل ہے۔) تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور (یہ آسانیاں اس لئے ہیں) تاکہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کرلو اور تاکہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

خاکہ:-1۔ رمضان کی آمد ہماری بخشش کا سبب ہوتا ہے۔

2۔ "یاحنان" وہ بادشاہ کہ کوئی منہ موڑ کر چلا بھی جائے تب بھی عطا کرتا ہے۔

3۔ دعا مانگنے کا طریقہ وسلیقہ۔ 4۔ رمضان میں اگر ثواب زیادہ ہے تو پھر گناہ کی کیفیت ویسی ہی ہے۔

5۔ سرکار دوعالمؐ کی تیاری اور ہماری تیاری میں فرق۔

6۔ قرآن کو ہدایت کی نیت سے پڑھیں گے تو ہدایت ملے گی۔

7۔ روزے تو بس اہلِ ایمان پر ہی فرض کیے گئے ہیں سب پر نہیں۔

8۔ روزہ رکھنا اور اس کو نقطہ کمال تک پہنچانا۔ 9۔ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کرنا چاہیے؟

10۔ تم اللہ کی مخلوق کی خدمت کرو اللہ تمہارے کام آسان کر دے گا۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثنا کے بعد اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو دوستو عزیز بھائیو! اسلام علیکم

اللہ تعالیٰ کا کروڑہا مرتبہ شکر ہے کہ جس نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صدقے ہم گنہگاروں کو بخشش اور مغفرت کا یہ ماہ مبارک عطا کیا۔ ہمیں موقع فراہم کیا کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کر سکیں۔ اپنی آخرت بہتر بنا سکیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے، شاید کسی موقعہ پہ میں نے آپ سے یہ بات عرض کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو جب بھی پکارو اس کے ناموں کے ساتھ پکارو۔ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا[1]۔ اللہ کے لیے ہی اسمائے حسنیٰ ہیں۔ تو اگر آپ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی طرف غور کریں گے تو دعا کے لیے جو میں نے آپ کو عرض کیا تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کیا کریں اور پھر دعا کیا کریں۔ تو اس میں دو چیزیں جو تھیں۔ یا حنان یا منان بدیع السماوات والارض یا ذوالجلال والاکرام۔ تو جب پوچھا گیا کہ یہ حنان کون ہوتا ہے؟ دعا عبادت ہے ناں۔ ایک تو ہے نا اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ[2] کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ ایک جگہ پہ ہے اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ[3] دعا ہی عبادت ہے۔ انسان بے بس ہو کے اپنے مالک سے مانگتا ہے۔ تو جب پوچھا گیا کہ حنان، یہ اللہ کا نام ہے۔ اللہ کی صفت ہے۔ تو فرمایا کہ حنان وہ بادشاہ ہوتا ہے جس بادشاہ کے دربار سے کوئی منہ موڑ کے چلا جائے تو پھر بھی وہ عطا کرتا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا بادشاہ ہے! کیا شہنشاہ ہے! کیا مالک ہے! آپ اپنے ماں باپ سے منہ موڑ لیں ناں تو وہ بھی کہتے ہیں تمہیں بچپن سے پال رہے ہیں۔ تم پہ بڑی نیکیاں کی ہیں۔ احسان جتلانے شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ کیا بادشاہ ہے کہ آپ اس کا کوئی کہنا بھی نہیں مانتے وہ پھر بھی دیتا رہتا ہے۔ تو اگر آپ اس کا کہنا مان لیں، مانگیں گے تو پھر کیا عطا کرے گا! اگر وہ ان لوگوں کو بھی دیتا ہے۔ لیکن یہ اس کی رحمت صرف اس دنیا کے لیے ہے۔ اتنا سمجھ لیں۔ یہاں ابو جہل کو بھی دیتا ہے۔ فرعون کو بھی دیتا ہے۔ نمرود کو بھی دیتا ہے۔ نماز پڑھنے والے کو بھی دیتا ہے۔ بے نمازی کو بھی دیتا ہے۔ ظالم

---

[1] سورۃ الاعراف:180

[2] سنن ترمذي / کتاب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / حدیث:3371

[3] سنن ترمذي / کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / حدیث:2969

کو بھی دیتا ہے مظلوم کو بھی دیتا ہے۔ لیکن یہ اس کی رحمت صرف اس دنیا میں ہے؛ آخرت میں نہیں ہے، مرنے کے بعد پھر نہیں۔ مرنے کے بعد اب رحمت تمہارے اعمال کو دیکھ کے کرے گا۔ وہاں یہ نہیں ہو گا کہ میں نے نماز نہیں پڑھی تو خیر ہے۔ اس کا کوئی حکم نہیں مانا تو خیر ہے۔ نہیں وہاں یہ نہیں ہو گا۔ وہاں وہ رحیم ہے۔ یہاں رحمان ہے وہاں رحیم ہے۔ وہاں جو اس نے رحمت کرنی ہے وہ تمہارے اعمال کو دیکھ کے کرنی ہے کہ دنیا میں تم نے عمل کون سے کیے۔ تو یہ تیاری آپ نے اسی دنیا میں کرنی ہے کہ یہاں اگر وہ رحمان ہے تو وہاں صفت رحیم اس کی جو ہے وہ ہمیں عطا ہو جائے۔ منان۔ پوچھا گیا کہ یہ منان کون ہوتا ہے؟ فرمایا وہ بادشاہ جو تیری ضرورت سے پہلے تجھے عطا کرے۔ ضرورت بعد میں پڑے وہ تجھے پہلے ہی عطا کرے۔ کیا شہنشاہ ہے! موقع دیتا رہتا ہے۔ بار بار موقع دیتا ہے لیکن انسان ہے کہ وہ اپنے رب سے بس دور بھاگتا رہتا ہے۔ اللہ کا حکم نہیں مانتا۔ بغاوت کرتا ہے۔

لیکن یہ موقع جو رمضان المبارک کا دیا۔ فرمایا میں نے شیاطین کو بھی جکڑ دیا ہے۔ اب یہ بھی نہ کہنا کہ کوئی شیطان تمہارے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ جنت کے دروازے کھول دیے؛ جہنم کے دروازے بند کر دیے۔ ایک فرض کا ثواب 70 فرضوں کے برابر دوں گا۔ سبحان اللہ۔ ایک نفل کو فرض کے برابر ثواب دینا۔ کسی نے میرے مولا علی سرکار کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا کہ رمضان المبارک کا روزہ فرض ہے ناں؛ اگر کسی نے جان بوجھ کر ایک روزہ رمضان کا چھوڑا پھر وہ ساری زندگی نفلی روزے رکھتا رہے، وہ ایک فرض روزے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اچھا یہ میں بات کہیں بھول نہ جاؤں۔ یہ میں ابتداء میں پہلے آپ کو عرض کرتا ہوں۔ انسان ظاہر ہے خطا ہو جاتی ہے، نسیان ہو جاتا ہے، غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اس پہ ہم نے تفصیل سے بات ایک جمعہ کی تھی۔ سورۃ توبہ جب ہم پڑھ رہے تھے، سیکھ رہے تھے، اس کے درس میں۔ تو جب انسان غلطی کرتا ہے ناں، نافرمانی کرتا ہے تو اس کے لیے تین چیزیں ہیں۔ یا تو اللہ فرماتا ہے کہ اس کی قضا کر لیں مثلاً آپ نے نماز چھوڑ دی ہے، تو پہلے تو یہ ہے کہ آپ اللہ سے معافی مانگیں، روئیں دھوئیں کہ یا اللہ غلطی ہو گئی۔ آئندہ ایسا نہیں کروں گا اور پھر اللہ فرماتا ہے کہ ایسا کرو کہ اس نماز کو قضا کر لو۔ تو آپ کی وہ جو غلطی ہے وہ معاف کر دی جاتی ہے اور اس کا اجر بھی ظاہر ہے دے دیا جاتا ہے۔ یہ بات غور سے سننی ہے یعنی کبھی تو غلطی قضا سے دور ہو جاتی ہے۔ کبھی آپ غلطی کرتے ہیں تو اللہ فرماتا

ہے کہ اس کا کفارہ ادا کر۔ آپ نے قسم توڑ دی تو قسم کا کفارہ۔ وہاں قضا نہیں ہے وہاں کفارہ ہے کہ تین روزے رکھو یا دس مساکین کو کھانا کھلا دو یا ان کو لباس لے دو۔ یہ ساتویں پارے میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ لیکن میں بڑا حیران ہوتا ہوں کہ جب آپ روزہ جان بوجھ کے چھوڑتے ہیں یا توڑتے ہیں۔ باقی عبادات میں یا قضا ہے یا کفارہ ہے۔ جہاں بھی آپ نے غلطی کی یا قضا سے وہ دور ہو گئی یا کفارے سے دور ہو گئی۔ لیکن اگر رمضان میں انعامات اتنے تھے تو پھر سزا بھی بڑی ہے۔ ہاں دونوں چیزیں ہیں۔ روزہ اگر آپ نے جان بوجھ کے چھوڑا یا اس کو توڑ دیا جان بوجھ کے تو قضا بھی ہے اور کفارہ بھی۔ پھر دونوں چیزیں ہیں اس میں، کہ 60 روزے آپ نے مسلسل رکھنے ہیں کفارے کے اور پھر 61 واں روزہ قضا کا رکھنا ہے۔ اور اگر ان 60 روزوں میں ایک وقفہ بھی آگیا تو پھر شروع سے شروع۔ 60 مسلسل رکھنے ہیں۔ تو اس کو اتنا ہلکا نہ لیا کریں۔ جیسے میں نے آپ کو پہلے بھی عرض کیا تھا کہ اگر حرم شریف میں، خانہ کعبہ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے ناں تو پھر وہاں ایک گناہ بھی جو ہے وہ ایک لاکھ کے برابر ہی ہو جاتا ہے۔ ہاں تو رمضان المبارک میں اس احتیاط کی بھی ضرورت ہے کہ باقی ہر جگہ وہ ویسے موضوع علیحدہ ہے لیکن اتنا سمجھ لیں کہ یا تو آپ کی غلطی قضا سے ٹھیک ہو جاتی ہے یا کفارے سے ٹھیک ہو جاتی ہے۔ لیکن روزے میں اللہ نے دونوں چیزیں رکھی ہیں۔ اگر جان بوجھ کر کوئی بندہ روزہ چھوڑے گا یا توڑے گا تو پھر اس کے لیے دو سزائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اگر یہ موقعہ دیا ہے تو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

دیکھیے ہمارے ہاں ناں بڑی ایک عجیب چیز جو میں محسوس کرتا رہتا ہوں۔ رمضان شریف شروع ہوتا ہے ناں تو ہماری تیاری کیا ہوتی ہے؟ مثلاً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو رمضان کی تیاری رجب سے شروع کر دیتے تھے کہ یا اللہ ہمارے رجب کو بھی برکت دے ہمارے شعبان کو بھی برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دے۔ تیاری کیا کرتے تھے کہ رات کو اگر قیام کرنا ہے تو وہ نوافل پہلے دو مہینے سے ہی شروع ہو جاتے۔ شعبان میں روزے رکھنا شروع کرتے تا کہ رمضان تک پہنچتے ہوئے ہماری تیاری مکمل ہو۔ لیکن ہماری تیاری کیا ہوتی ہے کہ رمضان شریف طلوع ہونے والا ہے تو میدہ کتنا لانا ہے، بیسن کتنا اور پکوڑوں کا انتظام کتنا کرنا ہے اور چاٹ، یعنی ہم کھانے کی تیاری کرتے ہیں۔ اور دوسرے کچھ لوگ کمانے کی تیاری کرتے ہیں کہ اس رمضان میں ہم نے کمائی کیسے کرنی

ہے؟عبادت تو ہمارے ذہن میں ہوتی ہی نہیں ہے اوہ بھائی اس ماہ مبارک میں، مَیں نفل پڑھوں گا تو اس کا ثواب فرض کے برابر ہے پھر تو میں کہتا ہوں اچھا 8 تراویح پڑھ کے ہی بھاگ جاؤ۔ کم از کم تہجد جو ہے وہ تو رمضان المبارک میں پڑھو۔ لیکن وہ تو شوق اگر ہو گا کہ میں نے اپنے اللہ سے ملاقات کرنی ہے، اللہ سے ملنا ہے۔ جیسے اپنے کاروبار کا آپ کو شوق ہے تو اس کے لیے آپ وقت بھی دیتے ہیں، سارے کام کرتے ہیں۔ تو یہ نہیں معلوم کہ اگلے سال ہمیں یہ رمضان نصیب ہو یا نہ ہو۔ اصل بات یہ ہے۔ تو جو موقع ملا ہے یقین جانیے اللہ تعالیٰ تو اب بخشنے پہ آیا ہوا ہے اب بھی اگر ہم بخشش نہیں کرواتے تو ہماری مرضی ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اللہ فرماتا ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ وہ ماہ مبارک ہے۔ اس کی عزت کیوں ہے؟ میں چاہتا ہوں، چونکہ پہلا جمعہ ہے تو اگلے آپ کے جو 27، 28 دن ہیں وہ ایسی مصروفیت میں گزریں کہ آپ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ رمضان کی عزت کیوں ہے؟ فرمایا اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اس لیے کہ اس میں ہم نے قرآن نازل کیا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا ناں کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے روزے فرض کیے۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے روزے فرض کیے۔ فرمایا رَمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا۔ هُدًى لِّلنَّاسِ انسان کی منزل کیا ہے؟ کہاں انسان نے پہنچنا ہے؟ وہ ہے مقام ہدایت۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ انسانوں کو ہدایت ملے۔ بھائی یہ بات میں نے پہلے بھی ایک دفعہ آپ سے کی تھی کہ اگر آپ قرآن کریم کو اس نیت سے پڑھتے ہیں، آپ کو ترجمہ نہیں آتا وہ چھوڑیں آپ اس بات کو، نہیں آتا ترجمہ آپ کو لیکن آپ قرآن کھول رہے ہیں، نیت کیا ہے؟ ارادہ کیا ہے؟ اس قرآن پڑھنے سے مجھے ثواب ملے؟ مل جائے گا ثواب۔ ہدایت نہیں ملے گی۔ ثواب کما لیں جتنا کمانا ہے۔ میں قرآن کریم کو پڑھتا ہوں کہ میں نے جمعہ میں تقریر کرنی ہے۔ تقریر تیار ہو جائے گی لیکن ہدایت نہیں ملے گی۔ مناظرہ کرنا ہے، مناظرہ تیار ہو جائے گا۔ ہدایت نہیں ملے گی۔ قرآن کو جب بھی کھولنا ہے تو اس نیت سے کھولنا ہے یا اللہ مجھے اس سے ہدایت دے۔ آپ کو ترجمہ نہیں بھی آتا تو ہدایت مل جائے گی۔ دنیا کے لوگ لقمان کی بڑی باتیں بیان کرتے تھے۔ سورہ لقمان نازل ہوئی۔ اللہ یہی تو فرما رہا ہے کہ لقمان کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا لیکن اللہ نے اسے ہدایت دے

رکھی تھی۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ نے ایم اے کیا ہے، پی ایچ ڈی کی ہے، درس نظامی کیا ہے، کہ آٹھ سال کا کورس کیا۔ نہیں، آپ بالکل ان پڑھ ہیں ایک لفظ بھی پڑھنا نہیں جانتے لیکن اگر آپ کے دل میں اللہ کا خوف ہے تو آپ کو ہدایت مل گئی۔

اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ ویسے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ویسے فرمایا کہ روزے ہم نے ایمان والوں پہ فرض کیے۔ ایک یہ بھی میں آپ سے اکثر کہتا رہتا ہوں کہ جو بندہ رمضان کی عزت نہیں کرتا، تکریم نہیں کرتا، بے حیائی کی زندگی گزارتا ہے، سرِعام کھاتا پیتا ہے تو یقین کر لیا کریں کہ یہ ایمان والا نہیں ہے۔ بھائی اس حکم کی حیاء تو وہ کرے گا ناں جو صاحب ایمان ہے۔ اللہ نے سب سے تو کہا ہی نہیں ہے کہ تمہارے اوپر روزے فرض کیے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ[1] ایمان والوں پہ روزے فرض کیے۔ بے ایمانوں سے تو اللہ مخاطب ہی نہیں۔ لیکن یہ اگلی آیت، یہ جو آج ہم سیکھ رہے ہیں، روزے فرض کیے ہیں ایمان والوں پہ اور ہدایت اللہ چاہتا ہے سب انسانوں کی۔ یہ تھوڑا سا جو ہے ناں اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایمان والوں سے اللہ یہ مخاطب ہے کہ تم میرے نمائندے ہو اس دنیا میں۔ تمہیں جو کچھ دیا ہے تم نے سب انسانوں کو دینا ہے۔ اللہ یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ میں نے روزے سُنیوں پہ فرض کیے؟ شیعوں پہ فرض کیے ہیں؟ دیوبندیوں، بریلویوں پہ فرض کیے ہیں؟ یہ بھی تو کہہ سکتا ہے؟ اللہ فرمارہا ہے نہیں ہم نے ایمان والوں پہ فرض کیے ہیں۔ کیوں؟ ایمان والا ہو گا تو اللہ کے دیے ہوئے میں سے سب کو دے گا۔ پھر وہ یہ نہیں کہے گا کہ یا اللہ سُنّی کامیاب ہو جائیں یا شیعہ کامیاب ہو جائیں یا بریلوی کامیاب ہو جائیں یا دیوبندی کامیاب ہو جائیں۔ وہ کہے گا یا اللہ جتنے بھی بھوکے ہیں سب کو کھانا کھلا۔ سب پیاسوں کی خیر فرما۔ سب مظلوموں کی خیر فرما۔ مومن اللہ کا نمائندہ ہے اس دنیا میں۔ اللہ مومن کو عطا کرتا ہے اور مومن پھر سب کو عطا کرتا ہے۔ اس لیے آپ نے اگر سوچنا ہے تو هُدًى لِّلنَّاسِ۔ یہ شوق ہو آپ کے اندر کہ یہ ہدایت تمام انسانوں تک پہنچ جائے۔ جیسے میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ناں کہ ظالم کی بھی مدد کرو اور مظلوم کی بھی مدد

---

[1] سورۃ البقرہ:183

کرو۔ تو صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے۔ ظالم کی مدد کیسے کریں؟ تو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روک دو۔ تمہارا کوئی بھائی ہے، تمہاری بہن ہے، تمہارا کزن ہے، تمہارا ہمسایہ، کوئی دوست ہے، اگر ظلم کے لیے ہاتھ بڑھارہاہے تو اس کا ہاتھ پکڑ کے اس کو ظلم سے روک لو۔ یہ ظالم کی مدد ہے۔ ویژن کا پتہ چلاناں کہ کتنا بڑا ہے۔ هُدًى لِّلنَّاسِ آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ اتنا بڑا ویژن ہے کہ میں نے یہ نہیں دیکھنا کہ باہر بچے جو یتیم ہیں یہ مسلمانوں کے ہیں نہیں اگر ہندوؤں کے بچے یتیم ہیں تو میں نے ان کی بھی خدمت کرنی ہے۔ اگر یہودیوں کے ہیں تو میں نے ان کی بھی خدمت کرنی ہے۔ ہم رحمت اللعالمین پیغمبر ﷺ کے امتی ہیں۔

آگے جو جملہ آرہاہےوَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔ اس تعداد کو مکمل کرو۔ دو لفظ ہوتے ہیں عربی زبان میں۔ اس پہ ذرا تھوڑا سا غور کریں۔ آپ کی توجہ چاہتا ہوں۔ اس سے ایک آیت آگے، وہاں ہے، اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ[1] روزے کو رات تک تمام کرو۔ ایک ہوتا ہے مکمل کرنا۔ ایک ہوتا ہے تمام کرنا۔ یہ دونوں الفاظ اسی رکوع میں بیان ہوئے ہیں۔ آج یہ جو آیت ہم سیکھ رہے ہیں ناں، اس میں ہے وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔ مکمل کرو تعداد کو۔ تو اس میں عربی والے، ہمارے مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو ہوتا ہے ناتکمیل، مکمل کرنا اور ایک ہوتا ہے کام کا تمام کرنا۔ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ ایک ہے کام کا تمام کرنا۔ میرے ذمہ ایک کام تھا میں نے اس کے اجزائے ترکیبی دیکھے اور اس کو تمام کر دیا۔ ایک ہے کسی چیز کو کمال تک پہنچا دینا۔ لفظ مکمل میں لفظ کمال ہے۔ صرف روزہ رکھنا نہیں؛ روزے کو کمال تک پہنچا۔ اللہ یہ چاہتا ہے تجھ سے کہ صرف تعداد پوری نہیں کرنی اس روزے کو کمال تک پہنچانا ہے۔ اگر میں اپنی حلال بیوی کی طرف نظر نہیں اٹھاتا روزے کی حالت میں تو میں غیر محرم عورتوں کو کیا دیکھوں گا۔ کیا کمال ہے اس روزے کا کہ میری بیوی میرے اوپر حلال ہے ناں لیکن میں روزے کی حالت میں وہ شہوت کی نگاہ اپنی بیوی پہ نہیں ڈال سکتا۔ کیا روزے کا کمال ہے کہ یہ حلال کو حرام بنا دیتا ہے۔ کیا کمال کو پہنچی تیری خواہش نفس۔ کہاں تو اِدھر

[1] سورۃ البقرۃ:187

اُدھر بھٹکتا پھر رہا تھا، فحاشی میں، عریانی میں، بے غیرتی میں، بے حیائی میں اور جب تو اللہ کی رضا کے لیے حلال کو اپنے اوپر حرام کر دیتا ہے تو حرام تیرے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ہے روزے کو کمال تک پہنچانا۔ روٹی کھانا میرے لیے حلال ہے، پانی پینا حلال ہے لیکن اس رب کی خاطر، اس اللہ کی خاطر جب میں اس حلال کی طرف نظر نہیں اٹھاتا تو میں دکان پہ بیٹھ کے حرام کماؤں گا! مثلاً کیسے میں حرام کی طرف جا سکتا ہوں؟ یہ نگاہ اگر حلال کی طرف بھی نہیں اٹھ رہی، یہ ہاتھ میرا حلال کی طرف بھی نہیں اٹھ رہا اللہ کی رضا کے لیے۔ میرے پاؤں کسی شراب خانے کی طرف نہ جائیں، مسجد کی طرف جائیں۔ چوری ڈکیتی کے لیے نہ جائیں۔ ظلم کرنے کے لیے نہ جائیں۔ میری زبان غیبت، تہمت، بہتان سے بچ جائے۔ کیا فرمایا؟ تم سے اگر کوئی جھگڑا کرنے لگے تو اس سے کہو میں روزے سے ہوں۔ بس غیبت سے اگلا مرحلہ تہمت کا ہوتا ہے پھر بہتان اور پتہ نہیں پھر کیا کچھ ہو جاتا ہے۔ میرے کان غلط آواز نہ سنیں۔ تو جب روح کے اندر یہ سارے اعضاء یہ پاکیزگی ڈالیں گے تو پھر وہ تیرا روزہ کمال کے درجے کو پہنچے گا۔ اللہ فرماتا ہے کہ اس کو تمام نہیں کرنا۔ اس کی تکمیل کرنی ہے، اس کو کمال کے درجے تک لے کے جانا ہے۔ اور پھر وہ منظر جب آپ سارا دن روزے کی یہ تکمیل کریں گے۔ اپنی آنکھوں کا بھی روزہ ہو گا۔ یہ بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمائی کہ اگر کسی بندے نے روزہ رکھ کے جھوٹ بولنا نہیں نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کا بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ایسے ہی بھوکا پیاسا مر رہا ہے۔ اللہ کو کوئی نہیں کہ تم بھوکے رہو گے تو اللہ کو کیا ملے گا۔ پیاسے رہو گے تو اللہ کو کیا۔ اب جب آپ روزے کو اس طریقے سے مکمل کریں گے کہ آپ کی آنکھوں نے بھی روزہ رکھا، کانوں نے بھی رکھا، زبان نے بھی رکھا، ہاتھ اور پاؤں بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ہر چیز رک گئی۔ اب آپ افطاری کے وقت بیٹھ گئے۔ کھجور ہاتھ میں پکڑی، انتظار کر رہے ہیں کب اعلان ہو تو میں روزہ افطار کروں اور اس وقت آپ دعا کے لیے ہاتھ کھڑے کر دیتے ہیں۔ اللہ سے مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ ذرا وہ منظر دیکھیں کہ کیا ہو گا اس روزے دار نے سارا دن اپنے اللہ کی رضا کے لیے حلال کی طرف بھی نظر نہیں کی۔ حرام تو بڑی دور کی بات ہے۔ حلال بھی چھوڑ دیا۔ اب اللہ کا حکم آتا ہے کہ فرشتو! جس جس عبادت میں لگے ہو ناں عبادتیں چھوڑ دو۔ یہ افطاری کے وقت کے وہ لمحات ہیں جب آپ کا روزہ تکمیل کو پہنچا۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ اللہ

فرشتوں کو حکم دیتا ہے جس جس عبادت میں لگے ہو چھوڑ دو۔ مولا کیا کریں؟ فرمایا یہ روزہ دار جو دعا کر رہا ہے ناں اس کی دعا پہ آمین کہو۔ سبحان اللہ۔ فرشتے جو عبادت کرتے ہیں ناں وہ اخلاص والی کرتے ہیں۔ فرشتے ریاکاری کی عبادت نہیں کرتے۔ میرے ذہن میں یہ آسکتا ہے کہ لوگ مجھے نمازی کہیں۔ فرشتے سجدہ ریاکاری کا نہیں کرتے۔ فرشتے رکوع ریاکاری کا نہیں کرتے۔ وہ اللہ کی تسبیح ریاکاری میں نہیں کرتے۔ وہ خالص اللہ کے لیے کرتے ہیں۔ اور وہ خالص عبادت، اللہ فرماتا ہے یہ بھی چھوڑ دو میرے بندے کی دعا پہ آمین کہو۔ یہ وہ ہے جس نے اس کی رضا کی خاطر روزے کو کمال تک پہنچایا۔ اس کی خاطر حلال کو چھوڑ دیا۔

لیکن ہم جس دور سے گزر رہے ہیں حالات بہت خراب ہیں۔ یہ مہینہ جو کہ خیر خواہی کا بھی مہینہ ہے۔ آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں، جیسے لوگ آٹے کی قطاروں میں مر رہے ہیں۔ کوئی زہر کھا رہا ہے۔ معیشت ہماری برباد ہو گئی۔ کیوں؟ اللہ نے فرمایا تھا کہ امانتیں حقداروں تک پہنچاؤ۔ تو جب امانت کسی ڈاکو کے، کسی چور کے ہاتھ میں دے دی جائے گی تو عوام الناس کا تو یہی حال ہو گا۔ اس صورتحال میں ہم نے گورنمنٹ کی طرف نہیں دیکھنا۔ ہم نے اداروں کی طرف نہیں دیکھنا۔ بس میری جو ذمہ داری ہے، اپنی ذمہ داری، میں نے اس کو پورا کرنا ہے۔ اپنے قریبی رشتہ داروں میں، اعزاء واقرباء میں، اپنے ہمسایوں میں۔ باتیں میں نے ساری کر دی ہیں آپ سے۔ یہ نہ کوئی کہے کہ میرے گھر، میرا ہمسایہ نہیں پہنچا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور سے روزہ افطار فرماتے تھے، سادہ پانی سے کرتے تھے۔ کوئی ضرورت نہیں لمبی چوڑی نمائشوں کی اور خصوصاً اس رمضان میں، میں اپنے گھر میں، آپ بھی اپنے گھروں میں، خصوصاً ہماری مائیں بہنیں بیٹیاں، کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم نے عید پہ کوئی 10 ہزار کا سوٹ ہی پہننا ہے۔ آپ سادہ سوٹ لے لیں۔ ویسے بھی آپ کو میں نے پہلے بھی یہ بتایا تھا کہ اگر کسی مرد نے یا عورت نے لباس اس لیے پہنا کہ وہ لوگوں پہ رعب ڈالے، تکبر کے لیے پہنا کہ میں نے 10 ہزار کا سوٹ پہنا یا 30 ہزار کا سوٹ پہنا تاکہ غریبوں پہ رعب جمایا جائے تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت والے دن اس کو ذلت اور رسوائی کا لباس پہنایا جائے گا۔ یہ نہیں ہے کہ میرے رشتہ داروں میں، میرے ہمسائے میں لوگ ایک سادہ سوٹ کے لیے بچے مجبور ہوں اور میں 10، 20 ہزار کے سوٹ خریدتا پھروں۔ یہ ہمدردی کا مہینہ ہے۔ یہ

دولت آپ کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ آپ اس کے مالک نہیں ہیں۔ یہ بنیادی عقیدہ آپ کا جب تک ٹھیک نہیں ہوتا، اگر میرے گھر میں 10 لاکھ روپیہ پڑا ہے اور میرا ہمسایہ دوائی کے ہاتھوں مر رہا ہے تو وہ 10 لاکھ قبر میں سانپ ہی بنے گا۔ میں بچ نہیں پھر سکتا۔ خدا کے لیے ہر کوئی اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ محلے کی سطح پہ، اپنے ہمسایوں کی سطح پہ، اعزاء واقرباء کی سطح پہ گھروں میں سامان پہنچائیں۔ اور پھر جو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص بات ارشاد فرمائی لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا[1]۔ ان لوگوں کو تلاش کریں جو لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ جو اپنی عزت نفس لے کے گھر بیٹھے ہوئے محنت کرتے ہیں۔ کوشش پوری کرتے ہیں لیکن ان کے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ یہ نہیں کہا کہ اس کا لڑکا بھی 100 روپیہ کمالیتا ہے اور یہ بھی کوئی 100 کی دیہاڑی لگالیتا ہے۔ نہیں، نہیں۔ وہ اپنی محنت پوری کر رہا ہے لیکن حالات آپ کو بھی پتہ ہے کہ جس نہج پہ چلے گئے۔ تو ان محتاجوں کا جو محنت کر رہے ہیں، ان محتاجوں کا خیال رکھیں۔ عزت نفس کسی کی مجروح نہیں کرنی۔ اس افطاری کو اب نمائش نہیں بنانا۔ میں نے پچھلے سال بھی آپ سے کہا تھا کہ بے غیرتی تو یہاں تک ہو گئی ہے کہ ہم افطاری بھی ان لوگوں کی کرواتے ہیں جنھوں نے روزہ ہی نہیں رکھا ہوتا۔ ان بدبختوں کو، سیاسی لوگوں کو، دنیادار کتوں کو بلالیتے ہیں جو روزہ ہی نہیں رکھتے۔ اوہ! افطاری روزہ دار کی ہوتی ہے روزہ خور کی نہیں ہوتی۔ روزہ دار تلاش کرو۔ ورنہ یہ جو دولت میں جمع کر رہا ہوں، قرآن کریم کے الفاظ سن لیں۔ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ۔ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ۔ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ[2]۔ یہ جو مال جمع کرتے رہتے ہیں اور گنتے رہتے ہیں۔ کیا سمجھتے ہیں ان کا مال ان کو بچالے گا؟ گھر والے تو تیرا لباس بھی اتار لیں گے۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ ذہن میں رکھنا، سرکار نے فرمایا تیرا وہ ہے جو تو نے کھالیا، پہن کر بوسیدہ کر لیا یا آگے بھیج دیا۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آگے بھیج دیا۔ اور یہ قرآن کریم نے یہ دوٹوک بات فرمادی کہ جو آپ کی اور میری ضرورت سے زیادہ میرے پاس ہے وہ میرا نہیں ہے۔ اپنے عقائد ٹھیک کریں۔ جو میری ضرورت سے زیادہ ہے ناں میرے پاس وہ میرا نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے میرے امتحان کے لیے مجھے دیا ہے کہ میں ضرورت

---

[1] سورۃ البقرۃ:273

[2] سورۃ الھمزۃ:4-2

مندروں تک پہنچاتا ہوں یا نہیں پہنچاتا۔ وہ میرا نہیں ہے۔ یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں وَ یَسْـَٔلُوْنَکَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ[1]۔ یہ دوسرا پارہ ہے۔ اے میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں۔۔ قُلِ الْعَفْوَ۔ ان سے فرما دو جو تیری ضرورت سے زیادہ ہے وہ تیرا نہیں ہے۔ اپنے رشتہ داروں میں، اقرباء میں، ہمسایوں میں تلاش کر اور ان کے گھروں تک پہنچا۔ اور یہاں پر اللہ کے ساتھ جو سودا ہے ناں، میں اللہ کے گھر میں بیٹھا ہوں، یقین جانیے، جب سے میں نے یہ بات، پاک پیغمبر ﷺ کا فرمان پڑھا ہے میری زندگی بڑی آسان گزری ہے۔ سرکار نے فرمایا تم اللہ کی مخلوق کے کاموں میں لگے رہو، اللہ تمہارے کاموں میں لگا رہتا ہے۔ اللہ سے سودا کرو۔ تمہارے کام آسان ہو جائیں گے۔ آمین

[1] سورۃ البقرہ:219

عالم ناسوت سے عالم لاہوت تک سفر

قرآن: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِۚ-فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ-وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَؕ-یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘-وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(185) سورة البقره

ترجمہ:- رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتوں (پر مشتمل ہے۔) تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور (یہ آسانیاں اس لئے ہیں) تاکہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کرلو اور تاکہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

خاکہ:-

1۔ محبت اور رحمت میں فرق۔ 2۔ روزہ ایک سفر ہے۔

3۔ مدارجِ انسیت کی درجہ ہے کہ جہاں بھوک بوجھ نہیں لگتی۔

4۔ میرا نفس مجھے اللہ سے دور رکھنے کے لیے بغاوت پر اُکساتا ہے۔

5۔ جبرائیل کن سے مصافحہ کرتا ہے؟ 6۔ انسان کے مرنے سے کسی شے کو پریشانی نہیں ہوتی۔

7۔ انسان کو اس دنیا کے لیے تو پیدا ہی نہیں کیا گیا۔

8۔ گناہوں اور بغاوت والی زندگی کے ساتھ آپ اللہ کی طرف سفر نہیں کرسکتے۔

9۔ ہر رات شبِ قدر ہے اگر آپ نے قدر کرلی۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء کے بعد اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو، عزیز بھائیو! اسلام علیکم

عشرہ رحمت اپنے اختتام کی جانب ہے اور کل دسواں روزہ ہے اور رحمت کا عشرہ مکمل ہو جائے گا۔ شاید ہم اس میں اللہ کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے یا نہیں ہوئے؟ رحمت جو ہوتی ہے ناں یہ محبت کے بعد کا درجہ ہے۔ محبتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ہو سکتا ہے آج آپ کو کسی سے محبت ہو، کل نفرت ہو جائے۔ اس دنیا میں اکثر آپ دیکھتے ہیں کہ محبت بدلتی رہتی ہے۔ معیار بدلتے رہتے ہیں۔ گھروں میں آج کسی اولاد سے محبت ہے، کل دوسری سے ہو جائے گی۔ آج کسی بھائی سے محبت ہے، کل دوسرے سے ہو جائے گی۔ لیکن رحمت نہیں بدلتی۔ آپ ذرا سے ناراض ہوتے ہیں تو محبت بدل جاتی ہے۔ رحمت جو ہوتی ہے ناں وہ ناراض بھی ہو تو تمہیں رزق دیتا رہتا ہے۔ یہ بَڑھیا جملہ میرے ذہن میں اس لیے آیا کہ جب میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تعلق اس جہان کے ساتھ اللہ نے بیان فرمایا ناں تو محبت کا نہیں، رحمت کا بیان فرمایا۔ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[1]۔ تو اللہ کا بھی جو تعلق ہے تمہارے ساتھ، وہ رحمت کا تعلق ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی جو تعلق ہے وہ رحمت کا تعلق ہے۔ اسی لیے طائف میں پتھر مارنے والوں کے لیے بھی یہی کہا تھا کہ مولا یہ مجھے پہچانتے نہیں۔ مجھے یا آپ کو کوئی پتھر مارے گا تو محبت بدل جائے گی ناں؟ لیکن رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ پتھر مارنے والوں کو بھی دعا دی جائے۔ تو یہ عشرہ تھا، عشرہ رحمت۔ پتہ نہیں آپ اس کی رحمت کو کتنا اپنی طرف متوجہ کر سکے یا نہیں کر سکے؟ بہر حال یہ ساعتیں، یہ لمحات، بڑے قیمتی ہیں۔

گفتگو ہماری پچھلے جمعہ پہنچی تھی، کامل روزے کی طرف وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔ تو اس کے لیے ہم نے دونوں الفاظ پہ بات کی تھی کہ ایک ہے کسی چیز کا تمام کرنا اور ایک ہے کسی چیز کو کمال تک پہنچانا۔ تو یہ دونوں الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ اگلی جو آیت ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے روزہ رات تک

[1] سورۃ الانبیاء:107

تمام کرنا ہے۔ لیکن یہاں جو ہم اس آیت میں سیکھ رہے ہیں۔ یہاں ہے وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔ یہاں اللہ تعالیٰ ہم سے یہ تقاضا کر رہا ہے کہ تم نے اپنی یہ جو گنتی ہے اس کو تمام ہی نہیں صِرف کرنا، کمال تک پہنچانا ہے۔ یہ اصل میں جو سفر ہے ناں۔ مثلاً دیکھیے میں بھوکا رہوں، پیاسا رہوں، حلال چیزوں سے بھی پرہیز کروں، اپنی بیوی سے بھی پرہیز کروں، یہ ساری حلال چیزیں ہیں؛ یہ سفر ہے عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی طرف۔ یہ روزے کا جو سفر ہے۔ اگر آپ کو یاد ہو تو میں نے پچھلے جمعے کہا تھا کہ نماز چھوٹ جائے گی تو قضا سے کام چل جائے گا لیکن روزہ اگر آپ نے جان بوجھ کے توڑا تو قضا بھی ہے اور کفارہ بھی ہے۔ تو یہاں جتنے انعامات ہیں پھر اتنی پکڑ بھی ہے۔ تو یہ ایک سفر ہے عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی جانب۔

چونکہ بات شروع ہی یہاں سے ہوئی ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ تو سفر آپ کا قرآن تک ہے۔ یہ نہیں کہا کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے روزے فرض کیے۔ یہ نہیں فرمایا۔ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا۔ اب قرآن پہلے عشرے میں نازل نہیں ہوا۔ پہلے روزے نہیں کر دیا؛ دوسرے عشرے میں بھی نہیں۔ پہلے اس کی رحمت کو حاصل کر۔ پھر دوسرا عشرہ مغفرت ہے۔ مغفرت کا لفظی معنی ہے ڈھانپ لینا۔ تو جب اللہ کسی کو اپنے پردے میں ڈھانپ لے گا تو اس سے زیادہ محفوظ جگہ کون سی ہو سکتی ہے۔ یہ جو ہم کہتے ہیں ناں اللہ فلاں کی مغفرت فرمائے۔ تو یہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ اس کو اپنی چادر میں ڈھانپ لے۔ اپنی رحمت اس کو عطا فرما دے۔ تو عشرہ مغفرت ظاہر ہے شروع ہونے والا ہے لیکن آپ اس منزل تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ مثلاً میں یہ نویں پارے سے، اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے موسیٰ سے کہا کہ تم تیس روزے رکھو اور پھر دس روزے کوہِ طور پہ جا کے علیحدہ رکھوائے۔ 40 مکمل کروائے۔ تو 40 روزے رکھوا کر اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا تھا۔

یہ سفر آپ کی سمجھ میں اگر آجائے کہ روزہ جب بھی رکھوایا جاتا ہے ناں تو یہ سفر ہے عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی جانب۔ عالم ناسوت آپ کی یہ مادی دنیا ہے۔ یہ جو میرا ظاہری جسم ہے، یہ جتنی بھی مادی دنیا ہے، اس کو

عالم ناسوت کہتے ہیں۔ عالم ناسوت میں مجھے بھوک بھی لگتی ہے، پیاس بھی لگتی ہے، میری شہوانی خواہشات بھی ہیں، بہت سے معاملات ہیں۔ لیکن عالم ملکوت میں فرشتے نہ انکو بھوک محسوس ہوتی ہے اور نہ ان کو پیاس محسوس ہوتی ہے۔ نہ ان کے کوئی بیوی بچے ہیں اور نہ ان کو غم ہے، ان کے پاس ایسے تو کوئی معاملات نہیں ہیں۔ اب یہ سلسلہ یہاں تک نہیں رکتا۔ پھر آگے عالم جبروت ہے اور پھر عالم لاہوت ہے۔ جہاں کثرت وحدت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ سفر ہے کثرت سے وحدت تک کا۔

تو اللہ تعالیٰ، یہ جو ہے ناں تخلقوا باخلاق اللہ تعالیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپناؤ۔ تو فرشتے اگر نہیں کھاتے تو تمہارے اندر تو یہ صلاحیت نہیں ہے کہ تم ہمیشہ نہ کھاؤ لیکن کچھ دیر کے لیے تو عالم ملکوت میں آ جاؤ۔ ہیں؟ اوہ بھائی! کچھ دیر کے لیے تو اس کیفیت میں آ جاؤ۔ صبح سے لے کے شام تک جیسے ان کی کیفیت ہے۔ اچھا اس کو کہتے ہیں مدارجِ اُنسیت۔ گفتگو ذرا مشکل نہ ہو جائے۔ روزے کا مقصد یہ ہے کہ آپ وہ جو انسیت کا مدار ہے، اس کے اندر چلے جائیں۔ آپ کو یہ بھوک بوجھ نہ لگے بلکہ محبت لگے۔ یہ نہ ہو کہ روزے کب ختم ہوں گے؟ میری اگر یہ کیفیت ہے تو پھر تو یہ سفر آپ طے ہی نہیں نہ کر سکتے۔ پچھلے جمعہ کے اگر جملے آپ کے ذہن میں ہیں تو میں نے عرض کیا تھا کہ اگر میں اپنی حلال بیوی کی طرف نظر نہیں اٹھاتا تو میں حرام کی طرف نظر کیسے اٹھاؤں گا؟ اگر میں حلال روٹی نہیں کھا رہا تو حرام کی طرف میرا ہاتھ کیسے اٹھے گا؟ تو آپ کو بھوکے رہنے میں اُنسیت پیدا ہو جائے۔ پیاسا رہنے میں انسیت پیدا ہو جائے۔ کیوں؟ میرے اللہ کا حکم ہے۔ تو جب اس درجہ انسیت میں آپ آتے ہیں تو پھر آپ کو رات کا قیام مشکل نہیں لگتا۔

چونکہ رمضان کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں حصے بیان فرمائے ہیں۔ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ[1] جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزہ رکھا۔ اللہ کی رضا کے لیے۔ یہ درجہ انسیت اگر آپ کو سمجھ آ جائے تو اس کے پچھلے گناہ تو معاف کر دیے جائیں گے۔ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ

[1] صحیح البخاري / کتاب الصوم / حدیث: 1901

لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ[1] اور جس نے اس ماہ مبارک میں رات کو قیام کیا اللہ کی رضا کے لیے۔ اچھا یہ دونوں چیزیں کیوں ضروری ہیں؟ یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے دونوں حصے بیان فرمائے۔ دن کا روزہ ہے اور رات کا قیام ہے۔

اس کو سورہ مزمل کے پہلے رکوع میں بیان کیا گیا۔ وہ ذرا تھوڑی سی پھر تفصیلی گفتگو ہو جائے گی کہ مجھے اللہ کے قرب سے جو چیز دور رکھتی ہے ناں وہ میرا نفس ہے۔ یہ بغاوت کرتا ہے اللہ کے خلاف۔ تو اس نفس کو جب تک تو روند نہیں دیتا، پامال نہیں کر دیتا، اللہ کے حکم میں اُنسیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ تُو اگر نماز پڑھے گا بھی ناں تو بوجھل طریقے سے پڑھے گا۔ روزہ رکھے گا بھی تو دکھاوے کا رکھ لے گا۔ تو انسیت پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس نفس کو پامال کر دیا جائے۔ یہ سفر اس لیے ہے اور سورہ مزمل کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بیان فرما دی تھی کہ اس نفس کو پامال کرنے کے لیے دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک پیٹ کا بھوکا ہونا اور ایک رات کو جاگنا۔ جو شخص جاگتا ہے ناں رات کو اللہ کے لیے اور جو بھوک جو ہے اس پہ کنٹرول کرتا ہے۔ تو یہ دو چیزیں ہیں جو نفس کو پامال کر دیتی ہیں۔ اب یہ درجہ ہے جو قرآن نے بیان کیا وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا[2] کہ اب ان کی رات سجدے میں گزر جاتی ہے اور ان کو پتہ نہیں چلتا۔ کیوں؟ مقام انسیت میں آ گئے ناں۔ درجہ انسیت میں آ گئے۔ ایک قیام میں ہی ساری رات گزر گئی۔ عبادت بوجھ نہ ہو۔ تو یہ تھوڑا تھوڑا کہ صبح سے لے کے شام تک، پھر رات کو، جب مدارجِ انسیت میں انسان آتا ہے تو عبادت بوجھ نہیں لگتی۔ محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور یہاں سے پھر آپ کا سفر عالم ملکوت کی جانب شروع ہو جاتا ہے؟ کیوں؟ بات پھر وہی ہے۔ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔

تو بات آپ کو میں نے بتائی ہوئی ہے کہ میں مر جاؤں گا ناں تو سورج کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ دو چار جملے ذہن میں رکھنا۔ میری موت سے درختوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری موت سے ستاروں کو کوئی فرق نہیں

[1] صحیح البخاري / کتاب الصوم / حدیث:37

[2] سورۃ الفرقان:64

پڑتا۔ کائنات کی کسی چیز کو میرے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اگر سورج نہ چڑھے تو میری زندگی مشکل ہو جائے۔ اگر درخت نہ ہوں تو مجھے اکسیجن نہیں ملے گی۔ اگر نباتات نہ ہوں تو مجھے رزق نہیں ملے گا۔ کتنی فکر پڑی ہوئی ہے کہ یہ فصلیں بارشوں سے تباہ نہ ہو جائیں۔ میرے مرنے سے نباتات کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ موضوع بڑا لمبا ہے لیکن میں چند جملوں میں سمیٹ رہا ہوں۔ میں مر جاؤں تو کائنات کی کسی چیز کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن کائنات کی یہ چیزیں اگر نہ ہوں تو میری زندگی کو فرق پڑتا ہے۔ میری زندگی مشکل ہو جاتی ہے اس کا کیا مطلب ہے کہ ساری کائنات میری خدمت کر رہی ہے۔ دودھ میں حیوانات سے لیتا ہوں۔ گوشت ان سے لیتا ہوں۔ نباتات سے خوراک لیتا ہوں۔ سورج چاند سارے میری خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور مجھے تو اللہ نے پیدا ہی اپنے لیے کیا۔ مجھے تو یہ کہا ہی نہیں کہ تیرے ذمے بھی ہے تو چاند کی خدمت کر، سورج کی خدمت کر، نہیں۔ میرے ذمے یہ نہیں ہے۔ مجھے اللہ نے پیدا اپنے لیے کیا ہے۔ اس لیے پھر سفر کا طریقہ بھی بتایا۔ وہ جملہ اگر آپ کے ذہن میں ہے کہ اگر جلدی اس بات کی سمجھ آجائے کہ اللہ نے مجھے اس دنیا کے لیے پیدا ہی نہیں کیا۔ تو اب اس کے جو انوار و تجلیات ہیں، وہ کہاں ملیں گے؟ قرآن میں ملیں گے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ بھائی پہلے تو عالم ملکوت میں آ۔ بھوک پیاس محبت کے ساتھ برداشت کر۔ رات کو قیام کر تاکہ آخری عشرہ جب شروع ہو، نزول قرآن کا عشرہ شروع ہو تو اس قرآن سے اللہ کے انوار و تجلیات تجھے نظر آئیں۔ سبحان اللہ۔ یہ مشقت کروائی جارہی ہے کہ تو اللہ کے انوار و تجلیات کو تُو دیکھ۔ اس حال میں ناسوت میں الجھ کر نہ رہ جا۔ تجھے کسی بڑے مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔

سورہ قدر آپ نے پڑھی ہوئی ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۞ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ۞ سَلٰمٌ هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ تورات کو فرشتے نازل ہوتے ہیں اور روح الامین نازل ہوتے ہیں۔ فرشتے بھی آتے ہیں اور جبرائیل بھی آتے ہیں۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ کوئی کام بے مقصد کرے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ[1] اللہ کی کوئی چیز، کوئی کام، اللہ کا باطل

---

[1] سورہ آل عمران:191

نہیں۔ اللہ حکیم ہے۔ اللہ کا ہر کام حکمت والا ہے۔ اگر میں فرشتوں کو دیکھ ہی نہیں سکتا تو ان کے نازل ہونے کا مقصد کیا ہے؟ بھائی اب انہوں نے وحی لے کے تو آنا نہیں۔ اب جبرائیل نے وحی لے کے نہیں آنا۔ نبوت ختم ہو گئی ہے لیکن قیامت تک شب قدر کو فرشتے نازل ہوں گے۔ روح الامین بھی آئیں گے اور وہ خوش قسمت جس نے یہ سفر عالم ملکوت کی جانب طے کر لیا ہو تا ہے۔ روزے رکھ کے اپنے نفس کو پامال کر لیا ہو تا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں، پھر شب قدر کی رات جب وہ قیام میں کھڑا ہو تا ہے تو جبرائیل آ کے مصافہ کرتا ہے۔ اس کی نشانی کیا ہوتی ہے جس سے جبرائیل مصافحہ کرتا ہے؟ اس پہ رقّت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ نشانیاں ہیں جو اس قرآن کی وجہ سے تمہیں حاصل ہونی ہیں۔ یہ سفر ہے روزے کا۔ یہ ہے وہ کیفیت۔

آپ نے حدیث تو بڑی دفعہ سنی۔ لیکن کبھی اس پہ غور نہیں کیا کہ اگر انسانوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ رمضان میں اللہ کی کتنی برکتیں نازل ہوتی ہیں تو لوگ خواہش کریں کہ سارا سال رمضان ہی رہے۔ سبحان اللہ۔ یہ ہے مدارج انسیت کی بات کہ درجہ انسیت میں جب وہ انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر وہ کہتا ہے کہ مولا یہ انوار و تجلیات تو سارا سال ہی رہیں۔ میں سادہ کر کے یہ آپ کا سفر جو ہے ناں یہ طے کروانا چاہتا ہوں۔ نماز کے لیے، حج کے لیے، جتنی بھی عبادات ہیں، ان کے لیے کیا فرمایا تمہیں جنت دوں گا۔ ہیں؟ جنت کا وعدہ ہے ناں؟ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا[1] ہمیشہ کے لیے۔ یہ خواہش کہ یا اللہ سارا سال ہی رمضان رہے۔ الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ[2]۔ حدیث قدسی یہاں یہ ہے۔ یہاں یہ نہیں ہے جنت دوں گا، حوریں دوں گا۔ جس نے میرے لیے روزہ رکھا۔ میرے لیے بھوکا رہا، میرے لیے پیاسا رہا، میرے لیے سب کچھ چھوڑ دیا۔ اب جنت نہیں۔ اس نے اپنے اللہ کو پا لیا۔ میں ہی اس کی جزا ہوں۔ اور اس کا نقصان، یہ بھی ذہن رکھیں۔ اگر یہ اللہ کے انوار و تجلیات آپ اس دنیا

---

[1] سورۃ التوبہ:72

[2] صحیح البخاري / کتاب التوحید / حدیث:7492

میں نہیں دیکھتے تو پھر آخرت میں اللہ کا دیدار نہیں ہو گا۔ جنت کی سب سے بڑی نعمت کیا ہے؟ اللہ کا دیدار۔ یہاں شب قدر میں آپ نے ملائکہ کو دیکھنا ہے۔ ان سے مصافحہ کرنا ہے۔ ان کا قرب حاصل کرنا ہے اور آخرت میں پھر اپنے اللہ کا دیدار کرنا۔ یہ جنت کا سب سے بڑا انعام ہے کہ انسان کو اللہ کا دیدار ہو جائے اور جو اللہ کا حکم انسیت کے ساتھ محبت کے ساتھ نہیں مانتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ اندھا ہے۔ یہ ساتویں پارے کی آیت میں دیکھ رہا تھا۔ اللہ فرماتا ہے قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ[1] تمہارے رب کی نشانیاں جو ہیں وہ تمہارے اوپر آگئیں۔فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ مگر ان کا کوئی مشاہدہ کرتا ہے، دیکھتا ہے تو وہ بھی اپنے لیےوَ مَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا اور اگر کوئی اندھا بننا چاہتا ہے تو وہ بھی اپنے لیے۔ اگر کوئی بینا بننا چاہتا ہے، دیکھنے والا بننا چاہتا ہے تو وہ بھی اپنے لیے ہی ہے ناں اس کے۔ یعنی جو اللہ کے انوار و تجلیات کو نہیں دیکھنا چاہتا۔ وہ اس دنیا میں اندھا ہے۔ وہ آیت میں نے سترھویں پارے کی آپ کو کئی دفعہ سنائی ہے۔ اللہ فرماتا ہےلَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ[2] یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیوَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ وہ تو سینے کے اندر دل ہیں جو اندھے ہو جاتے ہیں۔ یہ آنکھ نے فرشتوں کو نہیں دیکھنا۔ اس آنکھ نے جبریل کا مشاہدہ نہیں کرنا۔ وہ تو تیرے دل کی آنکھ ہے جب جبریل مصافحہ کرے گا تو دل پہ رقت طاری ہو جائے۔ وہ کیفیت تیرا دل محسوس کرے۔ تیری روح محسوس کرے۔ ان آنکھوں کی بات نہیں ہے۔ دل کے اندھے کی بات ہو رہی ہے۔ کیسا بد بخت انسان ہے وہ جس کے لیے جبریل کہے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص برباد ہو جائے جس کو رمضان ملے اور وہ اپنی بخشش نہ کرواسکے اور پیغمبر فرمائیں کہ آمین، ہاں ایسا ہی ہو۔ اس سے بڑا بد بخت انسان کون ہے؟ جبریل دعا کرے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس پہ آمین کہیں۔ ایسے بد بختوں کے لیے روزے نہیں ہیں۔ ایسے کمینے انسانوں کے لیے روزے نہیں۔

---

[1] سورۃ الانعام:104

[2] سورۃ الحج:46

اب اگلی قرآن کی آیت سنیے۔ جس سے مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں نے کہا فرمایاوَ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖۤ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی [1] جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ تو یہ دنیا اللہ نے تجھے دی ہے کہ اس نفس کو پامال کر کے اپنے رب کے مشاہدے کی طلب اس دل میں ڈال اور عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی جانب آ۔ یہ بھی سفر اللہ نے صرف مسلمانوں کے لیے نہیں رکھا۔ انسانوں کے لیے رکھا ہے۔ جو اللہ کے راستے پہ چلتا ہے اور اچھا یہ میں بات کہیں بھول نہ جاؤں یہ جو سفر ہے ناں عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی جانب اور پھر عالم جبروت اور لاہوت کی جانب۔ یہ سفر آسانی سے طے ہو جاتا ہے اگر آپ اس کی مخلوق کی خدمت کریں۔ یہ سفر بہت جلدی طے ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اس کی مخلوق سے پیار کریں گے، محبت کریں گے، اس کے کام آئیں گے۔ یہ اسلام کا بہت بڑا اعزاز ہے؛ یہ اور مذاہب میں نہیں تھا۔ یہ اسلام نے ایک طریقہ لوگوں کو بتایا۔ حاتم طائی عیسائی ہے، کافر ہے لیکن اگر اس نے مسلمانوں کی خدمت کی ہے تو وہ واقعہ تو کوئی دفعہ آپ نے سنا ہے کہ یمن جب فتح ہوا تو حاتم طائی کی بیٹی بھی قیدی بن کے آئی۔ اس نے بال اپنے چہرے پہ کیسے ہوئے تھے اپنا چہرہ چھپانے کے لیے۔ اب دیکھیے ناں ایک عیسائی کی بیٹی ہے اور اس کو پتہ ہے کہ اگر چادر نہیں ہے تو میں نے بالوں سے ہی اپنا چہرہ چھپالینا ہے اور اگر ایک مسلمان بچی کو اس بات کا علم نہیں ہے تو وہ اس عیسائی بچی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اُس کو اتنی تو حیاء ہے کہ میں نے پردہ کرنا ہے۔ اب دیکھیے اس بے پردگی کے ماحول میں اگر کوئی یہ کہے کہ میں عالم ملکوت کا سفر طے کر لوں تو وہ کیسے کرے گا؟ میری مائیں بہنیں بیٹیاں اس بات کو ذہن میں رکھیں۔ بے پردگی سے، بے حجابی سے کبھی بھی آپ اللہ تک کا سفر طے نہیں کر سکتیں۔ جس کے لیے یہ سب کچھ کر رہی ہیں، ان کو راضی کریں۔ تو وہ جملہ صرف سنیے، واقعہ تو بڑا لمبا ہے۔ جب میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم طائی کے بچوں کو اپنے پاس بٹھایا۔ عزت دی۔ احترام دیا۔ تو سوال اُٹھا کہ یہ تو کافر کے بچے ہیں۔ کافر کی اولاد ہے۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ ان کا باپ بڑا سخی تھا اور ایک سخی کی اولاد محمد کے دربار میں رسوا نہیں ہو سکتی۔ کتنی جلدی یہ سفر طے ہوتا ہے اللہ کی

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:71

جانب۔ ایک سخی کی اولاد محمد کے دربار میں رسوا نہیں ہو سکتی۔ نجاشی بھی عیسائی تھا لیکن کیا فرمایا کہ مقدس سرزمین کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ عادل ہے، مظلوم کا ساتھی ہے، بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے، انسانوں کی خدمت کرتا ہے۔ اور یزید کلمہ پڑھنے والا ہے۔ کیا اسلام نے لکیر لگائی ہے۔ ظالم کلمہ پڑھنے والا بھی ہو تو بے وقعت ہوتا ہے اور انسانوں کی خدمت کرنے والا عیسائی بھی ہو تو قابل احترام ہوتا ہے۔ کیا اسلام نے لکیر لگائی ہے۔ اور اس مہینے میں تو آپ کو بڑا موقع ملا ہے۔ میں نے پچھلے جمعے بھی آپ سے یہ request کی تھی کہ ہم نے حکومت وقت کی طرف نہیں دیکھنا۔ اداروں کی طرف نہیں دیکھنا۔ بابا جی کا وہ جملہ پھر مجھے بڑا یاد آتا ہے۔ بابا جی فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ کا۔ وہ جو عقائد ہم نے سیکھے تھے ناں۔ اس میں مسلمانوں کا عقیدہ کیا سیکھا تھا کہ میرے پاس جو بھی کوئی طاقت ہے وہ اللہ کی دی ہوئی ہے اور اس طاقت کو استعمال کرنے کا اختیار اللہ نے مجھے دیا ہے۔ یہ جتنی بھی بدمعاشی نظر آتی ہے ناں یہ اس اختیار کی وجہ سے ہے۔ اللہ نے رزق سب کے لیے بھیجا ہے لیکن جن کو اختیار ہے۔ آج بھی بچے پوچھتے رہتے ہیں کہ یہ کیوں ہے؟ اللہ نے تو رزق بھیج دیا۔ ہاں اسی اختیار کا امتحان ہے۔ جس کو جتنا اختیار دیا ہے اس کا اتنا ہی امتحان ہے اور میں اپنے بچوں سے یہ کہتا ہوں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ کے حکمرانوں کو یہ بتایا تھا کہ اس آٹے کی لائن میں اب تک جو 9، 10 لوگ شہید ہو گئے ہیں اس لائن میں حکمرانوں کی عورتیں جب لگیں گی ناں تو پھر ان کو پتہ چلے گا یہ احساس کیا ہوتا ہے؟ چونکہ ان کے بچوں کو تو آسائشیں نصیب ہیں۔ ان کی عورتوں کو تو لائن میں نہیں لگنا پڑتا۔ اسلام نے یہی تو کہا تھا کہ بھوکا رہنا پڑے تو حکمران سب سے پہلے بھوکا رہے اور کھانے کا وقت آئے تو سب سے آخر میں کھائے۔ ہم نے اپنی اپنی ذات میں دیکھنا ہے، اپنے قریبیوں میں، رشتہ داروں میں، ہمسایوں میں پہنچنا ہے ان تک جو دست سوال دراز نہیں کرتے، مانگتے نہیں ہیں۔ اس مہینے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کا خاص ذریعہ بنایا ہے اور وہ قرب آپ مخلوق کے ذریعے سے۔ وہ بابا جی کا جملہ نہ رہ جائے۔ بڑھیا جملہ، یہ میں نے اکنامکس کی کلاسوں کو بھی جب لیکچر دیا تھا، ان کو بھی میں نے یہ بات کہی تھی۔ میں نے کہا اس سے بڑا معیشت دان میں کیا آپ کو بتاؤں کہ بابا جی سرکار نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی آپ کے محلے میں، آپ کے قریب کوئی بندہ بھوک سے مر رہا ہے تو اس کے قریب ہی جگہ پہ کوئی بدہضمی سے بھی مر رہا ہے۔ اگر آج آپ کو بھوک سے

مرتے ہوئے انسان نظر آرہے ہیں ناں تو ان کے قریب ہی کچھ لوگ وہ ہیں جو بد ہضمی سے مر رہے ہیں۔ سکون سے یہ حکمران بھی نہیں مریں گے۔ اور میرے باباجی سرکار نے فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ جو بد ہضمی سے مر رہے ہیں یہ غریبوں کا رزق واپس کر دیں تو دونوں آسانی کی موت مر جائیں۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ تم غریبوں کا رزق چھین لو اس لیے کہ تمہیں اقتدار دیا گیا ہے۔ تمہیں طاقت دی گئی ہے۔ تم وسائل پہ قابض ہو جاؤ۔ تو پھر تمہاری موت آسانی سے آجائے گی۔ نہیں۔ تم بھی پھر آرام سے نہیں مرو گے۔ ذلیل ہو کے مرو گے۔ تمہارے گھروں سے بھی سکون اٹھالیا جائے گا۔ تو بہتر یہی ہے کہ غریبوں کا رزق واپس کر دو۔

بڑھیا مثال تفسیروں میں لکھی ہوئی ہے یہ جو حرام جانور ہے ناں کُتیا ہے، خنزیر ہے، گدھی ہے یہ جتنے جانور ان کے مادہ کے نیچے اتنا ہی دودھ ہوتا ہے جتنا اس کے بچے پی لیتے ہیں چونکہ وہ کسی اور نے استعمال نہیں کرنا ہوتا ہیں۔ ایک گدھی کے نیچے اتنا ہی دودھ ہوتا ہے جتنا اس کے بچے پی لیتے ہیں۔ کُتیا کے نیچے بھی اتنا ہی ہوتا ہے لیکن بھینس اور گائے اور بکری کے نیچے دودھ اس کے بچوں سے زیادہ بھی ہوتا ہے۔ بھائی بھینس کا بچہ دودھ جی بھر کے بھی پی لے تو کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ بس وہ جو زیادہ ہے وہ تمہارا نہیں ہے۔ یہ قرآن نے کہا ہے وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ۬ [1] اے میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ ان سے فرمائیں قُلِ الْعَفْوَ جو تیری ضرورت سے زیادہ ہے وہ تیرا نہیں ہے۔ وہ ہم نے امتحان کے لیے تجھے دیا ہے۔ آزمائش کے لیے دیا ہے۔ اللہ کے جتنے بھی ولی ہوئے ہیں ناں وہ سخی ہوئے ہیں۔ وہ مخلوق خدا کی خدمت کرنے والے ہوئے ہیں۔ بڑا جو انتشار ہماری تاریخ میں ہلاکو خان کا، اس کے اثرات بڑی دور تک ہوتے ہیں۔ ایک لاکھ مسلمانوں کے سر کاٹ کے اس نے مینار بنوایا، دجلہ اور فرات میں خون کی ندیاں بہا دیں۔ قیدی سامنے لائے گئے اس نے قتل کا حکم دے دیا۔ اتنے میں ایک قیدی اور پکڑ کے لایا گیا۔ یہ قیدی بھی بڑا عجیب تھا۔ اس کا اپنا مدرسہ تھا۔ اپنی خانقاہ تھی لیکن جب ہلاکو خان نے ان کے گھر پہ حملہ کیا تو اس نے اپنے شاگردوں کو، مریدوں کو بھگا دیا کہ میں اکیلا ہی پکڑا

---

[1] سورۃ البقرہ:219

جاؤں۔ جیسے سرکار امام حسین نے آخری رات فرمایا تھاناں کہ چلے جاؤ یہ میری جان کے دشمن ہیں۔ یہ کتنے سخی ہوتے ہیں۔لوگوں کی اتنی فکر ہے کہ یہ بچ جائیں۔ تو انہوں نے بھی اپنی خانقاہ سے سارے عقیدت مندوں کو بھگا دیا تھا اور خود اکیلے قید ہو کے ہلاکو خان کی قید میں آئے۔ جب جلاد نے تلوار اٹھائی تو ہلاکو خان کا ایک وزیر بول پڑا۔ اس نے کہا امیر اس قیدی کو قتل نہ کروا۔ اس نے کہا کیوں؟ اس نے کہا یہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ یہ مظلوموں کی مدد کرتا ہے۔ بیماروں کی عیادت کرتا ہے۔ اس کو نہ قتل کروا۔ ہلاکو خان نے ایک بڑا سوال کیا۔ اس نے کہا آپنوں کو کھلاتا ہے کہ سب کو کھلاتا ہے؟ پوچھ لیتا ہے کہ بھوکا مسلمان ہے کہ کافر ہے؟ آپنوں سے مراد مسلمان اور کافر تھا۔ تو اس کے وزیر نے کہا یہ اس رحمت اللعالمین کا ماننے والا ہے جو سب کو کھلانے والے ہیں۔ اور یہ ہستی تھی خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ۔ دیکھیے پھر یہ اثرات مخلوق خدا کی خدمت والے کہاں تک ہوتے ہیں۔ اس لیے اس ماہ مبارک میں یہ سفر ایک تو آپ نے روزہ رکھ کے اپنی خواہشوں کو کنٹرول کر کے، رات کو قیام کر کے، کم از کم تہجد تو یار ضروری ہے ناں، ہاں شب بیداری میں تہجد تو بہت ضروری ہے۔ اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی لیے فرمایا تھا۔

ہر　　شب　　شبِ　　قدر　　است

گر　　قدر　　تو　　دانی

شیخ سعدی نے فرمایا تھا ہر رات ہی شب قدر ہے تو قدر تو کر لے۔ بات تو تیری قدر کی ہے تو شب بیداری بھی ضروری ہے۔ دن کا روزہ بھی ضروری ہے اور مخلوق خدا کی خدمت میں یہ سفر آسانی سے گزر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

صبر سے، مادی دنیا سے روحانی دنیا کا سفر

قرآن: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِۚ-فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ-وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَؕ-یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘-وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(185) سورة البقره

ترجمہ:- رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتوں (پر مشتمل ہے۔) تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور (یہ آسانیاں اس لئے ہیں) تاکہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کر لو اور تاکہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

خاکہ:-

1۔ مادہ اور تخلیقِ انسانی۔ 2۔ انسان کی اصل طاقت روح ہے۔

3۔ کون سا مادہ بدبودار نہیں ہوتا۔ 4۔ صبر کا تصور اور ہماری سوچ۔

5۔ اللہ صبر کرنے والوں کو رسوا نہیں کرتا ہے۔

6۔ میں ہر ہنر سیکھتا ہوں، کیا زندگی گزارنا بھی کسی سے سیکھنا چاہتا ہوں کہ نہیں۔

7۔ سچائی والوں کے لیے اللہ آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔

8۔ علامہ اقبال اپنے استاد میر حسن سے اتنے متاثر کیوں تھے۔

9۔ دین نام ہے اللہ، رسول کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا۔

رمضان المبارک کا دوسرا عشرہ، عشرہ مغفرت گزر رہا ہے۔ ہمارا پچھلے جمعہ کا جو موضوع تھا کہ انسان اس روزے کی مشقت سے عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی جانب ایک سفر کرتا ہے۔ مادی دنیا سے روحانی دنیا کی طرف جاتا ہے۔ تو یہ جو روح کی طرف ایک سفر ہے، یہ انسان کو طاقتور بناتا ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا کہ انسان کی جو اصل طاقت ہے وہ اس کا مادی وجود نہیں ہے۔ انسان کی اصل طاقت اس کا روحانی وجود ہے۔ تو انسان اگر اپنا سفر مادے سے روح کی طرف کر لیتا ہے تو وہ طاقتور انسان ہوتا ہے۔ میں ایک بنیادی وجہ پہلے عرض کرتا ہوں۔ مادہ جہاں پر بھی ہوتا ہے فساد پیدا کرتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا۔ جب آج کل لوگ آتے ہیں ناں پوچھتے ہیں، سوال کرتے ہیں کہ اس زمین پہ فساد کیوں ہے؟ تو جہاں پر بھی سوچ میں مادیت ہو گی، فکر میں مادیت ہو گی، عمل میں مادیت ہو گی وہاں پر فساد ہو گا۔ وہ پھر بات لمبی نہ ہو جائے۔ فرشتوں نے بھی جو کہا تھا ناں مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ[1] کہ یہ زمین پہ جا کے فساد کرے گا۔ خون بہائے گا۔ اس کی بھی وجہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ڈھانچہ بنایا تھا ناں، اس ڈھانچے کو سجدہ نہیں کروایا۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ[2] فرمایا جب میں اس کو برابر کر لوں اور پھر میں اپنی روح اس میں داخل کروں تو پھر تم نے اس کو سجدہ کرنا ہے۔ یہ قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ اب چونکہ ڈھانچہ پہلے بنایا تھا۔ یہ میرا مادی وجود پہلے تشکیل پایا۔ تو فرشتوں نے اس مادی وجود کو دیکھا تھا اور چونکہ یہ اصول مسلمہ ہے کہ مادہ جہاں بھی ہوتا ہے فساد کرتا ہے۔ ہم کہیں گے کہ فرشتوں نے ایسے ہی بات کر دی تھی کہ یا اللہ ایک طرف تو فرما رہا ہے کہ میں زمین پہ خلیفہ بنانے لگا ہوں۔ اب خلافت کے لیے تو نے مادے کا انتخاب کر لیا۔ تو مادے کی تو خصوصیت ہی یہی ہے کہ اس سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ کے ذہن میں نہیں ناں بات آ رہی۔ سب سے اچھا پھل ہے سیب۔ تو آپ اس کو پڑا رہنے دیں۔ کیا ہو گا؟ تعفن پیدا ہو جائے گا۔ گل سڑ جائے گا۔ بھائی مادے کا انجام تو یہی ہے۔ آپ نے گوشت خریدا اس کو محفوظ نہیں کیا۔ کیا ہو گا؟ بدبو آنا شروع ہو جائے گی۔ خراب ہو جائے گا۔ یہ میرا جسم، جب روح اس سے نکل جاتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟ بدبو پیدا ہوتی ہے۔ کہتے

[1] سورۃ البقرۃ:30

[2] سورۃ الحجر:29

ہیں جلدی دفن کرو لاش خراب نہ ہو جائے۔ کیوں؟ بھائی مادہ ہے ہی خرابی کا نام۔ فساد کا نام۔ اب اگر میرے جسم سے بدبو نہیں نہ آتی؟ کیوں نہیں آتی؟ اس لیے کہ اس میں روح موجود ہے۔ تو طاقت میرے اس مادی وجود کی نہیں ہے۔ میری روح کی ہے۔ بھائی مادی وجود تو مرنے کے بعد بھی ہے ناں لیکن یہ ہل نہیں سکتا۔ دیکھ نہیں سکتا۔ کام نہیں کر سکتا۔ تو پہلے آپ کو شعوری طور پہ اس بات کا پتہ ہو کہ میری اصل طاقت میری روح ہے۔ پھر ہی آپ مادے سے روح کی طرف کا سفر کریں گے ناں۔ عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی طرف۔ تو جس بندے کو یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ میری اصل طاقت میری روح ہے۔ وہ سفر کیوں کرے گا؟ اس کو کیا ضرورت ہے؟ ہاں وہ بات پھر رہ نہ جائے کہ جب میں اپنی روح اس میں پھونکوں، ڈال دوں تو پھر تم نے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا ہے۔ اس کے سامنے جھک جانا ہے اور یہی جملہ قرآن کا آپ کو ازبر ہو گیا ہو گا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[1] جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یعنی روح کی طاقت کو تو فرشتے بھی نہیں جانتے۔ یہ جو میں اس میں روح پھونک رہا ہوں ناں، اپنی روح ڈال رہا ہوں، تمھیں اس کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ تو جب آپ کے اندر روحانی طاقت آ جاتی ہے۔ تو وہی انسان کی اصل طاقت ہے۔ پھر وہ مسجود ملائک ہے۔

اب کچھ لوگ وہ ہیں کہ جو اس طاقت کی شروع سے ہی حفاظت کرتے ہیں کہ میری اصل طاقت محفوظ رہے۔ امام غزالی نے ایک بڑی خوبصورت مثال دی ہے، احیاء العلوم میں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جیسے ایک سوار ہوتا ہے اور ایک سواری ہوتی ہے۔ ایک گھوڑا ہے، وہ سواری ہے اور آپ اس کے سوار ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اگر سوار طاقتور ہو گا تو سواری کو اپنی مرضی سے لے کے جائے گا اور اگر سواری طاقتور ہوئی تو تجھے گرا دے گی۔ فرماتے ہیں کہ یہ جو میرا جسم ہے، یہ سواری ہے، اس کا سوار روح ہے۔ جب روح طاقتور ہوتی ہے تو اس جسم کو پھر روح اپنی مرضی سے چلاتی ہے اور اگر یہ تیری سواری طاقتور ہو گئی تو پھر تو فساد کرتا پھرتا ہے۔ تو روزہ کس لیے ہے کہ میرا سوار طاقتور ہو جائے۔ یہ سواری کمزور ہو جائے تو جو شروع سے ہی اس سوار کی طاقت کو قائم رکھتے ہیں ان کے پھر

[1] سورۃ البقرۃ:30

بدن بھی بدبودار نہیں ہوتے۔ ان کا مادی جسم بھی فساد پیدا نہیں کرتا۔ ان کا مادی وجود بھی خرابی پیدا نہیں کرتا۔ مادی وجود خرابی اس وقت پیدا کرتا ہے جب اس کی روح کمزور ہوتی ہے۔

توروزے کا یہ فلسفہ جو ہے یہ میں آپ تک پہنچانا چاہتا تھا کہ دیکھیے دو چیزیں ہیں انسان کے اندر اس سواری کو کنٹرول کرنے کے لیے۔ پہلی چیز ہے صبر۔ یہ بات پھر کسی دن تفصیل سے اللہ نے موقع دیا تو ہو جائے گی۔ جو صابر نہیں ہوتا وہ شاکر بھی نہیں ہوتا۔ یہ دونوں چیزیں آپس میں جڑی ہوئی ہیں۔ جو صابر ہوتا ہے، صبر کرنے والا، وہی شکر کرنے والا ہوتا ہے۔ بھائی صبر کا آپ کو پتہ ہے ناں کہ کم از کم اجر جنت ہے۔ یہ چھوٹے سے چھوٹا ہے۔ اس کے لیے پھر ہمیں کم از کم دو تین نشستیں چاہییں کہ صبر جو ہے آپ کو جنت تک کیسے لے کے جاتا ہے؟ لیکن میں ایک دو جملے اس پہ عرض کر دوں۔ چونکہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے۔ میں شام تک ہر چیز سے avoid کرتا ہوں۔ بچتا ہوں اس لیے کہ میرا مالک نہ ناراض ہو جائے۔ خالق نہ ناراض ہو جائے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مارکیٹ میں میری دکان بند ہو گئی، یعنی کاروبار ختم ہو گیا تو اس مصیبت پہ میں نے صبر کرنا ہے۔ جوان بیٹا تھا فوت ہو گیا، صبر کرنا ہے۔ بھائی بہنیں ظلم کرتے ہیں تو میں نے صبر کرنا ہے۔

آپ کے ہاں یہ تصور ہے صبر کا، کہ یہ معاشرہ مجھے تکلیف پہنچا رہا ہے اور میں نے اس تکلیف پہ صبر کرنا ہے۔ لیکن میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تین درجے بیان فرمائے۔ آج بس اتنا سا سبق یاد ہو جائے گا ناں تو کافی ہے۔ ایک ہے یہ جن چیزوں کا میں نے ذکر کیا۔ اولاد کی تکلیف ہے، بیوی کی تکلیف ہے، کاروبار کا مسئلہ ہے، معاشی مسائل ہیں جیسے آج کل ہمارے ملک میں بہت زیادہ ہیں، کسی کی فوتیدگی ہو گئی، بیماری آگئی۔ اس صبر پہ 300 گنا اجر ملتا ہے۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اس سے اوپر کا ایک صبر ہے۔ ہم حیران ہو رہے ہوں گے کہ جوان بیٹا کسی کا فوت ہو گیا، کسی کی دکان ہی بند ہو گئی، کوئی جان لیوا بیماری آگئی تو اس سے بڑا بھی کوئی صبر ہے؟ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کرنے میں جو تکلیفیں آتی ہیں، اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے راستے میں جو تکلیفیں آتی ہیں، وہ اس سے بڑا صبر ہے۔ حضرت بلال کا صبر کوئی کوڑے کھانے پہ تھا؟

آگ پہ، تپتی ہوئی ریت پہ لیٹنے پہ تھا؟ اللہ کی اطاعت کے راستے میں رکاوٹوں پہ صبر کرنا تھا۔ آپ تو ذرا سا کہہ دیتے ہیں ناں کہ یار سردی ہے تو وضو کیسے کریں گے؟ پانی بڑا ٹھنڈا ہے۔ اگر آپ نماز کے لیے ٹھنڈے پانی سے بھی وضو کرتے ہیں تو وہ صبر بھی اللہ کی بارگاہ میں بڑا عزت والا ہے۔ رات کے اندھیرے میں آپ مسجد میں آتے ہیں تو وہ صبر بھی اللہ کو بڑا عظیم ہے۔ تو ایک تو وہ صبر تھا جس کا میں نے پہلے ذکر کیا۔ یہ میں بہت مختصر آپ کے سامنے بات کر رہا ہوں۔ دوسرا صبر اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے راستے میں جو رکاوٹیں آتی ہیں، ان پہ صبر۔ بس جی میں جمعہ پڑھنے جانے لگا تھا کہ فلاں جگہ جانا پڑ گیا۔ بارش ہو گئی۔ دکان پہ گاہک آ گئے۔ نیند کا غلبہ بڑا تھا۔ تو یہ ساری رکاوٹیں چھوڑ کر اللہ کی اطاعت کی طرف آنا۔ اس پہ 600 گنا اجر ہے۔ بیٹے کی موت پہ تو نے جو صبر کیا تھا وہ 300 گنا تھا اور اس کی اطاعت کے راستے میں جو رکاوٹیں آئیں، ان پہ جو تو نے صبر کیا وہ 600 گنا ہے۔ اب اس کا تیسرا درجہ جو بیان کیا کہ اللہ کی نافرمانی سے رُک جانا۔ ایک تو ہے کہ اطاعت کے راستے میں رکاوٹ۔ ایک ہے کہ اس کی نافرمانی کے لیے سارا ماحول موجود ہے اور پھر رُک جانا۔ وہ جو سات خوش نصیب ہیں، جو اللہ کے عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے ان میں بھی ایک وہ بھی ہے ناں کہ ایک بڑے منصب والی، صاحب اقتدار، حسن و جمال والی عورت تجھے برائی کی دعوت دے، کسی نوجوان کو اور اس کا نفس بھی اس کی طرف مائل ہو۔ کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ تو اس گناہ سے بچنے کے لیے جو تو اپنے نفس کے ساتھ صبر کرتا ہے، یہ سب سے بڑا صبر ہے۔ تو گناہ کر سکتا تھا، ماحول بھی موجود تھا۔ chances سارے موجود تھے، لیکن تو نے اللہ کی معصیت نہیں کی۔ نافرمانی نہیں کی۔ اس کا 900 گناہ اجر ہے۔ کیا کروں جی، وہ بھائی نے شادی پہ بلایا تھا۔ نہ جاتے تو ناراض ہو جاتا۔ پھر مہندی پہ وہاں شراب بھی تھی، کنجر خانہ بھی تھا۔ اس ساری معصیت سے صبر کے ساتھ، لوگوں کی باتیں بھی سننا، رشتہ داروں کی باتیں سنو، تمسخر بھی اڑائیں تو صبر کرنا۔

اچھا ایک بڑی عجیب بات میں آپ کو بتاؤں۔ یہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب اللہ فرماتا ہے ناں اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یہ بھائی صبر کا مہینہ ہے ناں۔ صبر کا معنی ہے اپنے آپ کو روک لینا۔ تو یہ ایک بڑی عجیب ویسے بات ہے، میں نے اس کی تفصیل میں نہیں جانا۔ جتنے لوگ اس کو follow کر پائیں۔

اللہ کہتا ہے کہ میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں۔ تو بجائے اس کے کہ وہ صبر کرنے والے کے ساتھ رہے، وہ مصیبت کو دور کیوں نہیں کر دیتا؟ بھائی مجھے جو بیماری کی تکلیف ہے، میں بیماری پہ صبر کر رہا ہوں تو وہ میری بیماری ہی دور کر دے؟ بیماری تو دور نہیں کرتا، کہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ میری تنگ دستی تو دور نہیں کرتا، کہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ ایوب علیہ السلام نے تو ایک دن بھی نہیں پوچھا تھا، جبریل روز آتے تھے۔ اللہ پوچھتا ہے اب کیا حال ہے؟ ایک دن بھی نہیں کہا کہ مولا تو تو قدرت رکھتا ہے، حال تو پوچھتا ہے، میری بیماری کو دور کر دے۔ تو بندہ مومن تکلیف میں بھی ہوتا ہے۔ لوگوں کے طعنے بھی سنتا ہے۔ باتیں بھی سنتا ہے لیکن مطمئن ہوتا ہے کہ میرا اللہ تو میرے ساتھ ہے۔ اب یہ ہے وہ اجر جہاں میں آپ کو لے کے آنا چاہتا تھا کہ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، جب میں کبھی یہ روایت دیکھتا ہوں، ان لوگوں کو کیا پتہ کہ ان اللہ مع الصابرین کیا ہے۔ سرکار نے فرمایا، یہ جو حدیث ہے ناں یہ سارے بیان کرتے ہیں کہ اس کا کم از کم اجر جنت ہے۔ صبر کا تھوڑے سے تھوڑا اجر جنت ہے۔ اِسکی وجہ ہے، بڑے سے بڑا تو اللہ جانتا ہے، تھوڑے سے تھوڑا اجر جنت۔ میری سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے جو میری خاطر صبر کرتا رہا، اب مجھے حیاء آتی ہے کہ میں محشر میں اس کے لیے میزان کھڑی کر دوں۔ اب میں اس کا حساب لیتا پھروں۔ اس نے تو یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ یا اللہ بیماری ہی دور کر دے، تو جو میرے ساتھ ہے۔ نہیں۔ وہ بیماری میں صبر کرتا رہا کہ تکلیف تو ہے لیکن کیا ہے جب اللہ میرے ساتھ ہے۔ اب میں اس سے حساب لوں گا؟ اللہ فرماتا ہے کہ مجھے حیاء آتی ہے کہ میں صابر کے لیے میزان کھڑی کروں۔ اس لیے فرمایا کہ اس کا کم از کم اجر جنت ہے۔ اس کے لیے تو میزان ہی کھڑی نہیں کی جاتی۔

لیکن تکلیف اس بات کی ہے کہ ہر مادی کام کو سیکھنے کے لیے میرے پاس وقت بھی ہے، فکر بھی ہے، سوچ بھی ہے۔ میں نے ڈرائیونگ سیکھنی ہے تو کسی ڈرائیور کے پاس جاؤں۔ کسی اکیڈمی میں ڈرائیونگ سکول میں جاؤں۔ سلائی سیکھنی ہے تو کسی استاذ کے پاس جاؤں۔ یہ عمارت بنانی ہے تو کسی کا شاگرد بن جاؤں۔ فزکس پڑھنی ہے تو کسی فزکس والے کے پاس، میتھ پڑھنا ہے کسی میتھ والے کے پاس، دل کا علاج کروانا ہے تو کسی دل والے ڈاکٹر کے پاس جاؤں۔ ہے ناں یہ سارے معاملات؟ لیکن کبھی سوچا نہیں آپ نے کہ یہ ساری چیزیں میری زندگی کے لیے ہیں۔

مکان میری زندگی کے لیے ہے۔ اگر زندگی نہیں ہے تو مجھے مکان کی کیا ضرورت؟ مجھے گاڑی کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے خوراک کی کیا ضرورت؟ نہیں ہے ناں۔ کیا میں یہ زندگی گزارنا بھی کسی کے پاس سیکھنے کے لیے جاتا ہوں؟ کتنے لوگ ہیں جن کے ذہن میں یہ ہے کہ میں زندگی گزارنا بھی سیکھوں؟ لوگ آتے ہیں، سرکار شادی کی تھی بچے کی، گھر میں بڑی پریشانی ہے۔ بہو کہنا نہیں مانتی۔ بیٹا بھی سرکش ہو گیا۔ کیا اپنے بچوں کو زندگی گزارنا سکھایا تھا؟ جب تم رشتہ دیکھنے گئے تھے تو پوچھا تھا کہ اس بچی کو زندگی گزارنے کا بھی سلیقہ آتا ہے کہ نہیں؟ میں نے تو کئی دفعہ یہاں یہ بات کی ہے کہ ان بدبخت عورتوں کو ساتھ نہ لے کے جایا کریں جو جا کے بچیوں کا دل دکھاتی ہیں کہ تیرا قد اتنا ہے، تیرے دانت ایسے ہیں، تیرا ماتھا ایسا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں پہ تنقید اور اس کو پھر وہ سمجھتی ہیں کہ ہم بڑی ہوشیار چالاک ہیں۔ نہ۔ نہ۔ کبھی ذہن میں بھی آیا ہے کہ زندگی گزارنے کا بھی سلیقہ آتا ہے کہ نہیں۔

یہاں ماشاءاللہ جمعہ پڑھنے کے لیے دور دراز سے آپ تشریف لائے۔ یہاں آپ کی مسجد میں موجود ہیں وہ، میں دیکھ رہا ہوں ان چہروں کو، بچے کہتے تھے کہ جھوٹ نہ بولیں تو لوگ مال نہیں خریدتے۔ زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھنے کے لیے یہاں آئے۔ میں نے کہا بیٹا یہ نیت کر کے، ارادہ کر کے جانا کہ ہم نے سچ کے ساتھ سودا بیچنا ہے۔ کہنے لگے جی لوگ خریدتے نہیں ہیں۔ میں نے کہا ذہن میں یہ بھی نیت کر کے جانا کہ کوئی نہیں خریدے گا تو میں سودا واپس لے آؤں گا۔ اور اللہ نے ان کی سچائی کے راستے کھول دیے۔ انہوں نے کہا جب مال کا عیب بتانا شروع کیا تو لوگوں نے وہ جو نقص والا مال ہوتا تھا اس کے بھی اصل قیمت دینی شروع کر دی۔ یہاں کتنے لوگ بیٹھے ہیں جنہوں نے رشوت سے توبہ کی۔ زندگی گزارنا بھی کبھی سیکھنا ہے یا نہیں سیکھنا؟ یہ تو نہیں ہو سکتا میں اپنے بچے کو گاڑی نہیں دیتا کہ جب تک تجھے ڈرائیونگ نہیں آتی، تو مار دے گا۔ کسی دیوار کو مارے گا۔ کسی انسان کو مارے گا۔ فساد کرے گا۔ گاڑی کا بھی نقصان کرے گا۔ اپنی جان کو بھی نقصان پہنچائے گا۔ جس بچے کو تم نے زندگی گزارنا نہیں سکھائی وہ بھی یہی فساد کرے گا۔ وہ کسی بھائی کو مارے گا۔ کسی بہن کو مارے گا۔ ماں باپ کو مارے گا۔ بیوی بچوں کو مارے گا۔ کتنے لوگ ہیں جن کو یہ پتہ ہے کہ بہن بھائی برا سلوک کریں تو تم نے اچھا سلوک کرنا ہے۔ صلہ رحمی کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ان کی ہدایت کے لیے دعا کرنی ہے۔ کتنے لوگوں کو پتہ ہے کہ میں نے اپنے ہمسایوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے؟

کتنے لوگوں کو پتہ ہے کہ میرا ارد گرد جتنی بھی چیزیں ہیں ان کے ساتھ میرا تعلق کیا ہے؟ حقوق کیا ہیں؟ فرائض کیا ہیں؟ جب دو بچوں کی آپ زندگی گزارنے کا سلیقہ بتائے بغیر شادی کریں گے تو وہ بچے فساد ہی کریں گے اور کیا کریں گے۔ لیکن پہلے یہ تو سوچ ہو کہ میں زندگی گزارنا سیکھنی ہے۔ دیکھیے میں اس کے بچوں کو مثال بھی دیا کرتا ہوں کہ آپ بیماری میں پھنس گئے تو کیا کرتے ہیں؟ آپ کہتے ہیں کہ کوئی ایسا ڈاکٹر مل جائے جو مجھے اس بیماری سے نکال دے۔ آپ تنگدستی میں پھنس گئے تو آپ کہتے ہیں کوئی صاحب حیثیت بندہ ملے جو میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے اس تنگدستی سے نکال دے۔ تو جب آپ اللہ کی نافرمانی اور معصیت کی زندگی میں پھنس گئے تو اب آپ کو کسی ہاتھ کی ضرورت نہیں جو گناہ کی زندگی سے تمہیں نکالے؟ اسی کو مرشد کہتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ یہ بات میں اس لیے کر رہا ہوں کہ جمعہ پڑھنے تو سارے آتے ہیں لیکن کیا کوئی زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی سیکھنے آتا ہے؟

بڑھیا مثال زندگی گزارنے کے حوالے سے، علامہ اقبال کو جب انگریز سر کا خطاب دینے لگے۔ ادھر گورنر ہاؤس میں تقریب ہوئی۔ تو علامہ اقبال نے کہا کہ میں اس وقت تک یہ خطاب نہیں لوں گا، یہ عزت نہیں لوں گا، جب تک اس شخص کو عزت نہیں دی جاتی جس نے مجھے اقبال بنایا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ میں نے ایم اے کیا ہے، پی ایچ ڈی کی ہے، بڑی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو یہ اعزاز کسی کتاب پہ، کوئی کتاب لکھتا ہے یا کوئی علمی کام کرتا ہے تو اس پہ دیتے ہیں۔ تو تمہارے استاد محترم مولوی میر حسن صاحب رحمت اللہ تعالیٰ علیہ، ان کے لیے خطاب کہہ رہے ہو کہ پہلے ان کی کوئی عزت افزائی کرو۔ تو ان کی کوئی تصنیف؟ کوئی کتاب انہوں نے لکھی ہو؟ تو وہ جملہ ہلا دیتا ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ اس کی سب سے بڑی تصنیف، اس کی سب سے بڑی کتاب میں تمہارے سامنے ہوں۔ جس نے ایک گدھے کو انسان بنایا ہے۔ جب تک آپ کو کوئی زندگی گزارنے کا سلیقہ نہیں بتاتا، تب تک گدھوں والی زندگی ہے۔ کیا علامہ اقبال ساری زندگی ایک استاد سے ہی پڑھے تھے؟ پرائمری سے لے کے پی ایچ ڈی تک ایک ہی استاد تھے؟ اصل استاد وہ ہے جو زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ ہم یہاں کئی دفعہ گفتگو کے دوران کیا کہتے ہیں کہ اس معاملے میں ہمارے حضرت صاحب نے یہ فرمایا، اس معاملے میں یہ فرمایا۔ تو یہ نہیں ہوتا کہ آپ کو

بیماری سے نکالنے کے لیے تو کسی ہاتھ کی ضرورت ہو۔ تنگدستی سے نکالنے کے لیے کسی ہاتھ کی ضرورت ہو اور اس بری زندگی سے نکالنے کے لیے بھی تو کسی ہاتھ کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ ہمارے سلسلہ عالیہ چشتیہ کا ایک اعزاز ہے کہ اللہ تک یہ خواجہ نظام الدین اولیاء کا جملہ ہے۔ یہ میرا جملہ نہیں ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تک پہنچنے کے بہت سے راستے ہیں۔ آپ نماز پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ تسبیحات کرتے ہیں۔ بڑے طریقے ہیں۔ عبادات کے طریقے ہیں، معاملات کے، اخلاقیات کے لیکن سب سے بہتر اور جلدی پہنچنے والا طریقہ مخلوق خدا کی خدمت ہے۔ علامہ اقبال مولوی میر حسن سے اتنے متاثر کیوں تھے؟ میں صرف ایک بات آپ کو عرض کر دوں کہ مولوی میر حسن صاحب کو جب مہینے کے بعد تنخواہ ملتی تھی۔ یہ بڑی عجیب بات آپ کو سنانے لگا ہوں تاریخ سے۔ پورا مہینہ وہ دکانوں سے اُدھار سودا لیا کرتے تھے۔ تو تنخواہ ملتی تو پہلے ناں وہ دکانوں پہ جاتے اور سب کا، دودھ والے کا، کریانے والے کا، سب کے ادھار دیتے۔ پھر یہ جو سیالکوٹ والا قلعہ ہے اس کی سیڑھی پہ آ کے وہ بیٹھ جاتے تھے اور لوگوں کو پتہ ہوتا تھا وہ دن مقرر ہوتا تھا تو ضرورت مند لوگ آ جاتے۔ تو باقی ساری تنخواہ ان میں تقسیم کر دیتے۔ علامہ اقبال ان سے جو متاثر ہوئے تھے اور پھر ہاتھ جھاڑ کے اُٹھتے تھے اور ایک جملہ بڑا کمال کا کہتے تھے۔ مولوی میر حسن صاحب رحمت اللہ تعالیٰ علیہ، جب وہ ہاتھ جھاڑ کے اُٹھتے تو کہتے "نہ کول کوئی پیسے ہون گے نہ زکوۃ فرض ہوئے گی"۔ نہ ہم جمع کرتے ہیں اور نہ ہم پہ زکوۃ فرض ہوگی۔ اس لیے پہلے تو خود سوچیں کہ ہمیں یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ میں 50،60،70 سال کا ہو گیا ہوں تو میں اب سیکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ نہیں۔ زندگی گزارنا سیکھیں۔

دین، میں نے آپ کو کئی دفعہ کہا ہے کہ صرف دو چیزوں کا نام ہے۔ عبادت اللہ کی کرنی ہے اور زندگی عدل سے گزارنی ہے۔ میرے اردگرد، وہ جاندار چیزیں ہیں یا بے جان چیزیں ہیں، یہ جملہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ میرے اردگرد جاندار چیزیں ہیں یا بے جان چیز ہیں ان سب چیزوں کے ساتھ میں نے عدل کیساتھ رہنا ہے۔ تو دین نام ہے تسلیم کا، اطاعت کا، اس اطاعت کو میں نے کرنا کیسے ہے؟ اس کو شریعت کہتے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے ناں کہ

میں اللہ کی اطاعت کروں گا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں گا۔ میں نے اُن کی حاکمیت کو تسلیم کرلیا ہے۔ تو دین نام ہے تسلیم کا، کہ میں اطاعت کروں گا اللہ رسول کی۔ کروں گا کس طریقے سے؟ اس کا نام شریعت ہے۔ تو یہ ایک علیحدہ موضوع ہے لیکن آپ کے ذہن میں یہ ہونا چاہیے کہ وہ طریقے مجھے پتہ ہونا چاہیے کہ میں نے اپنے ہمسایوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔ بیوی بچوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔ بہن بھائیوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔ مستری مزدور کا تعلق کیا ہے۔ استاذ اور شاگرد کا تعلق کیا ہے۔ یہ کوئی زندگی مذاق نہیں ہے یہ سیکھنی پڑتی ہے۔ اور میں نے آپ کو بتایا ناں کہ یہاں کتنے لوگ ہیں جن کی زندگی میں انقلاب آیا، تبدیلی آئی۔ طلب لے کے آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راستے کھول دیے۔

تو ایک تو یہ آج جو ہم نے عرض کی کہ آپ کی اصل طاقت کیا ہے آپ کی روح ہے۔ وہ سوار ہے۔ اس کو طاقتور بنانا ہے اور صبر کے بھی تین درجے ہیں اور زندگی گزارنے کا سلیقہ اپنے بچوں کے لیے بھی سوچیں کہ ہماری بچیوں کو زندگی کا سلیقہ آئے، ہمارے بچوں کو۔ یہ نہیں ہے کہ اچھا وہ آپ ہی گزار لیں گے۔ ایسے تو نہیں ہوتا کہ عمارت خود ہی بن جائے گی۔ ڈرائیونگ خود ہی آجائے گی۔ ایسے نہیں ہوتا۔ سیکھنا پڑتا ہے۔ یہ تدریجاً ہوتا ہے۔ اینٹ پہ اینٹ رکھنی پڑتی ہے۔ اس کیلئے جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ مسلسل کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے اللہ فرماتا ہےهَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ[1] کہ جو علم سیکھنے گئے اور جو نہیں سیکھنے گئے۔ میں دونوں کو برابر کردوں گا؟ یہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ ایک وہ تھے جو زندگی کا سلیقہ سیکھنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ایک وہ تھے جو نہیں گئے۔ تو کیا ہم دونوں کو برابر کردیں گے؟ ایسے نہیں ہوتا۔ تو جو سب سے اہم چیز تھی زندگی، جس کے لیے سب کچھ تھا، باقی سب کچھ سیکھ لیا اور زندگی گزارنا نہیں سیکھا۔ انسان کو اپنے نفع نقصان کا علم ہونا چاہیے۔ تو یہ قرآن کریم اسی لیے ہے کہ رمضان میں ہم نے قرآن نازل کیا تاکہ ہدایت کے راستے کا آپ کو علم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] سورۃ الزمر:9

رمضان اور وطن عزیز

قرآن: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِۚ-فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ-وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَؕ-یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘-وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(185) سورة البقره

ترجمہ:- رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتوں (پر مشتمل ہے۔) تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور (یہ آسانیاں اس لئے ہیں) تاکہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کرلو اور تاکہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

خاکہ:-

1۔ انسان سے بھوک پیاس والی مشقت کیوں لی جاتی ہے؟

2۔ جب آنکھ بند ہونے لگتی ہے تب آنکھ کھلتی ہے۔ 3۔ مولا علی سرکار کی اپنے بچوں کو وصیت۔

4۔ پاکستان تو اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے کیے بنایا گیا تھا۔ 5۔ ووٹ کا اختیار کیا ہے؟

6۔ زمین پہ امتحان کس بات کا لیا جارہا ہے؟ 7۔ صدقہ فطر اپنے دستر خوان کے حساب سے دینا ہے۔

8۔ شیخِ فانی کس کو کہتے ہیں؟ 9۔ اللہ اگر کوئی چیز واپس لے لے تو مایوس نہ ہونا، اس لیے کہ جس نے سب کچھ واپس لیا ہے وہ پھر دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ (حضرت ایوبؑ)

آخری عشرے میں آپ داخل ہو گئے اور یہ انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے اگر وہ جہنم سے بچ گیا۔ اگر کوئی انسان جہنم سے بچ گیا تو اس سے بڑی کامیابی اور کوئی نہیں۔ تو اس لیے اس عشرہ رحمت اور مغفرت کے بعد جہنم سے آزادی کا عشرہ ہے اور ہمیں یہ مواقع اللہ تعالیٰ نے عطا کیے کہ ہم اپنی دنیا بھی بہتر کریں، اپنی آخرت بھی بہتر کریں۔

موضوع ہمارا چل رہا تھا کہ روزہ مادی دنیا سے روحانی دنیا کی طرف ایک سفر کا نام ہے۔ عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی جانب سفر کا نام ہے۔ تو میں سوچتا رہا ہوں؛ چونکہ پہلے جب کوئی گفتگو ہوتی ہے تو بہت سے لوگ اس پہ سوالات کرتے ہیں۔ پوچھتے ہیں۔ لیکن اس موضوع پہ ابھی تک کسی نے پوچھا نہیں کہ یہ سفر ضروری کیوں ہے؟ مثلاً کیوں اتنی مشقت انسان کو کروائی جا رہی ہے بھوکا پیاسا رکھ کے کہ وہ یہ سفر ضرور کرے۔ تو یہ میں بڑا حیران ہوا ہوں کہ کسی بھی طرف سے یہ سوال نہیں پوچھا گیا کہ یہ سفر ضروری کیوں ہے؟ تو میں نے کہا کہ چلو میں خود ہی یہ سوال اٹھا کے اس پہ چند جملے عرض کر دیتا ہوں۔ یہ سفر ضروری اس لیے ہے کہ انسان کا جو مقصد حیات ہے، مجھے اللہ نے پیدا کس لیے کیا ہے وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[1]۔ لیعبدون اصل میں لیعرفون۔ تو میری زندگی کا مقصد ہے کہ میں اپنے خالق کی معرفت حاصل کروں۔ تو مادے کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ نور کی معرفت حاصل کر سکے۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ یہ مادہ پہلے نور کی طرف سفر کرے۔ ملکوت کی طرف سفر کرے تاکہ وہ مشاہدہ حق کر سکے اور اپنے مقصد حیات تک پہنچ جائے۔ دیکھیے اگر مجھے اس بات کا ہی علم نہیں ہے کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ مجھے کہاں جانا ہے؟ میرے راستے کی رکاوٹیں کیا ہیں؟ فلسفے میں ایک جملہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کمرہ ایسا ہو جس میں نہ دروازہ ہو، نہ کوئی کھڑکی ہو، نہ روشن دان ہو، تو وہ کمرہ آپ کی موت کا کمرہ ہے۔ وہ رہائش جو ہے وہ آپ کی موت کی رہائش ہے۔ وہ کسی زندہ انسان کی رہائش نہیں ہے۔ جس کے در و دیوار میں نہ روشنی داخل ہوتی ہو، نہ ہوا داخل ہوتی ہو۔ تو جس انسان کے دل میں اللہ کے نور کی تجلیات داخل نہیں ہوتی وہ مردہ دل

[1] سورۃ الذریت:56

ہوتا ہے۔ اور وہ میرا مرشد ہے محسن ہے جو اس کمرے کے اندر کوئی ایک روشن دان کر کے مجھے باہر کی تجلیات تو دکھادے۔ مجھے میرے سفر سے آگاہ کرے۔ تو یہ مقصد حیات ہے کہ میں نے اپنے اللہ کی معرفت حاصل کرنی ہے، پہچان حاصل کرنی ہے۔ میں اس دنیا میں کیوں آیا ہوں اور میری منزل کیا ہے؟ وہاں میں نے کامیاب کیسے ہونا ہے؟ جب تک میں اس دنیا میں ہر کام اپنی آخرت کو دیکھ کے نہیں کرتا، یہ میری زندگی ناکام ہو جائے گی۔ کئی لوگ یہ پوچھتے ہیں، جو اللہ کو نہیں مانتے ان کی زندگی تو بڑی آسان ہے۔ جو اللہ کے دشمن ہیں ان کی زندگیاں تو بڑی آسان ہیں۔ سود خوروں کی، رشوت خوروں کی، چوروں ڈکیتوں کی زندگیاں، کفار کی زندگیاں تو بڑی آسان ہے۔ سادہ سی بات کرنے لگا اگر ایک آدمی بے ہوش پڑا ہے تو اس کی زندگی آسان نہیں ہوتی۔ کوشش کی جاتی ہے اس کے منہ پہ پانی پھینکو تاکہ یہ ہوش میں آئے۔ اس کو ہاسپٹل پہنچاؤ تاکہ یہ ہوش میں آئے۔ جو اللہ ہی سے غافل بے ہوش پڑا ہے اس کی زندگی آسان کیسے ہو گئی؟ اس کی زندگی تو برباد ہو گئی۔

اسی لیے میرے مولا علی سرکار کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تھا کہ انسان کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب بند ہونے لگتی ہیں۔ شہادت کے وقت فرمایا تھا یہ میرا پیغام جہاں تک پہنچ سکے، لکھا ہوا پہنچ سکے، کوئی زبانی پہنچا دے، حسنین کریمین سے فرمایا تھا، کہیں اللہ سے غافل نہ ہونا، اس قرآن سے غافل نہ ہونا۔ تیسرا جملہ فرمایا تھا امر بالمعروف و نہی المنکر نہ چھوڑنا ورنہ تمہارے اوپر ظالم حکمران مسلط ہو جائیں گے۔ مولا علی سرکار وقت شہادت پہ امت کو فرما رہے تھے کبھی زندگی میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ چھوڑنا۔ یہ چھوڑ دو گے تو ظالم لوگ تمہارے حکمران بن جائیں گے۔ تم سے آٹا چھین لیں گے۔ تمہاری دولت چھین لیں گے۔ تمہیں ذلیل و رسوا کر دیں گے۔ ہمیشہ حق کا ساتھ دینا۔ ظالم کے خلاف کھڑے ہونا۔ مظلوم کے ساتھ کھڑے ہونا۔ یہ وصیت تو میں آپ کو سناتا ہوں۔ اچانک میرے ذہن میں ایک واقعہ آ گیا۔ سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم دمشق جا رہے تھے۔ ملکِ شام کا سفر تھا۔ تو راستے میں کچھ دیہاتی ملے۔ یہ نہج البلاغہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے واقعہ۔ میں صرف چند اس کی باتیں آپ کو عرض کر دیتا ہوں۔ اگر تفصیل سے پڑھنا ہو تو نہج البلاغہ میں موجود ہے۔ تو وہ دیہاتی جو تھے وہ اپنی سواریوں سے نیچے اتر گئے۔ پتہ چلا کہ امیر المومنین، بادشاہ وقت، امیر ہمارے آ رہے ہیں۔ تو اپنی سواریوں سے اتر

کے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سواری کے ساتھ پیدل دوڑنا شروع کر دیا۔ پرسوں 21 رمضان المبارک تھی تو اس شہادت کا ذکر ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم یہ مشقت کیوں اٹھا رہے ہو؟ یہ تکلیف کیوں اٹھا رہے ہو؟ ظاہر ہے ایک بندہ گھوڑے پہ ہے، ایک پیدل ہے، تو اس کو تو دوڑ کے ساتھ جانا پڑے گا ناں۔ مشقت اٹھانی پڑے گی۔ تو مولا علی سرکار نے فرمایا تم یہ مشقت کیوں اٹھا رہے ہو؟ انہوں نے کہا جی یہ ہمارا کلچر ہے۔ تمدن ہے۔ ہماری تہذیب ہے کہ ہم اپنے بادشاہوں کا استقبال ایسے ہی کرتے ہیں۔ ان کو پروٹوکول دیتے ہیں کہ ان کی سواریوں کے ساتھ پیدل چلتے ہیں، دوڑتے ہیں ان کی عزت افزائی کے لیے۔ تو وہ جملہ نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ یہ ہمارے اخلاق ہیں۔ یہ ہمارے اخلاق کی نشانی ہے کہ ہم اپنے امیر کا، بادشاہ کا ایسے ہی استقبال کرتے ہیں۔ تو مولا نے فرمایا کہ اس اخلاق سے تمہارے امیر کو تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ تم اس کی سواری کے ساتھ پیدل دوڑو گے تو تمہارے بادشاہ کو کیا حاصل ہو گا؟ تمہارے امیر کو تو اس مشقت سے، اس تکلیف سے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور اگر اس لیے وہ یہ تم سے کام کرواتے ہیں کہ ان کے تکبر میں اضافہ ہو کہ یہ مخلوق گھٹیا ہے اور ہم اعلیٰ ہے تو وہ تو امیر بننے کے قابل ہی نہیں تھا۔ جس کی سوچ میں یہ کمینگی ہو کہ میں چلوں اور میرے ساتھ لوگ پروٹوکول کے لیے دوڑیں، وہ تو امیر بننے کے ہی قابل نہیں تھا۔ تم نے ایسے لوگوں کو اپنا امیر بنا لیا؟ اپنا بادشاہ بنا لیا؟ جو انسان کی عزت نہیں کر سکتے، توہین کرتے ہیں انسانوں کی۔ کاش تم نے یہ مشقت اپنے اللہ کے لیے اٹھائی ہوتی۔ یہ مشقت تم نے اپنے ماں باپ کے لیے اٹھائی ہوتی۔ مشقت اٹھانی ہے تو اپنے ماں باپ کے لیے اٹھاؤ ناں کیونکہ وہ اللہ کا حکم ہے۔ مشقت اٹھانی ہے تو اپنے اساتذہ کیلئے، انبیاء کرام کیلئے، اولیاء کرام کیلئے اٹھاؤ، کن کی تعظیم کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ جن متکبروں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ عوام گھٹیا ہے اور ہم اعلیٰ ہیں، ان کو تو امیر بننے کا اختیار نہیں تھا۔ تم نے ایسے کمینے لوگوں کو اپنا امیر بنا لیا۔ یہ روایت میں نے بڑی دفعہ آپ سے عرض کی ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے۔ حدیث کی کتاب ہے مشکوٰۃ شریف کہ اگر کسی انسان کے دل میں بھی یہ خیال آجائے کہ میں جاؤں تو لوگ میرے استقبال کو کھڑے ہوں تو وہ شخص اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔

اچھا میں جب کبھی مجھ سے یہ ملکی حالات کے متعلق بات ہوتی ہے، اکثر دوست سوال کرتے ہیں، پوچھتے ہیں۔ کیوں کہ آپ کو پتہ ہے پاکستان بنا بھی یہ 27 رمضان المبارک کو تھا۔ آپ اس کو celebrate کرتے ہیں 14 اگست کو۔ اللہ نے تو آپ کو 27 رمضان المبارک کو دیا تھا تاکہ تمہیں اللہ کا احسان یاد رہے۔ اگلے دنوں بھی کچھ لوگوں نے پوچھا کہ یہ پاکستان کے حالات؟ میں نے کہا ایک بات ذہن میں رکھنا۔ اس برصغیر کے مسلمانوں نے اللہ سے یہ وعدہ کیا تھا، عرض کی تھی، یا اللہ تو ہمیں ایک خطہ زمین عطا فرما، ہم اس خطے پہ تیری مرضی سے زندگی گزاریں گے۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ یہی تھاناں۔ یہ ہمارے بچوں کو تو نہیں پتہ ہمارے حالات کیا تھے؟ ہمارے کسان کھیتی باڑی کرتے تھے، محنت مزدوری کر کے فصل اُگاتے تھے اور اس وقت تو یہ تھریشر وغیرہ یہ کمبائن مشینیں نہیں تھی؛ ہم نے تو وہ دور تھوڑا سا دیکھا ہے، جانوروں کے ساتھ اس کی گہائی کر کے، بھوسہ اور دانے علیحدہ کر کے، وہ بڑا مشقت والا کام تھا، توڑی دانے علیحدہ علیحدہ کرنا، تو جب ہمارے مسلمان کام کر لیتے تھے، ساری مشقت کر لیتے تھے تو ہندو آکے ان کے دانے اٹھا کے لے جاتے تھے۔ وہ ظلم آپ کو نہیں پتہ مسلمانوں کہ ہم کیوں اللہ سے وطن مانگ رہے تھے۔ ایک خطہ زمین مانگ رہے تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناح یہی فرمارہے تھے کہ دنیا کو بتائیں گے کہ ایک لیبارٹری کے طور پہ اس پاکستان کو کہ جہاں اللہ کا نظام ہوتا ہے وہاں کتنے خوشحالی ہوتی ہے۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اللہ نے وطن دے دیا۔ خطہ زمین دے دیا اور ہم نے اس وعدے کا پاس کیا کیا؟ ہم نے اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزاری؟ اللہ نے تو اپنا وعدہ پورا کر دیا، جب ہمارا وعدہ پورا کرنے کی باری آئی تو ہم نے بغاوت کی۔ ہم اللہ کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ انفرادی سطح پہ بھی، اجتماعی سطح پہ بھی۔ عوام کی سطح پہ بھی، اداروں کی سطح پہ بھی۔ اس لیے رمضان المبارک میں تمام اداروں کو، تمام افراد کو، اجتماعی توبہ کی ضرورت ہے۔ 1946 کی یہ جو اسمبلی تھی، یہ تقریباً سات سال چلی۔ جس کی وجہ سے یہ پاکستان بنا۔ یہ کوئی چھوٹا جرم نہیں ہے کہ میں نے اپنے اللہ سے وعدہ کیا تھا۔ میرے بچوں کو نہیں پتہ، اس نام پہ بھی اعتراض ہوا تھا، پاکستان پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ، پلیدوں کے لیے تو یہاں گنجائش ہی نہیں تھی چہ جائے کہ پلیدوں کو حکمران بنا دیا جائے۔ اس نام پہ بھی اس دور میں بھی اعتراض ہوا تھا۔ اگر تم نے پاک زندگی نہیں گزارنی تو اس کا نام ہی پاکستان نہ رکھو۔ یہ ظلم ہی نہ کرو کہ زندگی

پلیدوں والی گزارنی اور نام رکھنا کہ یہ پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ تمام رکاوٹیں، ظاہر ہے یہاں اتنا وقت نہیں ہوتا کہ تفصیل سے بات ہوسکے۔

اسمبلی کا اجلاس ہوا تو وہاں یہ بحث چل نکلی کہ حکمرانی کیسے ہوگی اس ملک پہ؟ چونکہ وعدہ یہ کیا گیا ہے کہ اس ملک پہ نظام اللہ کا چلے گا۔ تو 1973 کا بھی جو آئین ہے، چونکہ قرارداد مقاصد تو ہر آئین کا حصہ رہی ہے۔ وہ 1956 کا ہو 1962 کا ہو 1973 کا ہو۔ اس ہماری پہلی اسمبلی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ یہ ملک ہمیں اللہ نے دیا ہے، اس لیے اس ملک کا حاکم اعلیٰ بھی اللہ ہے۔ کوئی مولوی اس کا حاکم نہیں، کوئی پیر اس کا حاکم نہیں، کوئی سیاستدان اس کا حاکم نہیں۔ حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہے۔ اس اللہ کے حکم کو ہمارے اوپر نافذ کون کرے گا؟ یہ میں اپنے نوجوان بچوں کے لیے یہ آپ آئین کا دیباچہ پڑھیں گے ناں تو اس کے اندر یہ ساری باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اب ایک مولویوں کا گروہ کھڑا ہو جائے وہ کہے کہ میں اس زمین پہ نائب ہوں۔ اللہ کے حکم میں چلاؤں گا۔ تو وہاں پہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک بات پیش کی گئی۔ وہ بھی لکھی ہوئی ہے کہ اس زمین پر ہر انسان اللہ کا نائب ہے۔ اس لیے کسی گروہ کو یہ اختیار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اس ملک میں حکمرانی کرے۔ اب یہ سارے لوگ چونکہ اللہ کے نائب ہیں تو یہ لوگ فیصلہ کریں۔ کیا فیصلہ کریں؟ اپنے ووٹ کے ذریعے کہ ہمارے وہ حکمران ہوں جو ہمارے اوپر اللہ کا حکم نافذ کریں اور ہمارے مفادات کے لیے کام کریں۔ یہ تھا ووٹ کا اختیار لیکن ہم نے ایسے لوگوں کو ووٹ دیے جو اللہ کا حکم ہم پہ نافذ کریں؟ ہماری جو غلطی ہے ہم نے کہاں سے یہ لکھی ہوئی چیزیں تو موجود ہیں۔ اگر میں اس زمین پہ اللہ کا نائب ہوں اور میرے ذہن میں یہ ہے کہ اللہ کا نظام چلے، تو کیا میں نے حق حکمرانی جس کو دیا ہے ووٹ دیا ہے کیا وہ اس قابل ہے کہ وہ اللہ کا نظام اس زمین پہ نافذ کرے؟ وہ میرے مفادات کے لیے کام کریں؟ ہم نے پلید لوگوں کو ووٹ دیے، ہم نے بدمعاشوں کو ووٹ دیے۔ اللہ نے ہمیں وطن دیا تو ہم نے یہ وطن بدمعاشوں کے سپرد کر دیا۔ اس لیے ہمیں بھی توبہ کی ضرورت ہے۔

کیسے حکمران؟ یہ تو چھوٹا سا پاکستان ہے۔ مولا علی سرکار فرماتے ہیں اگر ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کی بادشاہت ملے۔ غور سے سننا یہ جملہ مولا علی سرکار کا۔ ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کی بادشاہت ملے اور اُدھر تمہیں خدشہ ہو کہ ایک کیڑی کے منہ سے ایک گندم کا چھلکا کہیں ظلم کے ساتھ چھینا جائے گا تو کبھی وہ بادشاہت قبول نہ کرنا۔ جو اللہ کا نظام اس دنیا پہ نافذ کرنے والے ہیں وہ تو ایک کیڑی کے منہ سے ایک گندم کے چھلکے کو بھی ظلم سے اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتے۔ اس لیے میں نے اس دن بابا سرکار کا جملہ آپ کے سامنے رکھا تھا اللہ نے رزق آپ کا بھیجا ہوا ہے۔ سب کا بھیجا ہوا ہے۔ چونکہ اس موضوع پہ ہم تفصیل سے بات کر چکے ہیں کہ امتحان اس دنیا میں کیا ہے کہ طاقت مجھے اللہ نے دی ہے اور اس طاقت کو استعمال کرنے کا اختیار مجھے دیا ہے؟ تو بابا جی سرکار کا جملہ میں نے آپ کو اس لیے بار بار سناتا رہتا ہوں۔ بابا جی فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ نے کیا فرمایا تھا کہ اگر کوئی بھوک سے مر رہا ہے تو اُدھر قریب ہی کوئی بد ہضمی سے بھی مر رہا ہے جس نے اس غریب کا رزق چھینا ہوا ہے اپنے اختیارات کی وجہ سے۔ تو وہ جو بد ہضمی سے مر رہا ہے اُسے چاہیے کہ وہ بھوکے کا رزق واپس کر دے تا کہ دونوں آسانی سے مر جائیں۔ پاکستان ہم نے اس لیے لیا تھا کہ ہمارے اوپر اللہ کا نظام، اللہ کی حکومت نافذ ہو۔ حاکمیت اعلیٰ جو ہے وہ اللہ کی ہے۔ آئین میں یہی لکھا ہوا ہے اور میرا اختیار یہ تھا کہ میں جب اپنا نمائندہ چاہے کونسلر چنوں، چیئرمین چنوں، ایم پی اے، ایم این اے چنوں تو کیا دیکھ کے کہ میرا نمائندہ وہ ہو جو اللہ کی حاکمیت کو مانتا ہو اور اللہ کی حاکمیت کو نافذ کرے۔ میرے شہر کا اے سی، ڈی ایس پی، کمشنر، کون ہوں؟ جن کو یہ پتہ ہو کہ ہم نے اللہ کی حاکمیت نافذ کرنی ہے۔

اللہ نے تو وعدہ پورا کیا اور ہم اپنے وعدے سے پھر گئے۔ تو اب ہم نے کیا کرنا ہے؟ بار بار میں آپ سے یہی بات عرض کرتا ہوں کہ اب آپ نے حکومتوں کی طرف نہیں دیکھنا۔ آپ نے اپنی ذمہ داری، اپنے قریبی رشتہ داروں میں، اعزاء واقربہ میں، اپنے ہمسایوں میں دیکھنا ہے، ضرورتمندوں کا خیال کرنا ہے۔ دیکھیے روزہ خالصتاً اللہ کی

عبادت ہے۔الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ[1] روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں۔ لیکن یہ جب میں روایت پڑھتا ہوں، آپ کے پورے اخلاص کے ساتھ، خلوص نیت کے ساتھ، پورا مہینہ، دن کو روزہ رکھا ہے، رات کو قیام کیا ہے، قرآن کی تلاوت کی، کوئی اس میں گڑبڑ نہیں ہے، اخلاص کے ساتھ رکھے ہیں؛ لیکن میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ روزے جو پورے اخلاص کے ساتھ رکھے گئے، وہ زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتے ہیں۔ لٹکے رہتے ہیں۔ جب تک ان روزوں پہ صدقہ فطر ادا نہیں کیا جاتا۔ یعنی آپ نے خالصتاً عبادت اللہ کے لیے کی، روزہ اللہ کے لیے رکھا، لیکن اللہ فرماتا ہے کہ اس کا اجر پھر بھی تمہیں نہیں ملے گا جب تک تیرے قریبی رشتہ داروں میں، تیرے ہمسایوں میں، جو بھوکے ہیں ان تک کھانا نہیں پہنچاتا تیرا روزہ قبول نہیں ہو گا۔ یعنی اس خالص عبادت کو بھی خدمت خلق کے ساتھ جوڑا ہے۔ مخلوق کے ساتھ جوڑا ہے۔ تو اس مخلوق پہ ظلم کرنے والا اس کا قریبی کیسے ہو سکتا ہے؟ اس دن بتایا تھا ناں میں نے آپ کو کہ روزہ آپ نے توڑا اللہ کا، وعدہ اللہ کا توڑا، تو اللہ فرماتا ہے معاف کر دوں گا، 60 مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ یعنی اللہ تک پہنچنے کا راستہ خلق خدا کی خدمت۔ تو اپنے روزوں کا صدقہ ادا کریں۔ اس کو تھوڑا سا expand کر دیا ناں۔ پھیلا دیا۔ مثلاً ایک بندہ مریض ہے، یہ آیت جو ہم پڑھتے ہیں کہ ظاہر ہے اس نے تو روزے نہیں رکھنے۔ بیمار ہیں جب وہ تندرست ہو گا تو اپنی گنتی پوری کرے گا لیکن صدقہ فطر اس نے بھی دینا ہے۔ کوئی مسافر ہے تو روزے تو اس نے مکمل نہیں رکھے وہ بعد میں پورے کرے گا لیکن صدقہ فطر اس نے بھی دینا ہے۔ یہ دیکھیے کہاں تک اس کو پھیلایا گیا۔ ایک شیخ فانی ہے، شیخ فانی اس بوڑھے کو کہتے ہیں 80، 90 سال کا ایسا بوڑھا جو اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ روزے نہیں رکھ سکتا۔ اس کو شیخ فانی کہتے ہیں۔ صدقہ فطر اس کا بھی دینا ہے۔ اس صبح تک اگر کوئی بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کا صدقہ فطر بھی دینا ہے۔ تو اس کو روزوں تک نہیں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بابرکت مہینے کو پھیلایا کہ وہ نابالغ بچے، وہ شیخ فانی، وہ مریض جنہوں نے روزے نہیں رکھے لیکن صدقہ فطر وہ بھی دیں۔ اب اس کی اہمیت کو دیکھیں کہ کیا ہے۔ تو یہ آدھا صاع گندم جو ہے۔ صاع، جو پیمانہ اس وقت تھا۔ جس

[1] صحیح البخاري / کتاب التوحید / حدیث:7492

سے یہ پیمائش کی جاتی تھی۔ یہ ایک کلو اور 920 گرام بنتے ہیں۔ قریب ترین دو کلو گرام۔ تو وہ average آٹا جو ہے وہ گندم کا، کہیں ظاہر ہے 120 روپے کلو ہے، کہیں 180 روپے کلو ہے، کہیں 150 ہے۔ تو اس کی average وہ یا 160،150 لگا لیتے ہیں۔300 یا 320، یہ کم از کم اور اگر آپ نے کھجوروں کا دینا ہے تو کھجوریں چار کلو دینی ہیں۔ کشمش وہ بھی چار کلو ہے۔ جو، جو ہیں وہ بھی چار کلو ہیں۔ تو جتنی جتنی اللہ نے آپ کو استطاعت دی ہے، اس استطاعت کے مطابق آپ صدقہ فطر جو ہے وہ ادا کریں۔

شروع کہاں سے کرنا ہے؟ اپنے قریبیوں کو دیکھنا ہے۔ ان کے گھروں میں یتیم بچوں کو، بیواؤں کو اور وہ جو میں نے کہا تھا ناں محتاج کو نہیں بھولنا۔ جو محنت مزدوری پوری کر رہا ہے لیکن وہ بیچارہ اتنا کما نہیں پا رہا کہ اپنا گھر چلا سکے۔ یہ نہیں کہنا کہ دیہاڑی لگا ہی لیتا ہے ناں۔ نہیں۔ اس محتاج کو ضرور دیکھنا ہے جو پوری محنت مزدوری کرتا ہے لیکن پھر بھی اس بیچارے کے وسائل پورے نہیں ہوتے۔ تو محتاج اور ہوتا ہے معذور اور ہوتا ہے۔ محتاجوں کا بھی خیال کرنا ہے۔ معذوروں کا بھی خیال کرنا اور یہ رقم آپ نے اپنی اصل رقم سے علیحدہ کر لینی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ آپ کے پاس وہ دو چار لاکھ روپیہ پڑا ہے تو اس میں سے دے لیں گے۔ نہیں۔ وہ صدقہ فطر کی رقم علیحدہ کر کے رکھ لینی ہے اور پھر وہ جلد سے جلد جن لوگوں تک پہنچانی ہے۔

باہر کے ممالک سے لوگ فون کرتے ہیں تو وہاں بھائی اگر کوئی بندہ رہ رہا ہے تو وہاں جو آٹے کی قیمت ہے وہ اس قیمت کے مطابق اگر اس نے پیسے یہاں بھیجنے ہیں۔ تو جو کھجوروں کی قیمت وہاں ہے اس کے مطابق جہاں وہ رہ رہا ہے۔ وہ اپنے ماحول کے مطابق ادا کرے گا۔ تو میں اگلے دن ایک دوست سے پوچھ رہا تھا ایک کھجور کے متعلق تو وہ کہہ رہا تھا کہ یہاں تو 10 ہزار فی کس بھی لوگوں نے کھجوروں کے حساب سے دیا ہے۔ تو جیسے آپ اپنا دسترخوان سجاتے ہیں شام کو۔ دو چیزیں دیکھنی ہیں آپ نے۔ یہ نہیں ہے کہ دو کلو آٹا۔ ایک تو آپ افطاری کیسے کرتے ہیں؟ ذہن میں آئی بات افطاری اور فطر۔ اس کو ملا کے پڑھنا ہے، افطاری اور فطر۔ تم اپنا دسترخوان کیسا سجاتے ہو؟ صرف پانی کے ساتھ روٹی کھاتے ہو تو ٹھیک ہے آٹے کے حساب سے دے لو۔ یا تمہارے دسترخوان پہ پھل بھی

ہوتے ہیں؟ پکوڑے بھی ہوتے ہیں اور بہت سارا لنگر سجا ہوا ہوتا ہے؟ تو آپ نے فطر دینا ہے اپنی افطاری کو دیکھ کے کہ تمہاری افطاری جو تھی وہ کیسی تھی؟ اور دوسری چیز اپنی عید کی شاپنگ تم نے کیسی کی؟ یہ نہیں ہے کہ تم اپنے بچوں کو 50، 50 ہزار کی شاپنگ کرواؤ اور فطرانے کی باری آئے تو کہو کہ 300 روپیہ یا 320 بڑے نہیں؟ نہیں یہ اللہ سے محبت نہیں۔ یہ اللہ سے پیار نہیں۔ اور بڑی بات یہ جو بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس کے دیے ہوئے میں سے ہی دینا ہے۔

حضرت ایوب کی وہ بات، یقین جانیے ایک روایت جب حضرت ایوب کے حوالے سے پڑھتا ہوں، ایک دن چھپر کے نیچے آپ کی ساری اولاد بیٹھی ہوئی تھی تو وہ چھپر گرا اور سارے بچے مر گئے۔ ابھی ان کو نکال ہی رہے تھے تو وہ جو خادم بکریاں چراتا تھا وہ آ گیا اور کہنے لگا حضور وہ میں گھاٹ پہ جانوروں کو پانی پلا رہا تھا تو وہ تو پانی بہا کے لے گیا۔ اتنی دیر میں باقی ملازم آ گئے۔ وہ کھیتوں کو آگ لگی اور سارے کھیت جل گئے۔ اب بچے بھی سارے مارے گئے۔ جانور بھی سارے چلے گئے اور کھیت بھی جل گئے لیکن اللہ کے نبی کے چہرے پہ اطمینان۔ مطمئن بیٹھے۔ تو ایک شخص نے پوچھا اس نے کہا ایوب اتنا بڑا نقصان کہ بچے بھی سارے مارے گئے، جانور بھی، معیشت بھی تباہ ہو گئی، فصلیں جل گئیں اور تیرے چہرے کا اطمینان؟ بڑھیا جملہ، بس وقت ہو گیا ہے، فرمایا یہ جو کچھ گیا ہے یہ تو میرا تھا ہی نہیں۔ ان ساری چیزوں میں سے میری چیز کون سی تھی؟ اس نے کہا کہ پھر بھی چیزیں تو نہیں تھی، اللہ کی تھی سب، انا للہ وانا الیہ راجعون کا اگر معنی آپ کی سمجھ میں آ جائے لیکن پھر بھی انسان ہے، پریشان ہو جاتا ہے، چہرے پہ اطمینان کیوں ہے؟ فرمایا جس اللہ نے یہ چیزیں لی ہیں وہ دوبارہ دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ میرا مالک ایسا نہیں ہے کہ وہ چھین لے تو دوبارہ نہیں دے سکتا۔ اس لیے دیے ہوئے میں سے ہی دینا ہے۔ یہ نہ ہو کہ آپ کے بچے عید اور طرح کی کریں اور آپ کے ہمسائے میں کوئی یتیم اور طرح کی کرے؟ تو یہ اخلاص کے ساتھ کی ہوئی عبادت آپ کی تب قبول ہو گی جب آپ اس کی مخلوق کی خدمت کے ذریعے سے اس تک پہنچیں گے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

رمضان اور قرآن

قرآن: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِۚ-فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ-وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَؕ-یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘-وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(185) سورة البقره

ترجمہ:- رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتوں (پر مشتمل ہے۔) تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور (یہ آسانیاں اس لئے ہیں) تاکہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کرلو اور تاکہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

خاکہ:-

1۔ رمضان کا آخری دن اور آخری رات خود احتسابی اور جائزہ کے لیے ہے۔

2۔ روزہ ضبط بھی سکھاتا ہے۔　　3۔ دین سیکھنا کیوں ضروری ہے۔

4۔ اسلام اس سچائی سے منع کرتا ہے جس سے فساد پیدا ہو۔　　5۔ معرفت کیوں ضروری ہے۔

6۔ ایسے علم سے بھی توبہ کی ضرورت ہے جو فساد کا باعث بنے۔　　7۔ حکمت کیا ہے؟

8۔ دین میں دولت کی نہیں اس کے حلال یا حرام کی وجہ سے اہمیت ہے۔

9۔ قرآن کی ایک آیت سیکھنا 100 نوافل پڑھنے سے افضل ہے۔

10۔ اللہ کے لیے بہترین خرچ کرنا۔

رمضان المبارک کا آخری جمعہ اور آخری دن آگیا۔ دو ہی چیزیں جن پہ ہم گفتگو کرتے رہے کہ انسان یہ بات سمجھ لے کہ اس نے اپنے اللہ کی طرف ایک سفر طے کرنا ہے۔شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں اللہ نے قرآن نازل کیا۔ تو دو چیزیں تھیں، ایک رمضان اور ایک قرآن۔ رمضان سے ہم نے کیا سیکھا اور قرآن سے کیا سیکھا؟ تو آج جائزے کا بھی دن ہے کہ ہم آخری دن یہ جائزہ لے لیں کہ یہ جو ہم نے امتحان دیا ہے اس میں کہاں تک ہم نے استفادہ کیا؟ کوئی بھی ادارہ ہو اس دنیا کا، کوئی کامیاب انسان ہو، کوئی معاشرہ ہو، اس کے لیے نظم و ضبط ضروری ہوتا ہے۔ کوئی کام بھی آپ صحیح طریقے سے نہیں کر سکتے اگر آپ کے پاس نظم و ضبط نہیں ہے۔ یہ دو لفظ استعمال ہوتے ہیں نظم کا اور ضبط کا۔ اس کو سادہ زبان میں یوں سمجھیے نظم ہوتا ہے کسی بھی کام کو منظم طریقے سے، یعنی وقت پہ کرنا ہے۔ کام وہ ہوتا ہے جو وقت پر، صحیح طریقے سے ہو، وقت پر ہو۔ لیکن اس کے لیے آگے لفظ ہے ضبط کا۔ اگر آپ اپنے اندر ضبط کی صفت نہیں رکھتے تو آپ کے اندر نظم آ ہی نہیں سکتا۔ ہاں یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس لیے یہ دونوں اکٹھے استعمال ہوتے ہیں۔ نظم و ضبط۔ دیکھیے صبح اگر میں نے اٹھنا ہے، بستر نرم ہے، گرم ہے، بڑا سکون ہے۔ تو میرا نفس تو کہتا ہے کہ سو جاؤ، سو جاؤ اور اُدھر اذان ہو رہی ہے۔ الصلوۃ خیر من النوم۔ تو اس وقت اپنے نفس کو روکنا، تو ضبط ہوتا ہے روکنا۔ اپنے آپ کو روکنا۔ میں کئی دفعہ یہ بات کہتا ہوں اس دن بھی آپ سے میں نے عرض کیا تھا کہ روزہ آپ کو ضبط سکھاتا ہے۔ انسان کے اندر یہ جو صلاحیت ہے ناں ضبط کی، یہ روزہ سکھاتا ہے۔ آپ پانی پی سکتے ہیں، نہیں پیتے، آپ نے روک لیا ناں اپنے نفس کو۔ کھانا کھا سکتے ہیں، نہیں کھاتے آپ نے اپنے نفس کو روک لیا۔ آپ حلال بیوی کی طرف نظر نہیں اُٹھا کے دیکھتے۔ آپ نے اپنے نفس کو روک لیا۔ تو روزے نے آپ کو ضبط سکھایا ہے۔

اس کے لیے اگر میں ایک جملہ اور آپ سے کہوں کہ توبہ کے لیے جو سب سے پہلی چیز ہے وہ جھوٹا علم ہے۔ جب تک میں جھوٹے علم سے توبہ نہیں کرتا نہ نظم آ سکتا ہے نہ ضبط آ سکتا ہے۔ میری زندگی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر میرے پاس انفارمیشن جھوٹی ہے، اگر میرا علم جھوٹا ہے تو میں کبھی کامیاب انسان نہیں ہو سکتا۔ اب یہ

کتنی خوبصورت بات ہے کہ روزے نے آپ کو ضبط سکھایا اور قرآن نے آپ کو سچا علم دیا۔ سبحان اللہ۔ یہ قرآن اور رمضان کا اکٹھا ہونا کس درجے ہمارے لیے بہتر تھا۔

اچھا ان دنوں ایک بڑا نوجوان بچے سوال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جی کہ آج کل لوگ یہ بھی بات کرتے ہیں کہ دیکھو سچ کا تو سب کو پتہ ہے۔ اس میں دین کا علم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بھائی ایک کافر کو بھی پتہ ہے کہ سچائی اچھی چیز ہے، دیانت داری اچھی چیز ہے، بڑوں کا ادب اور احترام کرنا چاہیے۔ یعنی غیر مسلم ممالک میں چلے جائیں تو وہ بوڑھا آدمی ملے تو لائن توڑ کے اس کو آگے عزت دیتے ہیں، احترام دیتے ہیں۔ مثلاً یہاں ہی میں نے شاید یہ بات ذکر کی تھی کہ جاپان سچائی میں پہلے نمبر پہ آگیا۔ تو وہ کہتے ہیں کہ وہ تو کسی دین کو نہیں مانتے لیکن سچے ہیں۔ تو انسان کو ان اچھائیوں پہ عمل کرنے کے لیے دین کی ضرورت کیا ہے؟ دیکھیے یہ کیسا عجیب سوال ہے کہ انسان کیوں دین سیکھے؟ بغیر دین سیکھے، بغیر قرآن سیکھے ہی اس کو پتہ ہے کہ یہ اچھائی ہے یہ برائی ہے۔ آپ بھی پریشان ہوگئے کہ یہ کیسا سوال آگیا؟ ہاں یہ کئی دفعہ میں نے آپ سے کہا ہے کہ سورہ دھر میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی ہے۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا[1]۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ہدایت دے کر بھیجا ہے۔ یہ جو اس کو خود بخود ہی پتہ ہے ناں کہ سچائی اچھی چیز ہے۔ بہت سے سائنسدان ہیں جو مسلمان ہو گئے؛ بہت سے ہیں وہ ریسرچ تو کرتے ہیں لیکن مسلمان نہیں ہوتے۔ کام دونوں کا ایک ہے۔ مثلاً جڑی بوٹیاں اکٹھی کرتے ہیں، ان کے اندر خصوصیات کو دیکھتے ہیں، پھر دیکھتے ہیں کہ یہ کس بیماری کے لیے یہ استعمال ہو گی۔ ہمارے یہ معاملات نہیں ہیں، جو لوگ یہ کام کرتے ہیں میں ان کی بات کر رہا ہوں۔ تو ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تو ان دونوں کا فرق کیا ہے؟ یہ میں نہیں کہہ رہا۔ اُن میں سے جو ایک مسلمان ہوا ہے ناں، جس نے کتاب لکھی؟ Why I Accepted Islam۔ میں نے اسلام قبول کیوں کیا؟ اس میں یہ بات لکھی ہے کہ ریسرچ تو ہم اکٹھے ہی کر رہے تھے۔ یار دیکھیں اس پودے کے اندر، پتے کی یہ خصوصیات ہیں، جڑ کی یہ خصوصیات ہیں، تنے کی یہ خصوصیات ہیں،

[1] سورۃ الدھر:3

اس سے یہ دوائی بنے گی، اس بیماری کے خلاف استعمال ہو گی۔ ہم کہتے ہیں یار کیا بات ہے، بڑی ریسرچ ہو گئی۔ اب وہی ریسرچ کرتے کرتے ایک بندے نے یہ سوال کر دیا کہ اس پودے کے اندر یہ خصوصیات رکھی کس نے ہے؟ یہ خصوصیات رکھی کس نے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے کہ وہ خدا ہے جس نے اس کے اندر یہ خصوصیت رکھی۔ تو میں ان سے کہتا ہوں کہ تمہارے مسلمان ہونے کے لیے تو یہی کافی ہے، کس نے تمہیں بتایا کہ سچائی اچھی چیز ہے؟ وہی تو خدا ہے جس نے تیرے اندر یہ خصوصیات پیدا کر کے تجھے پیدا کیا۔ لیکن ان بچوں کے لیے میں جو بات کیا کرتا ہوں کہ ضروری کیوں ہے؟ جب پتہ سب کو ہے کہ یہ اچھائی ہے، یہ برائی ہے۔ تو پھر قرآن سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ دین سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ہاں یہ اخلاقی قدر ہے کہ سچائی بہت اچھی چیز ہے اور انسان کو سچا ہونا چاہیے۔ سچ بولنا چاہیے۔ سچ کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے۔ لیکن جب دین سچائی سکھائے گا ناں۔ میں نے کہا آپ کا یہ علم جھوٹا علم ہے۔ اچھا وہ بڑے حیران ہوئے۔ تم یہ جو کہتے ہو ناں کہ یہاں تک جو بات ہے، یہی ہے۔ میں نے کہا، نہیں۔ قرآن نے جو علم سکھایا وہ سچا علم ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر یہی سچ، ذرا غور سے سننا یہ سورۃ حجرات کی آیت ہے وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا[1]۔ خبردار کسی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرنا۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرتا ہے اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ فَکَرِهْتُمُوْهُ نہیں وہ ضرور کراہت کرے گا۔ وہ نہیں چاہے گا کہ میں اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھاؤں۔ یہ غیبت کیا ہے؟ یہ بھی سچ ہے۔ کونسا سچ؟ جب پوچھا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر کسی بندے کے اندر ایک عیب ہے، یعنی ایک بندہ شراب پیتا ہے، تو وہی عیب میں بیان کرتا ہوں تو یہ تو سچ ہے ناں۔ تو سرکار فرماتے ہیں کہ یہی غیبت ہے کہ اس کے اندر عیب تھا اور تو نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی بے عزتی کرنے کے لیے بیان کیا۔ اس کی توہین کے لیے بیان کیا۔ اور اگر اس کے اندر وہ عیب نہیں تھا، وہ شرابی نہیں تھا اور تو نے اس کو شرابی کہا، یہ تو بہتان ہے۔ اب غیبت کیا ہے؟ سچ ہے ناں۔ اب تمہاری اخلاقیات یہ نہیں بتائیں گی کہ کون سا سچ بولنا ہے کون سا نہیں بولنا۔ دین سیکھنا اس

[1] سورۃ الحجرات:12

لیے ضروری ہے کہ یہ تمہیں بتائے کہ کون سا سچ، سچ ہے اور کون سا سچ، سچ نہیں ہے۔ اس لیے دین ضروری ہے۔ اسلام اس سچ کو بھی برداشت نہیں کرتا جو فساد پیدا کرے۔ جو کسی انسان کی توہین کا باعث بنتا ہے۔ اسی لیے روزے کی حالت میں پتہ ہے غیبت سے منع کیا گیا ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔ روزہ برباد ہو جائے گا، اس لیے کہ تو نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھالیا ہے۔ یہ رمضان نے سکھایا تھا۔ یہ ضبط سکھایا تھا۔

تو یہ اقدار، جو اخلاقی اقدار معاشرہ آپ کو بتاتا ہے۔ وہ علامہ اقبال نے بڑا خوبصورت جملہ فرمایا تھا۔ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ حکمت۔ حکمت سے انسان کو معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جو پچھلے جمعے میں نے کہا تھا کہ معرفت ضروری کیوں ہے؟ یہ معرفت اس لیے ضروری ہے کہ مجھے میرے علم کا پتہ ہو کہ یہ علم جھوٹا ہے کہ سچا ہے۔ کیوں؟ جب حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم پر خارجیوں نے کفر کا فتویٰ لگایا۔ وہ دیکھیے کس پہ کفر کا فتویٰ لگایا؟ حضرت علی پہ۔ علم جب جھوٹا ہوتا ہے تو وہ پھر کسی کی حیا نہیں کرتا۔ اس لیے حکم ہے کہ سب سے پہلے توبہ کر اپنے جھوٹے علم سے۔ حضرت علی پہ فتویٰ بھی لگایا قرآن کی آیت پڑھ کے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ[1] حکم صرف اللہ کا۔ جھوٹا علم نہیں چاہیے۔ وہ علم جو تمہیں معرفت دے اللہ کی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی۔

شاید کسی موقع پہ میں نے شیخ سعدی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ حکایت آپ کو بیان کی ہو۔ آپ کی بڑی معروف کتاب ہے گلستان سعدی۔ اس میں آپ نے یہ حکایت لکھی۔ ایک بادشاہ بیٹھا ہوا تھا، وُزراء بیٹھے تھے تو دور کھڑا ایک شخص بادشاہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ تو اس نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ وہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ تو وزیر نے کہا کہ بادشاہ سلامت وہ کہہ رہا ہے کہ بادشاہ بہت نیک آدمی ہے۔ بہت اچھا آدمی ہے، غریبوں کی مدد کرتا ہے، یتیموں کا سہارا بنتا ہے۔ اس کے در سے کوئی سوالی خالی نہیں جاتا۔ بادشاہ نے کہا اس کو بلاؤ۔ اس کو بلایا اور کچھ درہم اس کو دیے۔ تو وہ چلا گیا۔ ایک دوسرا وزیر پاس بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا ہمیں بادشاہ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ ہم بادشاہ کا

[1] سورۃ یوسف:40

نمک کھاتے ہیں۔ بادشاہ میں تنخواہ دیتا ہے۔ ہماری سہولیات کا خیال رکھتا ہے۔ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم بادشاہ سے جھوٹ بولیں۔ بادشاہ نے کہا کیا ہوا؟ وہ کھڑا ہوا، اُس نے کہا بادشاہ سلامت اِس وزیر نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔ وہ بندہ آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔ ماں بہن کی گالیاں دے رہا تھا۔ برا بھلا کہہ رہا تھا اور اس نے آپ سے کہا ہے کہ وہ آپ کی تعریف کر رہا تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد کی تعریف کر رہا تھا۔ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا بیٹھ جا۔ تیرے سچ سے اس کا جھوٹ بہتر ہے۔ اس کے جھوٹ نے دو دلوں کو جوڑا ہے۔ محبت پیدا کی ہے۔ تیرا سچ فساد پیدا کر رہا ہے۔ ایسا سچ نہ بول جو معاشرے میں فساد پیدا کرے۔ اسی لیے حکم ہے ناں کہ آپ نے دو مسلمان بھائیوں کی بھی صلح کروانی ہو تو جھوٹ بولنا پڑے، تو بول لینا ہے۔

آپ کا علم سچا ہونا چاہیے اور حکمت کیا ہے کہ اس علم کو استعمال کہاں کرنا ہے اور کس موقع پہ کرنا ہے۔ آپ کو شاید میں نے پہلے بھی یہ بات بتائی تھی کہ فلسفے کی زبان میں عقلمند اور بے وقوف کا یہی فرق ہے۔ فلسفے والے کہتے ہیں کہ عقلمند انسان وہ ہوتا ہے جو صحیح وقت پہ صحیح بات کرتا ہے، صحیح فیصلہ کرتا ہے، وقت بھی صحیح ہوتا ہے اور اس کی بات بھی صحیح ہوتی ہے۔ اور بیوقوف انسان بات صحیح کرتا ہے لیکن غلط وقت پہ کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ فیصلہ غلط کرتا ہے، فیصلہ وہ بھی صحیح کرتا ہے لیکن غلط وقت پہ کرتا ہے۔ تو آپ کو رمضان المبارک نے وقت کا پابند بنایا ہے اور کون سا وقت کیسے استعمال کرنا ہے یہ قرآن نے سکھایا ہے۔

اب ہمارے دین کے نزدیک دولت کم یا زیادہ ہونے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہمارے دین میں یہ کوئی اہمیت نہیں ہے کہ کسی کے پاس پیسے تھوڑے ہیں یا زیادہ ہیں۔ ہمارا دین ہمیں یہ علم دیتا ہے کہ اہمیت حلال اور حرام کی ہے۔ اب اگر آپ کے پاس یہ سچا علم ہے کہ تمیز حلال حرام میں کرنی ہے۔ آپ کی زندگی کامیاب ہے۔ اور اگر آپ کے پاس جھوٹا علم ہے کہ دیکھو فلاں رشوت لے کے کامیاب ہو گیا، فلاں سود لے کے کامیاب ہو گیا، فلاں لوگوں کی جائیدادوں پہ قبضہ کر کے کامیاب ہو گیا۔ اس کا تو علم ہی جھوٹا تھا۔ میری ماں بہن بیٹی اگر یہ سوچتی ہیں کہ اگر میں وہ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خدشے کا اظہار فرمایا تھا۔ ایک وقت آئے گا کہ عورتیں لباس پہن کر بھی

ننگی ہوں گی۔ عریاں ہوں گی۔ اگر میری ماؤں بہنوں بیٹیوں کے پاس یہ علم ہے کہ اس عُریانی میں عزت ہے تو وہ جھوٹا علم ہے۔ وہ سچا علم نہیں ہے اس لیے کہ جب تیری موت واقع ہو جانی ہے تو تجھے کسی نے بیوٹی پارلر میں نہیں لے کے جانا۔ تیرا ہیئر سٹائل نہیں بنایا جانا۔ جھوٹا علم ہے۔ ہمارا معاشرہ جھوٹے علم میں گر گیا ہے۔ جب علم جھوٹا ہے تو ظاہر ہے عمل بھی جھوٹا ہے۔ اسی لیے میں نے اس دن آپ سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ ڈرائیونگ سیکھتے ہیں، آپ سلائی مشین کا فن سیکھتے ہیں، آپ عمارت بنانے کا کام، آپ الیکٹریشن کا کام، انجنیئرنگ کا کام، ڈاکٹری کا کام سیکھتے ہیں تو یہ زندگی گزارنا بھی سیکھیں۔ میرے ذہن میں کبھی یہ تو ہو کہ میں نے زندگی کیسے گزارنی ہے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہینہ دیا تھا کہ ہم نظم میں بھی رہیں۔ ضبط میں بھی رہیں اور قرآن کریم کی تلاوت سے اتنا علم تو میرے پاس آجائے کہ میں جھوٹے علم کی نفی کر سکوں۔ شب قدر والے دن بھی میں نے یہ بات کہی تھی کہ لوگ آرہے ہیں، دور دراز سے، بھاگے بھاگے آرہے ہیں کہ 100 نفل پڑھنا ہے۔ ساری رات جاگنا ہے۔ 100 نفل کس لیے پڑھنا ہے؟ میرا دل پاکیزہ ہو جائے۔ روح پاکیزہ ہو جائے۔ دل کو پاکیزگی مل جائے۔ چند آنسوں بہائیں۔ روئیں اللہ کی بارگاہ میں۔ لیکن مسئلہ تو وہیں پہ ہے کہ اگر تکبر اور غرور اور حرام کا کُتا ہے اس کنویں کے اندر ہے تو 100 نفل پڑھنے سے تو وہ پاک نہیں ہوگا۔ اگر میں حرام کے پیسوں کی خریدی ہوئی گاڑی پہ بیٹھ کے مسجد میں آیا ہوں اور اسی حرام میں واپس چلا گیا ہوں تو نوافل مجھے پاکیزہ نہیں کریں گے۔ یہ جھوٹا علم ہمیں کبھی سکون قلب نہیں دے سکتا۔ اس لیے اگر کوئی آپ میں سے بندہ چاہتا ہے کہ میرا دل پاکیزہ ہو جائے۔ یہ سارے روزے ہم نے کیوں رکھے تھے؟ تزکیہ قلب کے لیے۔ میرے دل کا تزکیہ ہو جائے۔ اس کے اندر سے جو تکبر کا کُتا ہے وہ نکال پھینکوں باہر۔ نفرت کا، حسد کا، بغض کا، یہ جتنے کُتے ہیں ناں میرے دل میں ان کو باہر پھینک دوں۔ دل دا حجرہ پاک کر جاناں کے آنے کے لیے۔ پھر اس میں اللہ کے انوار و تجلیات گرتے ہیں۔

تو آج کی رات بھی شب قدر سے کم نہیں ہے۔ جو آپ کو بات بتانی تھی۔ میرے سر جی سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بن باجوہ ہائی سکول میں یہ ہمیں پڑھایا کرتے تھے۔ تو رزلٹ والے دن تو پھر ہم سارے جاتے تھے ناں سکول

میں، رزلٹ لینے کے لیے، اعلان ہو کے فلاں نے اتنے نمبر لیے ہیں، فلاں فیل ہوا ہے، فلاں پاس ہوا ہے۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو آخری شب ہوتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ مزدوروں کو مزدوری عطا کرتا ہے۔ جو رحمت، جو برکت، جو مغفرت آپ نے لی ہے۔ جہنم سے آزادی کے سرٹیفکیٹ تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اگر میرا علم سچا ہو تو میں یہ رات بازاروں میں پھر کے نہیں گزار سکتا کہ یہاں فرشتے میرے نامہ اعمال کو پکڑ کے کھڑے ہوں کہ آ سرٹیفکیٹ لے جا کامیابی کا اور میری مائیں بہنیں بیٹیاں کہیں کہ نہیں آج تو ہم نے بیوٹی پارلر میں وقت گزارنا ہے۔ ہم نے تو مہندی میں وقت گزارنا ہے۔ میرے بھائی کہیں ہم نے تو آوارہ گردی میں وقت گزارنا ہے۔ معرفت نہیں ہے۔ جن کو معرفت ہے ناں ان راتوں کی، ان دنوں کی، مسجد اقصیٰ کا حال دیکھا ہے آپ نے؟ کیسے وہ نماز پڑھنے جاتے ہیں، اسرائیلی فوجی آ کے ان کو گھسیٹ کے باہر، ہاتھ پاؤں باندھ کے مارتے ہیں۔ جب چھوڑتے ہیں تو وہ پھر بھاگ کر مسجد کی طرف جاتے ہیں۔ اس رمضان المبارک میں بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ تو یہاں پہ کوئی ایسا تشدد نہیں کرتا۔ تمہارے لیے تو کوئی رکاوٹیں نہیں ہیں لیکن تراویح پڑھتے وقت چار یا پانچ بندے ہوں گے۔ یہ میرا علم ہے؟ جھوٹا علم۔ قیام الیل میں کتنے لوگ آئے؟ کتنے لوگوں نے قرآن ختم کیا اور قرآن سے استفادہ کیا؟ اس لیے میں نے شب قدر والے دن یہ بھی ایک بات عرض کی تھی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور کے بڑے پیارے صحابی ہیں، سرکار نے ان کو یہ نسخہ بتایا۔ فرمایا کہ ابوذر اگر کوئی شخص اس قرآن کی ایک آیت شوق سے سیکھتا ہے، محبت سے سیکھتا ہے کہ اللہ کے کلام کی ایک آیت سیکھ لوں تو اس کو 100 نفلوں سے زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ کتنے لوگوں کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا؟ میں نے تو آپ سے ابتدا میں کہا تھا کہ 10 آیتیں روزانہ کم از کم سیکھیں اور اگر کسی نے ایک مسئلہ سیکھ لیا کہ زندگی کیسے گزارنی ہے۔ طہارت کے، جنازے کے، نماز کے مسائل سیکھ لیے، غسل کے مسائل سیکھ لیے۔ چونکہ اس نے ساری زندگی اس پہ عمل کرنا ہے ناں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سرکار نے فرمایا اگر کوئی ایک مسئلہ سیکھتا ہے جس پہ وہ ساری زندگی عمل کرتا ہے۔ تو اس کو ہزار نفل پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ یار ہمیں تو اس کا احساس ہی نہیں ہے؟ ہندوستان میں دیکھیں، کیسے مسجدوں پہ حملے ہوئے ہیں۔ کیسے نمازیوں پہ بربریت کی گئی لیکن وہ پھر مسجدوں کی طرف دوڑے۔ اللہ کے گھر کی طرف۔ یہ میں جھوٹے اور سچے علم

کی بات کر رہا ہوں۔ یہ میں معرفت کے علم کی بات کر رہا ہوں۔ جن کو رمضان المبارک کی معرفت تھی، وہ اسرائیل کی مسجد اقصیٰ ہو یا اُدھر ہندوستان کی مساجد، انہوں نے ظلم و بربریت برداشت کر کے پھر بھی اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور ہمارے پاس امن، سکون، نعمتیں، دستر خوان۔ ایک گدھا تو اپنے مالک کے لیے ریڑھی کے سامنے سارا دن مزدوری کرتا ہے اور اگر میری یہ ٹانگیں اپنے مالک کے لیے رات کو کھڑی نہیں ہو سکتی تو اس گدھے کی ٹانگیں میری ٹانگوں سے بہتر ہیں۔ کم از کم اپنے مالک کی حیاء کے لیے وہ ٹانگیں کام تو آتی ہیں۔ میں کسی دوست کے لیے دو، دو گھنٹے کھڑا رہتا ہوں۔ نماز کے لیے مجھے پریشانی ہو جاتی ہے۔ کیوں؟ میرا علم جھوٹا ہے۔ مجھے معرفت نہیں ہے۔ اس لیے آپ نے بھی، میری ماؤں بہنوں بیٹیوں نے بھی، یہ لیلۃ الجائزہ جو ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی جتنے پورے رمضان میں اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کو آزاد کیا ہے ناں اس ایک رات میں اس ساری تعداد کے برابر اللہ نے آزاد کرنا ہے۔ اس لیے آج کی رات کو ضائع نہیں کرنا۔ فضول کاموں میں ضائع نہیں کرنا۔

یہ صدقہ فطر کے لیے، قرآن کریم سامنے پڑھا ہے، اللہ کے دربار میں بیٹھا ہوں، بڑے مولوی مجھ سے ناراض ہیں۔ لیکن مسئلہ یہی ہے کہ صدقہ فطر کا حق صرف غرباء و مساکین کا ہے، کسی مدرسے، مسجد امام بارگاہ، کسی رستہ بنانے، یہ کسی اور کا حق ہی نہیں ہے۔ یہ صرف انسانوں کا، مسلمانوں کا حق ہے۔ اور اس میں بھی آپ کے قریبی رشتہ دار جو ہیں۔ آپ کے ہمسائے جو ہیں ان کا حق ہے۔ مجھے کئی مولوی فون کر کے کہتے ہیں، آپ مدرسوں کے خلاف ہیں۔ میں کہتا ہوں نہیں، اگر ایک بندہ اس دن اپنے بچوں کا رونا نہ دیکھ سکا اور تم فطرانہ لے کے کسی مدرسے میں چلے گئے۔ تو نہ مدرسے والا بچے گا، نہ وہ فطرانہ دینے والا۔ کیوں وہ بات تمہیں بھول جاتی ہے؟ کیوں بھول جاتی ہے؟ وہ عید والا دن مجھے تو نہیں بھولتا اور میں کوشش کرتا ہوں کہ ہر عید پہ آپ کو یاد کراوں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم تیار ہو کے اور اس دور میں سب سے جو قیمتی لباس ہوتا تھا ناں وہ یمنی چادر ہوتی تھی، سب سے قیمتی لباس، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی شرف بخشا ہے۔ ہاں اس لباس کو بھی پیوند زدہ کپڑے بھی پہنے ہیں اور اس لباس کو بھی عزت بخشی ہے۔ راستے میں بچے کھیل رہے تھے اور ایک بچہ رو رہا تھا۔ اب دیکھیے میں گھر سے چلتا ہوں یہاں عید پڑھانے کے لیے۔ یہاں دو چار سو بندہ میرا انتظار کر رہا ہے اور میں راستے سے ہی گھر واپس پلٹ جاؤں۔

پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے کے قریب گئے۔ فرمایا تو کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا باپ نہیں ہے کہ مجھے کپڑے لے کے دے۔ میری عید کی خوشیوں میں کچھ میرے اوپر خرچ کرتا۔ یتیم ہوں۔ اب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے نہیں گئے۔ یہ نہیں دیکھا کہ کتنے لوگ میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اس بچے کو اٹھایا اور گھر لے آئے۔ بس جملے دو تین ہی ہیں لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں کہ دین سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کو میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ضرورت ہے کہ یہ تمہاری اخلاقیات میں یہ بات نہیں ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عمل میں موجود ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1]۔ تمہاری اخلاقیات کی کسی کتاب میں یہ چیز نہیں لکھی۔ بس دو تین جملے ہیں۔ سرکار گھر لے کے آئے۔ فرمایا عائشہ اس کو وہ کپڑے پہناؤ جو حسن و حسین نے پہنے ہیں۔ وہ کھانا کھلانا ہے جو حسن وحسین نے کھایا ہے۔ یہ سبق دے رہے ہیں میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ نہیں کہ اپنے بچے کھچے کھانے غریبوں کو دے کے کہنا کہ اللہ راضی ہو جائے گا۔ جو چیز سب سے زیادہ تمہیں پسند ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ بس یہ جملے ذہن میں رکھا کریں۔ اگر آپ کے ہمسائے میں، رشتہ داروں میں، قریبیوں میں کوئی یتیم رہ رہے ہیں۔ فرمایا اس بچے کو بتا دو عائشہ تیری ماں ہے۔ اس بچے کو بتاؤ فاطمہ تیری بہن ہے اور آخری جملہ تڑپا کے رکھ دینے والا ہے۔ عائشہ اس بچے کو بتاؤ محمدؐ تیرا باپ ہے۔ میرے پیغمبر نے تو عید ایسے منائی تھی۔ اور یہ جملے، کمال کے جملے، کیا شان تھی اس یتیم کی جب میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اچھا لباس اور کھانا کھلا کے، انگلی پکڑ کے ساتھ لے جا رہے تھے۔ تو راستے میں بڑے بڑے امراء کے بچے، سرداروں کے بچے کھیل رہے تھے۔ جب انہوں نے اس یتیم کی شان دیکھی۔ بڑا جملہ ان بچوں نے بھی کہا۔ انہوں نے اس یتیم بچے کو دیکھ کے، جس نے رسول اللہ کی انگلی پکڑی ہوئی تھی، انہوں نے کہا کاش ہمارے باپ مر گئے ہوتے اور رسول اللہ ہمیں اپنا بیٹا بنا لیتے۔ اگر آپ کے ہمسائے میں کوئی یتیم بچہ ہے تو اپنے بچے کو 100 کا نوٹ دے کے وہاں نہیں بھیجنا کہ اس کا دل دکھے کہ آج میرا ابھی

[1] سورۃ الاحزاب: 21

باپ ہوتا تو مجھے 100 کا نوٹ پکڑاتا۔ یہ بھی بے غیرتی ہے۔ بے حیائی ہے کسی کا دل دکھانا۔ کسی مسکین کا دل دکھانا۔ کسی غریب کا دل دکھانا۔

یہ ضبط ہے سارا۔ جو کچھ میں نے آپ کو بتایا، نظم بھی ہے اور ضبط بھی۔ اب ظاہر ہے ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اللہ کے مہمان کی پوری عزت کی، احترام کیا۔ اس رات میں نے اللہ سے معافی بھی مانگنی ہے کہ یا اللہ تیرے مہمان کا صحیح احترام نہیں کر سکے۔ اور اگر مہربانی فرمائے میر امالک تو مجھے آئندہ پھر رمضان عطا کر دے تاکہ میں اپنی کمیاں پوری کر دوں۔ اور اگر میری اگلے رمضان تک زندگی نہیں ہے تو پھر یہی تھوڑی بہت جو عبادت ہے یہ قبول فرما۔ مجھے کامیاب فرما۔ میرے ملک کی حفاظت فرما۔ مولا سب کی خیر فرما۔ آمین

نیکی ضائع ہونے سے بچائیں

قرآن: يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ-اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ-(1) يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (2) سورة الحجرات

ترجمہ: **اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو اور ان کے حضور زیادہ بلند آواز سے کوئی بات نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے بلند آواز سے بات کرتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔**

خاکہ:-

1. نیکی کرنے میں اتنی آزمائش نہیں ہے جتنی نیکی کی حفاظت کرنے میں ہے۔
2. دس گنا اجر کس طرح ملتا ہے؟
3. عید منانا تو کوئی مسلمانوں سے سیکھے۔
4. تفسیر بالرائے حرام ہے۔
5. رمضان کے بعد استقامت اور نیکیوں کی حفاظت کرنا۔
6. نیکیوں کی حفاظت کرنے میں تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
7. نیکیاں کیسے برباد ہوتی ہیں؟
8. کس شخص کو آخرت میں اجر نہیں ملے گا؟
9. قعدہ کا معنی اور مفہوم

رمضان تمام تر رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ رخصت ہوا۔ ہم نے روزے رکھے، قرآن کریم کی تلاوت کی، قیام الیل کیا۔ اللہ تعالیٰ سے جہنم سے آزادی کی دعائیں مانگیں۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے، اللہ رب العزت کی بارگاہ سے جو کچھ مانگ سکتے تھے مانگ لیا۔ میں نے عید کے خطبے میں ایک بات عرض کی تھی کہ روزے کا بھی ثواب بڑا ہے، قیام الیل کا بھی ثواب بہت ہے۔ وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ[1] جس نے رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رکھے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے کہ جو نیکی کی ہے اس نیکی کو حفاظت کیساتھ اللہ کی بارگاہ تک پہنچانا ہے۔ نیکی کر لینا، اس سے ثواب حاصل کر لینا، یہ اور چیز ہے۔ نیکی کرنے میں اتنی آزمائشیں نہیں آتیں جتنی نیکی کی حفاظت کرنے میں آتی ہیں۔ قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ تم نیکی کر لوگے، تو اس کا یہ اجر ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ[2]۔ مَنْ جَآءَ جو نیکی کو لے آیا۔ نیکی کی ہے اور اس کی حفاظت بھی، خاتمہ ایمان پہ ہوا اور نیکی کو حفاظت کیساتھ اللہ کی بارگاہ میں لیکر پہنچ گیا۔ یہ ہے مرحلہ اصل میں کہ روزے رکھے تھے، قیام اللیل کیا تھا، قرآن کی تلاوت کی تھی شب قدر کو، رات کو جاگتا رہا۔ کیا اس نیکی کی اب حفاظت بھی کر سکا کہ نہیں کر سکا؟ اس کے لیے میں نے ایک مثال آپ کے سامنے عرض کی تھی کہ ایک بندہ بڑی محنت کرتا ہے، پورا مہینہ، شب و روز محنت کرتا ہے۔ رات کو جاگتا ہے، دن کو محنت کرتا ہے اس نے کوئی 10 لاکھ روپیہ کما لیا اور جب وہ دس لاکھ اس نے کما لیا، تو اگلے دن ڈاکو اس کی کمائی چھین کے لے گئے۔ اس کا وہ 10 لاکھ چوری ہو گیا۔ تو اب اس کی تکلیف کا اندازہ کریں کہ کیا ہو گی۔ جس کی کمائی غارت چلی جائے۔ کوئی چھین کر لے جائے۔ اس لیے میں نے کہا تھا کہ آپ نے مہینہ محنت تو کی ہے۔ اگر عید والے دن آپ نے شیطان کے کہنے پہ وہ ساری کمائی ضائع کر دی۔ ابلیس ڈکیتی کر کے لے گیا۔ چوری کر کے لے گیا۔ تو تمہاری وہ ساری محنت کہاں چلی گئی

---

1 صحیح البخاري / کتاب الصوم / حدیث:1901

2 سورۃ الانعام:160

۔اس لیے قرآن نے یہ کہاہے کہ اس نیکی کو اللہ کی بارگاہ تک پہنچاناہے۔تو وہ باتیں اس لیے میں دہرارہا تھا۔عید والے دن خطبے میں یہ ساری باتیں بیان کر دی تھیں۔

عیدیں تو مشرکین مکہ بھی مناتے تھے۔ ایران میں جشن نوروز جو تھاوہ بھی عید کے طور پہ منایا جاتا تھا۔ پہلی ثقافتوں میں بھی یہ کچھ تھا۔ لیکن وہ عید کو لہوولعب، کھیل تماشا، شراب نوشی، بے حیائی، ان کاموں میں گزارتے تھے وہ عید سمجھتے تھے بے حیائی کو، شراب نوشی کو، لہو ولعب کو اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ جو دو عیدیں عطا فرمائیں، یہ اصل میں لوگوں کو بتاناتھا کہ مسلمان خوشی بھی کرتا ہے تو اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کے کرتا ہے۔اب اگر آپ نے بھی عیسائیوں کی طرح سویرے سویرے چرچ وچ جانا اے،عبادت کرنی اے تے بعد وچ آ کے شراب پینی شروع کر دینی اے۔یا ہماری مائیں، بہنیں، بیٹیاں بن سنور کے باہر بازاروں میں بے حیائی کا لباس پہن کے نکلیں گی؟ چاہے انہوں نے روزرکھے بھی ہوئے ہیں۔تو کیا عید والے دن شیطان تمہاری ساری کمائی چوری کرلے گا؟ عید کے بعد تمہاری کمائی برباد ہو جائے گی۔ یہ کمائی اس لیے کی تھی۔تو فرمایا کہ جو نیکی کو بچا کر لے آئے ہماری بارگاہ میں۔اس کے لیے پھر دس گنا اجر ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔اوراسی طرح جو ایک گناہ کو لے کر آئے گا۔معافی نہیں مانگی، توبہ نہیں کی۔گناہ کیا اور توبہ نہیں کی۔اور وہ اسی طرح گناہ کو ساتھ اللہ کی بارگاہ میں لے گیا۔ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ تواس کے لیے پھراس کی مثل صرف ایک گناہ کی ہی اس کو سزادیں گے عذاب دیں گے۔اس لیے یہ باتیں سمجھناضروری ہوتی ہیں کہ آپ نے نیکی کے لیے تگ ودو کرنی ہے، کوشش کرنی ہے۔اور پھر اس نیکی کی حفاظت کرنی ہے۔

میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا معروف جملہ اس حوالے سے ہے۔ سرکار نے فرمایا تھا کہ ایک رات ہزار نوافل پڑھنے سے بہتر ہے کہ دو پڑھ لیا کر لیکن ہر روز پڑھ۔ ایک تسلسل ہو تیری زندگی میں۔ اگر ایک رات آپ نے ایک ایک ہزار نفل پڑھ کے اگلے دن اس کو برباد کر لیا، ضائع کر لی اپنی کمائی۔تو اس حوالے آج میں نے سوچا تھا کہ قرآن کریم میں کس کس مقام پر نیکیاں ضائع ہونے کا حکم ہے۔یعنی انسان یہ سوچتا رہے کہ میں

نے بڑے نیک اعمال کر لیے ہیں مگر اس کے کھاتے میں کچھ بھی نہ ہو اور وہ ابلیس چوری، ڈکیتی کر کے لے گیا ہو۔ اور آخرت میں آپ کے پاس کچھ بھی بچے۔ تو یہ قرآن کریم نے ہماری اس حوالے سے بھی رہنمائی فرمائی۔

پہلا مقام، پہلی جگہ جہاں پہ نیکیاں برباد ہوتی ہیں۔ یہ سورہ حجرات کی پہلی دو آیات میں بیان فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے اور علیم بھی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی پاک ﷺ کی آوازوں سے بلند نہ کرو۔ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ نہ میرے پیغمبر سے ایسے گفتگو کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ تمہاری نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اور تمہیں شعور بھی نہیں ہو گا کہ ہمارا تو کھاتہ صاف ہو گیا۔ ہمارے تو پلے کچھ نہیں بچا۔ تو قرآن کریم نے پہلا مقام یہ بیان کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی گستاخی، نیکیوں کو ضائع کر دیتی ہے۔ نیکیوں کو برباد کر دیتی ہے۔

ظاہراً یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ کا جو سبب نزول ہے جو شان نزول ہے وہ یہ واقعہ بنا کہ ایک قبیلہ تھا اس کے سردار کا انتخاب کرنا تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کے متعلق تجویز پیش کی کہ اس بندے کو سردار لگا دیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے شخص کے لیے یہ تجویز پیش کر دی۔ ذرا غور کریں لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اللہ رسول سے آگے نہیں بڑھنا۔ ہم اتنا سا جملہ کہہ کے اپنا آپ برباد کر لیتے ہیں، اوہ دنیاوی تے رکھنی اے ناں۔ ہیں؟ دنیا رکھتے رکھتے، آخرت برباد ہوتی ہے تو ہو جائے۔ اب دیکھیے بات کتنی سی ہے کہ محفل میں بیٹھے ہوئے ایک تجویز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی۔ ایک تجویز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی۔ حضرت عمر تھوڑا غصے میں آگئے کہ آپ ضد میں یہ دوسرا نام دے رہے ہو۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس سٹیج پہ روکا۔ جب میرے نبی نے تم سے مشورہ مانگا ہی نہیں ہے۔ تو تم نے خود بخود کیوں مشورہ دیا؟ جب تک میرا رسول تم سے رائے معلوم نہ کرے، تمہاری کیسے جرات ہوئی کہ تم خود بخود رائے دینا

شروع کر دو۔ یہ جو میں نے اصول تفسیر کی بھی بات آپ کے سامنے رکھی تھی کہ اس اللہ کے کلام کی تشریح ایسے کرنا کہ میرے نزدیک اس کی شرح یہ ہے۔ یہ حرام ہے اور جہنم میں لے جاتی ہے۔ اللہ کے کلام میں آپ اپنی رائے نہیں دے سکتے۔ آپ کی کیسے جرات ہوئی کہ بات اللہ کی ہو اور آپ کہیں کہ میرے نزدیک یہ ہے۔ اس کو کہتے ہیں تفصیل بالرّائے اور یہ حرام ہے۔ اللہ کے کلام کی تشریح اللہ کرے یا اس کا نمائندہ کرے۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کریں۔ تفسیر ہو گی یا قرآن کی قرآن سے یا قرآن کی حدیث سے۔ اور بہترین تفسیر وہی ہو گی جو تفسیر بالقرآن ہو۔

اب دیکھیے ہم کیا کیا نہیں کرتے۔ اللہ نے روکا، شراب سے روکا ہم نہیں رکتے۔ بری صحبت سے روکا، ہم نہیں رکتے۔ ملاوٹ سے روکا، ہم نہیں رکتے۔ اور کتنا سخت حکم ہے کہ اگر میرا پیغمبر اجازت نہ دے، تو تم نے رائے بھی دینی۔ مشورہ بھی نہیں دینا۔ یہ بھی اللہ رسول سے آگے بڑھنے کی بات ہے۔ اب اسی گفتگو کے دوران ظاہر ہے آواز بلند ہو گئی۔ اسی لیے ہمارا اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ معصوم صرف نبی ہوتے ہیں یا فرشتے ہوتے ہیں۔ باقی انسانی کمزوریاں ہر انسان کے ساتھ ہیں۔ اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ معصوم صرف نبی ہوتا یا فرشتے ہوتے ہیں۔ اب اسی گفتگو کے دوران آواز بلند ہوئی تو اگلا حکم آ گیا کہ اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اور نہ پیغمبر سے ایسے گفتگو کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ یہ ان لوگوں کے لیے بھی پیغام ہے جو یہ کہتے ہیں ناں کہ نبی بھی تو ہماری ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ وہ بھی شادیاں کرتے ہیں۔ وہ بھی کھاتے ہیں ، سوتے جاگتے ہیں۔ میدان جنگ میں چلے جائیں تو زخمی بھی ہوتے ہیں خون بھی بہتا ہے۔ یہ جو ہمارے ساتھ ہوتا ہے وہی نبی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ نے ایک جملے میں اوقات بتا دی۔ خبردار! میرے نبی سے ایسے گفتگو نہ کرو، جیسے آپس میں کرتے ہو۔ تم اور ہو، پیغمبر صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات اور ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا[1] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے پیغمبر کو ایسے نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ آواز دیتے ہو۔ یہاں تو

[1] سورۃ النور:63

گفتگو کا معاملہ ہے ناں سورۃ حجرات میں اور وہاں سورۃ نور میں مخاطب کرنے کا معاملہ ہے۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہو ناں، مخاطب کرتے ہو، ویسے میرے پیغمبر کو نہ مخاطب کرنا۔ آپ احادیث کی کُتب کھول کے دیکھیں گے تو صحابہ کرام جب نبی پاک صلی اللہ کو مخاطب کرتے تھے تو کیا کہتے تھے؟ یارسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ یا حبیب اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ لیکن شاید کسی جمعہ میں نے یہ بات عرض کی تھی اسی آیت کے حوالے سے کہ ایک استثناء ہے۔ یہ جو آیت ہے نا سورہ نور والی جو بھی میں نے آپ کو سنائی ہے۔ آیت نازل ہو گئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لے گئے۔ سیدہ پاک، سیدۃ النساء، سیدۃ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا، آپ نے بھی یارسول اللہ کہہ کے مخاطب کیا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا فاطمہ پہلے تو تُو مجھے اَبی کہتی تھی، ابو جان کہتی تھی۔ آج یہ یارسول اللہ کہہ کے مخاطب کیا؟ کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت جو نازل ہو گئی ہے۔ بھائی قرآن نازل ہوا ہے تو حکم تو ظاہر ہے سب کے لیے ہے۔ آیت نازل ہو گئی ہے تو ابو کہہ کے تو ساری اولادیں ہی اپنے باپ کو پکارتی ہیں۔ اب اللہ کا حکم آ گیا ہے کہ ایسے نہ پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یارسول اللہ کہو، یا حبیب اللہ کہو۔ القابات کیساتھ پکارو۔ اس میں ایک اور بھی بات ہے یہ میرے نوجوان بچے خصوصی طور پر، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے ابوالقاسم۔ حضور کے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ تو وہاں سے کنیت تھی ابو القاسم۔ یہ کنیت کوئی اور نہیں رکھ سکتا۔ ہاں یہ بھی آپ کو پتہ ہونا چاہئے۔ آپ اپنے بیٹے کے نام پہ اپنی کنیت رکھ سکتے ہیں؛ آپ کا بیٹا بھی قاسم ہو سکتا ہے لیکن آپ اپنے آپ کو ابوالقاسم نہیں کہلوا سکتے۔ جو چیزیں مخصوص ہیں میرے پیغمبر ﷺ کیساتھ۔ کسی اور کیساتھ وہ لگ ہی نہیں سکتی۔ تو یہ بھی اگر کسی شخص کو نہیں پتہ تو اس کو علم ہونا چاہیے۔ اگر کسی نے اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھا بھی ہوا ہے تو وہ کنیت ابوالقاسم نہیں رکھ سکتا۔ ابوالقاسم کینت صرف پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ یہ اعزاز صرف اُنہیں کا ہے۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدہ پاک نے عرض کی کہ آیت نازل ہو گئی ہے، اللہ کا حکم آ گیا ہے تو یہ ابو کہہ کے، اَبی کہہ کے، یہ تو ساری اولادیں ہی اپنے باپ کو پکارتی ہیں۔ یہی تو حکم آیا ہے کہ نہ پکارو ایسے، جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اس لیے میں نے بھی یارسول اللہ کہا ہے۔ تو سرکار نے فرمایا، فاطمہ یہ حکم تیرے لیے تو نہیں آیا۔ یہ امام قرطبی نے لکھا ہے۔ یہ میں کسی

چھوٹے موٹے بندے کی بات نہیں کر رہا۔ سرکار نے فرمایا، فاطمہ یہ حکم تیرے لیے نہیں ہے۔ تجھے نہیں پتہ، جب تُو مجھے ابو کہہ کے، ابی کہہ کے پکارتی ہے تو تیرا رب کتنا راضی ہوتا ہے۔ کیوں بھلا؟ کفار یہ کہتے تھے کہ اس کا تو بیٹا کوئی نہیں، اس کو ابو کہہ کر کون پکارے گا۔ فرمایا جب تو مجھے اَبی کہتی ہے تو تیرا رب کتنا خوش ہوتا ہے۔ باقی ساری دنیا مجھے یارسول اللہ کہے، تُو نے مجھے ابو کہہ کر ہی پکارنا ہے۔ تو یہ استثناء ہے۔

نتیجہ کیا ہے؟ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ۔ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ دیکھیے میرے پاس تو عمل ہے بھی کوئی نہیں۔ جن کو پہلے مخاطب کیا جا رہا ہے، ان کے ذرا اعمال کا انداز کریں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرا صحابی آدھا سیر کھجوریں صدقہ کرے اور تم اُحد پہاڑ کے برابر صدقہ کرو تو صحابی کا آدھا سیر پھر بھی زیادہ ہے [1]۔ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ[2] قرآن کہتا ہے ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ اللہ ان کے اعمال کی بات بیان فرما رہا ہے۔ اچھا آزمائشیں پتہ ہے کتنی ہوتی ہیں؟ تین ہوتی ہیں۔ یا آپ کی اپنی جان کی آزمائش ہوتی ہے۔ یا مال کی آزمائش ہوتی ہے یا اولاد کی آزمائش۔ نیکی کرنے میں بھی آپ کو ان آزمائشوں میں سے گزرنا پڑتا ہے اور نیکی بچانے کیلئے بھی اِنہی آزمائشوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ کبھی اولاد سامنے آجاتی ہے۔ کبھی دولت کا معاملہ سامنے آجاتا ہے۔ کبھی اپنی جان کا معاملہ سامنے آجاتا ہے۔ تو اللہ فرما رہا ہے کہ ان لوگوں نے نیکی کرنے کے لیے اور نیکی بچانے کے لیے أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ اِن کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ کیا جُرم کیا تھا انہوں نے؟ صرف یہی کہتے تھے ناں کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ میری راہ میں ان کو اذیتیں دی گئیں۔ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا قتل ہوئے بھی اور قتل کیے بھی۔ ان کے پاس تو ہجرت کی بھی نیکی ہے۔ ان کے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کے جہاد کرنے کی بھی نیکی ہے۔ ان کے پاس مال اللہ کی راہ میں گھر کا سارا مال خیرات کرنے کی ابو بکر کے پاس نیکی ہے۔ انہوں نے تو اپنی اولادیں قربان کر کے، اپنا مال دیکر نیکیاں کمائی ہیں۔ اپنی جان دیکر بھی۔ اگر ان کی نیکیاں ضائع ہو سکتی ہیں تو

[1] صحيح البخاري / كتاب فضائل الصحابة / حديث: 3673

[2] سورة آل عمران: 195

تمہارا کیا حال ہو گا؟ تمہارے تو پلے بھی کچھ نہیں ہے۔ تو یہ پہلا مقام جو نیکیوں کو ضائع کرتا ہے وہ پیغمبر کی گستاخی ہے۔ یہ بھی گستاخی ہوتی ہے کہ آپ کو کوئی نبی پاک کا حکم سنایا جائے اور آپ کی گردن نہ جھکے۔ کسی شخص کے سامنے اللہ کے رسول کا کوئی فرمان سنایا جائے اور وہ اکڑا رہے۔ قرآن نے ایمان والوکیلئے کیا کہا ہے؟ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا[1] جو ہی وہ حکم سنتے ہیں تو اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی رائے کو بیان نہیں کرتے۔

میں نے سوچا کہ قرآن کریم سے آج وہ آیات آپ کے سامنے رکھوں کہ جن سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ لیکن وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ آج یہ جتنی بھی ایک دو آیات ہو جائیں گی پھر یہ تسلسل کے ساتھ ہر جمعے میں ہم ان کو دیکھتے رہیں گے۔ انشاء اللہ۔ سورہ ہود۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ[2]۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا جو شخص صرف اسی زندگی کا ارادہ کرتا ہے۔ اسی کی زینت، اسی کی کامیابی۔ ٹھیک ہے ایک گول سیٹ کیا تھا کہ میرا پتر ڈاکٹر بن جائے، بن گیا، پیسے کماتا ہے بس مقصد پورا ہو گیا۔ ایک مقصد طے کیا تھا کہ میں اتنی فیکٹریاں لگالوں۔ ٹھیک ہے مقصد پورا ہو گیا۔ میں کوئی منسٹر بن جاؤں۔ کوئی اے سی، ڈی سی بن جاؤں۔ مقصد پورا ہو گیا۔ فرمایا جن لوگوں کے ارادے صرف اسی دنیا کے لیے ہوتے ہیں، جو اسی دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں اور اسی کی زینت چاہتے ہیں۔ بھائی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھی کچھ رکھا ہے نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا فرمایا اسی دنیا میں سے کچھ ہم انکو عطا کر دیتے ہیں۔ دولت دے دیتے ہیں۔ حکومت بھی دیتے ہیں۔ اولاد بھی دے دیتے ہیں۔ شہرت بھی دے دیتے ہیں۔ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں۔ وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۔ ایک شخص کے متعلق اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بندہ صلہ رحمی کرتا ہے، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، غریبوں مسکینوں کو کھانا کھلاتا ہے، لوگوں کے کام آتا ہے، تو اس کو بھی قیامت والے دن اجر ملے گا؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ملے گا۔ سیدہ پاک نے پوچھا یا رسول

---

[1] سورۃ البقرہ:285

[2] سورۃ ہود:15

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی نیکیاں کرتا ہے تو اس کو قیامت والے دن کوئی اجر نہیں ملے گا؟ فرمایا نہیں ملے گا۔ کبھی تونے اس کی زبان سے یہ سنا ہے کہ یا اللہ مجھے قیامت والے دن اس کا اجر عطا کرنا۔ کبھی اس کی زبان یہ نکلا ہے؟ تو جب اس کا آخرت پہ یقین ہی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اجر دے گا لیکن اسی دنیا میں دے دے گا۔ کوئی نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر اس کو دیتا ہے۔ پر لیکن اگر اس نے نیکی کی اس دنیا کیلیے ہے کہ مجھے اس دنیا میں عزت ملے، زینت ملے، شہرت ملے، دولت ملے، حکومت ملے تو اللہ فرماتا ہے کہ ہم اس کو دے دیتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[1]-اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ان لوگوں کے لیے آخرت میں کچھ نہیں ہے سوائے آگ کے۔ اگر میں نے نماز اس لیے پڑھی ہے ناں کہ لوگ مجھے نمازی کہیں۔ تو آخرت میں میرے لیے کچھ نہیں ہے، دنیا میں تو لوگ مجھے نمازی کہیں گے۔ اگر میں نے سخاوت اس لیے کی ہے تو دنیا میں تو اللہ میری نیک نامی کر دے گا لیکن قیامت والے دن آگ کے سوا اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ تو وہ جو سورہ حجرات میں آپ نے اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ۔ یہ الفاظ سیکھے ہیں ناں کہ ان کے اعمال برباد کر دیے جائیں گے۔ یہاں بھی وہی لفظ آیاوَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا۔ اصل میں وہ آیات میں آپ کے سامنے لانا چاہتا تھا جہاں یہ لفظ "حبط" استعمال ہوا ہے۔ جس میں مکمل اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ کچھ نہیں بچتا انسان کے پاس۔ تو فرمایاوَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اس کے کیے ہوئے تمام اعمال برباد ہو گئے۔وَ بٰطِلٌ اُدھر تو کہا تھاناں کہ ان کو شعور نہیں ہے۔ یہاں فرمایاوَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

تو آج اتنا سا سبق اگر یاد رہ جائے کہ ایک تو پیغمبر کی گستاخی تمہارے اعمال برباد کر دیتی ہے۔ دوسرا وہ انسان کہ جسکا آخرت کا عقیدہ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ کوئی بھی کام آخرت کے لیے نہیں کرتا۔ اسی دنیا کے لیے کرتا ہے۔ تو وہ جتنی جی چاہے نیکیاں کر لے تو اس دنیا میں تو اللہ اس کو اجر دے گا لیکن قیامت والے دن کوئی نہیں۔ کوشش کریں، کوشش کریں۔ انشاءاللہ، اللہ نے موقع دیا تو اور آیات سیکھیں گے۔ عید والے دن بھی میں نے یہ

[1] سورۃ ہود:16

جملہ دوستوں سے کہا تھا سورہ فاتحہ کی شرح میں یہ جملہ اسی لیے لکھا گیا کہ جب آپ نے کہہ دیا تھا۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ اللہ سے ہدایت مانگ لی اور ہدایت مل گئی۔ پھر یہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ ہدایت پالینا بڑی بات نہیں ہے بلکہ اس کو حفاظت کے ساتھ موت تک لے جانا کمال ہے۔ اور اس ہدایت اور نیکی کے عمل کی آپ نیک صحبت ے بغیر حفاظت کر نہیں سکتے۔ یہ ہے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۔ بندہ گناہ کیلئے دلیر کیوں ہوتا ہے؟ جب وہ برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے۔ شرابیوں کے پاس بیٹھے گا تو اس کو شراب پینے میں کوئی حرج نہیں محسوس ہو گا۔ وہ دلیر ہو جائے گا۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ بھی اسی لیے بتایا کہ اگر اس کے بعد تو برے لوگوں کے پاس بیٹھے گا۔

وقت ختم ہو گیا ہے۔ میں آخری آیت آپ کو عرض کروں۔ یہ ساتویں پارے میں میرے اللہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ[1] یہ صحابہ کے لیے حکم آیا تھا کہ اے میرے محبوب یہ جو ذاکرین، میرا ذکر کرنے والے ہیں، میری یاد میں رہنے والے، تیرے پاس بیٹھتے ہیں۔ فَلَا تَقْعُدْ اب یہ نہ بیٹھیں۔ یہ التحیات کو بھی آپ قعدہ کہتے ہیں ناں۔ قعدہ کہتے ہیں بیٹھنے کو۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی ذکر کے بعد، ہدایت کے بعد، نیکی کے بعد مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ محبوب دیکھنا کہ پھر کہیں یہ ظالموں کے پاس نہ چلے جائیں۔ یعنی ان کو ہدایت تو مل گئی، ایمان مل گیا، ذکر مل گیا اب حفاظت یہ ہے کہ پھر بری صحبت میں نہ چلے جائیں۔ تو آپ اپنا ایمان اور نیکی نیک صحبت کے بغیر بچا نہیں سکتے۔ اس لیے یہ بار بار آپ کو یاد کروایا جارہا ہے کہ ہدایت مل گئی ہے تو صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۔ نیکوں کی صحبت میں رہنا ہے، انہیں کے پاس بیٹھنا ہے۔ برے لوگوں کے پاس نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ امین

[1] سورۃ الانعام:68

عُجلت کے کام اور مذہب اور کلچر کا تضاد

قرآن: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔(18) وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا(19) سورة بنی اسرائیل

ترجمہ:- جو جلدی والی (دنیا) چاہتا ہے تو ہم جسے چاہتے ہیں اس کیلئے دنیا میں جو چاہتے ہیں جلد دیدیتے ہیں پھر ہم نے اس کے لیے جہنم بنا رکھی ہے جس میں وہ مذموم، مردود ہو کر داخل ہو گا۔

اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کیلئے ایسی کوشش کرتا ہے جیسی کرنی چاہیے اور وہ ایمان والا بھی ہو تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔

خاکہ:-

1۔ ابلیس ہمیں کس طرح نقصان پہنچاتا ہے۔

2۔ آخرت کے لیے نیکی کا ارادہ کرنا، سعی کرنا مگر ایمان شرط ہے۔

3۔ نبی کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟ 4۔ قضا کو فوری ادا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

5۔ حکومت کو جو ٹیکس دیتے ہیں اس کے عوض عوام کو کیا ملنا چاہیے۔

6۔ انصاف غریب کی دہلیز پر دیا جائے۔ 7۔ مذہب اور کلچر علیحدہ علیحدہ رکھا۔

8۔ عزت کریں تو نیکی کی بنیاد پر۔

9۔ دنیا کے حصول میں سب کامیاب نہیں ہوئے۔ لیکن آخرت والے سبھی کامران ہوئے۔

10۔ معاشرہ سے حیاء ختم کیوں ہوئی۔ 11۔ ہمارے اعمال غارت کیوں ہو رہے ہیں؟

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگوں، دوستوں عزیز بھائیو! اسلام علیکم

گزشتہ جمعہ ہماری گفتگو اس آیت مبارکہ تک پہنچی تھی، موضوع یہ تھا کہ انسان نیکی کمانے کے بعد اس کی حفاظت کرے۔ اگر نیکیوں کی حفاظت نہیں کی جائے گی تو نیکیاں برباد ہو جائیں گی اور آخرت میں اس انسان کو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اور ابلیس کی بھی پہلی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ آپ نیکی کا کام کر ہی نہ سکیں اور اگر آپ نیکی کر لیں تو پھر اس کی کوشش ہے کہ آپ کی نیکی برباد ہو جائے۔ تو یہ بات ہم نے تفصیل سے دیکھ لی تھی کہ قرآن کریم میں وہ کون کون سی جگہیں ہیں جہاں نیکیوں کے ضائع ہونے کا ذکر ہے۔ تو پہلا ہم نے سورۃ حجرات سے دیکھا تھا کہ آپ کے پاس بڑی بڑی نیکیاں تھیں: جہاد کی، ہجرت کی, انفاق فی سبیل اللہ کی لیکن وہ نیکیاں اللہ کے پیغمبر کی گستاخی سے ضائع ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے پیغمبر کی گستاخی جو ہے وہ نیکیوں کو ضائع کر دیتی ہے۔ اس لیے اس سے بچنا ہے۔ دوسری چیز ہم نے سورۃ ہود سے دیکھی تھی کہ جو لوگ اس دنیا کے لیے ہی نیکیاں کرتے ہیں ان کی نیکیاں بھی برباد ہو جاتی ہیں۔

تو اس آیت تک ہم پہنچے تھے یہ سورۃ بنی اسرائیل ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ کہ جو شخص صرف اسی دنیا کے لیے کام کرتا ہے، محنت کرتا ہے، یہ لفظ ہے عَجَّلْنَا۔ اردو میں آپ اس کو عجلت کہتے ہیں۔ اسی لفظ سے یہ اردو زبان میں ہے عجلت، تیزی، فوری طور پہ کہ اگر مجھے دولت ملنی ہے تو جلدی جلدی مل جائے۔ حکومت ملنی ہے تو جلدی جلدی مل جائے۔ دنیا کی ساری لذتیں مجھے جلدی جلدی مل جائیں۔ تو عجلت ہے آپ کو۔ تو قرآن کریم نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے کہ جو اسی دنیا کے لیے کوشش کرتا ہے، کاوش کرتا ہے۔ تو فرمایا کہ جتنا ہم چاہیں دے دیتے ہیں ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ پھر اس کا ٹھکانہ دوزخ بنا دیتے ہیں۔ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وہ مذمت کے ساتھ دھتکارا ہوا داخل ہو، ذلیل کر کے اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے۔ اور اس کے مقابلے میں دوسرا وہ شخص وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ جو ارادہ کرتا ہے آخرت کا۔ وہ بھی کام ہی کر رہا ہے اس دنیا میں، محنت مشقت ہی کر رہا ہے۔

اب دیکھیے ایک بندے نے آخرت کے لیے جو کام کرنا ہے تو وہ عجلت میں نہیں کرے گا۔ یہ ایک بات سمجھنے والی ہے۔ وہ آرام و سکون سے کرے گا۔ اس کو فوری کوئی جلدی نہیں ہے۔ میں جلدی جلدی سب کچھ سمیٹ لوں۔ اچھا یہ بھی ان دونوں آیتوں میں بڑی عجیب بات ہے۔ لفظ وہاں بھی یُرِیْدُ ہے یہاں بھی اَرَادَ یعنی ارادے کی بات ہے۔ وہاں صرف یہ ہے کہ جس نے اسی دنیا کا ارادہ کیا تو جتنا ہم چاہتے ہیں اس دنیا میں سے دے دیتے ہیں۔ یہاں فرمایا وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ جو ارادہ کرتا ہے آخرت کا۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ہم اس کو آخرت دے دیتے ہیں۔ وَ سَعٰی لَهَا سَعْیَهَا آخرت کا ارادہ کرنے کے بعد پھر سعی کرتا ہے، کوشش کرتا ہے۔ یعنی پہلے نیت آخرت کی کرنی، ارادہ کرنا، اس ارادے پہ پھر پوری کاوش کرنا ساری زندگی۔ تو یہ درجے آخرت کے لیے اللہ تعالیٰ نے علیحدہ بتائے ہیں۔ یہاں عُجلت نہیں ہوتی۔ یہاں سٹیپ وائز کام ہوتا ہے۔ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ اب ارادہ بھی کیا، سعی بھی کی لیکن پھر کنڈیشن لگا دی کہ ہو ایمان والا۔ ہاں یہ تینوں چیزیں ذہن میں رکھنی ہیں۔ نیکی کا ارادہ آخرت کے لیے کرے پھر اس کے لیے سعی کرے، کوشش کرے اور ساتھ شرط لگا دی کہ ہو ایمان والا۔ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا بس یہ ہے بات کہ ہم اس کی کوشش کو قبول فرمالیتے ہیں شکریہ کے ساتھ۔ پچھلی آیت میں کیا ہے؟ مَا نَشَآءُ ہم اس کو دیتے ہیں جتنا چاہتے ہیں۔ یہ بڑی ایک باریک سی بات ہے اگر آپ سمجھ سکیں۔ بہت سے لوگ ہیں اس دنیا میں جو اس دنیا کے لیے کوشش کرتے ہیں لیکن سب کو نہیں ملتی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس جس نے اس دنیا کے لیے کوشش کی اس کو مل جائے۔ اس لیے فرمایا عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ یعنی دنیا کو حاصل کرنے کی کوشش بہت لوگوں نے کی لیکن جن کو ہم نے چاہا کچھ دے دیا اس دنیا میں سے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو اس دنیا کے لیے مثلاً منصب کی، حکومت کی کوشش کرتا ہے تو ہم سب کو حکومت دے دیتے ہیں۔ دولت سب کو دے دیتے ہیں۔ نہیں نہیں۔ جتنا چاہتے ہیں دنیا میں سے تھوڑا سا دے دیتے ہیں۔ لیکن جس نے آخرت کا ارادہ کیا اس کے لیے سعی کی اور صاحب ایمان رہا۔ یہاں یہ نہیں ہے کہ ہم چاہیں گے تو دے دیں گے؛ فرمایا اس کو ہم نے قبول کر لیا۔ ان سب کو آخرت مل گئی جو ان شرائط پہ آخرت کے لیے کام کریں گے۔ ان کی کوشش ضائع نہیں کی ہم نے۔ ایک دوسرے مقام پہ کیا فرمایا؟ اِنَّ اللّٰهَ لَا

يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ[1] اللہ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اللہ کی بارگاہ میں یہ تین شرائط کے ساتھ جو بندہ کام کرتا ہے ناں، تو دنیا کے لیے تو بہت سے لوگوں نے کوشش کی لیکن سب کو دنیا نہ ملی۔ لیکن آخرت کے لیے جنہوں نے کوشش کی ان سب کو مل گئی ہے۔ ان سب کیلئے اجر ہے۔

ویسے اس کی تفسیر میں اور بھی بہت سے دقیق معاملے ہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ جو قرآن کریم نے اور بھی لکھی ہے کہ یہ جو لوگ میرے نبیوں کی اطاعت نہیں نہ کرتے، میرے پیغمبروں کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ اس کی پتہ وجہ کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے نبی کے راستے کو اختیار کیا تو شاید یہ دنیا ہمیں ملے گی نہیں۔ اس دنیا میں ہمارے لیے رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ مثلاً اگر ہم حلال رزق کماتے ہیں تو شاید ہم دولت مند نہیں بن سکتے۔ بھائی نبی کے راستے پہ چلیں گے تو پھر اس کے لیے رزق حلال کمانا پڑے گا۔ اب ان کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ اگر نبی کی اتباع کی تو پھر اسی ماڑے پے جاں گے۔ تو اس دنیا کی طلب اصل میں تمہیں پیغمبر کے راستے سے ہٹا دیتی ہے۔

یہ عجلت کا جو لفظ ہے ناں یہ سارے مفہوم اس کے اندر ہیں۔ یہ سارے معنی اس کے اندر ہیں۔ ویسے بھی آپ کو پتہ ہے ناں کہ یہ جو عجلت کا کام ہوتا ہے یہ شیطان کام ہے۔ بس صرف چار پانچ جگہیں ہیں جہاں پہ جلدی کا حکم ہے کہ اگر کوئی بندہ فوت ہو گیا ہے تو اس کو دفنانے میں جلدی کرنی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ نیک ہے تو اپنی منزل پہ جلدی پہنچے۔ یہاں اس نے بڑے دکھ اٹھا لیے ہیں؛ ہاں اب وہ دلہن والے کمرے میں جلدی پہنچ جائے۔ اور اگر وہ بد ہے تو تمہارے کندھے اس کے بوجھ سے آزاد ہو جائیں۔ دونوں باتیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیں۔ دوسرا نماز قضا ہو جائے تو اس کو پڑھنے میں جلدی کرو۔ ہاں یہ نہیں ہے کہ اچھا پھر پڑھی جائے گی۔ پتہ نہیں موت کب آجائے۔ اس لیے قضا نماز میں کبھی آپ نے دیر نہیں کرنی۔ یہ نہیں ہے کہ سورج چڑھ گیا ہے اور میں اٹھا ہوں تو اب ظہر کیساتھ پڑھ لوں گا۔ نہیں، سارے کام چھوڑ کے وضو کر کے پہلے اس قضا نماز کو پڑھ پھر اور کام کرنا۔ بچی جوان ہو جائے تو اس کے نکاح میں جلدی کر۔ اگر بیٹی جوان ہو گئی ہے تو اس کے

[1] سورۃ التوبہ:120

نکاح میں آپ دیر کرتے ہیں تو اگر اس میں کوئی برا کام کر لیا، جذبات میں آ کر تو وہ والدین نہیں بچ سکتے کہ اس کی برائی کی وجہ تم بنے ہو۔ اس لیے یہ بھی نہ کہا کرو کہ ابھی اس نے پڑھنا ہے۔ ابھی ڈاکٹر بننا ہے۔ ابھی تو پتہ نہیں پی ایچ ڈی کرنی ہے۔ آپ کو پتہ ہے ناں سیدہ پاک، طاہرہ ہیں۔ ان پہ عام عورتوں والے احکامات بھی نہیں لگتے۔ سیدہ فاطمہ الزہرا پہ عام عورتوں والے احکامات نہیں لگتے۔ وہ طاہرہ ہیں، پاکیزہ ہیں۔ لیکن سرکار نے اماں عائشہ صدیقہ سے ایک دن یہ بھی فرمایا تھا کہ میں میدان جنگ میں بھی ہوں تو اطلاع کر دینا اگر فاطمہ جوان ہو جائے۔ تو اس کی شادی میں جلدی کرو۔ یہ جلدی والے کاموں کا بھی آپ کو علم ہونا چاہیے۔ تدفین میں جلدی کرنی ہے۔ نماز قضا ہو جائے تو جتنی جلدی ہو سکے اس نماز کو ادا کر۔ بچی جوان ہو جائے تو اس کی شادی میں آپ نے دیر نہیں کرنی۔ جلدی کرنی ہے۔ کسی کا قرض دینا ہے تو اس میں بھی جلدی کرنی ہے۔ دیکھیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ آتا تھا تو پہلے یہ پوچھتے تھے کہ اس نے کسی کا قرض تو نہیں دینا؟ اس کو بھی کبھی معمولی نہ سمجھا کریں۔ اگر لوگ کہتے کہ ہاں قرض دینا ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جو لواحقین ہوتے تھے، بہن بھائی، بیٹے ان سے کہتے تھے کہ بھائی اس کے قرض کی ذمہ داری لو۔ اگر اس کے بچے یہ کہتے کہ اس نے تو قرضہ ہی اتنا لے لیا ہے کہ ہم نہیں ادا کر سکتے۔ پھر اس کے قبیلے کو کہا جاتا تھا، اس کے خاندان کو کہا جاتا۔ یہ خاندان اس لیے ہوتے ہیں۔ یہ لڑائیوں کیلئے نہیں ہوتے۔ تو سرکار اس کے قبیلے سے کہتے، اس کے خاندان سے کہتے کہ تم سارے خاندان والے مل کے اس کا قرض ادا کرو۔ اگر وہ بھی ذمہ داری نہ لیتے تو پھر عام عوام سے فرماتے۔ لیکن جب مدینہ شریف کی سٹیٹ بن گئی، اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ ہم نے نام تو رکھا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان لیکن یہ اسلامی سٹیٹ نہیں ہے؛ جب اسلامی حکومت بن گئی تھی تو پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اب اگر کوئی مقروض مرے گا اس کا قرض سٹیٹ ادا کرے۔ چونکہ ہم ٹیکس دیتے ہیں ناں سٹیٹ کو۔ اوہ بھائی آپ ایک ٹافی بھی لیتے ہیں تو اس پہ بھی ٹیکس دیتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ 100 روپے کی چیز لیتے ہیں تو 17 روپے تو اس میں سیل ٹیکس ہے۔ 17 روپے تو ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔ دوسرے ٹیکسز، یہ جو بجلی کے بل پہ، فون پہ۔ بھائی ہم پیسے دیتے ہیں تو اسلامی سٹیٹ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر وہاں آپ نے تعلیم بھی مفت دینی ہے، اس ٹیکس کے عوض۔ ہمیں اپنے حقوق کا نہیں پتہ۔ اسلامی ریاست نہیں ہے یہ۔

اس لیے کہ مجھے اپنے بچوں کی تعلیم کا خود خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر تم ٹیکس دو گے تو پھر سٹیٹ ذمہ دار ہے تیرے بچوں کی تعلیم کی۔ تم نے خرچہ نہیں کرنا۔ تین چیزیں ہیں، ہمارے ٹیکس کے عوض میں، جو سٹیٹ نے ہمیں دینا ہوتی ہیں۔ دوسری چیز صحت ہے۔ دوائی کے لیے مجھے پیسے خرچ نہ کرنے پڑیں۔ وہ میری حکومت مجھے فراہم کرے۔ اور تیسری چیز عدل ہے۔ تعلیم، صحت اور عدل۔ یعنی مجھ سے جو حکومت پیسے لیتی ہے اس کے عوض اس نے یہ تین چیزیں مجھے دینی ہیں۔ میرے بچوں کی تعلیم، میری صحت، میرے خاندان کی اور پھر اس کے ساتھ عدل۔ عدل کے لیے آگے پھر تین چیزیں ہیں۔ عدل فوری ہو۔ یہ نہیں ہے 20،20 سال مقدمے چل رہے ہیں۔ مظلوم کی دہلیز پہ ہو۔ مظلوم کو تھانے کچہری نہ جانا پڑے۔ تم نے اس کی دہلیز پہ آکے اس کو عدل دینا ہے اور تیسری چیز ہے مفت ہو۔ عدل کے لیے اسے پیسے خرچ نہ کرنے پڑیں۔ یہ اسلامی سٹیٹ ہوتی ہے۔ یہ ایک اسلامی ملک ہوتا ہے۔ بہر حال وہ بات دوسری طرف چلی گئی۔ یہ میں اسلام کے ابتدائی دور کی باتیں کر رہا ہوں۔ اسلامی ریاست بننے سے پہلے۔ سرکار پوچھتے ہیں اس کے بچے جو ہیں وہ ادا کریں۔ بچے نہیں کر سکتے تو خاندان اس کا ادا کرے۔ پھر عام مسلمان جو ہیں وہ اس کا قرض ادا کر دیں اور اگر کوئی بھی ذمہ داری نہیں لیتا تھا تو نبی پاک اس کا جنازہ ہی نہیں پڑھاتے تھے۔ کسی عام صحابی سے کہتے کہ جاؤ اس کا جنازہ پڑھا کے دفن کر دو۔ اس لیے قرض کو بھی کبھی معمولی نہیں سمجھنا۔ جتنی جلدی ہو سکے قرض ادا کرنا ہے اور اگر تم نے کسی سے زیادتی کی ہے ظلم کیا ہے تو اس سے معافی مانگنے میں جلدی کر۔ وہاں بھی دیر نہیں کرنی، ہو سکتا ہے موت کب آجائے۔ کسی کو گالی دی ہے، تھپڑ مارا ہے، کسی کا حق مارا ہے تو اس سے معافی جلدی جلدی طلب کر۔ یہ کام ہے جلدی والے باقی کام جلدی والا شیطان کا۔

یہ جو نماز بھی ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں ناں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا تھا کہ جا دوبارہ نماز پڑھ۔ تُو تو اس طرح نماز پڑھی ہے جیسے مرغا دانے چگتا ہے۔ جس کو یہ ہی نہیں پتہ کہ میں لفظ کیا ادا کر رہا ہوں اور قرآن نے کیا کہا ہے وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا[1] اس کو ٹھہر ٹھہر کے پڑھ۔ ہر لفظ پہ غور کر۔ اچھا میں کئی دفعہ دیکھتا

[1] سورۃ المزمل:4

ہوں میری ابھی دو رکعتیں ختم نہیں ہوتی لوگ نماز پڑھ کے بھی چلے جاتے ہیں۔ یہ لفظ عجلت سمجھ میں آگیا ناں۔ جلدی جلدی کرتے ہیں۔ یہاں سے نکلیں اور جا کے دکان پہ کمائی کر لیں۔ ہیں؟ اوہ! وہ وقت تو یہ ہے جو اللہ کی بارگاہ میں تیرا صرف ہو۔ تو قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ نبیوں کی اطاعت لوگ اس لیے نہیں کرتے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر نبی کی اتباع کی تو یہ دنیا کی لذتیں مجھے نہیں ملیں گی۔ دنیا کی دولت مجھے نہیں ملے گی۔ حکومت نہیں ملے گی۔ میں تو لوگوں سے پیچھے رہ جاؤں گا۔ بس یہ سوچ جو ہے، یہ انسان کو برباد کر دیتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ پھر ہم اس کو ذلیل کر کے جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔

اس کے لیے میں موضوع تو یہ بہت لمبا ہے لیکن تھوڑا سا اگر آپ اس کو سمجھ لیں آج؛ ہم نے یہ جو بات شروع کی ہوئی ہے۔ یہ جو آج کل ہماری لڑائی ہے ناں ہماری نئی نسل کے ساتھ۔ بلکہ لڑائی ہے بھی کوئی نہیں، ماں باپ بھی ذہنی طور پہ بے حیا ہو گئے ہیں۔ کرپٹ ہو گئے ہیں۔ اولادوں کو کیا کہنا ہے۔ لیکن جن گھروں میں ہے، جن ماں باپ کی یہ خواہش ہے کہ ہماری بچیاں باپردہ رہیں۔ بچے حلال کمائیں۔ ظلم نہ کریں۔ وہاں معاملہ اصل میں کیا ہے؟ یہ کہتے ہیں کہ تم اللہ کا نبی پاک کا حکم نہیں مانتے اولاد آگے سے تڑِ (اکڑ) جاتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نہیں ماننا۔ اس پہ میں ایک پورا ڈیٹیل لیکچر اگر کسی دن ہو سکا، آج صرف اس کی ابتدائی چیزیں جو ہیں وہ سیکھ لیں۔ انسان کی زندگی میں یہ دو، یہ دونوں چیزیں جو بیان کر دی گئی ہیں کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو اس دنیا کو فوری طور پہ اس کی لذتیں چاہتے ہیں، عزت چاہتے ہیں، دولت چاہتے ہیں، اقتدار چاہتے ہیں اور دوسرے وہ جو ارادہ کرتے ہیں آخرت کا اور پھر اس کے لیے سعی کرتے ہیں۔ تو زندگی میں ایک مذہب ہوتا ہے اور ایک کلچر ہوتا ہے۔ اس کو دونوں چیزوں میں اصل میں ہم فرق نہیں کر پا رہے۔ ایک ہے میرے رہن سہن کا طریقہ۔ میرے رسم و رواج، میرے معاشرے نے جو مجھے قوانین دیے۔ ایک اللہ رسول مجھے حکم دے رہے ہیں۔ بس یہ جملہ آپ نے میرا جو ہے ناں، یہ قیمتی ہے، یہ نہیں بھلانا۔ اگر ہم مذہب کو کلچر کا حصہ بنا لیں تو کبھی پریشانی نہیں ہو گی۔ یعنی ہم مذہب کو کلچر کا حصہ نہیں بنا سکے۔ اب شادی والے دن جب میں یہ کہتا ہوں کہ میری بچیاں وہ لباس نہ پہنیں جن سے ان کے جسم نظر آتے ہیں۔ بے حیائی والے۔ وہ بچی کہتی ہے کہ میں تو اپنی سہیلیوں میں بے عزت ہو جاؤں گی۔ اپنی کزنوں میں بے عزت ہو جاؤں

گی۔ میری عزت اس کلچر میں ہے۔ اس ثقافت میں ہے۔ اس تہذیب میں ہے۔ اور اگر ہم نے بحیثیت معاشرہ اپنے مذہب کو کلچر کا حصہ بنایا ہوتا کہ جو بے حیا عورت ہے اس سے نفرت کی ہوتی۔ بھائی اگر معاشرہ کسی بے حیا عورت کو پسند نہ کرے تو وہ بے حیائی چھوڑ دے گی۔ لیکن جب کلچر بے حیائی کو عزت دیتا ہے پھر مذہب اور کلچر میں کلیش ہو جاتا ہے۔ جنگ ہو جاتی ہے۔ لڑائی ہو جاتی ہے اور پھر ہوتا یہی ہے کہ لوگ اپنے کلچر پہ عمل کرتے ہیں، مذہب پہ نہیں کرتے۔ لیکن جو قومیں اپنے مذہب کو کلچر کا حصہ بنا لیتے ہیں، اپنی ثقافت کا، اپنے رہن سہن کا۔ ان کے لیے یہ پرابلمز پیدا نہیں ہوتے۔ ان کے لیے یہ مسائل ہی پیدا نہیں ہوتے۔ اس کے لیے میرے حضرت صاحب قبلہ رحمت اللہ تعالیٰ علیہ ایک مثال دیا کرتے تھے۔ اباجی فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا ایک سِکھ کے بچے کو داڑھی رکھنے پہ کون مجبور کرتا ہے؟ سر پہ اتنی بڑی پگڑی باندھنے کے لیے کون مجبور کرتا ہے؟ اس نے اپنے مذہب کی وہ کرپان یہاں رکھنی ہے، بال رکھنے ہیں، اس کے ماں باپ نے اس بچے کے مذہب اور کلچر کو ایک کر دیا ہے۔ وہ مذہب پہ ایسے ہی عمل کرتا ہے جیسے اس کی تہذیب اور کلچر کا حصہ ہے۔ بچپن میں ہم نے دیکھا ہے جو ہمارے بزرگ ہیں انہوں نے بھی دیکھا ہے۔ یقین جانیے اگر کسی دودھ بیچنے والے کو آپ کہہ دیتے تھے ناں اوئے دودھ وچ پانی پایا ای؟ وہ آگے سے قسمیں اٹھاتا تھا کہ نہیں نہیں میں تے کدی پانی نہیں پایا۔ میں تو خالص دودھ بیچتا ہوں۔ وہ آگے سے قسمیں اٹھاتا تھا۔ وہ deny کرتا تھا۔ لیکن جب اس برائی کو کلچر نے قبول کر لیا تو اب وہی دودھ بیچنے والا کہتا ہے پانی والا لینا ہے کہ خالص لینا؟ اب وہ پوچھتا ہے نا کون سا لینا ہے؟ اب یہ حیاء ہمارے دیکھتے دیکھتے ختم ہو گئی۔ کیوں؟ کہ مذہب نے کہا تھا کہ ہم نے یہ نہیں دیکھنا کہ تیرے پاس دولت تھوڑی ہے یا زیادہ ہے۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ حلال ہے یا حرام ہے۔ جب تک حلال حرام کلچر کا حصہ رہا، تو یقین جانیے اگر کوئی رشوت کے پیسوں کی موٹر سائیکل لے لیتا تھا تو وہ چھپاتا پھرتا تھا۔ اچھا یہ جملے تو میں نے بزرگوں سے خود سنے ہیں، بزرگ آندے ہوندے سن کہ پیسا تے کنجراں کول وی بڑا اے۔ یعنی حرام کے پیسے کو معاشرہ نظر انداز کرتا تھا۔ کلچر کا حصہ نہیں تھا حرام۔ لیکن جب اس معاشرے میں حرام کو عزت دی، کلچر کا حصہ بنا لیا۔ تو اس نے پھر مذہب کی دھجیاں اڑا دی۔ اب آپ نے دیکھا ہے کہ پیسے حرام کے ہوں گے تو معاشرے میں عزت ہے۔ تو حرام خور دندناتے پھر رہے ہیں۔ وہ معاشرے کے معزز

شہری ہیں۔ اور اب وہ جو بچے اپنے باپ سے، رزق حلال کمانے والے باپ سے پوچھتے ہیں کہ اباتوں ساری زندگی کی بنایا ای؟۔ یہ ہے وہ لفظ عجلت، اگر آپ کو اس دنیا کی لذتیں نہیں ملیں۔ معاشرے میں مجھے عزت نہیں ملی۔ قرآن کریم نے کیا کہا تھاإِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقٰكُمْ[1]۔ اوہ بھائی عزت کرنی ہے کسی کی تو نیکی کی بنیاد پہ کریں۔ یہ جملہ جو میں نے کہا تھا کہ ایک بے حیا عورت جب معاشرے میں نکلے، سارے اس سے نفرت کریں۔ اگلے دن وہ حجاب میں آئے گی لیکن اگر آپ حجاب والی بچی کی توہین کریں گے، اس کے رشتہ دار اس کی توہین کریں گے۔ اس کی سہیلیاں اس کی توہین کریں گیں۔ سکھوں کا تو اس دنیا میں کوئی ملک نہیں ہے ناں۔ لیکن اس قوم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہماری ہر خوشی ہمارے مذہب کے مطابق ہو گی۔ ہمارا ہر غم ہمارے مذہب کے مطابق ہو گا۔ ہمارا ہر رسم و رواج ہمارے مذہب کے تابع ہو گا۔ ان کو دنیا کی کوئی طاقت مذہب سے دور نہیں کر سکی۔ لیکن جب آپ اپنے کلچر کو مذہب کے مقابلے میں کھڑا کر دیتے ہیں تو پھر مذہب کی توہین ہوتی ہے، بے عزتی ہوتی ہے۔ یہ کام ماں باپ نے کرنا تھا کہ ہم اپنے بچوں کو بتاتے کہ ہماری عزت مذہب پہ عمل کرنے میں ہے نہ کہ مذہب سے نفرت کرنے میں۔ اب ہمارا کلچر اور ہے؛ ہمارا مذہب اور۔ ہمارے کام مذہب کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ کلچر کے مطابق ہوتے ہیں۔ ہماری کوئی خوشی، غمی مذہب کے مطابق نہیں ہے۔ یہ بھی میں جملہ کبھی کبھی جو آپ سے کہتا ہوں ناں کہ اگر باپ کو زندگی میں فروٹ نہیں نہ کھلایا تو پھر ختم پر بھی نہ رکھنا۔ کیوں؟ زندگی میں اس کی خدمت کرنا، اس کو گوشت کھلانا، دوائی لا کے دینا، یہ فرض تھا یہ مذہب کا حکم تھا۔ اب یہ جو تو ختم پہ خرچ کر رہا ہے یہ تیرے کلچر کا حصہ ہے۔ تُو اپنے کلچر پہ تو لاکھوں روپیہ خرچ کر دیتا ہے۔ لیکن اللہ کے کہنے پہ ماں باپ کی زندگی میں عزت نہیں کرتا۔ یہ کلچر اور مذہب کی جنگ یہاں تک پہنچ گئی اور اب یہاں تک چیز آگئی ہے کہ ہمارے بچے یہ کہنے پہ مجبور ہو گئے ہیں کہ ہمارے مذہب کے پاس تو اس دور میں رہنمائی نہیں ہے۔ چونکہ معاشرے نے بھی حرام کو عزت دی تو اب حرام خور سرعام حرام کی باتیں کرتے ہیں۔ اور یہ 20، 30 سال میں سب کچھ چینج ہوا ہے۔ یہ کوئی پرانی بات نہیں۔ جتنے بزرگ بیٹھے ہیں ان سے پوچھ لیں۔ دودھ بیچنے والے کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ہم نے کبھی پانی نہیں ڈالا۔ اب وہ کس طریقے سے

---

[1] سورۃ الحجرات:13

کہتا ہے کہ وہ پانی والا لینا ای کہ خالص لینا ای؟ کیوں یہ حیاء ختم ہو گئی؟ اس لیے کہ ہم نے حرام کو عزت دی۔ تو کلچر ہے میرے رہنے سہنے کا طریقہ۔ اگر یہ مذہب کے اندر رہے گا تو حیاء بھی رہے گی۔ دیانت داری بھی رہے گی۔ ملاوٹ نہیں ہو گی۔ جھوٹ نہیں ہو گا۔ لیکن اگر میں اس حرام خوری کو مذہب کے اوپر غالب کر دوں گا تو برباد ہو جاؤں گا۔ تو اس لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جو اسی دنیا کا ارادہ کرتے ہیں۔ ان کو جتنا ہم چاہتے ہیں اس دنیا میں سے دے دیتے ہیں اور پھر ان کو ذلیل کر کے جہنم میں داخل کریں گے۔ لیکن جن لوگوں نے آخرت کا ارادہ کیا اور پھر اس کے لیے سعی کی، کوشش کی اور پھر وہ ایمان والے بھی رہے تو فرمایا کہ ہم پھر ان کی اس کاوش کو قبول کرتے ہیں اور شکریہ کے ساتھ ان کو جنت میں داخل کرتے ہیں۔ مشکور وہ ہوتا ہے جس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ ہیں؟ یہ لفظ مشکور اللہ نے استعمال کیا۔

تو یہ اعمال کو برباد کرنے والی چیزیں، یہاں تک پہنچے تھے۔ ایک چیز اور بھی ہے، ارتداد۔ اب میں دیکھ رہا ہوں کہ وقت چونکہ وہ ختم ہو گیا ہے۔ اگلے جمعے انشاء اللہ اس پہ ہم بات کریں گے کہ جو ارتداد اختیار کرتے ہیں۔وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ[1] ارتداد اختیار کرنا اور پھر اسی پہ مرنا۔ توبہ نہیں کی۔ وہی لفظ حبط۔فَاُولٰٓىٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِۚ-وَ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ-هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ اس کے اعمال بھی جو ہیں وہ ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ برباد ہو جاتے ہیں۔ تو یہ تین چیزیں ہم نے ابھی تک تھوڑی تھوڑی سیکھی ہیں۔

اگلے جمعے انشاء اللہ اس پہ مزید گفتگو ہو گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

---

[1] سورۃ البقرۃ:217

ہر عمل شاکلہ کے مطابق

قرآن: قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ-فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا سورة الاسراء: 84

ترجمہ:- تم فرماؤ: سب اپنے اپنے انداز پر کام کرتے ہیں تو تمہارا رب اسے خوب جانتا ہے جو زیادہ ہدایت کے راستے پر ہے۔

خاکہ:-

1۔ نیکی کا کام آخرت کیلئے کرنا چاہیے۔ 2۔ ختم دلانا کلچر بن گیا ہے۔

3۔ بڑے لوگوں کے بڑے جنازے، چاہے وہ چور ہی کیوں نہ ہوں۔

4۔ وہ قومیں جنہوں نے اپنا کلچر مذہب کے تابع کیا ہے۔

5۔ جس نے نعمتیں دی ہیں، شکر اسی کا ادا کرو۔ 6۔ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

7۔ نعمتیں ملنے پر اعراض اور نعمت جانے پر مایوسی 8۔ شاکلہ کسے کہتے ہیں؟

9۔ شاکلہ کی قرآن کریم سے مثال 10۔ شاکلہ اور جدید سائنس

11۔ معاشرہ کبھی ٹھیک نہیں ہوتا، خود ہی کوشش کرنا پڑتی ہے۔

12۔ شاکلہ ایک مخصوص ترتیب ہے۔ 13۔ بستیاں برباد ہونے کی وجہ

گفتگو تو ہماری اس عنوان پہ چل رہی تھی کہ کون سے ایسے اعمال ہیں جو میری نیکیوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ برباد کر دیتے ہیں۔ تو نیکی کر لینا اور پھر اس کے بعد اس نیکی کی حفاظت کرنا، اگر آپ اس کو محفوظ نہیں کرتے ،مرنے سے پہلے کوئی ڈاکو کوئی شیطان، نفس آپ کی وہ نیکی ضائع کر دیتا ہے تو وہ بہت بڑا نقصان ہے۔اس کے لیے ہم نے قرآن کریم سے چند ایک چیزیں دیکھی تھی کہ ایک تو اللہ کے پیغمبر کی گستاخی نیکیوں کو ضائع کر دیتی ہے۔وہ سورہ حجرات سے ہم نے آیات آپ کے سامنے رکھی تھیں۔ سورہ ہود اور سورہ بنی اسرائیل سے ہم نے آیات سیکھیں تھی کہ جو لوگ اس دنیا کے لیے نیکی کرتے ہیں ان کی نیکیاں بھی برباد ہو جاتی ہیں وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ[1] اور جو کوئی آخرت کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اس کے لیے سعی کرتا ہے، کوشش کرتا ہے۔تو یہ ضروری ہے کہ ہم جو بھی نیکی کا کام کریں اپنی آخرت کے لیے کریں۔ دنیا کے لیے نہ کریں لیکن اس حوالے سے آخر میں ہماری گفتگو یہاں پہنچی تھی کہ بہت سی قومیں اس دنیا میں اپنا تشخص بحال رکھتی ہیں صرف اس لیے کہ وہ اپنے مذہب کو اپنے کلچر کا حصہ بنا لیتی ہیں۔تو یہ آخر میں چند جملے میں نے آپ سے عرض کیے تھے کہ ہمارے کام کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے مذہب کو کلچر میں نہیں بدلا تو ہمارا کلچر اور ہے ہمارا مذہب اور ہے۔ تو ہمارے بچے جو ہیں وہ پھر کنفیوز ہیں، پریشان ہیں کہ ہم مذہب پہ عمل کریں یا کلچر پہ عمل کریں۔ اور ہوتا کیا ہے کہ پھر آخر میں کلچر ڈومینیٹ کر جاتا ہے۔ غالب آ جاتا ہے اور مذہب کی توہین ہوتی ہے۔ مذہب آپ کے دل کی صفائی کرتا ہے۔ مذہب کا تعلق آپ کے دل کے ساتھ ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ مذہب آپ کو حیا کی تعلیم دیتا ہے اور کلچر کہتا ہے کہ عزت بے حیائی میں ہے۔ تو بچے پھر ظاہر ہے اسی پریشانی میں چلے جاتے ہیں۔

ایک اور میں نے مثال آپ سے عرض کی تھی تا کہ اس کو آگے ہم تھوڑا سا بڑھائیں۔ یہ بات اکثر کرتا ہوں، دوستوں سے کہتا ہوں، ہر ختم شریف پہ کہتا ہوں کہ اگر آپ نے اپنے والدین کو زندگی میں اچھا کھانا نہیں کھلایا اور کوئی فروٹ نہیں دیا، گوشت نہیں دیا تو ان کے ختم میں پھر فروٹ نہ رکھا کریں۔ یہ ظلم نہ کریں کہ جب آپ

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:19

پہ فرض تھی ان کی خدمت تو وہ تو آپ نے کی نہیں ہے۔ تو اس کی بھی وجہ میں نے آپ کو عرض کی تھی کہ زندگی میں ماں باپ پہ خرچ کرنا چونکہ مذہب کا حکم ہے تو وہ ہم نہیں کرتے۔ ختم ہمارا کلچر ہے تو وہ کلچر ڈومینیٹ کر گیا کبھی آپ نے یہ دیکھا ہو کہ فرض نماز کے لیے کتنے لوگ آتے ہیں اور جنازے میں کتنے لوگ ہیں چونکہ وہ کلچر کا حصہ بنا لیا ناں۔ پھر بعد میں فاتحہ پڑھنے کے لیے یعنی نماز فرض کے لیے وقت نہیں نکالتے لیکن فاتحہ پڑھنے کے لیے وقت نکال لیتے ہیں۔

یہاں پھر فرق آجاتا ہے، یہ چونکہ کلچر کا حصہ ہے کہ یہ جو بڑے لوگ ہیں وہ چاہے ڈاکو ہی کیوں نہ ہوں، چور ہی کیوں نہ ہوں، سود خور ہی کیوں نہ ہوں ان کے جنازے بڑے ہوتے ہیں۔ اگر ہم مذہب کا حکم سمجھ کے جنازہ پڑھیں تو پھر غریبوں کے جنازے بھی بڑے ہوں۔ جب اللہ کے حکم کے مطابق نہیں پڑھتے تو پھر کیا ہے کہ جو کلچر ہے کہ ہم نے بڑے لوگوں کو سلام کرنی ہے تو بڑے بڑے چوروں کے بڑے جنازے ہوتے ہیں۔ بڑے ڈاکوؤں کے بڑے جنازے ہوتے ہیں غریب آدمی متقی پرہیز گار بھی ہو تو چند لوگ جاتے ہیں جنازے پہ۔ وہاں فاتحہ پڑھنے بھی کوئی نہیں جاتا۔ وہ بیمار ہو جائے تو تیمار داری کرنے کتنے لوگ جاتے ہیں؟

تو اس کے لیے میں نے آپ کو بتایا تھا کہ بہت سی قومیں اب بھی ڈومینیٹ کرتی ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے مذہب کے تابع کیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال میں نے سکھوں کی دی تھی کہ آپ کے شہر کی اگر 10 لاکھ بھی آبادی ہو تو سکھوں کے ایک بچے پہ تمہارے کلچر کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ اس کے گروہ کی نشانی تم 10 لاکھ مل کے بھی اس کے سر سے نہیں اتروا سکتے۔ کیونکہ اس کے والدین نے اس کی خوشی غمی، رسم و رواج اپنے مذہب کے تابع کر دیے۔ یہ جو میں نے عرض کیا تھا کہ آج میرے معاشرے کا جو نوجوان پریشان ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ عزت تو کلچر میں ہے اگر میں نے مذہب پہ عمل کیا تو میری تو معاشرے میں عزت ہی نہیں ہو گی۔ جو بچی حجاب کرتی ہے وہ شرمندہ ہوتی پھرتی ہے۔ مذہب پر عمل کرنے والی اور جو بے حیائی کا لباس پہنتی ہے اس کو معاشرے میں عزت ملتی ہے۔ یہ چند چیزیں جو تھیں، اس پہ غور و فکر کیا تھا۔

آج میں نے جو آیات تلات کی ہیں۔ اللہ فرماتا ہے وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ[1] جب ہم انعام کرتے ہیں انسان پر۔ نعمتیں دیتے ہیں۔ آسائشیں دیتے ہیں۔ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ اعراض کرتا ہے۔ ہماری جانب آنے میں غفلت برتتا ہے۔ منعم کو ہی بھول جاتا ہے۔ نعمتیں دینے والے کو ہی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس نے نعمتیں دی ہیں اسکے سامنے سجدہ شکر ادا کرتا لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم نعمتیں دیتے ہیں جتنی نعمتیں بڑھتی جاتی ہیں وہ ہم سے دور ہوتا جاتا ہے۔ ایک بَڑھیا جملہ، ہم نے اپنے طالب علمی کے دور میں واصف علی واصف صاحب کا دیکھا تھا۔ اس وقت وزیر اعلیٰ، ہمارے پنجاب کے حنیف رامے ہوا کرتے تھے۔ تو وہ بھی واصف علی واصف صاحب کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ تو یہ ان کے پاس بحیثیت وزیر اعلی ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ تو ایک دن واصف صاحب سے کہنے لگے کہ میرے لیے دعا کریں۔ انہوں نے کہا کہ کیا دعا کروں؟ مجھے ترقی مل جائے۔ بہت خوبصورت بات، ہم نے اپنے طالب علمی کے دور میں یہ پڑھا تھا۔ حنیف رامے نے اس کو لکھا ہے اس کو اپنی کتاب میں۔ و اصف علی واصف صاحب نے فرمایا کہ دیکھو زادِ راہ سفر کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر تو نے یہاں سے کوئی 10، 20 کلو میٹر جانا ہے، تو دو تین سو روپیہ ہو گا کرایہ۔ لیکن اگر تو نے کراچی جانا ہے تو پھر ظاہر ہے تیرے پاس دس ہزار ہونا چاہیے۔ اگر سعودی عرب جانا ہے تو پھر دو تین لاکھ ہونا چاہیے۔ تو جتنا سفر ہوتا ہے ناں زادِ راہ اس کے مطابق ہوتا ہے۔ رامے صاحب کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ حضور مجھے سمجھ نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا اپنا سفر تو دیکھ گھر سے قبرستان تک تو جانا ہے، اتنے سے سفر کے لیے تجھے کتنی ترقی کی ضرورت ہے؟ یعنی اپنے سفر پہ تو غور کر کتنا زادِ راہ تجھے چاہیے۔

میں کئی دفعہ یہ بات، یہ جو سورۃ اعلیٰ میں اللہ نے بیان فرمائی وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى[2] اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ چلو انسان کی فطرت کے مطابق ہی چلتے ہیں۔ فطرت کیا ہے کہ اگر میرا مکان دو کمروں کا ہے تو چار کمروں کا ہو جائے۔ اگر اس میں اے سی نہیں ہے تو اے سی لگ جائے۔ یعنی خیر کی طرف بہتری کی طرف انسان جاتا

[1] سورۃ بنی اسرائیل: 83

[2] سورۃ الاعلیٰ: 17

ہے ناں بھائی۔ بڑائی کی طرف جاتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں اگر تیری فطرت میں بھی یہ چیز شامل ہے کہ تو بھلائی کی طرف ہے۔ خیر کی طرف اچھائی کی طرف جاتا ہے تو یہ تجھے کیوں سمجھ نہیں آتی کہ آخرت اس دنیا سے بہتر ہے۔ بھائی آخرت بہتر ہے تو تو آخرت کا سفر کیوں طے نہیں کرتا؟ باقی چیزیں چھوڑ، دنیا میں تو جو بھی خیر کمائے گا وہ فانی ہے لیکن آخرت باقی رہنے والی ہے۔ اس کی ہر نعمت باقی رہنے والی ہے۔ تو رامے صاحب کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کی میں نے کہا دیکھیے میں سیاسی آدمی ہوں۔ ڈیرا چلانا ہوتا ہے۔ لوگ آتے ہیں، مہمان آتے ہیں۔ بہت کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔ تو فرمانے لگے کہ واصف علی واصف صاحب نے فرمایا رامے صاحب: ترقی کا مطلب اللہ سے غفلت ہے۔ جتنے تیرے کاروبار بڑھیں گے اتنا تو اللہ سے غافل ہوتا جائے گا اور اللہ سے کبھی ایسے کاروبار کی دعا نہ مانگنا جو تجھے اللہ سے غافل کر دے۔ یہ ہے آیت مبارکہ، مجھے یاد آتی تھی پھر بار بار کہ اللہ فرماتا ہے کہ ہم آسائشیں دیتے ہیں، انعامات دیتے ہیں نعمتیں دیتے ہیں اور بندہ ہم سے دور ہوتا ہے۔

میں اپنا ذاتی واقعہ ایک سناؤں آپ کو۔ میرا ایک کلاس فیلو ہوتا تھا۔ مجھے اپنے گاؤں اس نے بلایا۔ یتیم تھا اور اللہ نے اس کو بڑے عہدے پہ پہنچایا۔ بڑے مقام پہ پہنچایا۔ پوری دنیا میں اس کا ایک نام ہے۔ پہلے وہ دعا کیا کرتا تھا مجھے گاڑی مل جائے۔ گاڑی مل گئی۔ پھر جیسے خواہش ہوتی ہے بڑی گاڑی مل جائے۔ پھر اسے بڑی گاڑی مل گئی۔ اب بڑی گاڑی ملی تو سوچ کیا ہے کہ اب اس گاڑی میں کوئی اچھے سے گانے جو ہیں نا اس دور کے وہ چلنے چاہیے۔ نعمت اللہ نے دی ہے اور اس میں قرآن کی تلاوت نہیں لگ سکتی۔ کیوں بھائی؟ لوگ کیا کہیں گے۔ یعنی کلچر اور مذہب آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں ناں۔ کلچر کہتا ہے کہ اگر تیرے پاس کار ہے تو اس میں گانے تو اچھے تھے ویڈیو جو ہے وہ ننگی ہونی چاہیے۔ یہ ہمارے معاشرے کا جو مذہب اور کلچر کا معاملہ ہے وہ میں عرض کر رہا ہوں۔ فرمایا ایک تو انسان یہ کرتا ہے کہ نعمتوں سے اعراض کر کے ہماری طرف رجوع نہیں کرتا ہماری جانب نہیں آتا۔ غافل ہو جاتا ہے اور بڑھیابات وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ[1] پھر اگر کوئی شر اس کو مس کر لے۔ تھوڑی سی ہم پکڑ کر لیں۔ اس کی نعمتیں

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:83

چھین لیں کانَ یَـُٔوْسًا پھر ناامید ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ "ہُن کُجھ نئیں ہو سکدا"۔ اللہ سے بھی ناامید ہو جاتا ہے۔ نعمتیں دیں تو بھی ہم سے دور ہوتا ہے۔ نعمتیں چھین لیں تو بھی ہم سے دور ہو جاتا ہے۔

اگلی آیت آپ کو عرض کرنی تھی یہ تو اس کا سیاق سابق تھا۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ-اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیں کہ ہر کوئی عمل کرتا ہے اپنے شاکلہ کے مطابق۔ یہ شاکلہ عربی زبان کا چونکہ لفظ ہے۔ پرانے جو مفسرین نے اس کا معنی لکھا ہے کہ یا تو اپنی طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے یا اپنی نیت کے مطابق کرتا ہے یا اپنے مذہب کے مطابق۔ اس کو شاکلہ کہتے ہیں۔ نیت طبیعت اور مذہب۔ یہ تین چیزیں مل کے انسان کا شاکلہ بناتی ہیں۔ لیکن ہمارے جدید دور کے جو سائنسدان ہیں یا ماہرین نفسیات ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شاکلہ کے لیے تین چیزیں ہیں۔ہیں تین ہی۔ پہلے والدین ہیں۔ پھر معاشرہ ہے، کلچر جس کو میں کہہ رہا ہوں۔ خوشی غمی کے اظہار کے طریقے۔اور تیسرے نمبر پہ مدرسہ ہے۔ سکول ہیں کالجز ہیں۔ تو یہ تین چیزیں مل کے کسی فرد کا یا معاشرے کا شاکلہ بناتے ہیں۔ کیونکہ یہاں ہے قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ- تمام انسانوں کی بات ہو رہی ہے۔ پورے معاشرے کی بات ہو رہی ہے۔ جب آپ کسی کا عمل دیکھیں تو پھر آپ نے یہ دیکھنا ہے کہ اس کا شاکلہ کیسے تیار ہوا ہے؟

میں قرآن کریم سے ایک مثال آپ کو عرض کرتا ہوں کہ شاکلہ کو دیکھنا کتنا ضروری ہے؟ سیدہ مریم کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام آگئے۔ اب جملہ کیا کہامِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا[1] کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور لوگ مجھے بھول گئے ہوتے۔ بھائی کام بڑا مشکل ہے، ایک کنواری بچی جب بچہ اٹھا کے جائے گی معاشرے میں، تو آپ دیکھتے ہی ہیں کہ کیا حال ہو گا اس کا۔ اب اللہ کا حکم ہے کہ بچے کو اٹھاؤ اور جاؤ مسجد اقصی میں۔ جہاں یہودیوں کے علماء بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو قرآن کریم نے پھر یہ سارا واقعہ سورۃ مریم میں لکھا، پورا رکوع ہے، آپ دیکھ سکتے ہیں۔ میں شاکلہ کی بات کرنے لگا ہوں کہ یہودی علماء نے جب سیدہ مریم کو دیکھا تو دیکھتے ہی کہایٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ

[1] سورۃ مریم:23

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا[1] اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ دیکھیے شاکلہ کیا ہوتا ہے؟ بھائی تیرا نبی، باپ تیرا نیک، ماں تیری نیک۔ یہ تُو بچہ کہاں سے لے آئی؟ یعنی جب بھی کوئی عمل کرتا ہے تو لوگ اس کے شاکلہ کو دیکھ کے بات کرتے ہیں۔ توقع نہیں کرتے۔ بڑے لوگوں کے گھروں میں پیدا ہونا بھی بڑی مصیبت ہوتی ہے۔ بھائی لوگ توقع نہیں نہ کرتے آپ سے۔ میں کئی دفعہ اس کی مثال اپنے شاگردوں کو بھی دیتا ہوں کہ مثلاً آپ گلی کوچے میں جاتے ہیں، آئس کریم کھا رہے ہیں، قلفی کھا رہے ہیں۔ لیکن میں بازار میں چلتا ہوا نہیں کھا سکتا۔ شریعت نے تو منع نہیں کیا۔

تو ہماری جدید سائنس یہ کہتی ہے کہ شاکلہ کے لیے جو پہلی چیز ہے وہ والدین ہیں۔ آپ جو عمل کرتے ہیں ٪95 اپنے والدین کی تربیت پہ کرتے ہیں اور جدید نفسیات نے یہ بات ثابت کی ہے کہ ٪95 لوگ اپنے گھر کی تربیت پہ مرتے ہیں۔ اب دیکھیے جیسے میں نے پہلے عرض کیا کہ اگر ایک سِکھ والدین اپنے بچے کا شاکلہ بنا دیتے ہیں تو وہ آپ کے سکول میں پڑھے، آپ کے کالج میں پڑھے، آپ کے پاس سودا خریدے لیکن وہ اپنے والدین کی تربیت کو نہیں چھوڑتا۔ تمہارا معاشرہ اس کے شاکلہ کو نہیں بدل سکتا۔ اب ہوا کیا کہ جب مذہب اور کلچر علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ میرے بچوں کے لیے یہ مسئلہ کیوں بنا؟ اب میں نے بچے سے کہا تھا کہ بیٹا جھوٹ نہیں بولنا۔ جھوٹ پہ اللہ کی لعنت ہے۔ وہ میرا بچہ جب دکان پہ سودا لینے جاتا ہے تو وہاں ملاوٹ دیکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے یہ تو جھوٹ والا کام ہے۔ فروٹ والے نے بھی جھوٹ بولا، دودھ بیچنے والے نے بھی۔ وہ کسی آفس میں کام پہ جاتا ہے، میں اس کو کہتا ہوں بیٹا رزق حلال کمانا ہے وہاں ہر وقت اس کو رشوت اور سفارش کا سامنا ہوتا ہے۔ اب وہ بچہ پریشان ہو جاتا ہے کہ میرے باپ نے غلط کہا ہے یا یہ معاشرہ غلط کہہ رہا ہے۔ اگر ماں باپ نے سچ بات کی تھی تو معاشرہ بھی سچ کو عزت دیتا تو شاکلہ کتنا خوبصورت بنتا۔ لیکن ہوا کیا کہ مذہب پہ عمل کرنے والا ہر بچہ جو ہے وہ شرمندہ ہوتا پھر رہا ہے کہ مجھے تو معاشرے میں عزت ہی نہیں ملی۔ یہاں تو جھوٹے کو عزت ملتی ہے۔ بددیانت کو ملتی ہے۔ یہاں رشوت خور کو، سود خور کو ملتی

[1] سورۃ مریم: 28

ہے۔ اب وہ اچھے بھلے بچے اپنے نیک والدین سے آ کے پوچھتے ہیں کہ فلاں تو رشوت لے کے، سود لے کے بڑا کامیاب ہو گیا تیری دیانت داری نے ہمیں کیا دیا ہے؟ تیری سچائی نے ہمیں کیا دیا ہے؟ اب تیسری جگہ تھی مدرسہ، سکول۔ وہاں سے بچوں کو کیا ملا؟ اب جو والدین اپنے بچوں کا شاکلہ بنانا چاہتے ہیں مذہب کے مطابق۔ ان کے سامنے معاشرہ بھی کھڑا ہے اور سکول بھی کھڑا ہو گیا ہے۔

ایک جگہ میں لیکچر کے لیے گیا تو بات وہاں چل نکلی کہ معاشرہ تو کبھی بھی نیک نہیں رہا۔ نوح علیہ السلام کا معاشرہ کوئی نیک تھا؟ ابراہیم علیہ السلام نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی تھی وہ معاشرہ کوئی نیک تھا؟ موسیٰ علیہ السلام جس معاشرے میں آئے تھے وہاں فرعون ڈومینیٹ کر رہا تھا۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جس معاشرے میں آئے ہیں وہ معاشرہ کوئی نیک تھا؟ معاشرہ تو کبھی بھی ٹھیک نہیں رہا۔ اس کے لیے تو انسان کو تگ و دو کرنا پڑتی ہے، کوشش کرنا پڑتی ہے۔ ایک struggle ہے جو نبیوں کو بھی کرنی پڑی۔ ولیوں کو بھی کرنی پڑی۔ معاشرہ تو کبھی آپ کا ساتھ نہیں۔ بات تو صحیح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ جہاں سے میں نے بات شروع کی تھی دو جمعے پہلے شعوری ایمان کی کہ شعوری ایمان جو ہے، جو سوچ سمجھ کے اللہ کی توحید کو مانتا ہے وہ پھر معاشرے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ جس کو پتہ ہے کہ مجھے اللہ نے پیدا آخرت کے لیے کیا ہے وہ پھر اس دنیا کی عزت کو نہیں دیکھتا۔ قرآن کریم کی دو آیات ہمیشہ ذہن میں رکھیں زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا[1] اس دنیا کی زینت تو ہم نے کافروں کے لیے بنائی ہے۔ وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور دنیا کی زینت والے مومنوں کا مزاق اڑاتے ہیں۔ تمسخر اڑاتے ہیں کہ ان کو زندگی گزارنے کا پتہ نہیں۔ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ پتہ تو قیامت والے دن لگے گا ناں کہ عزت والا کون ہے۔ جس کا عقیدہ آخرت بہتر ہے وہ اس معاشرے کے سامنے کھڑا ہو جائے گا کہ مجھے معاشرے

[1] سورۃ البقرۃ:212

کی عزت نہیں چاہیے۔ دوسری آیت پچیسویں پارے سے وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ[1] ایمان والا کبھی بھی لوگوں کی لعن طعن سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ وہ نہیں سوچتا مجھے معاشرہ کیا کہے گا۔

ہاں مدرسے کا ضرور قصور ہے۔ غلطی ہے۔ کیوں وہاں میں نے یہ مثال دی تھی کہ بلال کو کس نے جرات دی تھی کہ وہ سرداروں کے سامنے کھڑا ہو جائے کلمہ توحید لے کے؟ کس نے جرات دی تھی سلمان فارسی کو کہ اپنے باپ کے آتش کدے سے بغاوت کر کے نبی کی تلاش میں چل نکلا؟ ابو ذر غفاری کو کس نے جرات دی؟ اقبال نے بھی اسی لیے کہا تھا۔ اقبال نے معاشرے کی بات نہیں کی تھی۔ اقبال نے کہا تھا

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

شاکلہ میں جو سب سے اہم کردار ہے وہ میرے مدرسے کا اور سکول کا ہے۔ وہاں پھر میں نے ان کو یہ بتایا تھا کہ معاشرہ ضرور مکّے کا بُرا تھا۔ اچھا معاشرہ نہیں تھا۔ ظالم معاشرہ تھا۔ مثلاً بچیوں کو زندہ درگور کرنا، اپنی ماؤں سے شادی کر لینا، سود، ظلم، بربریت۔ لیکن اس معاشرے میں بلال کے کردار کی کیا بات ہے۔ کیوں؟ یہ کمال تھا اس مدرسے کا جس مدرسے کے انچارج میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ بات تو عزت کی ہوتی ہے ناں۔ جو میری ماں بہن بیٹی بُرا لباس پہن کے، ننگے سر باہر نکلتی ہے، اپنی عزت کے لیے ہی نکلتی ہے ناں کہ مجھے معاشرے میں عزت ملے۔ اب بلال کو معاشرہ تو عزت نہیں دیتا تھا لیکن اللہ کے پیغمبر ہاتھ پکڑ کے ہمیشہ بلال کو اپنے ساتھ بٹھاتے تھے۔ اور یہ عزت جب مدرسے میں کسی کو ملتی ہے، خانقاہ میں ملتی ہے، مسجد میں ملتی ہے تو پھر وہ معاشرے کی عزت کو نہیں دیکھتا۔ یہ ہے ہمارا المیہ۔ ہمارا جو شاکلہ برباد ہوا ہے کہ مسجد میں بھی کسی سود خور کو ہی عزت دی جاتی ہے اس لیے کہ وہ پیسے زیادہ دیتا ہے۔ کسی کو نیکی کی بنیاد پہ عزت نہیں ملتی۔ خانقاہوں میں بھی پیر جو ہیں وہ عزت بدمعاشوں کو دیتے ہیں جن کے پاس پیسے زیادہ ہیں اور منصب زیادہ ہیں۔ ہمارے سکولوں میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے غریب کے

[1] سورۃ المائدہ:54

بچے کے ساتھ رویہ اور ہوتا ہے امیر کے بچے کے ساتھ اور۔ وہ جو ذہنی تشدد ہے وہ بچوں کے ذہن سے پھر باہر نہیں نکلتا اور وہ کیا پُر لطف موقع ہو گا جب میرے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا ہو گا کہ جنت میں سب سے پہلے کون جائے گا تو میرے سرکار فرمائیں کہ بلال جائے گا۔ بلال نبی پاک کو چندہ زیادہ دیتے تھے؟ پیسے زیادہ دیتے تھے کیا؟ سیدہ فاطمہ زہرا اسے بھی پہلے؟ وہ تو خاتون جنت ہیں۔ ہاں حسنین کریمین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں ان سے بھی پہلے؟ فرمایاہاں۔ آخر میں پوچھ لیا گیا کہ جنت کا تو دروازہ ہی یارسول اللہ آپ کے لیے کھلے گا کیا آپ سے بھی پہلے؟ فرمایاہاں مجھ سے بھی پہلے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ فرمایا سواری کی لگام تو بلال کے ہاتھ میں ہو گی۔ پہلے وہ جنت میں قدم رکھے گا اور میں پھر جاؤں گا۔ جب مدرسہ آپ کا نیکی کو عزت دیتا ہے تو پھر شاکلہ کمال کا تیار ہوتا ہے۔ لیکن جب آپ کے یہ ادارے، خانقاہ، مساجد مدرسے، سکول وہاں آپ کا شاکلہ بد دیانت تیار ہوتا ہے۔ جھوٹا تیار ہوتا ہے تو پھر مذہب اور کلچر آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ کا قرآن کیا کہہ رہا ہے کہ میرے محبوب لوگوں کو بتادو کہ ہر کوئی انسان اپنے شاکلہ کے مطابق عمل کرتا ہے۔

تو شاکلہ والدین نے بھی بنانا ہے۔ معاشرے نے بھی بنانا ہے۔ دیکھیے یہ کتنی خوبصورت sequence ایک بنتی ہے اگر والدین بھی سچ کی بات کریں، معاشرہ بھی سچ کی بات کرے اور سکول کالج بھی سچ کی بات کریں۔ والدین ہی نہیں چاہتے۔ سیدھی سی بات ہے۔ کتنے والدین ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد سچی ہو؟ کتنے والدین کی یہ خواہش ہے کہ پیسے تھوڑے بھی کمائے لیکن دیانتداری ساتھ کمائے؟ حلال کا رزق کمائے۔ کتنے والدین ہیں؟ تو یہ معاشرے کی بربادی ہے کہ نہ ہمارے والدین شاکلہ بنا رہے ہیں اور نہ معاشرہ بنا رہا ہے۔ اور وہ جو اِکا دُکا لوگ ہیں جو جہاد کر رہے ہیں، یقین جانیے میں بڑی تفسیریں سورہ عصر کی پڑھیں لیکن جتنی سمجھ آج کل آتی ہے نا وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کہ جو حق کی بات کرنا چاہتا ہے اللہ فرماتا ہے پہلے دیکھ لیں کہ صبر بھی کر سکتا ہے؟ یہ معاشرہ تیرے خلاف کھڑا ہو جائے گا۔ یہ بد دیانتوں کو عزت دیتا ہے۔ تو اگر کوئی کچھ قوموں نے، میں نے چار پانچ قوموں کا ذکر کیا تھا، اگر قومیں ہی مل کے یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم نے اپنے کلچر کو اپنے مذہب کے تابع رکھنا ہے تو پھر بھی قوم تیار ہو جاتی ہے۔ ایک اچھا معاشرہ جو ہے وہ تشکیل پاتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس جدوجہد میں حصہ ہی نہ لیں۔

کوشش ہی نہ کریں۔ جیسے رمضان المبارک میں میں نے آپ سے کہا تھا کہ دنیا کا ہر کام سیکھتے ہیں ناں۔ ڈرائیونگ سیکھتے ہیں۔ مکان بنانا سیکھتے ہیں۔ ڈاکٹری سیکھتے ہیں۔ زندگی گزارنا بھی کبھی سیکھا ہے یا نہیں؟ یہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گی؟ اوہ! اس زندگی گزارنے کو سکھانے کے لیے تو اللہ نے نبی بھیجے تھے۔ نبی کوئی ہوائی جہاز بنانے کے لیے نہیں آئے تھے اور نہ ایٹم بم بنانے کے لیے آئے تھے۔ وہ انسان بنانے کے لیے آئے تھے۔ تو ہم نے اصل میں ابھی فیصلہ ہی نہیں کیا۔ والدین نہیں فیصلہ نہیں کیا کہ ہم نے زندگی گزارنا بھی سیکھنا ہے یا نہیں۔

یہ والدین اچھی طرح سن لیں یہ میرا تجربہ ہے۔ چونکہ ہماری پبلک ڈیلنگ ہے۔ معاشرہ، خانقاہ، مدرسہ، سکول، مسجد یہ تو بہت بعد کی بات ہے۔ ایک بچہ بڑا نیک ہو، رزق حلال کماتا ہو، کسی کو گالی نہیں دیتا، نگاہ نیچی رکھتا ہے، حیاوالا ہے لیکن اگر وہ پیسے کم گھر لاتا ہے تو اس کے ماں باپ اس کی عزت نہیں کرتے۔ اس کے بہن بھائی اس کی عزت نہیں کرتے۔ اس کا دوسرا بھائی شرابی ہے، بے نمازی ہے، بے غیرت ہے، بے حیا ہے لیکن اگر وہ رشوت کے پیسے گھر زیادہ لا رہا ہے تو ہر فیصلہ اس سے کروایا جاتا ہے۔ معاشرے کو میں کیا کہوں میرے گھر میں میرے ماں باپ نیکی کی عزت نہیں کرتے۔ بہن بھائی عزت نہیں کرتے۔ اس کو اپنا رشتہ دار ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تو یہ زندگی خود بخود نہیں بن جاتی۔ قرآن کریم نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جتنی بھی بستیاں ہم نے پہلے تباہ کیں اسی وجہ سے کیں کہ ان کے جو بڑے لوگ تھے جن کے پاس نعمتیں تھیں۔ اقتدار میں تھے۔ وہ اللہ کی نافرمانیوں کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے اور پھر عام عوام ان کی نقل کرتی تھی۔ الناس علی دین ملوکھم۔ لوگ تو پھر اپنے بادشاہوں کے دین پہ ہی ہوتے ہیں۔ ہمارے وزیر اعظم نے اپنی بچی کی شادی کیسے کی؟ ہمارے فلاں نے کنجر خانہ کروایا تو میں بھی کرواؤں۔ صاحبِ عزت بن جاؤں۔ اللہ فرماتا ہے جب ان بڑوں کے پیچھے پیچھے یہ سارے لگ جاتے ہیں تو وہ پھر بستی کو ہم برباد کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کے نبیوں کی بستیوں کو بھی ہم نے اسی لیے برباد کیا۔ یروشلم نبیوں کی بستی ہے۔ جہاں مسجد اقصیٰ ہے۔ وظیفے وہاں بھی ہوتے تھے۔ تسبیاں پھیرنے والے کوئی تھوڑے نہیں تھے۔ مسجد میں جا کے نمازیں بھی ہوتی لیکن جہاں اللہ کی نافرمانی ہوتی تھی اس کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ منکرات کے خلاف کھڑا ہونے

والا کوئی نہیں۔ تو ہم سے جب اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے تو ہم بغاوت تک اُتر آتے ہیں۔ یہ ہے ہمارے شاکلہ۔ تو عمل تو اللہ فرماتا ہے پھر ہر کسی نے اپنے شاکلہ کے مطابق ہی کرنا ہے جو ہم نے بنایا ہے۔

کتنے والدین ہیں جنہوں نے یہ سوچا ہو کہ میرے بچے سچ بولیں؟ نبی پاک کے غلام ہوں؟ دین کے مطابق ہوں؟ ان کی آخرت بہتر ہو جائے۔ ابھی سوچا ہی نہیں تو عمل کیسے کرینگے؟ تو باقی تو پھر اللہ فرماتا ہے کہ اگر شاکلہ تیار نہیں ہے تو ہم نعمتیں دیں گے تو بھی یہ جہنم کا راستہ اختیار کریں گے اور اگر چھین لیں گے تو پھر بھی ناامیدی کے ساتھ یہ جہنم ہی کی طرف جائیں گے۔ یہ بھی سورہ بنی اسرائیل سے آج دو آیات میں نے آپ کے سامنے پیش کیں۔ اس لیے جتنا آپ کر سکتے ہیں، کم از کم اپنے گھروں میں تو یہ ماحول پیدا کریں۔ جو اساتذہ ہیں، جو مدرسے والے ہیں، جو پیر خانے ہیں کم از کم وہاں یہ ماحول تو پیدا کر تو پھر انشاء اللہ معاشرہ جو ہے وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ ورنہ یہ بربادی سے بچ نہیں سکتا۔ جو بغاوت کا رویہ ہم نے اختیار کیا ہوا ہے ناں۔ یہ پھر اگر نبیوں کی بستیاں برباد ہو گئی ہیں تو پھر ہاں اللہ نے تو بات صاف فرما دی ہے لَم یَلِد وَلَم یُولَد اللہ کسی کا رشتہ دار نہیں ہے کہ باقی ساروں کو مار دو اور میں اپنا پُتر بچا لوں۔ اللہ کا نہ کوئی پُتر ہے نہ اللہ کا کوئی ماں پیو ہے۔ وہ اپنے رشتہ داری سے کسی کو نہیں دیکھتا۔ وہ تو تمہارے اعمال کے حساب سے دیکھتا ہے۔ ہاں اللہ کی کوئی رشتہ داری نہیں، ابو جہل مکے کا سردار ہے، نافرمان ہے تو ذلیل و خوار ہو گا۔ بلال اس کا فرمانبردار ہے تو صاحب عزت ہے۔ وہ نہیں دیکھتا یہ رشتہ داریوں کے تمہارے معاملے ہیں۔ لَم یَلِد وَلَم یُولَد کا ترجمہ یہی بتایا کرتا ہوں کہ اللہ کے کسی سے رشتہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنے رشتہ داری کے کسی بات میں آکے تمہارے ساتھ عدل سے کام نہیں لے گا۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمارے اعمال بغاوت پہ اترنے والے ہوں اور پھر ہم کہیں کہ یا اللہ ہم پہ رحمت بھی نازل ہو۔ ایسا نہیں۔ تو کوشش کریں جتنی کر سکتے ہیں۔ بھائی اتنا ہی کرنا ہے ناں۔ یہ 28ویں پارے میں فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ[1] اتنا تو تقوی اختیار کرو جتنی اللہ نے تمہیں طاقت دی ہے۔ جتنی استطاعت دی ہے اتنا تو کام کرو۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[1] سورۃ التغابن:16

عورت اور مرد ایک دوسرے کا لباس

قرآن: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ سورة البقره: 187

ترجمہ:- وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔

خاکہ:

1. شادی کے لیے کیا دیکھنا چاہیے۔
2. اللہ کا کلام لا محدود معنی رکھتا ہے۔
3. لباس کا کیا کام ہے۔
4. سرکارِ دو عالم ﷺ کے مہمان کی مہمان نوازی۔
5. مہمان نوازی پر اللہ راضی ہو گیا۔
6. آقا کریم ﷺ کے گھر کی تربیت۔
7. رشتہ دیکھنے کے دوران در پیش آنے والے مسائل۔
8. خوشی منائیں مگر اللہ کی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے۔
9. اپنی مرضی پر لاکھوں خرچ لیکن اللہ کے حکم پر (حق مہر) صرف پانچ ہزار۔

ماشاء اللہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوشی کا موقع دیا ہے اس کا شکر ادا کریں۔ شکرانے کے نوافل ادا کریں۔ بیٹے کی نعمت اللہ نے دی ہے اور اسکی شادی ہے، خوشی بھی اسی نے دی۔ دنیا میں تو کوئی ایک کپ چائے کا پلا دے تو ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کریں۔ شادی کیلئے چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔ ظاہری حسن و جمال، حسب نسب، مال و دولت اور سیرت و کردار۔ حسن و جمال بھی قائم نہیں رہتا۔ حسب نسب بھی کام نہیں آتا اور نہ مال و دولت۔ اسلام سے پہلے یہ تین چیزیں دیکھی جاتی تھیں۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے سیرت و کردار دیکھنا ہے۔ زندگی گزرنی ہے سیرت و کردار کے ساتھ۔ یہ کوئی دو چار دن کی تو بات نہیں۔ یہ تو زندگی بھر کا فیصلہ ہے۔ یہ تھوڑی ہے کہ دو چار دن پارکوں میں گھوم پھر لو۔ بھائی آپ نے پوری زندگی گزارنی ہے۔ میں بار میں گیا تو سیشن جج صاحب آئے ہوئے تھے تو وہ کہہ رہے تھے کہ 80٪ کیس ہمارے پاس طلاق کے آتے ہیں۔ کسی کی شادی کو ایک ماہ، کسی کے دو ماہ کوئی چھ ماہ بعد۔ رشتہ چونکہ سیرت و کردار دیکھ کر نہیں کیا ہوتا۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں اس پہ لیکچر دیں کہ یہ طلاق کی شرح کیوں بڑھ گئی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے۔ تو ادھر بھی میں نے ان کو بتایا کہ علم ہوتا نہیں اور بس شو شا دیکھ کر شادی کرتے ہیں تو وہ کتنی دیر چلنی۔

تو قرآن نے بیوی کو خاوند کا لباس اور خاوند کو بیوی کا لباس کہا ہے۔ وہ جو آیت میں نے تلاوت کی۔ قرآن کریم ہے بھائی۔ خالق کا کلام ہے۔ اس کے معنی تہہ در تہہ ہوتے ہیں۔ تو عربی زبان میں لباس تین چیزوں سے حفاظت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ پہلا، لباس کا کام ہے کہ آپ کے جسم کو ڈھانپنا۔ یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالیں۔ ظاہر ہے غلطیاں تو ہوتی ہیں۔ تو جیسے لباس جسم کو ڈھانپتا ہے اور عیب ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اسی طرح میاں بیوی ایک دوسرے کے عیب لوگوں پر ظاہر نہ کریں۔ اسی لیے منع کیا گیا ہے کہ خاوند اپنے دوستوں میں اپنی بیوی کی باتیں نہ کرے اور بیوی کو بھی منع کیا کہ اپنی سہیلیوں میں جا کر نہ اپنے خاوند کی باتیں کرے۔ تم ایک دوسرے کا لباس ہو۔

پھر لباس کا دوسرا کام ہے کہ وہ سردی اور گرمی سے بچاتا ہے۔ سردیوں میں یہ سردی سے بچاتا ہے اور گرمیوں میں گرمی سے۔ اب زندگی میں خوشی اور غمی ساتھ ساتھ ہیں۔ دکھ تکلیف بھی آئیں گے تو میاں بیوی کا کام ہے کہ تمہارے دکھ تکلیف میں، خوشی اور غمی میں ایک دوسرے کا لباس بنیں۔ اور لباس کا تیسرا کام ہے زینت۔ لباس ہم زینت کیلئے، خوبصورتی کیلئے پہنتے ہیں۔ تو خاوند کو چاہیے کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے کہ جس سے اس کی بیوی کی بے عزتی ہو اور شرمندگی ہو۔ بیوی کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے خاوند کیلئے شرمندگی کا باعث نہ بنے۔ کیا ایک لفظ میں ساری زندگی کی رہنمائی فرمادی۔ اس ایک لفظ پہ اگر کوئی عمل کرلے تو گھر جنت بن جائے۔ صحابہ کرام کے گھر ایسے ہی جنت تھوڑی بن گئے تھے۔ یہ جو میں کہتا ہوں نہ کہ پیسے نہ بھی ہوں لیکن اگر بیوی سیرت و کردار والی ہے تو وہ فقیر کو بادشاہ بنادیتی ہے۔ اگر بیوی لباس بنے تو اس کو بادشاہ بنادیتی ہے معاشرے میں۔

مشہور روایت ہے۔ آپ نے سنی ہوئی ہے۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بھائی یہ میرا مہمان ہے۔ اس کی کون ضیافت کرے گا۔ حضرت ابو طلحہ انصاری کہنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ میں آپ کے مہمان کی ضیافت کروں گا۔ اب کس کو نہیں پتہ ہوتا کہ ہمارے گھر میں کیا ہے؟ اب گھر لے آئے اور بیوی سے پوچھا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ آپ کی بیوی نے کہا کہ ایک ہی فرد کا کھانا ہے اور ابھی بچوں نے کھانا کھانا ہے۔ آپ نے بھی کھانا اور میں نے بھی کھانا۔ اب اگر کوئی آج کل کی بیوی ہوتی تو کہتی کہ مجھے کچھ لاکر دیا تھا کھانے کو جو مہمان ساتھ لے آئے۔ لیکن وہ لباس بنیں ان کا۔ حضرت ابو طلحہ کہنے لگے کہ ایسا کرو کہ بچوں کو پانی پلا کر سلادو۔ اور جب کھانا رکھو تو دیا ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا دینا۔ میں ایسے ہی ہاتھ ہلاتا رہوں گا تو مہمان کو لگے گا کہ میں بھی کھا رہا ہوں۔ یہ کہنا بڑا آسان ہے لیکن کسی ماں کیلئے بچوں کو بھوکا سلانا بڑا مشکل ہے۔ بیوی نے ایسے ہی کیا کہ بچوں کو بیلا پھسلا کر سلادیا اور کھانا جب رکھا تو دیا ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا دیا۔ یہ معاشرہ تشکیل دیا تھا میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمتہ الزہرا اسلام اللہ علیہا کو لینے چلے گئے۔ سیدہ پاک نے پوچھا تو فرمایا کہ فاطمہ تمہیں لینے آیا ہوں۔ تو کیا تربیت کی امت کی۔ سیدہ پاک نے پوچھا یہ نبی کا حکم ہے یا باپ کا؟ آپ نے فرمایا میں بحیثیت باپ تمہیں لینے آیا ہوں۔ ظاہر ہے نبی کا حکم باپ کے حکم سے بڑا ہوتا ہے۔ سیدہ فاطمتہ الزہرا کہتی ہیں کہ اگر باپ کا حکم ہے تو میرا خاوند گھر پہ نہیں۔ میں اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں جاسکتی۔ سرکار ادھر ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں مولا علی آگئے۔ پوچھا سرکار آپ۔ فرمایا ہاں فاطمہ کو لینے آیا ہوں اور یہ کہتی ہے کہ علی کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتی۔ کہا سرکار لے جائیں۔ کیسا پیارا معاشرہ تشکیل دیا تھا میرے پیغمبر نے۔

آج کل ہم رشتہ دیکھتے ہوئے سیرت و کردار دیکھتے بھی نہیں ناں۔ میں ادھر ایلیمنٹری کالج ایم ایڈ کی کلاس کو لیکچر دینے گیا۔300 سے زیادہ بچیاں تھیں تو ایک بچی نے مجھ سے کہا کہ سر جی آپ جو ہمیں بتا رہے ہیں یہ معاشرے میں نہیں ہوتا۔ اس نے کہا کہ کون سیرت و کردار دیکھتا ہے۔ رشتہ دیکھنے جو آتے ہیں اگر مرد کوئی نہ بھی سوال کرے تو جو ساتھ عورتیں آئی ہوتی ہیں وہ دیکھتی ہیں کہ قد کتنا ہے۔ اس کا ماتھا کتنا چوڑا ہے۔ دانت کیسے ہیں۔ اب تو یہ نوبت آگئی کہ کہتے ہیں چل کے دکھاؤ۔ جیسے کوئی ڈنگر دیکھنے جاتے ہیں۔ بھائی اس کا ماتھا کس نے بنایا ہے؟ اللہ نے بنایا ہے ناں۔ اس کے دانت، ہاتھ پاؤں کس نے بنائے ہیں؟ دیکھنا تو یہ تھا کہ حیاء والی ہے، سچ بولتی ہے، دیانتدار ہے، اذان سن کر نماز پڑھتی ہے۔ لیکن تم نے کیا دیکھا. اب اگر کوئی چادر وغیرہ لیکر آجائے تو کہتے ہیں کہ اس کو تو پتہ ہی نہیں۔ تم نے سیرت و کردار دیکھا ہی نہیں۔ تم نے کنجر ہی پسند کیا اور پھر کنجر خانہ ہی لگنا۔

اسلام complete code of life ہے۔ مکمل ضابطہ حیات ہے ناں۔ یہ ہمیں ہر موقع پر رہنمائی کرتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم اس سے رہنمائی نہیں لیتے۔ خوشی اور غمی، یہ دو جذبات زندگی کا حصہ ہیں۔ ان کے اظہار سے اسلام منع نہیں کرتا۔ لیکن ان سلیقہ بتایا ہے۔ حد میں رہ کر آپ خوشی کا اظہار کریں۔ اس میں شرک اور ظلم کا پہلو نہ ہو۔ لوکل روایات اور کلچر سے بھی اسلام منع نہیں کرتا۔ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصار بچی کی رخصتی اپنے گھر رکھی تھی۔ تو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو آپ نے پوچھا کہ شادی ہے گھر

میں اور شادی کے آثار تو نظر نہیں آرہے۔ آپ نے فرمایا کے انصار اپنی بچیاں گیت گا کر رخصت کرتے ہیں۔ تو گیت کا انتظام کیا جائے۔ تو اسلام روایات کے خلاف نہیں بس گیت اگر گانے ہیں تو اس میں بے حیائی نہ ہو اور دوسروں کو پریشان نہیں کرنا۔ عربوں میں تو وہ گیتوں میں اپنے بہادری کے قصے سناتے تھے۔ پھر مہندی کا آپ پوچھ رہے تھے تو لڑکے کی اماں، پھپھو، ماسی وغیرہ اس کو لگالیں مہندی۔ لیکن یہ نہیں ہے کہ رات اتنی دیر تک جاگتے رہو کہ صبح فجر کے لیے ہی نہ اٹھو۔

خوشی مناتے ہوئے اللہ کی حدوں کا لحاظ رکھیں۔ کسی بھی موقع پر اللہ کی حد نہیں توڑنی۔ یہ نہیں کہ اب محرم اور نہ محرم اکٹھے ہو کر ڈانس پارٹی ہو رہی۔ Movie کا بھی یہی ہے کہ اگر بنوانی تو وہ Movie maker مردوں کی طرف رہے عورتوں کی طرف نہ جائے۔ اب تو ہمارے بچوں نے ہی stand لینا شروع کر دیا۔ اس دن ایک شادی پہ میں گیا تو بچے نے خود ہی کہہ دیا کہ میری بیوی کو ادھر ہی رہنے دیں اس کو میرے ساتھ نہیں لا کر بٹھانا۔ وہ میری بیوی ہے، میں کیوں اس کو پبلک میں لا کر فوٹو گرافی کیلئے بٹھاؤں۔ عورت کی عزت کا تحفظ کہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں سورۃ نور میں پڑھ رہا تھا کہ ایک فاحشہ عورت سے بھی آپ کی عورت ایسے ہی پردہ کرے جیسے نہ محرم مرد سے کرنا ہے[1]۔ میں حیران ہو گیا جب میں نے یہ پڑھا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ فاحشہ عورت کا چونکہ دوسرے مردوں سے تعلق ہے تو وہ آپ کی عورت کی خوبصورتی اور حسن جا کر ان کو بتائے گی۔ دیکھئے کہاں تک اسلام نے تحفظ کیا ہے۔ کجا عورت کو غیر محرم سامنے جا کر تیار کر کے بٹھانا۔ میرے والد محترم، اللہ

[1] اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی مِلک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگار اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔ سورۃ نور: 31
اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھا ہے کہ مشرک عورتوں اور فاحشہ عورتوں سے بھی پردہ کرنا ہے۔

غریق رحمت فرمائے، فرمایا کرتے تھے کہ جب تم تیار شیار ہو کر میرج ہال میں جاؤ گی تو کیا کوئی حیا کی نگاہ سے دیکھے گا؟ کیا کوئی اس نگاہ سے دیکھے گا کہ میری ماں بہن ہے؟ نہیں۔

شادی پہ دیکھیں آپ نے اتنا خرچہ کر دیا لیکن ایک حکم اس میں اللہ کا ہے۔ وہ حق مہر ہے۔ حق مہر واجب ہے۔ وہ لڑکے کی مالی حیثیت کے حساب سے ہوتا ہے۔ لیکن بھنڈ کو چاہے 3000 دے دیں اور جب حق مہر کی باری آتی ہے تو کہتے ہیں ایناں ای نہیں بڑا۔ اوہ بھائی تم نے بھنڈ کو اللہ پہ ترجیح دے دی۔ یہ لڑکے کی مالی حیثیت کے حساب سے، خوشی سے، اللہ کا حکم سمجھ کر ادا کرنا۔ تین سنتیں ہیں۔ نکاح سنت ہے۔ پھر نکاح کے بعد کوئی چھوہارے وغیرہ بانٹنا اور دعوت ولیمہ۔ سرکار نے فرمایا چاہے ایک بکری کی ہی دعوت کرو لیکن ولیمہ کی دعوت ضرور کرو۔ پھر وہ دعوت اللہ کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں ہوتی جس میں محلے کے غرباء شامل نہ ہوں۔ اس کا بھی خیال رکھیں۔ ہاں یہ جو لڑکی والے کھانا پکاتے ہیں، یہ سنت نہیں ہے۔ صرف ایک ہی ولیمے کے کھانے کی دعوت ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نیکی احسان جتلانے سے ضائع ہو جاتی ہے

قرآن: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى۔۔ سورۃ البقرہ: 264

ترجمہ:-اے ایمان والو! احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اپنے صدقے برباد نہ کر دو۔

خاکہ:-

1. احسان جتلانے سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔
2. اللہ نظرِ رحمت کن بدبختوں کی طرف نہیں کرتا ہے۔
3. اللہ کے دیئے ہوئے سے ہی دینا ہوتا ہے۔
4. اللہ کس بندے کے لیے اپنے ہی بندے کو معاف کرنے کا کہے گا۔
5. آقا کریم ﷺ نے شفاعت کا منصب پسند فرمایا۔
6. اللہ سے فضل مانگنا، کبھی عدل کا سوال نہ کرنا۔

گفتگو ہماری ان اعمال کے حوالے سے ہے کہ جو ہماری نیکیوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ لیکن پچھلے جمعہ چونکہ شاکلہ کے متعلق گفتگو تھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر انسان جو عمل کرتا ہے اپنے شاکلہ کے مطابق کرتا ہے۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ[1]۔ تو وہ ہم نے شاکلہ کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ تو تین چیزیں ہم نے قرآن کریم سے سیکھی تھیں کہ آپ کے پاس نیکیوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہو لیکن پیغمبر کی ایک گستاخی تمہاری ساری نیکیوں کو ضائع کر دیتی ہے۔ یہ سورۃ حجرات سے ہم نے سیکھی تھی بات۔ پھر سورۃ ہود سے اور سورہ بنی اسرائیل سے کہ اگر آپ اعمال کرتے ہیں دنیا کے لیے، دکھاوے کے لیے، اسی دنیا میں شہرت کے لیے، وہ بھی اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ جتنا جی چاہے اچھا عمل ہو۔

آج یہ ہم نے سورہ بقرہ سے جو آیہ مبارکہ موضوع گفتگو بنائی۔ ہماری روزمرہ زندگی کا اس سے تعلق ہے۔ ارشاد ہوا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اچھا یہ بڑی عجیب بات ہے کہ سورہ ہجرات بھی یہیں سے شروع ہوئی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ[2]۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ[3]۔ یہ جو اعمال نیکیوں کو ضائع کر دیتے ہیں، ان آیات کو شروع ہی ایمان والوں سے کیا کہ ایمان والو! خبردار ہو جاؤ کہ یہ جو تمہارے اعمال ہیں، یہ تمہاری نیکیوں کو برباد کر دیں گے۔ یہاں بھی بات ہوئی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى۔ اپنے صدقات، اپنی نیکیوں کو برباد نہ کر لیا کرو، ضائع نہ کر لیا کرو۔ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى احسان جتلا کر اور اذیت دے کر۔ دیکھیے آپ نے نیکی کی ہے کسی کیساتھ، اس کے آپ کام آئیں ہیں لیکن اگر آپ نے اس کے عوض اس کو اذیت دے دی یا اس کو احسان جتلا دیا تو وہ تمہاری نیکی برباد ہو گئی۔ وہ تمہاری سخاوت برباد ہو گئی۔ وہ تمہارا علم برباد ہو گیا۔ تمہارا تقوی برباد ہو گیا۔ یہ ساری تیاری ہے آخرت کی۔ چونکہ میں نے اس دنیا میں نہیں رہنا۔ تو جب رہنا

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:84

[2] سورۃ الحجرات:1

[3] سورۃ الحجرات:2

آخرت میں ہے تو یہ قرآن کریم تیاری بھی آپ کو آخرت کی کروا رہا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارا یہ مزاج ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی بات پہ احسان جتلانا شروع کر دیتے ہیں۔

ایک روایت میرے ذہن میں آئی کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تین افراد کا ذکر فرمایا کہ قیامت والے دن اللہ ان کی طرف رحمت کی نظر نہیں کرے گا اور ان کی طرف جب رحمت کی نظر نہیں ہو گی تو پھر بخشش بھی نہیں ہے۔ پھر تو عذاب جہنم اس کے لیے ہے۔ تو صحابہ کرام تو چونک اُٹھے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص تو برباد ہو گیا جس کی طرف اللہ رحمت کی نظر نہ کرے۔ وہ کون بدبخت ہیں؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو احسان جتلاتا ہے۔ احسان جتلانے والے کی طرف قیامت والے دن اللہ رحمت کی نظر نہیں کرے گا۔ جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچتا ہے۔ یہ کیا سمجھتا ہے کہ میں جھوٹی قسم کھا کے کامیاب ہو گیا؟ ایک تو اس مال سے برکت ختم ہو گئی اور دوسرا قیامت والے دن اللہ اس پہ رحمت کی نگاہ نہیں کرے گا۔ اور تیسرا وہ بدبخت انسان جس کا تہبند، جس کا یہ پجامہ، شلوار یہ ٹخنوں کے نیچے زمین پہ تکبر کے ساتھ نیچے رُلتی رہتی ہے۔ اس کی طرف بھی اللہ رحمت کی نظر نہیں کرے گا۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی حالت میں تھے۔ شدید تکلیف ہوئی۔ تو ایک شخص عیادت کے لیے آیا تو جب اٹھ کے جانے لگا تو اس کا تہبند نہ پیچھے زمین پہ رُل رہا تھا۔ تو آپ اپنی تکلیف بھول گئے اور اُسے فرمایا خدا کا خوف کھا اور اپنا تہبند اونچا کر۔

یہ اصل میں کلچر ہمارا نہیں تھا۔ یہ یونان سے پھر روم سے ہوتا ہوا، عیسائیوں نے اس کو بہت اپنایا۔ آج بھی آپ اُن کی شہزادیوں کو جو دیکھیں گے ناں تو وہ پیچھے بہت سی نوکرانیوں نے ان کا لباس اٹھایا ہوا ہوتا ہے۔ تو یہ تکبر کے طور پہ وہ اتنے بڑے لباس پہنتے تھے۔ دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے۔ اچھا یہ نہیں ان بدبختوں کو پتہ کہ جو پاؤں کے نیچے آئے گا، زمین کے اوپر لگے گا وہ پلید ہو جائے گا۔ اس سے بندہ نماز کیسے پڑھے گا؟ بھائی لباس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ صرف ایک ہستی کو اجازت ملی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا تہبند ٹھہرتا نہیں ہے اوپر۔ اس کی وجہ تفسیر کی سیرت کی کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ آپ بہت کمزور تھے، دبلے پتلے تھے، آپ کے کولہوں پہ گوشت نہیں تھا۔ تو وہ ہڈیوں کی وجہ سے تہبند نیچے کھسک جاتا ہے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ اوپر باندھتا رہتا ہوں اور پھر یہ ہڈیوں سے نیچے پھسل جاتا ہے۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر تیرے دل میں کون سا تکبر ہے۔ تیرا تہبند نیچے ہو بھی جائے ناں تو کوئی بات نہیں، اس لیے کہ تیرے دل میں تکبر نہیں۔ ہاں اس ہستی کو اجازت ملی۔ استثناء تو پھر ہر قانون میں ہوتا ہے۔ یہاں سے کچھ لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ اگر دل میں تکبر نہ ہو تو اگر آپ کا تہبند یا شلوار ٹخنوں کے نیچے ہو جائے تو اللہ نہیں پوچھے گا۔ اللہ عادل ہے۔ لیکن بہر حال میں اسی نقطہ نظر کا قائل ہوں کہ نہیں۔ اگر میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ٹخنے جو ہیں وہ ننگے رکھیں۔ یعنی لباس سلوائیں ہی ایسا۔ یہ جو ہم نماز کے وقت کرتے ہیں ناں اس کی بھی ممانعت ہے کہ شلوار بڑی سی سلوالی، تہبند بڑا سا سلوالیا اور نماز کے وقت اس کے اوپر فولڈ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بھائی نماز کی حالت میں کپڑے فولڈ کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ کئی بچوں کو سمجھانا پڑتا ہے وہ پتلون نیچے سے فولڈ کر رہے ہوتے ہیں یا یہاں سے شلوار اوپر کو فولڈ کر رہے ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ سات ہڈیوں پہ کرنا ہے۔ آپ نے سجدہ سات ہڈیوں پہ کرنا ہے۔ دو پاؤں کی، دو یہ گھٹنے، دو آپ کے یہ ہاتھ، یہ ماتھا اور ناک میں ایک ہڈی ہے۔ یہ دو نہیں۔ اس لیے آپ کی ناک بھی نیچے لگنی چاہیے۔ آپ کی پیشانی بھی نیچے لگنی چاہئے۔ تو فرمایا کہ اللہ نے سات ہڈیوں پہ سجدے کا حکم دیا ہے کہ اس کی بارگاہ میں جھکنا ہے تو یہ سات ہڈیاں تیری زمین پہ لگیں اور اس حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ یہ سات ہڈیوں کے ساتھ سجدے کا حکم ہے اور سجدے کی حالت میں تیرے کپڑے جو ہیں یہ فولڈ نہ ہوئے ہوں۔ یعنی اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے اس بات کا احتیاط لباس سلواتے وقت کر لیا جائے کہ ہم نے لباس سلوانا ہی ایسے ہے کہ وہ نیچے زمین پہ نہ گرے۔ بہر حال چونکہ وہ تو پھر اس موضوع پہ چلیں گے تو پھر لمبی بات ہو جائے گی۔

آج ہمارا موضوع صرف یہ تھا کہ وہ اعمال جو نیکیاں ضائع کر دیتے ہیں۔ ان میں یہ چوتھا عمل یہ ہے کہ آپ کسی پہ نیکی کر کے اس کو احسان جتلائیں۔ تو فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی۔ اے ایمان والو اپنے صدقات کو ضائع نہ کر لیا کرو لوگوں کو احسان جتلا کے اور تکلیف دے کے۔ اب دیکھیے یہ ہمارا روزمرہ کا معمول ہے۔ اوہ لے ہالے کل میں تینوں پیسیاں دی لوڑھ سی تے تینوں دتے سن۔ کل تک تم میرے ٹکڑوں پہ پلتے رہے ہو۔ یہ عام جملے ہیں ناں۔ اسی لیے ہمارے ہاں یہ پتہ نہیں آج کل کیا ہو گیا ہے کہ ہم تربیت بھی نہیں لیتے۔ ہمیں بچپن میں ہمارے والدین نے یہ بات سکھائی تھی کہ ہر روز سونے سے پہلے تجدید ایمان کرنا ہے۔ تجدید ایمان ہر شخص کو ہر روز کرنا چاہیے۔ کئی دفعہ اُس کی زبان سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں کہ وہ اسلام سے ہی خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً عام گفتگو میں آپ یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ اوئے اللہ نے دیکھو ناں جی کسی کو کم دے دیا اور کسی کو زیادہ دے دیا۔ آپ گلا کر دیتے ہیں اپنے اللہ کا۔ آپ اللہ کے عدل کو چیلنج کر دیتے ہیں۔ ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ تو کوشش کیا کریں کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہیں۔ سونے سے پہلے پچھلے گناہوں کی معافی مانگ کے اپنا ایمان پھر تازہ کر کے شہادتین جو ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد عبدہ و رسولہ۔ تجدید ایمان کیا کرو۔ یہ جو احسان جتلانا ہے کل تو میرے ٹکڑیاں دے پلدا رہیاں۔ کل میں تیرے بچیاں نوں کپڑے لے کے دتے۔ اج فلاں دن میں تیرے کام آیا ہوں۔ تینوں ساریاں ہی گلاں بھول گئی؟ اوہ! تُو نے کہاں سے لیا تھا؟ تُو اپنے آپ کو مالک سمجھتا ہے؟ تُو نے یہ جرات کیسے کی کہ تو کسی انسان کو یہ بات کہے؟ اس کو اذیت دے؟ اس کو احسان جتلائے؟ اگر اللہ تجھ سے چھین لے تو تو کیا کر سکتا ہے؟

میں اس آیت کی شرح میں یقین جانیے میں نے بڑی تفسیریں دیکھیں۔ لیکن سرکار امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک جملہ کمال کا جملہ ایک شخص نے یہ سوال کیا کہنے لگا حضور جب وہ سائلین آتے ہیں تو آپ سارا گھر ہی خالی کر دیتے ہیں۔ سب کچھ ہی دے دیتے ہیں۔ کچھ تو بچا لیا کریں۔ سرکار امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑا کمال کا جملہ آپ نے فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے، خوف کھاتا ہوں؛ ہمیں تو ڈر نہیں نہ لگتا، وہ تو اللہ کے مقربین ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں، فرمانے لگے مجھے ڈر آتا ہے کہ اگر میں اللہ کی مخلوق سے ہاتھ روک لوں کہیں اللہ مجھ سے ہاتھ نہ

روک لے۔ اگر وہ مجھ سے ہاتھ روک لے تو میں کون ہوتا ہوں کسی کو کچھ دینے والا۔ تو وہ بابا جی بڑی بات فرمایا کرتے تھے اوہ دتے چوں ای دینا ای ناں؟ (اللہ کے دیے ہوئے میں سے ہی دینا ہے ناں) احسان کس بات کا؟ تو یہ اللہ تعالیٰ کو بہت نہ پسند ہے بات کہ آپ کسی کے کام آئیں اور پھر دل میں یہ توقع رکھیں کہ میں اس کے عوض اس سے کوئی کام لوں گا۔ اس کو کوئی فٹیک ڈالوں گا۔ جے کام نہ کرے گا تو بے حیاء ہی ہو گیا۔ میرے آکھے ہی نہیں لگدا۔

سورہ دھر میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی۔ وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا[1]۔ وہ اس کی محبت میں، اللہ کی محبت میں لوگوں کو کھلاتے ہیں، قیدیوں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا[2] دل میں یہ نہیں رکھتے کہ اس کے عوض مجھے کوئی جزا ملے گی یا یہ بندہ میرا شکریہ ادا کرے گا۔ اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے تو دل میں یہ بھی نہیں خیال کرتے کہ میرا کوئی شکریہ ادا کرے۔ چہ جائے کہ آپ کسی کو یہ کہیں کہ میں تمہارے کام آیا ہوں؟ ہم دیکھیں دن میں کتنی نیکیاں کرتے ہیں؛ کسی کے کام بھی آتے ہیں، کسی کی سفارش کے لیے بھی جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی اگر احسان جتلا دیا تو نیکی تو بڑی تھی لیکن ضائع ہو گئی۔

بس یہاں میں رُک کہ ایک بات کروں۔ اس پہ آگے کرتے ہیں بات۔ ایک جملہ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جب سرکار نے فرمایا تھا کہ بخشش اس کے فضل سے ہے۔ تو ایک بندے نے وہاں یہ پوچھ لیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بھی؟ فرمایا ہاں میری بخشش بھی اس کے فضل سے ہے۔ اب کسی اور کی کیا اوقات ہے کہ وہ اپنی نیکیاں جتلاتا پھرے کسی کو۔ احسان جتلاتا پھرے؟ فرمایا اگر اس کی رحمت مجھے ڈھانپ لے تو اس کی مہربانی ہے۔ تو جب یہ احساس صاحب کے اندر پیدا ہو گا ناں کہ یہ اس کا فضل ہے تو پھر آپ کبھی نہیں کسی کو احسان جتلائیں گے کہ میں نے تیرے ساتھ نیکی کی۔ بڑھیا جملہ ہے، یہ اللہ کی صفت ہے کہ وہ عادل ہے، عدل کرتا

---

[1] سورۃ الدھر:8

[2] سورۃ الدھر:9

ہے لیکن ہمارے بزرگوں نے ایک بات فرمائی تھی کہ اللہ سے کبھی اس کا عدل نہ مانگنا۔ اللہ سے جب بھی مانگنا اس کا فضل مانگنا۔ اس کی رحمت مانگنا۔ اللہ سے کبھی عدل کا سوال نہ کرنا۔ یہ آپ مصرعہ ہی سنتے ہیں ناں، عدل کریں تے تھر تھر کمبن اُچیاں شاناں والے۔ وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ[1] یہ قرآن کریم کی آیت ہے۔ اگر وہ ماخذہ کرے، اگر اللہ تمہارا مؤاخذہ کرنا شروع کر دے بِمَا كَسَبُوْا ہر اُس کام کا جو تم کرتے ہو۔ مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ تو پھر اس زمین پہ چلنے پھرنے والا کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔ پھر کسی کی جرات نہیں۔

روایتیں آپ نے سنی ہیں۔ ایک تو اسرائیلی روایت ہے۔ ہمارے مفسرین ویسے زیادہ لکھتے بھی ہیں لیکن کچھ منع بھی کرتے ہیں۔ بہر حال اس کا ایک theme ہوتا ہے۔ لیکن یہ روایت تو ظاہر احادیث کی کتب میں ہے۔ صحیح احادیث میں آتی ہے کہ 99 قتل کر دیے۔ اب وہ ایک بندے کے پاس گیا اور کہنے لگے میں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا تجھے معافی نہیں مل سکتی۔ یہ بات میں نے اس لیے شروع کی ہے کہ ہم سیکھ تو قرآن کریم کی آیات رہے ہیں لیکن ایک حدیث بھی ہے کہ اس بندے کے اعمال بھی برباد ہو جاتے ہیں جس نے کسی دوسرے انسان کو یہ کہہ دیا کہ تمہیں تو اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ کبھی کسی انسان کو یہ جملہ نہ کہنا۔ تیری کیا اوقات ہے؛ وہ مالک ہے جس کو چاہے معاف کرے۔ تو نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اللہ تو تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ تو اس انسان کے بھی اعمال برباد ہو جاتے ہیں جو یہ جملہ کہتا ہے کہ اللہ تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ بلکہ لوگوں کو بتانا ہے کہ تیرے گناہ جتنے جی چاہے بڑے ہیں لیکن اس کی رحمت سے زیادہ نہیں ہیں۔ کبھی کسی انسان سے یہ جملہ نہیں کہنا۔ لیکن اس نے کہہ دیا تو نے 99 قتل کیے ہیں۔ تجھے معافی نہیں مل سکتی۔ بس دل برداشتہ ہوا اور اس کو بھی قتل کر دیا۔ 100 قتل کر دیے۔ بس دل میں توبہ کی طلب تھی۔ اللہ سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ دل میں سچائی تھی۔ کسی دوست سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ فلاں گاؤں میں کچھ اللہ کے فقیر رہتے ہیں، درویش رہتے ہیں، اُن سے دعا کروا ، اللہ تجھے معاف کر دے۔ اب وہ چلا، صدق دل سے چلا اللہ کی راہ میں۔ بس ابھی تھوڑا ہی گیا تھا کہ موت واقعہ

[1] سورۃ الفاطر:45

ہو گئی۔ اس گاؤں پہنچ نہیں پایا۔ ان درویشوں سے مل نہیں پایا۔ اب فرشتے آ گئے۔ جہنم والے بھی آ گئے اور جنت والے بھی آ گئے۔ جہنم والے کہتے ہیں کہ اس نے چونکہ 100 قتل کیے ہیں تو اس کی روح کو ہم لے کے جائیں گے۔ جنت والے کہتے ہیں کہ نہیں ارادہ تو توبہ کا لیکر جا رہا تھا۔ اللہ کی بارگاہ میں معافی مانگنے جا رہا تھا۔ عرض کی اللہ تعالیٰ سے۔ اللہ نے فرمایا کہ اچھا ایسا کرو کہ زمین کی پیمائش کر لو۔ اگر اس نے سفر اُس گاؤں کی طرف زیادہ کر لیا ہے ناں، جس جگہ وہ جا رہا تھا، اللہ کے نیک بندوں کے پاس، توبہ کیلئے۔ اگر اُدھر کو، توبہ کی طرف سفر زیادہ ہے تو جنت والے لے جائیں اور اگر ابھی سفر کم ہے تو پھر جہنم والے لے جائیں۔ اب روایت آ کے انسان کو ایک ایسے موڑ پہ کھڑا کر دیتی ہے کہ سفر ابھی تھوڑا کیا تھا اس نے۔ لیکن جب پیمائش کرنے لگے تو میرے اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ سُکڑ جا۔ جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی چُھری کو حکم دیا تھا ناں کہ نہیں کاٹنا۔ زمین اُدھر سے سُکڑ گئی۔ جو اس کے فضل کے تلاش میں نکلتا ہے وہ کبھی ناکام نہیں رہتا۔ اور فضل کی تلاش میں جو نکلتا ہے وہ احسان نہیں جتلاتا۔ وہ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا۔ وہ تکبر نہیں کرتا۔

ہم چونکہ قرآن کریم کے حوالے سے باتیں دیکھ رہے تھے تو یہ روایت بھی ذہن میں رکھنا۔ کبھی زبان سے کسی شخص کو یہ جملہ نہیں کہنا کہ اللہ تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اللہ ہے۔ مالک ہے۔ وہ چاہے تو ابلیس کو معاف کر دے۔ اسے کون پوچھنے والا ہے۔ یہی تو جب عرفات سے مزدلفہ کی طرف آئے ناں تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس دن بڑے خوش تھے۔ وہ تقریبا ایک گھنٹے کی، پونے گھنٹے کی دعا ہے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ اتنے خوش تھے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج خوشی کی کیا وجہ ہے؟ اللہ آپ کو پتہ ہے ناں حقوق العباد معاف نہیں کرتا۔ اگر آپ نے کسی بندے پہ ظلم کیا ہے تو جب تک وہ بندہ معافی نہ دے۔ فرمایا آج میرے اللہ نے یہ بات مجھ سے کہہ دی ہے۔ اس میں دو چیزیں ہیں۔ ایک تو شفاعت کے حوالے سے ہے۔ کبھی شفاعت کا موضوع ہو گا تو اس میں ہم اس کو پھر تفصیل سے discuss کریں گے۔ چونکہ نبی پاک ﷺ کو دو آپشن دیے گئے تھے۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ یا آدھی اُمت بخشوا لو یا شفاعت کا منصب لے لو۔ تو نبی پاک نے شفاعت کا منصب لے لیا تھا۔ تو اس رات جو خوشی تھی وہ اس بات کی تھی۔ یہ جو 100 قتل والا بندہ ہے ناں، یہ اصل میں میں آپ کو سمجھانے لگا ہوں کہ ایک

بندے نے حقوق العباد بھی ضائع کیے لیکن اس کی آخر میں طلب ہو گئی توبہ کی۔ معافی مانگنے کی۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کی اور میرے مصطفیٰ کریم ﷺ نے اس کی شفاعت کر دی۔ اب اللہ پتہ ہے کیا کرے گا؟ وہ جس بندے کا حق مارا گیا ہے ناں، وہ بندہ بھی سامنے کھڑا ہو گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے کہے گا کہ تو جنت سے اپنی مرضی کی نعمتیں لے لے اور اس کو معاف کر دے۔ تو جب وہ راضی ہو جائے گا ناں نعمتیں لے کے کہ مولا کریم میں نے اس سے بدلہ لے کے کیا کرنا ہے۔ مجھے ادھر نعمتیں مل رہی ہیں۔ فرمایا آج میرے اللہ نے مجھ سے یہ وعدہ بھی کر لیا ہے۔ اس لیے زندگی میں کبھی تو توبہ کی طرف، فضل کی طرف جائیں۔ فضل اس کا تلاش کریں۔

ایک نے عدل بھی مانگا تھا۔ یہ بھی بنی اسرائیل کا ہی تھا۔ دن کو روزہ رکھتا تھا اور تورات لکھتا۔ اس کو فروخت کر کے رزق حلال کماتا۔ ساری زندگی نیکیوں میں گزاری۔ جب قبر میں گیا۔ سوالات ہوئے۔ اللہ کا حکم ہوا کہ جنت کا دروازہ کھول دو۔ فرشتوں نے کہا اللہ کا شکر ادا کر کہ اس نے تیرے لیے یہ حکم دیا ہے اور تیرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اس نے کہا شکر کس بات کا؟ محنت کی ہے۔ ساری زندگی میں نے غلطی کوئی نہیں کی۔ گناہ کوئی نہیں کیا۔ میں نے اپنی نیکیوں کا اجر پایا ہے۔ اپنی محنت کا اجر پایا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی کہ مولا یہ تیرا عدل مانگتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ٹھیک ہے تو پھر اس کا نامہ اعمال کھولو۔ یہ میں نے آپ کو ایک دفعہ بتایا تھا ناں کہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی پاک ﷺ سے یہ دعا سیکھی تھی۔ ہمارے ہاں تو یہ نہیں رواج، عربوں میں وتر میں بھی یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔ اللَّهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَسِيرًا[1]۔ یا اللہ میرا حساب آسان فرما۔ یہ دعا ضرور پڑھا کریں۔ یہ نبی پاک ﷺ نے اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سکھائی تھی۔ یا اللہ میرا حساب آسان فرما۔ تو اماں جی نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ آسان حساب کیا ہے؟ تو پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ آسان حساب یہ ہے کہ اللہ نامہ اعمال کھولے بغیر معاف کر دے۔ بس فائل سامنے پیش ہو لیکن اللہ فائل کھولے ناں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جس کا نامہ اعمال کُھل گیا، وہ برباد ہو گیا۔ وہ نہیں پھر بچ سکتا۔ تو جب میرے پیغمبر ﷺ یہ دعا سکھاتے ہیں کہ اللہ

[1] مشکوٰۃ المصابیح:5562

سے یہ دعامانگو کہ وہ نامہ اعمال کھولے بغیر مجھے معاف کردے۔ حاسبنی۔ یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ میرا حساب اور اگر اللہ کو زیادہ خوش کرنا ہو ناتو پھر کہا کریں اللّٰهُمَّ حَاسِبْنِا حِسَابًا يَسِيرًا۔ یا اللہ ہمارا حساب آسان فرما۔ ساری امت کو اس میں شامل کرلیا کریں۔ یا اللہ یہ تیرا عدل مانگتا ہے۔ فرمایا کھولو اس کا نامہ اعمال۔ تورات لکھ رہا ہے۔ یہ پوری ویڈیو آپ کی چلے گی قیامت والے دن۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ[1]۔ یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔ پوری ویڈیو سامنے ہو گی اور اللہ فرمائے گا کہ پڑھ اپنی کتاب۔ آج تیرے لیے یہی کافی ہے۔ جو نہی نامہ اعمال کھولا۔ تورات لکھ رہا ہے۔ ایک مکھی اوپر آکے بیٹھ گئی سیائی پہ۔ ہاتھ مارا۔ مکھی مر گئی۔ ابھی تو پہلا ہی درجہ تھا، فرمایا اس نے ایک جان کو قتل کیا ہے عدل کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ جہنم میں جائے۔ مکھی کی بھی تو جان ہے ناں اس لیے جان کو قتل کیا ہے۔ تو کبھی بھی اللہ سے اس کا عدل نہ مانگنا۔ جب بھی مانگنا اس کا فضل مانگنا۔ اس کی رحمت مانگنا۔ اور یہ دعا جو آپ کو ہدیہ کی ہے، اسکو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں اللّٰهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَسِيرًا۔ اور کبھی بھول کر بھی زبان سے یہ نہ نکلے کہ میں تمہارے فلاں کام آیا ہوں۔ نہیں۔ میں کون ہوتا ہوں؟ میں جب کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہوں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى۔ اے ایمان والو! احسان جتلا کر اور اذیت دیکر اپنی نیکیوں کو ضائع نہ کرنا۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔ آمین

[1] سورۃ بنی اسرائیل: 13

اللہ تعالیٰ نے کسی سینے میں دو دل نہیں بنائے

قرآن: يَقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًىؕ-وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِيْمٌ۔
سورة البقره: 263

ترجمہ:- اچھی بات کہنا اور در گزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے پرواہ حلم والا ہے۔

خاکہ:-

1. پیغمبر کی گستاخی میں کوئی عذر بھی قابلِ قبول نہیں ہو گا۔
2. جاہل کون ہے۔
3. دل میں یا ایمان ہے یا کفر، دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔
4. "ہیرے پاسہ اِکو ای رہنا اے، یا کھیڑے یا رانجھا"
5. مفلس کون ہو گا؟
6. زندگی ایسے گزاریں کہ کوئی قیامت کے دن تمہاری شکایت نہ کرے۔
7. آپ اللہ کی تلاش میں نکلیں اور اللہ نہ ملے، یہ ممکن ہی نہیں۔
8. نظر کامیابیوں کو لگتی ہے یا ناکامیوں کو؟
9. اس ملک کو بد عائیں کھا گئی ہیں۔
10. اسلامی ریاست میں، ریاست غریب کا ساتھ دیتی ہے۔

گفتگو ہماری شاکلہ کی تکمیل اور مذہب اور کلچر کے تصادم تک پہنچی تھی۔ اصل ہمارا موضوع یہ تھا کہ اگر ہم نیکی کر بھی لیتے ہیں تو وہ کون سی چیزیں ہیں جو ہماری نیکیوں کو برباد کر دیتی ہیں۔ تو اس ترتیب سے ہم نے قرآن کریم

سے چار چیزیں سیکھیں تھی۔ ایک تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی گستاخی اعمال کو برباد کر دیتی ہے۔ آپ نے جتنے جی چاہے بڑے عمل کیے ہوں۔ انکی بربادی کے لیے ایک گستاخی جو ہے وہ کافی ہے اور اس کے لیے ایک بات یہ بھی یاد رکھنا۔ یہ معاملہ نازک اس لیے ہے کہ باقی گناہوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میرا ارادہ نہیں تھا۔ میں نے یہ گناہ کیا، غلطی کی تو میرا ارادہ نہیں تھا۔ نیت نہیں تھی۔ تو وہاں پہ جان چھوٹ جاتی ہے انسان کی۔ لیکن پیغمبر کی گستاخی میں آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ میرا ارادہ نہیں تھا۔یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ[1]۔ تو وہاں یہ گنجائش بھی نہیں۔ اس لیے ہمارے بزرگوں نے کہا تھا کہ اللہ کے سامنے دیوانہ بن کے بھی رہنا ہو تو رہ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہوشیار باش رہنا۔ وہاں یہ تیرا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایک تو وہ چیز ہم نے سیکھی تھی۔ دوسرا جو شخص اعمال اس دنیا کے لیے کرتا ہے۔ پھر ہم نے پچھلے جمعہ صدقات کی بات دیکھی تھی قرآن کریم سے۔ دو چیزیں جو میں نے آپ سے کہا کہ ہماری نئی نسل کا ایک تو شاکلہ نہیں بن سکا۔ وہ چونکہ ہم نے تفصیل سے جمعہ میں بات کر دی ہے اور اب ہم اس سٹیج پہ پہنچ گئے کہ ہمارے بچے کہتے ہیں کہ ہم اپنی ثقافت اور کلچر پہ عمل کریں یا مذہب پہ عمل کریں؟ تو اس لڑائی نے ہمیں اللہ سے بھی دور کر دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دور کر دیا ہے اور ہمارا آخرت کا عقیدہ برباد ہو گیا ہے۔

دیکھیے آپ یہاں صرف دو رکعت جمعہ پڑھتے نہیں آتے۔ ہم یہاں سے عقائد، معاملات، اخلاقیات، عبادات، جو اللہ رسول کے احکامات ہیں وہ سیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ اپنی زندگی کو بامقصد بنانے کے لیے آتے ہیں۔

ایک بڑھیا بات، یہ صرف مسلمانوں نے نہیں لکھی، تمام محققین نے لکھی کہ سب سے بڑا جاہل کون ہے؟ تو تمام محققین اس پہ متفق ہیں کہ جس کو اپنی زندگی کے مقصد کا علم نہیں ہے وہ جاہل ہے۔ جس شخص کو یہ نہیں پتا کہ میں پیدا کس لیے ہوا ہوں؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اس سے بڑا جاہل انسان اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ تو اللہ

[1] سورۃ الحجرات:2

نے یہ نبی بھی اسی لیے بھیجے کہ ہمیں مقصد حیات کا پتہ چلے۔ یہ قرآن بھی اسی لیے ہے کہ ہمیں مقصد حیات کا پتہ چلے۔ اور یہ تو آپ کو پتہ ہے کہ رہنا اس دنیا میں نہیں ہے۔ رہنا تو آخرت میں ہے۔ تو یہ ساری تیاری اس دنیا میں ہماری آخرت کے لیے ہے۔

آج میں نے اسی موضوع کو سمیٹنا ہے۔ چونکہ کافی جمع ہو گئے اسی موضوع پہ گفتگو کرتے ہوئے۔ چونکہ یہ معاشرتی مسائل ہیں کہ ہمارا معاشرہ اللہ سے دور کیوں ہوا؟ اس کے لیے میں نے کہا تھا کہ یہ شاکلہ کی ایک وجہ ہے اور ایک مذہب اور کلچر کا آمنے سامنے کھڑا ہونا۔ تیسری جو بڑی بات قرآن کریم نے بیان کی۔ میں جب بھی یہ آیت پڑھتا ہوں، یقین جانیے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ[1]۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے کسی بھی رجل کے، انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔ کوئی ایسا انسان ہم نے نہیں پیدا کیا جس کے سینے میں دو دل ہوں۔ ایک دل کفر کے لیے ہے اور ایک ایمان کے لیے ہو۔ دل ایک ہی ہے یا ایمان ہے یا کفر ہے۔ لیکن یہ جو ہم نے آج کل شروع کر دیا ہے کہ ہم ایمان اور کفر کو ساتھ ساتھ لے کے چلنا چاہتے ہیں۔ تو اللہ فرماتا ہے جب دل ہی دو نہیں ہیں تو یہ کفر اور ایمان اکٹھے کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ جو آج کل ہماری اصطلاح چلتی ہے ناں اور کیا کریں جی پھر دونوں کو ساتھ ساتھ ہی لے کے چلنا ہے۔ نہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ یا ایمان ہے یا نہیں ہے۔ ہاں، شکل ایک ہی ہے یا آپ کے دل میں ایمان ہے یا نہیں ہے۔ اس لیے اس دن میں نے وہ روایت آپ کے سامنے عرض کی تھی کہ اگر ایمان ہے تو ایمان کی حالت میں کوئی چوری نہیں کر سکتا۔ ایمان کی حالت میں کوئی شراب نہیں پی سکتا۔ ایمان کی حالت میں کوئی بدکاری اور زنا نہیں کر سکتا۔ یہ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ناں جب کہ نجاست اور طہارت، کیا یہ دونوں اکٹھے ہو سکتے ہیں؟ ایک چیز نے ہی رہنا ہے۔ یا تو میرے کپڑوں پہ نجاست لگی ہوئی ہے، یا یہ طاہر ہے یا نجس ہے۔ یہ نہیں ہے کہ دل نجس بھی ہو اور طاہر بھی ہو۔ ایک حالت میں رہنا ہے اس نے۔ نجاست اور طہارت کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ گناہ اور نیکی کا آمیزہ تیار نہیں ہو سکتا۔ کفر اور ایمان ایک چھت کے نیچے نہیں رہ

---

[1] سورۃ الاحزاب:4

سکتے۔ حق اور باطل کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جھوٹ اور سچ کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ زہر اور تریاق کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ تو یہ جو ہماری ایک فکر ہے، ایک سوچ ہے کہ ہم شیطان کے حکم پہ بھی عمل کر لیں اور اللہ کے حکم پہ بھی عمل کر لیں اور دونوں کو ساتھ ساتھ لے کے چلیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

بہلول کو دانا اسی لیے کہتے تھے۔ لوگ تو اُسے پاگل کہتے تھے۔ لیکن میرے غوث پاک سرکار کا امام، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وہ ان کو دانا کہتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ آپ اتنے بڑے امام اور اس پاگل کے پاس کیا لینے جاتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں جو اللہ کی معرفت اِسے حاصل ہے وہ کسی ظاہری عالم کو حاصل نہیں۔ اُن کا ایک جملہ، بادشاہ نے بلایا تھا کہ تمہیں منسٹر بنانا ہے۔ وزیر بنانا ہے۔ ایک رات کی مہلت مانگی اور صبح پاگلوں والا روپ اختیار کر لیا۔ اب وہ گلی میں پاگل بن کے پھر رہے تھے۔ بچے پتھر مار رہے تھے۔ بہلول کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ کسی نے بادشاہ کو جا کے بتایا کہ بہلول تو پاگل ہو گیا۔ ایک راز دان تھا۔ اس نے پوچھا بہلول کل تک تو اتنا عقلمند تھا کہ بادشاہ تجھے وزیر بنانا چاہتا تھا۔ ایک رات کی تو نے مہلت مانگی اور آج پاگل ہو گیا۔ کبھی کبھی ویسے یہ کیفیت، جو اس راستے پہ چلتے ہیں ناں، ان کی ہو جاتی ہے۔ یہ جنوں کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے یہ دعا کی تھی۔

خِرد کی گُتھّیاں سُلجھا چُکا مَیں
مرے مَولا مجھے صاحِب جُنوں کر دے

اللہ سے دعا مانگتا تھا مولا مجھے پاگل کر دے۔ اس نے کہا، مجھے پتہ ہے کہ بہلول تو جان بوجھ کے پاگل بنا ہوا ہے۔ تو پاگل ہے نہیں۔ اس نے کہا میرے صحن میں ایک لکڑی تھی۔ جب بادشاہ سے میں مہلت مانگ کے آیا۔ تو میں نے اس کو ایک طرف سے اٹھایا تو اٹھا لیا۔ پھر میں نے اس کو دوسری طرف سے اٹھایا تو بھی اٹھا لیا۔ اب اس کو میں نے درمیان سے اٹھانا چاہا تو وہ لکڑی نہیں اٹھائی گئی۔ اس نے کہا مجھے تیری بات کی سمجھ نہیں آئی۔ اس نے کہا یہ ایک تمثیل، ایک مثال میں نے تجھے عرض کی ہے کہ لکڑی کا ایک جو سمت تھی، وہ حلال کی سمت تھی، حق کی سمت، سچائی کی سمت تھی۔ اس کو اٹھایا تو اٹھا لی۔ دوسری سمت، جھوٹ کی، بددیانتی کی۔ وہ بھی میں نے اٹھائی تو اٹھ گئی۔ لیکن

جب درمیان سے میں نے دونوں کو اٹھانا چاہا تو میرے اللہ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ دونوں نہیں اُٹھ سکتی۔ یا تو نے حق پہ رہنا ہے یا باطل پہ رہنا ہے۔ یا سچ پہ رہنا ہے یا جھوٹ پہ رہنا؟ یا طہارت میں رہنا یا نجاست پہ؟ یہ نہیں ہو سکتا ہم نے کسی سینے میں دو دل رکھے ہی نہیں کہ ایک دل میں یزید بستا ہو اور ایک میں حسین بستا ہو۔ تو اہم نے ایسا کوئی سینہ نہیں بنایا۔

تو یہ جو ہماری سوچ اور فکر ہے اس نے بھی ہمارے معاشرے کو برباد کیا اور اس کی وجہ میں نے پچھلے جمعہ بھی آپ سے عرض کی تھی کہ یہ جتنی آیات ہم نے پانچ چھ جمعوں میں سیکھی ہیں ہر آیت اٰمنو سے شروع ہوتی ہے۔ جتنی آیات پہ ہم نے گفتگو کی، ایمان والوں کو مخاطب کیا ہے کہ اب اپنے ایمان کی حفاظت کر۔ نیکی کر لی ہے تو اس کی حفاظت کر۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ظلم اور عدل ہم اکٹھے کر دیں۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ ایک تو حدیث میں نے آپ کو عرض کی تھی کہ ایک تو یہ جملہ نہیں کہنا کہ اللہ تجھے نہیں بخشے گا۔ یہ میں نے ایک روایت آپ کے سامنے کہی تھی کہ وہ انسان جتنا جی چاہے گنہگار ہو، آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ آپ اُسے کہیں کہ اللہ تجھے نہیں بخشے گا۔ اللہ مالک ہے وہ جس کو جی چاہے بخشے۔ یہ جملہ کبھی نہیں کہنا۔ ہاں ہم جائز ناجائز پہ بات کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو جائز قرار دیا ہے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس عمل کا اجر اللہ نے جنت رکھا ہے اس عمل کا اجر جہنم رکھا ہے۔ یہ گفتگو ہم کر سکتے ہیں۔ یہ قرآن کریم نے ہمیں بتایا۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا لیکن ہم اللہ کے فیصلے پہ بات نہیں کر سکتے کہ وہ فیصلہ کیا کرے گا۔

ایک بات ذہن میں آگئی۔ ایک بہت بڑے مجتہد تھے۔ عام فہم نہیں ہے یہ بات، جتنے لوگ اس کو سمجھ سکیں۔ بہت بڑے فقیہ تھے۔ ایک بندے نے آ کے پوچھا۔ اس نے کہا ایک بندہ سچے دل کے ساتھ اللہ کی تلاش میں نکلتا ہے۔ کوشش کرتا ہے، دلائل اکٹھے کرتا ہے لیکن وہ اس نتیجے پہ پہنچتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ اپنی ساری محنت کے بعد تمام دلائل اکٹھے کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پہ پہنچتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ تو کیا اس کو بھی عذاب ہو گا؟ اس مجتہد نے کہا تھا کہ اللہ عادل ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ جس کو ثابت نہ ہو، دیانت شرط ہے کہ اس نے اللہ کی تلاش دیانت

داری کے ساتھ کی ہو۔ اوہ! کافر تو اُسے کہتے ہیں جس کو ثابت ہو جائے کہ خدا ہے پھر انکار کرے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان اس منزل پہ نہیں پہنچا اور اللہ اس کو عذاب دے گا۔ اس لیے کبھی کسی سے یہ نہیں کہنا کہ اللہ تجھے نہیں بخشے گا۔ لیکن بہر حال میں نے اس پہ آگے ایک دو جملے لکھے تھے۔ ظاہر ہے وہ تو بہت بڑے فقیہ ہیں۔ مجتہد ہیں۔ لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی دیانت داری کے ساتھ اس کی تلاش میں نکلے اور پھر وہ اس نتیجے پہ پہنچے کہ وہ نہیں ہے؟ یہ ہو نہیں سکتا۔ وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] یہ قرآن میں اللہ نے خود فرمایا ہے کہ جو ہمارے راستے میں جہاد کرتا ہے، ہم اس کے لیے راستے کھول دیتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کی تلاش میں نکلے اور اس کو پائے نہ؟ بہر حال یہ ایک صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی محنت کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ جملہ میں نے اس لیے عرض کیا تھا۔ باریک بات ہے کہ عام فہم بات نہیں ہے۔ یہ اللہ کے عدل کی بات ہو رہی تھی۔

ایسی بہت سی مثالیں ہیں ہماری تاریخ میں۔ بلکہ وہ کسی دن مجھے یاد کروانا، پھر آپ یاد نہیں کرواتے۔ وہ پورا موضوع ہے کہ آخر میں جو لوگ جنت میں جائیں گے۔ وہ انسان جس تک اللہ کا پیغام پہنچا ہی نہیں۔ کسی ایسے جنگل میں رہتا ہے، بیابان میں رہتا ہے۔ اس تک اللہ کا پیغام ہی نہیں پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہی نہیں پہنچا۔ ان کے معاملات جو ہیں وہ ایک علیحدہ ٹاپک ہے۔ پورا موضوع ہے۔ بہر حال آج جو میں نے بات عرض کرنی ہے۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ اعمال کو ضائع کرنے والے۔ مفلس کون ہے؟ یہ بخاری و مسلم، صحیحین میں، دونوں کتابوں میں یہ روایت موجود ہے۔ سرکار پوچھتے ہیں کہ تم میں سے مفلس کون ہے؟ غریب۔ جسے آپ نادار کہتے ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پاس پیسے تھوڑے ہیں۔ جس کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ ہو۔ رہائش نہ ہو، دوائی نہ لے سکے، کپڑے اچھے نہ ہوں، اسے ہم نادار کہتے ہیں، مفلس کہتے ہیں۔ فرمایا نہیں، میری امت کا مفلس وہ ہے جو اُحد پہاڑ کے برابر نیکیاں لے کے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو۔ یہ جن لوگوں کی سوچ میں یہ ہے ناں کہ ٹھیک ہے ہم دونوں کو ساتھ ساتھ لے کے چل رہے ہیں۔ ان کی بارگاہ میں عرض

---

[1] سورۃ العنکبوت:69

کر رہا ہوں۔ نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، صدقہ و خیرات بھی کیا لیکن کیا ہو گا؟ ایک شخص کھڑا ہو جائے گا۔ وہ کہے گا، یا اللہ اس نے میرے اوپر تہمت لگائی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اس کی نیکیاں لو اور اِسے دے دو۔ اس نے میرا حق مارا تھا، نیکیاں اس کو دے دو۔ اب اس کی نیکیاں تقسیم ہونا شروع ہو جائیں گی۔ اس نے مجھے گالی دی تھی، قتل کیا تھا، حق مارا تھا، بہتان لگایا تھا۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ پہاڑ جتنی نیکیاں، وہ جو لوگ شکایت کر رہے ہوں گے ان میں تقسیم کر دی جائیں گی۔ حتیٰ کہ اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور ابھی لوگوں کی لائن لگی ہو گی۔ جن لوگوں کو اس نے تنگ کیا ہو گا ناں، ان کی لائن لگی ہوئی ہو گی۔ اب اس کی نیکیاں تو ختم ہو گئی، اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان کے گناہ نکالو اور اس کے پلڑے میں ڈال دو۔ "حبط اعمال" کی بات ہو رہی ہے ناں کہ اعمال برباد کیسے ہوتے ہیں؟ اچھا اب نیکیاں ساری ختم ہو گئیں اور لوگوں کے گناہ اس کے پلڑے میں ڈال دیے گئے۔ بھائی اگر یہاں کسی کا ہزار روپیہ مارا ہے، تو وہاں ہزار تو دے نہیں سکتا۔ وہاں تو نیکیاں ہی دینی ہیں ناں۔ نیکیاں نہیں ہیں تو اس کے گناہ قبول کر لیں۔

کیا مجھے جملہ یاد آیا۔ بزرگوں نے بھی بڑی کمال کی باتیں کی ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا تھا حضرت صاحب سے، زندگی کیسے گزاریں؟ ایک جملہ، فرمایا، ایسے گزارو کہ کل قیامت کے دن کوئی شخص اللہ کے سامنے تیری شکایت نہ کرے۔ بس ایسے گزارو کہ کوئی تیری شکایت کرنیوالا نہ ہو۔ یہ اسی حدیث کا ہی ترجمہ تھا۔ پچھلے جمعے جو میں نے بات عرض کی تھی ناں، اس کو ذہن میں رکھنا۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں بھی قرآن میں تعارف کروایا ہے بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا۔ کیوں؟ پیغمبر نہ اس کی رحمت سے مایوس ہونے دیتا ہے، نہ بے خوف ہونے دیتا ہے۔ یہ بھی دونوں چیزیں ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ تو اس کی رحمت کی بات کرتے کرتے لوگوں کو تنگ کرنا شروع کر دے۔ ٹھیک ہے، اللہ معاف کرنے والا ہے تو جس سے جی چاہے زیادتیاں کرتا رہے۔ پھر فرمایا کہ زندگی ایسے گزارنا کل قیامت کے دن اللہ کے سامنے کوئی تیری شکایت کرنے والا نہ ہو۔ تو میری سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ پھر لوگوں کے گناہ اس کے پلڑے میں ڈال دیے جائیں گے اور اس کو گھسیٹ کر جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ وہ ہے میری امت کا مفلس، غریب اور نادار۔

بات ہو رہی ہے "حبط اعمال" کی کہ اعمال غارت کیسے ہوتے ہیں؟ تو یہ پانچ چیزیں آج جو ہیں وہ ہماری ہو گئی ہیں۔ یہ پانچ چیزیں ذہن میں رکھنا۔ ایک جگہ ایسے ہی ایک میٹنگ تھی چھوٹی سی، علماء بیٹھے تھے۔ آج کل کے حالات دیکھ کر کہ کوئی بیماری سے بیچارہ پریشان ہے۔ ایسے لوگ بھی ملتے ہیں۔ میں نے ایک بندے سے کہا کہ یار فلاں ڈاکٹر صاحب کو دکھالے۔ وہ رو پڑا، کہنے لگا اس ڈاکٹر کی فیس میرے پاس نہیں ہے۔ چیک کروانے کے لیے فیس نہیں ہے۔ اس لیے کسی عطائی ڈسپنسر سے ایک دو گولیاں لے کے گزارا کر لیتا ہوں۔ بیماریاں بڑھ رہی ہیں اس وجہ سے ۔اگر وہ کسی ڈاکٹر کو چیک کروالے، تو ٹیسٹ کے پیسے نہیں، روٹی کے لیے پیسے نہیں۔ ایسے گھرانے ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کو ایک کی بجائے آدھی روٹی کر دی۔ یقین جانیے بہت برے حالات ہیں۔ لوگوں کی صحت کے، تعلیم کے، عدل کے اور خط غربت سے اب تو ہماری آبادی کوئی 10,9 کروڑ جو ہے وہ ہو گئی۔ اس سے بھی نیچے چلی گئی۔ تو وہاں ایک بندہ کہنے لگا کہ پاکستان کو نظر لگ گئی ہے۔ میں نے کہا بے وقوف آدمی ہے۔ نظر تو کامیابیوں کو لگتی ہے ۔ناکامیوں کو تو کبھی نظر نہیں لگی۔ ہم ناکام ہوئے ہیں۔ میں نے رمضان شریف میں بھی، میں نے جب کرونا آیا تھا اس وقت بھی آپ سے کہا تھا کہ آپ نے گورنمنٹ کی طرف نہیں دیکھنا۔ آپ نے اپنے ہمسایوں کا، اپنے قریبیوں کا خیال رکھنا ہے ۔وہ پیسہ میرے لیے وبال بن جائے گا، اگر میرے ہمسائے میں کوئی دوائی کے ہاتھوں مر گیا۔ اور وہ پیسہ میرے گھر میں پڑا رہا۔ اگر کوئی میرا قریبی رشتہ دار بھوک سے مر گیا تو وہ پیسہ جہنم کی آگ بنے گا۔ تو انہوں نے مجھ سے ایک سوال کیا۔ کہنے لگے کہ نظر نہیں لگی تو اور کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا اس ملک کو بد دعائیں لگی ہیں۔ یتیموں کی، بیواؤں کی، غریبوں کی، بھوکوں کی، پیاسوں کی۔ کیا انسانی حقوق رہ گئے؟ ہائے ہائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے۔ دنیا نے اس ایک روایت سے انسانی حقوق کے قوانین بنائے ہیں۔ حضرت عمر فاروق شدید زخمی تھے۔ دو دن کے بعد شہادت ہو گئی۔ کچھ لوگوں نے آکر رونا شروع کر دیا۔ روایت کون کر رہا ہے؟ عبد اللہ ابن عمر کر رہے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے جنہوں نے حضرت ابو ہریرہ کے بعد سب سے زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں اور سابقون اولون میں سے ہیں۔ کہتے ہیں ابا جی نے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ اگر تم میری میت پہ روؤ گے، تو میں نے یہ روایت ایک سنی ہے کہ تم جب روتے ہو، پیٹتے ہو، ایسی حرکتیں کرتے ہو تو وہ مردے کو

اس کا عذاب ہوتا ہے یا تکلیف ہوتی ہے۔ تو اس لیے یہ حرکت نہ کرو۔ عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ یہ بات میں نے شہادت کے بعد، جنازہ ہو گیا تو اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی۔ سیدہ پاک نے فرمایا اللہ عُمر پہ رحم کرے ۔وہ نبی پاک کی اس بات کو سمجھ نہیں سکا۔ عبد اللہ ابن عمر بیان فرما رہے ہیں۔ میں نے کہا اماں جی وہ کیا؟ آپ نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے عمل کی سزا کسی دوسرے کو دی جائے۔ اور پھر انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1]۔ قیامت والے دن کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر کوئی اپنا اپنا بوجھ اٹھائے گا۔ تو جس نے گناہ کیا ہے، پکڑ اُسی کی ہو گی۔ یہ وہ ایک چیز ہے جس نے جدید دنیا میں، انسانی حقوق اس بنیاد پہ بنائے تھے۔ میں نے کہا میرے ملک کو بد دعائیں لگی ہیں کہ اگر ایک بندہ چور ہے تو اس کی ماں کو بھی اٹھا کے لے جاتے ہیں، اس کی بہن کو بھی اٹھا کے لے جاتے ہیں۔ اس کے بچوں کو ذلیل ورسوا کرتے ہیں۔ بد دعائیں کھا گئی اس ملک کو اور میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مظلوم کی آہ میں اور اللہ کے درمیان پھر کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ اس ملک کو بد دعائیں کھا گئیں۔ اس ملک میں کسی انسان کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ حضرت ابو بکر صدیق تھے، جنہوں نے پہلے خطبے میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ اسلامی سٹیٹ کے اندر مظلوم طاقتور ہے اور ظالم کمزور ہے۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق کا پہلا خطبہ تھا خلیفہ بننے کے بعد۔ یہ اسلامی مملکت ہے جہاں اللہ کا قانون ہے۔ یہاں مظلوم طاقتور ہے اور ظالم کمزور ہے۔ امیر المومنین وہ کیسے ؟ فرمایا اس لیے کہ قانون مظلوم کی حفاظت کرے گا۔ ظالم کی حفاظت نہیں کرے گا۔ اور پھر یہ وہی قانون تھا کہ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق کی تنخواہ مقرر ہونے لگی، یہ تھی اسلامی ریاست، کابینہ بیٹھی، امیر المومنین، یہ کوئی آپ کے پاکستان جتنا چھوٹا سا ملک نہیں تھا۔ حضرت عمر فاروق 22 لاکھ مربع میل، ادھر یورپ تک سرحدیں، ادھر آرمینیا آذربائجان، ایران تک فتح ہو گیا تھا۔ ایشیا، یورپ، افریقا تک سرحدیں اس مملکت کی۔ جب پوچھا گیا کہ امیر المومنین تنخواہ کیا ہو گی؟ فرمایا مدینے شریف کا جو مزدور لیتا ہے ناں وہی بادشاہ کی تنخواہ ہو گی۔ وہ اسلامی سٹیٹ ہوتی ہے جہاں بادشاہ کی تنخواہ مزدور کے برابر ہو گی۔ ایک بندے نے کہا امیر المومنین! مزدور کی تنخواہ تو بہت تھوڑی ہے۔ آپ ظاہر ہے امیر المومنین ہیں،

[1] سورۃ الفاطر:18

وقت کے بادشاہ ہیں۔ آپ کا گزارا نہیں ہو گا۔ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا، فرمایا اگر مزدور کی تنخواہ تھوڑی ہے اور تم میری تنخواہ بڑھانا چاہتے ہو تو پہلے مزدور کی بڑھانی پڑے گی، پھر بادشاہ کی بڑھے گی۔ بڑھانی ہے تو پہلے مزدور کی تنخواہ بڑھاؤ۔ اس لیے آپ اپنی سٹیٹ سے کوئی توقع نہ رکھا کریں۔

یقین جانیے لوگوں کے حالات بہت برے ہو گئے ہیں۔ پچھلے سال سیلاب آیا تھا اور لوگ ابھی تک سڑکوں پہ پڑے ہوئے ہیں۔ جو بین الاقوامی ایڈ آئی تھی ناں، وہ بھی ان تک نہیں پہنچی۔ اپنے ملک سے لوگوں نے مدد کی ہے اور آگے پھر آپ نے سوات کے حالات دیکھیں ہوں گے، دریائے سوات کا سیلاب۔ آگے پھر بارشیں شروع ہو رہی ہیں۔ یہ بد دعائیں کھا گئی ہیں اس ملک کو۔ تو خدا کے لیے یہ ظلم اور عدل اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ یا ظلم نے رہنا ہے یا عدل نہیں رہنا۔ لیکن آپ اپنی حیثیت میں جتنا کر سکتے ہیں، وہ ضرور کریں۔ مخلوق خدا بہت پریشان ہے۔ لیکن اس کی وجہ پھر وہی ہے کہ ہم نے ظالموں کے نعرے لگائے ہیں۔ ہم نے ظالموں کو اچھا کہا ہے۔ ہم اپنے دل میں طہارت اور نجاست اکٹھی رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم حق اور باطل میں فرق نہیں کرنا چاہتے۔ یہ میں نے رمضان شریف میں بھی آپ سے کہا میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دو تو پھر تمہارے اوپر ظالم حکمران مسلط ہوں گے اور پھر تمہارے نیکوں کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔ یہ کوشش کریں کہ اپنی اپنی استطاعت میں رہ کر ایک دوسرے کا دست و بازو بن کے، ایک دوسرے کا سہارا بن کے، اب اس وقت کو گزاریں، حالات آگے اور خراب ہو رہے ہیں۔ ڈالر کی جو قیمت جا رہی ہے اور ہمارے جو قرضے دینے والے ہیں۔ بہت حالات آگے خراب ہونے والے ہیں۔ اس لیے کوشش کریں کہ آپ اپنے اندر unity (اتحاد) پیدا کریں۔ ایک اچھا معاشرہ جو ہے وہ تشکیل دیں۔ اپنے رشتہ داروں تک، ہمسایوں تک۔ لیکن جب آپ یہ کام کریں گے تو روشنی ضرور پھیلے گی۔ میں نے اس آیت میں آپ کو بتایا تھا کہ کبھی مایوس نہیں ہونا۔ جتنی آپ تھوڑی سی روشنی پھیلا سکتے ہیں پھیلائیں۔ سارا کمرا اندھیرے سے بھرا ہوا ہو ناں تو ایک دیا سلائی اس کمرے کو روشن کرنے کیلئے کافی ہوتی ہے۔ اپنے حصے کا کام ضرور کریں۔ تو یہ بات ذہن میں رکھنا کہ میں نے ڈھیروں اعمال کیے ہوں لیکن قیامت والے دن لوگ میری شکایتیں لیکر کھڑے ہوں۔ کوئی چوری میں کامیاب ہو جائے تو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ کوئی ظلم کرنے

میں کامیاب ہو جائے تو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ کوئی ڈکیتی کر لیتا ہے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ یہ ذہن سے نکال دیں کہ فلاں حرام کما کر کامیاب ہو گیا۔ فلاں بھائیوں کا حق مار کے کامیاب ہو گیا۔ یہ باتیں نکال دیں ذہن سے۔ قیامت والے دن میرا اللہ بتائے گا کہ کون کامیاب ہو گا۔ قرآن کہتا ہے کہ فرعون کامیاب ہوا یا موسیٰ کامیاب ہوا؟ ابراہیم کامیاب ہوا یا نمرود کامیاب ہوا؟ نہیں۔ یہ ماضی تمہیں کیا بتا رہا ہے کہ یزید کامیاب ہوا تھا؟ شمر کامیاب ہوا تھا؟ نہیں۔ حسین کامیاب ہوا۔ یہ اپنے ذہنوں سے نکال دیں باتیں کہ حرام کما کے، رشوت لیکر، ڈکیتی کر کے کامیاب ہونا ہے۔ نہیں۔ وہ قومیں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں۔ تو یہ باتیں میں نے اس لیے کی ہیں کہ شاکلہ کیلئے تین چیزیں کیا تھیں؟ والدین، معاشرہ اور مدرسہ۔ میں کئی دفعہ بات یہ دکھ سے بھی کہتا ہوں کہ آپ میلاد کی محفل پہ، نعت کی محفل پہ جوق در جوق آتے ہیں لیکن درس قرآن سننے نہیں آتے۔ بھائی درس کے نام سے ہی ہمیں چڑ ہو جاتی ہے۔ یہ مدرسہ ہے میرے پاک پیغمبر ﷺ کا۔ یہ میرے آقا کا فیض ہے۔ آپ قرآن سیکھنے آتے ہیں۔ آپ اپنے دلوں کے زنگ اتارنے کیلئے آتے ہیں۔ اپنے ذہنوں کو روشن کرنے کیلئے آتے ہیں۔ جہالتیں دور کرنے کیلئے آتے ہیں اور اس معاشرے کی پاکیزہ تشکیل کیلئے آتے ہیں۔ یہ جو چیزیں آج سیکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جس نے انتہائی مشکل میں پیغمبر کا ساتھ دیا

قرآن: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌۙ۔ سورة التوبہ: 117

ترجمہ:- بیشک اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے مشکل وقت میں نبی کی پیروی کی حالانکہ قریب تھا کہ ان میں سے بعض لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو جاتے پھر اللہ کی رحمت ان پر متوجہ ہوئی۔ بیشک وہ ان پر نہایت مہربان، بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

خاکہ:-

1. جو نیک اعمال اس دنیا کے لیے کرتا ہے اس کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔
2. پیغمبر ﷺ کا رستہ کس کے لیے مشکل ہے؟
3. مجاز اور حقیقت کے معنی۔
4. نبی اور فرشتے معصوم ہوتے ہیں۔
5. مزمل اور مدثر کے معنی میں فرق۔
6. پیغمبر تو ترکِ اولیٰ بھی برداشت نہیں کرتے۔
7. اگر یہ خدشہ پیدا ہو کہ نبی ﷺ کا حکم مانا تو نقصان ہو گا تو پھر سمجھ لو آخرت برباد۔
8. پیغمبر ﷺ کے حکم کے بعد تمہارا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں۔
9. پیغمبر کا حکم، اور گٹھلی کی غذائیت۔

گفتگو ہماری اس منزل پہ پہنچی تھی کہ انسان نیک اعمال کرنے کے بعد، کون سے وہ اعمال ہیں جن سے اس کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں؟ نیکی کرنا کوئی ایسا کمال نہیں ہے۔ اس نیکی کی حفاظت کرنا اصل کمال ہے اور پھر اس کو حفاظت کے ساتھ اللہ کے پاس پہنچا دینا۔ اُس کا اجر ہے۔ اور اگر نیکی کی اور اس کو برباد کر لیا تو پھر وہ آپ کے لیے دوہرا عذاب ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے ہم نے چار پانچ چیزیں قرآن کریم سے سیکھی تھیں کہ ایک تو اللہ کے نبی کی گستاخی اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔ سورہ حجرات سے ہم نے یہ بات سیکھی۔ پھر حبط اعمال کے لیے سورہ ہود سے ہم نے دو آیات پہ گفتگو کی اور سورہ بنی اسرائیل سے سیکھی تھیں۔ وہ چونکہ چار پانچ جمعوں کا ایک تسلسل ہے لیکن جو بنیادی ایک چیز ہم نے پچھلے جمعہ جا پہنچے تھے کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو اسی زندگی میں کامیاب ہونا چاہیے ہیں۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا[1] تو جس نے ارادہ کیا اس دنیا کا تو اللہ اس میں سے جو چاہتا ہے کچھ ان کو عطا کر دیتا ہے اور اس کے بعد ان کے لیے جہنم ہے اور وہ دھتکارے ہوئے، ذلیل کر کے دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ جنہوں نے صرف اسی دنیا میں کامیاب ہونے کے لیے زندگی گزاری اور اس سے اگلی آیت یہ تھی وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا[2] اور جو کوئی آخرت کا ارادہ کرے اور پھر اس کے لیے سعی کرے، کوشش کرے اور وہ صاحب ایمان بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی سعی کو بھی قبول فرماتا ہے اور اس کو جنت میں بھی داخل فرماتا ہے۔ تو یہاں تک ہم پہنچے تھے کہ یہ دو طرح کے انسان ہیں؛ ایک وہ ہے جو اسی دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں، ایک وہ ہے جو کہتے ہیں کہ اس دنیا میں وہ کام کرو کہ ہم آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔

اب یہاں پہ جو بات یہ ہوئی کہ جو صرف اسی دنیا کے لیے وقت گزارتا ہے، اس کو اللہ فرماتا ہے ہم جہنم میں ڈالیں گے اور ذلیل کر دیں گے۔ کیوں؟ یہ ایک جملہ میں نے آپ کو عرض کر دیا تھا لیکن شاید آپ نے توجہ

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:18

[2] سورہ بنی اسرائیل:19

نہیں فرمائی تھی کہ جو شخص صرف اسی دنیا کی طلب کرتا ہے، اس دنیا کی دولت مجھے مل جائے، یہاں میں کامیاب ہو جاؤں، یہاں منصب مل جائے، عہدہ مل جائے، اس شخص کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نبی کے راستے پہ چلا تو میں دنیا میں ناکام ہو جاؤں گا۔ وہ جہنم میں اس لیے جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ پیغمبر کا راستہ میری دنیا حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے۔ بھائی اگر میں ملاوٹ نہیں کروں گا تو میں زیادہ دولت مند کیسے بنوں گا؟ جھوٹ نہیں بولوں گا تو میری تجارت کیسے چلے گی؟ تو پیغمبر کا راستہ اس بندے کے لیے مشکل ہو جاتا ہے جو یہی دنیا جو ہے، اس میں کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ تو جب وہ نبی پاک کے راستے میں مشکل محسوس کرتا ہے تو پھر اس کے آگے جہنم ہی ہوتی ہے پھر اور تو کچھ نہیں۔ تو کتنے لوگ ہیں جن کو پیغمبر کا راستہ مشکل نظر آتا ہے کہ اگر نبی پاک کا حکم مانا تو پھر تو ہمارے کاروبار نہیں چلیں گے؟ ہماری کوئی عزت نہیں ہو گی؟ نہ کوئی منصب ملے گا؟ کبھی بھی دل میں یہ گھٹن محسوس ہو، اور وہ آیت تو آپ نے سنی ہوئی ہے ناں فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[1] کہ نبی پاک فیصلہ فرمادیں اور اس فیصلے کے خلاف تم دل میں بھی تنگی محسوس کرو تو تم صاحب ایمان ہو ہی نہیں۔ نبی پاک فیصلہ فرمادیں اور تم دل میں تنگی محسوس کرو کہ یار اگر عمل کیتا تو پھر میں ناکام ہو جاوں گا؟ تو یہ کس بندے کے ذہن میں یہ بات آتی ہے؟ یہ وسوسہ آتا ہے؟ جو اسی دنیا میں کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ جو آخرت میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں اس کے لیے اس دنیا کی ناکامی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بھائی کتنے لوگ ہیں جو فرعون کو کامیاب کہتے ہیں؟ کتنی دنیا ہے جو نمرود کو کامیاب کہتی ہے؟ کتنے اہل علم ہیں جو ابو جہل کو اور یزید کو کامیاب سمجھتے ہیں؟ آج بھی آپ یونیورسٹیوں میں جائیں تو ہزاروں نہیں، لاکھوں کی تعداد میں آپ کو thesis مل جائیں گے کہ حضرت بلال کامیاب آدمی ہیں۔ جب آپ آخرت کا ارادہ کرتے ہیں تو پھر پیغمبر کے راستے پہ چلنا مشکل نہیں ہوتا۔ تو یہ ایک بنیادی چیز تھی جو قرآن کریم نے ہمارے سامنے رکھی کہ جب انسان یہ

[1] سورۃ النساء:65

خدشہ محسوس کرے کہ نبی کا راستہ، مشکل راستہ ہے سمجھو کہ اس وقت تمہارے ذہن میں صرف اسی دنیا کی کامیابی، کامیابی ہے۔ تم آخرت کا ارادہ نہیں رکھتے۔

تو یہ اگلی آیت جو تھی یہ اسی حوالے سے ہے۔ اللہ فرماتا ہے لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ ۔ یہ تّابَ کا ویسے تو معنیٰ توبہ ہے۔ بے شک اللہ نے پیغمبر کی توبہ قبول فرمالی۔ یہ لفظی معنیٰ ہے اس کا۔ لیکن کسی ترجمے میں آپ یہ معنی نہیں دیکھیں گے۔ کسی نے بھی قرآن کریم کا جو ترجمہ لکھا ہے اس نے یہاں تّابَ کا معنی توبہ نہیں لکھا۔ جرات ہی نہیں ہے کسی کی۔ میں نے جتنے تراجم دیکھیں ہیں اردو کے، فارسی کے، کچھ نے لکھا ہے کہ بے شک اللہ نے نبی پہ اپنا فضل کیا۔ کچھ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر پہ مہربانی کی۔ اپنی رحمت کا نزول فرمایا۔ یہ ایک اصول تفسیر کا بھی مسئلہ ہے کبھی آپ قرآن کریم کو ترجمے کے ساتھ خود بھی پڑھیں تو یہ اصول ذہن میں رکھنا۔ قرآن کریم میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں پہ لفظ حقیقی ہوتا ہے لیکن اس کا معنی مجازی لینا پڑتا ہے۔ لفظ جو ہے وہ حقیقت کا ہوتا ہے لیکن اس کا معنی مجاز لینا پڑتا ہے اور کبھی لفظ مجاز ہوتا ہے معنی حقیقت لینا پڑتا ہے۔ یہ اصول تفسیر کا ایک اصول ہے۔ یہ دونوں چیزیں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ سورہ جمعہ میں آپ ایک آیت پڑھتے ہیں، پہلی آیت میں تو یہ ہے ناں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ[1] کہ جب جمعہ کی اذان سنو تو کاروبار چھوڑ دو۔ جب جمعہ کے لیے پکارا جائے، اذان ہو جائے تو بیع خرید و فروخت چھوڑ دو اور اللہ کے ذکر کی طرف آجاؤ۔ اس سے اگلی آیت میں ہے فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ[2] پھر جب نماز ادا کر چکو تو زمین پہ پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ لیکن یہاں لفظ کیا ہے قُضِیَہ۔ قُضِیَہ کا لفظی معنیٰ ہے قضا کرنا۔ لیکن کسی کی جرات ہے یہاں ترجمہ لکھے کہ جب نماز قضا کر چکو؟ ترجمہ لکھنا پڑے گا جب نماز ادا کر چکو۔ تو یہ چونکہ اصول تفسیر کا ایک مسئلہ تھا اس لیے میں نے عرض کر دیا کہ آپ کہیں یہ نہ کہیں کہ جب لفظ

[1] سورۃ الجمعہ:9

[2] سورۃ الجمعہ:10

تَّابَ آگیا ہے تو اس کا معنی مہربانی فضل اور رحمت کیوں ہے؟ تو یہ قرآن کریم میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں پہ لفظ مجاز ہوتا ہے اس کا معنی حقیقت لینا پڑتا ہے۔ یہاں پہ لفظ تَّابَ ہے لیکن اس کا معنیٰ یہ نہیں ہو گا کہ ہم نے پیغمبر کی توبہ قبول کرلی۔ کیوں؟ عام لوگوں کے ذہن میں یہ آئے گا کہ توبہ تو گناہوں پہ ہوتی ہے؟ تو کم علم اور جاہل لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ نے نبی کی توبہ قبول کرلی۔ بھائی جہالت بھی تو عام ہے ناں۔ تو اس لیے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی پہ اپنا فصل کیا، اپنی مہربانی کی، رحمت کی۔

وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اور مہاجرین پہ بھی اپنی رحمت کی، فضل کیا۔ وَ الْاَنْصَارِ اور انصار پہ بھی۔ لیکن کن مہاجرین اور انصار پہ؟ وہ جملہ جو میں نے پہلے عرض کیا وہ ذہن میں رہے۔ چونکہ یہ اسی کی تفصیل ہے۔ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وہ لوگ جنہوں نے اتباع کی میرے پیغمبر کی۔ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔ ساعت کہتے ہیں گھڑی کو، لمحات کو، وقت کو، ٹائم کو۔ جب انتہائی تنگی کا وقت تھا۔ مشکل وقت تھا، مصیبت اور تکلیف کا وقت تھا۔ جن لوگوں نے اس وقت میرے نبی کا ساتھ دیا، ان پہ اللہ مہربان ہوا۔ ہاں یہ نہیں ہے کہ تمہیں دنیا کا تھوڑا سا نقصان نظر آئے تو تمہیں نبی کا راستہ ہی اچھا نہ لگے کہ ہم اس دنیا میں ناکام ہو جائیں گے؟ بھوکے مر جائیں گے؟ کہاں سے کھائیں گے؟ ہماری اولادوں کا کیا بنے گا؟ تو میرے اللہ نے کنڈیشن ایسی لگادی۔ اور ابھی آیت ختم نہیں ہوئی الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔ وہ لوگ جنہوں نے اتباع کی، حکم مانا میرے پیغمبر کا، جب انتہائی مشکل وقت تھا۔ انتہائی مصیبت کی گھڑی تھی، وہ اس وقت بھی میرے نبی کے ساتھ کھڑے تھے۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ یہ وہ مصیبت کی گھڑی تھی کہ ہو سکتا تھا کہ کچھ لوگوں کے دل ہی بدل جاتے۔ یہ آیت آٹھویں پارے میں بھی ہے ناں، جہاں آپ دعا کرتے ہیں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً[1]۔ اے ہمارے رب ہمارے دل نہ پھیر دے، ٹیڑھے نہ کر دے اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔ تو وہاں ہے لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا۔ یہاں ہے يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ یعنی یہ وہ مصیبت تھی کہ اس مصیبت کے بعد ہو سکتا تھا کہ ایک فریق کے دل ہی بدل جاتے۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اللہ نے پھر ان کی

---

[1] سورۃ الانعام:8

توبہ قبول کرلی۔ اس جملے کی تہہ تک نہیں ابھی پہنچے۔ بات شروع بھی توبہ سے ہوئی ہے ناں۔ اب یہاں پہ بات پھر وہی ہوئی کہ پیغمبر کا ساتھ دیا، مشکل گھڑی میں دیا اور مصیبت اتنی بڑی تھی کہ دل پھر سکتے تھے۔ اللہ نے پھر ان کی توبہ قبول کی۔اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ بے شک وہ اللہ بہت رؤف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔

یہ جو ہے ناں ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ کہ پھر ان کی توبہ قبول کی۔ یہاں پہ مفسرین نے ایک بڑا کمال کا جملہ لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جب غلطی ہو جاتی ہے تو اس کے لیے پہلے توبہ ہے، استغفار ہے۔ وہ درجے میں نے آپ کو بتائے ہوئے ہیں اور پھر اللہ سے عہد کرنا کہ آئندہ یہ کام نہیں کروں گا اور پھر جس کا حق مارا ہے اس کا حق واپس کرنا۔ یعنی اگر نماز اللہ کا حق ہے ناں، تو نماز نہیں پڑھی تو توبہ کے بعد یہ تو نہیں ہے کہ بس ٹھیک ہے، ہو گیا کام۔ نہیں۔ وہ نماز قضا کرنی پڑے گی ناں۔ حق لوٹانا پڑے گا۔ توبہ کے اندر یہ بنیادی چیز ہے۔ لیکن یہ ایک مقام ایسا ہے کہ تمہیں زبان سے بھی توبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں استغفار کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ تم نے میرے نبی کے ساتھ جو مصیبتیں اٹھائی ہیں وہی تمہاری غلطیوں کا کفارہ ہیں۔ جس مصیبت کی گھڑی میں تم میرے پیغمبر کے ساتھ کھڑے رہے ہو اب کسی توبہ اور استغفار کی ضرورت ہی نہیں۔ ان مصیبتوں کو ہی اللہ تعالیٰ نے کفارہ بنا دیا ہے۔ یہ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ پھر ان کی توبہ کو قبول کیا۔

ہمارے عقائد جو ہیں ناں وہ آپ کو پتہ ہونے چاہیے۔ ہمارا اہلِ سنت کا جو عقیدہ ہے، اس میں نبی معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور دوسرے فرشتے معصوم ہوتے ہیں۔ باقی صحابہ، اہلِ بیت، اولیاء اُمت کے لیے، یہ جو نیک ہستیاں ہیں ان کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ان کو اللہ محفوظ رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اگر آپ کسی کو معصوم مانیں گے تو نبی پاک کی ختم نبوت پہ حرف آئے گا۔ چونکہ نبوت ختم ہو گئی ہے۔ اس لیے میرے نبی پاک کے بعد آپ کسی کو معصوم نہیں کہہ سکتے۔ محفوظ کہہ سکتے ہیں۔ میرا اور تمہارا معاملہ اور ہے۔ نبیوں کا معاملہ اور ہے۔

یہ جو نبی پاک کے لیے لفظ تاب آیا ہے ناں، یہ میں تھوڑا سا آپ کو عرض کر دوں کہ جب سورۃ مزمل نازل ہوئی۔ یَاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اے چادر اوڑنے والے۔ یہ اوڑنے کے بھی دو طریقے ہیں۔ ایک جسے آپ بُکل کہتے ہیں ناں۔ بُکل مارنا۔ ایک ہوتا ہے چادر اوپر لے کے لیٹنا۔ یہ عربی زبان میں یہ دونوں لفظ ہیں۔ تو جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسے چادر لپیٹتے تھے۔ وہاں اللہ مزمل کہتا ہے اور جہاں چادر لے کے لیٹتے ہیں وہاں مدثر کہتا ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کی کیفیت کو بھی مد نظر رکھا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ ایک کیفیت کے لیے ہی سارے لفظ استعمال کرے۔ اگر پیغمبر بیٹھ کے چادر لپیٹیں تو مزمل ہے اگر لیٹے تو مدثر ہیں۔ یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۔ اے چادر اوڑنے والے۔ اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ۔ اور یہاں کیا ہے یَاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ۔ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً۔ نِّصْفَهٗٓ رات کو کھڑے ہوا کرو، آدھی رات یا اس کا تھوڑا حصہ۔ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً یا اس آدھی رات کا بھی تھوڑا سا حصہ۔ اور میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیتے ہیں؟ ما عبدنا حق عبادته۔ یا اللہ میں تو تیری عبادت کا حق ہی ادا نہیں کر سکتا۔ فرائض اور واجبات تو نبی چھوڑتے ہی نہیں ناں۔ پیغمبر پہ جو چیزیں فرض ہوتی ہیں، واجب ہوتی ہیں، وہ ان سے نہیں چھوٹتی۔ ایک ہوتی ہے ترکِ اولیٰ۔ یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب فرماتے ہیں ناں کہ میں دن میں 70 مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ 100 مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ تو اس کا کبھی یہ شیطانی وسوسہ نہ آئے کہ نبی پاک شاید کوئی اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہے ہیں۔ وہ جس مقام پہ ہیں وہاں ترکِ اولیٰ کو بھی وہ کہتے ہیں کہ مولا معاف کر دے۔ حالانکہ ترک اولیٰ بھی پیغمبر سے نہیں ہوتی۔ ترک اولی کی ایک مثال قرآن کریم میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ چیز فرض واجب نہیں ہوتی۔ عصر کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھ کے کوئی اللہ کی تسبیح کیا کرتے تھے۔ فرض واجب نہیں تھی ویسے بیٹھ کے اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ ایک دن اصطبل میں گھوڑے آ گئے۔ قرآن کریم میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے تفصیل کے ساتھ۔ کہا گیا کہ یہ نئی نسل کے گھوڑے ہیں۔ کہیں جہاد پہ جانا تھا تو ان کو ذرا دیکھیں۔ تو وہاں ان گھوڑوں کو دیکھتے، ان کے اوپر ہاتھ پھیرتے ہوئے یا ان کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے، وہ جو وقت تھا ذکر کا، وہ گزر گیا۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا فرمایا کہ یہ گھوڑے جتنے جی چاہے قیمتی ہیں، ان سب کو ذبح کر دو۔ کیوں؟ جو چیز اللہ کی یاد میں حائل ہوتی ہے، وہ نہیں ہونی چاہیے تھی۔ تو پیغمبر تو ترکِ اولی بھی برداشت نہیں کرتے۔ وہ چیز کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔

اسی لیے سورہ منافقون میں بھی اللہ نے یہی بات فرمائی۔ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْہِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَ لَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ[1] دیکھنا، کہیں تمہاری اولاد اور تمہارا مال، تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ اور اگر یہ ہو گیا کہ تم اولاد کی وجہ سے اللہ سے غافل ہو گے یا دولت کی وجہ سے۔ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ اب شک والی کوئی بات نہیں، تم گھاٹے میں ہی ہو۔ اب خسارے میں ہو۔ تو پیغمبر تو، میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے۔ باہر سے کوئی ڈیلیگیشن آ گیا، اس سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ کوئی سیاسی امور جو ہیں وہ طے ہو رہے ہیں۔ آرام فرماتے ہیں۔ تو میرے پاک پیغمبر جب استغفار کرتے تھے تو اس حوالے سے کرتے تھے کہ مولا یہ جو وقت ہے ناں، میں سمجھتا ہوں شاید یہ بھی تیری یاد میں نہیں گزرا۔ حالانکہ پیغمبر کا ہر لمحہ اللہ کی یاد میں ہوتا ہے۔ یہ تعلیم امت ہے۔ اوہ! کہیں ذہن میں نہ آ جائے کہ میں نے بڑی عبادت کر لی ہے۔ اس دنیا میں، کائنات میں اللہ کو گلا ہے کہ بندے میری عبادت نہیں کرتے۔ قرآن نے کتنی جگہ یہ بات کی؟ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ[2] شکر کرنے والوں کی تعداد بڑی تھوڑی ہے۔ بندے میری عبادت نہیں کرتے۔ کیا وہ کمال ہستی ہے جس کو اللہ فرمائے کہ ساری رات تو کھڑے نہ ہوا کرو۔ آدھی رات کھڑے ہو جاؤ یا اُس کا بھی تھوڑا سا حصہ اور میرے پیغمبر آگے سے فرمائیں کہ مولا میں تو تیری عبادت کا حق ہی ادا نہیں کر سکا۔ تو یہاں لفظ تاب کا کیا ہو گا ترجمہ کہ اللہ تعالی نے مہربانی کی۔ رحمت کی۔ فضل کیا۔

اس کا جو سیاق و سباق ہے ناں، وہ غزوہ تبوک کے حوالے سے ہے۔ بس اس کا میں تھوڑا سا سیاق عرض کر کے چونکہ وقت کم رہ گیا ہے۔ بات یہاں سے شروع ہوئی تھی۔ یہ آیت وہ بات بتا رہی تھی کہ اگر دل میں یہ خدشہ پیدا ہو کہ نبی پاک کا حکم مانا تو مجھے دنیا میں گھاٹا پڑے گا تو تمہاری آخرت برباد ہو گئی۔ پھر جہنم ہے تمہارے لیے۔ یہ حکم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کس season میں دے رہے ہیں۔ یہ جو ہے ناں فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ۔ اس کی تفصیل ہم

---

[1] سورۃ المنافقون:9

[2] سورۃ الاعراف:10

انشاء اللہ اگلے جمعہ عرض کریں گے۔ مدینہ شریف کی ساری معیشت کا دارومدار کھجوروں پہ تھا۔ سارے سال کا کھانا پینا جو ہے کھجوروں کی تجارت سے ہی تھا۔ اب کھجوریں پک گئیں۔ کھجوریں اتارنے کا وقت آگیا۔ پورے سال کی روٹی کا معاملہ ہے اور پیغمبر فرمارہے ہیں کہ اس کو چھوڑو اور میرے ساتھ جہاد کے لیے چلو۔ یہ وہ موقع قرآن بیان کررہاہے کہ تم چھوٹی چھوٹی اپنی چیزیں دیکھ کے کہتے ہو کہ اگر نبی پاک ﷺ کا حکم مانا تو میرا کیا بنے گا؟ منافقین آگئے۔ بہانے لگانے لگے۔ میں بیمار ہوں۔ میرا فلاں کام ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ تَاب کی تفسیر میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ وہ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو اجازت دی کہ ٹھیک ہے تم نہ جاؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ سرکار یہ سمجھتے تھے کہ مجھے اس موقع پہ ان کو اجازت نہیں دینی چاہیے تھی اور ان کو کہنا چاہیے تھا کہ چلو جہاد کے لیے لیکن باقی مفسرین کہتے ہیں کہ نہیں۔ یہ بات بھی نہیں تھی کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی فیصلہ باطن پہ نہیں دیا تھا۔ ظاہر پہ دیا تھا۔ کیونکہ یہ قانون قیامت تک کے لیے انسانوں کو دینا تھا۔ فیصلہ جب بھی ہوگا ظاہر پہ ہوگا۔ ظاہری شہادتیں اور گواہیاں جو ہیں ان پہ ہوگا۔ یہ ہمارا قضا کا، عدالت کا جو نظام ہے وہ اسی پہ چلتاہے۔ کئی دفعہ آپ کہتے ہیں ناں ادھر جھوٹی گواہیاں ہوگئی اور فیصلہ اس کے خلاف ہوگیا۔ اللہ نے قیامت کا دن اسی لیے رکھا ہوا ہے۔ دنیا میں تو فیصلے بھی ایسے ہی ہوں گے۔ یہاں آگے چل کے ذکر آرہاہے۔ اللہ فرماتا ہے ایک یہ تھے جو بہانے لگاکہ میرے نبی کے در سے جارہے تھے اور ان کو یہ تھا کہ نبی کا حکم مانا تو ہماری معیشت تباہ ہوجائے گی اور ایک وہ تھے جو آکے میرے نبی کے سامنے رورہے تھے۔ یارسول اللہ ﷺ ہمیں بھی سواری دیں ہم آپ کے ساتھ چلیں اور یہ روتے ہوئے واپس گئے کہ ہمارے پاس بھی سواریاں ہوتی تو ہم بھی نبی پاک ﷺ کے ساتھ جاتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ تین طرح کی مصیبتیں تھیں۔ ایک تو یہ تھی کہ سواریاں نہیں تھیں۔ دوسرا زادراہ نہیں تھا اور تیسرا پانی نہیں تھا۔ گرمی شدید تھی۔ اتنی گرمی تھی کہ پاؤں کو کپڑے باندھ کے چلا جاتا تھا۔ سواریوں کی کمی کا یہ عالم تھا کہ ایک سواری 10 لوگوں کے لیے تھی۔ اور وہ جو جَو جلے ہوئے تھے۔ وہ کوئی انسان ایک لقمہ کھا نہیں سکتا تھا۔ ناک بند کرکے حلق سے لقمہ نیچے اتارنا پڑتا تھا۔ یہ میں فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ کی آؤٹ لائنز آپ کو دے رہا ہوں کہ اللہ نے کن پہ اپنی مہربانی کی۔ جنہوں نے اس مصیبت میں نبی کا ساتھ نہیں

چھوڑا۔ باقی تفصیلات ہم انشاء اللہ عرض کریں گے۔ بس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا وہ جملہ جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے ایک کھجور 24 گھنٹے کے بعد۔ پیدل سفر کرنا ہے۔ گردنیں لٹک گئی تھیں کہ ٹوٹ جائیں گی۔ میں اس جملے کا شاید ابھی آپ کو احساس نہیں ہے کہ جنہوں نے مصیبت میں میرے نبی کا ساتھ دیا۔ پیاس کی شدت سے گردنیں ٹوٹنے کا خدشہ۔ لیکن کھڑے ہیں نبی کے حکم کیساتھ۔ پھر آدھی کھجور 24 گھنٹے کے بعد اور پیدل سفر۔ بھائی ایک سواری اور 10 لوگ۔ کتنے سوار ہو جائیں گے؟ ایک یا دو۔ باقیوں نے تو پیدل چلنا ہے۔ پھر نوبت یہ آگئی کہ وہ جو 10، 10 لوگ ہیں ان کو ایک گٹھلی دی جاتی کہ اس گٹھلی کو چوس کر پانی پی لو۔ ایک گٹھلی کو 10 بندے باری باری چوستے اور پھر پانی پی لیتے۔ یہ ہیں وہ مصیبتیں کہ اس کے بعد تم زبان سے استغفار نہ بھی کرو تو اللہ نے تمہاری غلطیاں معاف کر دیں۔ نبی کے ساتھ تو کھڑے رہیں ناں۔ یہ اگلا جملہ ذہن میں ہے ناں کہ یہ وہ وقت تھا کہ ہو سکتا ہے ایک فریق کے دل ہی بدل جاتے۔ کیوں کھڑے تھے پیغمبر کے ساتھ کہ جب اس کائنات کا مالک و مختار اللہ ہے اور اللہ کے ساتھ ہے تو ہمیں وہ مدد کافی ہے۔ وہ ہمارا حامی و ناصر ہے۔ یہ یقین کی کیفیت تھی۔ لیکن وہ جملہ جو میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کا۔ ایک بندے نے پوچھا کہ سرکار وہ گٹھلی۔ بھائی گٹھلی کو چوسنے سے کیا غذائیت ملنی ہے؟ وہ بھی باری باری 10 بندے چوس کر اوپر سے پانی پیتے۔ اس سے کیا غزائیت ملتی تھی؟ بس یہ جملہ آج میں نے آپ کو عرض کرنا تھا۔ باقی اس آیت کی تفسیر ابھی رہتی ہے۔ سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تیرا دھیان وہ گٹھلی کی طرف گیا ہے؟ یہ دیکھ حکم کس نے دیا تھا کہ گٹھلی چوس کے پانی پی لو۔ تو یہ کبھی ذہن میں نہ آئے کہ اگر ہم نبی کے راستے پہ چلیں گے تو ہمارے لیے مصائب پیدا ہو جائیں گے۔ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اللہ فرماتا کہ نہیں پھر تمہاری آخرت برباد ہو جائے گی۔ پھر تمہارا ایمان مشکوک ہے۔ تو انشاء اللہ آگے یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔ آمین

تین پیچھے رہ جانیوالوں کی توبہ

قرآن: وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۠ ۔ سورة التوبہ: 118

ترجمہ:- اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آئے اور انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس پھر ان کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

خاکہ:-

1. پیغمبر کے ساتھی اور انکی شان۔
2. معصوم نبی ہوتے ہیں مگر صحابہ نہیں۔
3. اللہ نے جب قرآن میں صحابہ کو معاف کر دیا تو پھر اور کوئی دلیل چاہیے؟
4. نیکی کا موقعہ ملے تو فوری اور اول وقت میں کرنا ہی افضل ہے۔
5. حضرت کعب بن مالک کا واقعہ۔
6. اللہ کے لیے تقویٰ اختیار کرنا۔
7. اللہ کا پالیسی بیان۔
8. اللہ فرماتا ہے کہ جب میرا نبی حکم دے دے تو پھر کوئی پیچھے نہ رہے۔

گزشتہ جمعہ ہم نے غزوہ تبوک کے حوالے سے یہ جو آیات کو دیکھا تھا اور پچھلی آیت میں اللہ تعالی نے فرمایا لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ کہ اللہ مہربان ہوا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہ اور مہاجرین پہ

اور انصار پہ۔ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ چونکہ انہوں نے پیغمبر کا ساتھ دیا انتہائی مصیبت کے وقت، تکلیف کے وقت۔ تو یہ آیت ہم نے پچھلے جمعہ سیکھی تھی۔ ایک بات جو بڑی اہم ہے اس آیت کے حوالے سے، ایک دو جملے میں نے پچھلے جمعہ بھی کہے تھے کہ پیغمبر تو گناہ نہیں کرتے معصوم ہوتے ہیں بلکہ ان سے ترک اولیٰ بھی نہیں ہوتا۔ تو پھر یہ لفظ تَّابَ جو ہے، پہلے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے استعمال کیا گیا۔ پھر مہاجرین کے لیے اور انصار کے لیے۔ یہ اصل میں تینوں کو اکٹھا کرنے کا مقصد یہ تھا، حالانکہ صحابہ کے متعلق آگے اللہ نے یہ بات بیان فرمادی مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ کہ وہ مصیبت اتنی بڑی تھی کہ ہو سکتا تھا کچھ لوگوں کے دل پھر جاتے۔ تو وہ جو وسوسے تھے، وہ دل پھرنے والی جو باتیں تھی، ان پہ تو ٹھیک ہے صحابہ کی توبہ قبول ہوئی۔ لیکن پیغمبر کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا اور ساتھ مہاجرین اور انصار کے لیے ہوا تاکہ تمہیں صحابہ کی عظمت کا احساس ہو۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جو ساتھی ہیں، اللہ تعالیٰ جب اپنا فضل کرتا ہے تو ان کو اپنے نبی کے ساتھ رکھتا ہے۔ ہاں یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ وہ لفظ جو پیغمبر کے لیے تھا ہی نہیں، توبہ کا لفظ تو نبی کے لیے ہے ہی نہیں۔ اس لفظ کو استعمال کر کے پہلے نبی پاک کا ذکر کرنا اور پھر مہاجرین اور انصار کا ذکر کرنا۔ یہ ان کی عظمت کو بیان کرنا تھا۔ ان کی اہمیت کو بیان کرنا تھا۔

ظاہر ہے شیطانی وسوسے ہر دور میں بڑے ہوتے ہیں۔ عقیدہ اہلِ سنت کا آپ کو پتہ ہے کہ کیا ہے؟ ہمارا کیا عقیدہ ہے کہ گناہوں سے معصوم صرف نبی ہوتے ہیں۔ صحابہ انسان ہیں، ان سے غلطی اور خطا ہو سکتی ہے۔ اسی لیے تو بار بار یہ توبہ کا ذکر آرہا ہے ناں۔ جیسے چوتھے پارے میں غزوہ اُحد میں بھی ان کی غلطی کا اللہ نے ذکر کیا کہ نبی پاک نے فرمایا تھا کہ درّا نہیں چھوڑنا اور انہوں نے چھوڑ دیا۔ غلطی تو ہو گئی وہاں اور پھر وہاں بھی سزا ملی اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے فرمایا کہ جب میں نے معاف کر دیا، آپ بھی معاف کر دیں اور ان سے مشورہ بھی کریں۔ یہاں غزوہ تبوک میں بھی یہی بات ہے کہ ان کی توبہ کو پیغمبر کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ یہ بات اہم اس لیے ہے کہ اگر کبھی آپ کو کوئی قرآن کی آیت پڑھ کے بتائے دیکھیں جی غزوہ اُحد میں صحابی نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو چھوڑ گئے تھے پر بعد والی آیات کو دیکھو کہ اللہ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا کیا تھا۔ ان کی عظمت کو تو کو دیکھو ناں کہ کیا

اللہ نے ان کے ساتھ معاملہ کیا۔ تو یہ شیطانی وسوسے آپ کو بڑے لوگ سنائیں گے۔ فلاں وقت پہ صحابی چھوڑ گئے۔ فلاں وقت پہ صحابہ نے یہ جرم کیا۔ تو یہ آیت ہمیشہ ذہن میں رہے کہ اللہ جب اپنا فضل کرتا ہے تو نبی پاک کے ساتھ مہاجرین اور انصار کا ذکر کرتا ہے۔ اب کسی ایسے وسوسے میں نہیں آنا۔ یہ ان کی اہمیت قرآن بیان کر رہا ہے۔ آپ کو کوئی لاکھ حدیثیں سنائے کہ فلاں حدیث میں یہ لکھا ہے۔ بھائی قرآن میں کیا لکھا ہے؟ خالق کائنات نے ان کی شان کیا بیان کی۔ تو یہ چونکہ آج کل بڑا معاملہ ہے۔ وہ حضرت فاطمہ کا جی حضرت عمر نے گھر جلا دیا۔ فلاں صحابی نے یہ جرم کیا۔ فلاں صحابی نے یہ جرم کیا۔ وہ صحابہ تو تھے ہی نبی پاک کے خلاف۔ نہیں۔ تو قرآن کے ساتھ اگر اپ وابستہ رہیں گے تو شیطانی وسوسوں میں نہیں آئیں گے۔ اس سے آپ کا عقیدہ مضبوط رہے گا۔ اور میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ دین کی دعوت لے کے گئے کس کے پاس تھے؟ بھائی اللہ تعالیٰ نے جب یہ دین کی دعوت کا حکم دیا تھا تو سب سے پہلے تو ابو بکر کے پاس گئے تھے۔وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ [1] اپنے خاندان والوں کو، اپنے قریبیوں کو اللہ کے خوف سے ڈراؤ۔ تین دفعہ دعوت کی۔ دعوت ذوالعشیرہ جسے کہتے ہیں۔ اپنے خاندان کی دعوت کی۔ حضرت علی کے سوا تو کوئی ایمان ہی نہیں لایا اور اُلٹا مذاق کرتے تھے کہ یہ بچہ تیری مدد کرے گا؟ تو وہ جن لوگوں نے اس دعوت کو اُس مشکل وقت میں قبول کیا اور پیغمبر کا ساتھ دیا۔ ان کے متعلق دل میں انسان غلط خیالات لائے؟ تو اگر وہی غلط تھے تو پھر تو سارا دین ہی ہمارے تک غلط پہنچا ہے۔ کیونکہ نبی پاک تو کوئی کتاب لکھ کے نہیں گئے۔ بھائی یہ دین ہمارے تک آگے منتقل ہوا ہے صحابہ کی وجہ سے۔ اور گھر کے جو معاملات تھے وہ اہل بیت کی وجہ سے۔ تو قرآن کریم سے وابستہ رہیں۔ جب یہ میں آیتیں پڑھتا ہوں ناں پھر مجھے سرکار کا وہ آخری خطبہ بھی بڑا یاد آتا ہے کہ اگر اس کتاب سے وابستہ رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ بڑی بڑی لوگ آپ کو حدیثیں سنائیں گے۔ فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے، فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے۔ نہیں۔ میرے خالق کی کتاب میں کیا لکھا ہے۔

[1] سورۃ الشعراء:214

تو یہ آیت آپ نے پچھلے جمعہ سیکھ لی تھی۔ اس سے اگلی آیت وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا اللہ فرماتا ہے اور وہ تین لوگ جو پیچھے رہ گئے۔ وہاں تو اجتماعی صحابہ کی بات تھی ناں۔ یہاں تین لوگوں کا خصوصی ذکر کیا کہ وہ جو تین لوگ پیچھے رہ گئے تھے۔ اللہ نے ان کی بھی توبہ قبول فرمالی۔ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ یہاں تک کہ ان تینوں پہ زمین تنگ ہوگئی اپنی وسعت کے باوجود۔ یہ جو تین صحابی تھے جو پیچھے رہ گئے تھے؛ پیغمبر کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ یہ زمین اتنی وسعت کے باوجود ان کے لیے تنگ ہوگئی وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ اور پھر وہ ان کی جانیں بھی ان کے لیے تنگ ہوگئی۔ وَ ظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ یہاں تک کہ ان کو یقین ہوگیا کہ اللہ کے در کے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا۔ اتنا خوبصورت جملہ ہے۔ لفظی ترجمہ یہ ہوگا ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ کہ پھر اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کیا لِيَتُوْبُوْا تاکہ وہ توبہ کریں۔ تو ترجمہ اس کا ویسے یہ لکھا ہوتا ہے ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ پھر اللہ نے ان پہ اپنا فضل کیا لِيَتُوْبُوْا تاکہ وہ اللہ کی طرف پلٹ آئیں۔ اللہ ان پہ اتنا مہربان ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بے شک اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

غزوہ تبوک میں 30 ہزار تقریباً صحابہ گئے تھے۔ ہاں یہ کوئی غزوہ بدر نہیں تھا کہ تین 313 تھے اور غزوہ احد میں 700 تھے۔ یہ وہ غزوہ تھا جس میں 30 ہزار صحابہ نے شرکت کی۔ اور ان میں سے یہ تین جو ہیں یہ پیچھے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کا خصوصی ذکر کیا۔ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع۔ کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ یہ نہیں کہ میری نیت نہیں تھی ساتھ جانے کی۔ بس یہی تھا کہ میری سواری بڑی طاقت والی ہے تو میں کل مل جاؤں گا سرکار کے ساتھ۔ اگلے دن پھر صبح ارادہ کیا۔ پھر کہا چلو کوئی بات نہیں اگلی منزل پہ مل جاؤں گا۔ بس یہ کرتے کرتے کیا ہوا کہ قافلہ تبوک پہنچ گیا اور میں مدینے میں ہی رہ گیا۔ اسی لیے نماز کے متعلق بھی میرے پاک پیغمبر ﷺ نے یہی فرمایا ہے کہ شیطان تمہیں وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی بڑا ٹائم ہے۔ ابھی بڑا وقت ہے، ابھی بڑا وقت ہے، بالکل وقت جب تھوڑا رہ جاتا ہے تے پھر آپ مرغے کی طرح ٹھونگے مار کے سمجھتے ہو کہ نماز پڑھ لی اور وہ نماز اللہ تمہارے منہ پہ مار دے گا۔ یہ جو وسوسہ ہوتا ہے ناں کہ کرلیں گے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہوتا ہے۔ نیکی کا موقع ملے

اور اس کو فوری طور پہ کرنا اور اول وقت میں کرنا۔ تو یہ اصل میں بات بتائی جا رہی ہے کہ یہ پیچھے رہ کیوں گئے؟ ان کی کوئی نیت بری نہیں تھی کہ کل مل جائیں گے۔ پرسوں مل جائیں گے۔ فرماتے ہیں راستے میں میرے پاک پیغمبر ﷺ نے میرا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جب تبوک میں پہنچے تو سرکار نے پوچھا کہ کعب کو کیا ہوا؟ ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کو عیش و عشرت نے نہیں آنے دیا۔ اس کو غرور اور تکبر نے نہیں آنے دیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا یارسول اللہ یہ بات اچھی نہیں کر رہا اور اس کو منع کیا کہ ہم نے مالک کے اندر نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ اس لیے یہ بات نہ کر۔ فرماتے ہیں کہ بس اب میں مدینے کی گلیوں میں پھرتا اور شرمندہ ہوتا۔ چونکہ دو طرح کے لوگ تھے مدینے میں۔ ایک وہ منافقین، جو عذر پیش کر کے پیچھے رہ گئے تھے۔ جو پکّے منافق تھے اور ایک وہ جو معذور تھے۔ جن میں جہاد فرض نہیں تھا۔ اب مجھے شرمندگی ہوتی کہ اگر ان منافقوں میں پھروں تو تب بھی میں نہیں پھر سکتا۔ معذوروں میں کیسے جاؤں کہ میں معذور ہوں نہیں۔ زمین تنگ ہو گئی ناں۔ یہ جملے جو آیت کے آپ نے سُنی کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود اِن پہ تنگ ہو گئی۔ ایک یہ تنگی ہے۔ کہنے لگے سوچتا رہا کہ اب سرکار آئیں گے، یہ عذر پیش کروں گا، یہ جھوٹ بولوں گا۔ قافلہ واپس آگیا۔ میں مختصر کر رہا ہوں۔ واقعات بہت ہیں اس کے اندر چونکہ یہ اللہ نے قرآن میں تینوں کا ذکر کیا ہے ناں۔ تو بہت سے واقعات ہیں۔

پاک پیغمبر ﷺ کا جو طریقہ کار تھا سرکار جب بھی کسی سفر سے آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لاتے۔ دو نوافل پڑھتے اور پھر اپنے گھر جاتے یا مسند پہ بیٹھ کے لوگوں کی باتیں سنتے۔ سرکار تشریف لائے، مسجد میں گئے، دو نوافل پڑھے۔ اب وہ منافقین جو ہیں وہ آتے اور عذر پیش کرتے۔ سرکار مسکرا دیتے۔ وہ دوبارہ بیعت کرتے۔ کہتے یا رسول اللہ ہمارے لیے استغفار کرو۔ حضور ان کی بیعت بھی لیتے اور فرماتے تمہارا باطن میں نے اللہ کے سپرد کر دیا۔ ان منافقوں سے فرماتے تمہارے ظاہر کو میں نے قبول کر لیا، تمہارا باطن میں نے اللہ کے سپرد کر دیا۔ اور وہ منافق بعد میں ذلیل و رسوا بھی ہوئے۔ مالک کہتے ہیں جب میں حاضر خدمت ہوا، یہ منافق اور مومن کا ایک یہ بھی فرق دیکھیں۔ منافق یہ سمجھتے تھے کہ حضور مُسکرا رہے ہیں۔ میں نے جو تین چار تفاسیر آج دیکھی ہیں، ہر تفسیر میں میں

نے یہ جملہ پڑھا ہے تو کعب بن مالک فرماتے ہیں جب میں سامنے حاضر ہوا زبان مسکرائے لیکن اس مسکراہٹ میں غضب تھا۔ غصہ تھا۔ منافق کو یہ نہیں پتہ چلتا کہ نبی کی مسکراہٹ محبت والی کون سی ہے اور غضب والی کون سی ہے؟ اور بندہ مومن جب سامنے گیا تو کہا حضور مسکرائے تو سہی لیکن وہ غضب والی مسکراہٹ، غصے والی مسکراہٹ تھی۔ سرکار نے پوچھا کام تُو میرے ساتھ کیوں نہیں گیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے مجھے بولنے کا بڑا ملکہ دیا ہے۔ بہت بڑے خطیب تھے۔ میں اپنے چرب زبانی سے بہت سی باتیں کہہ سکتا ہوں۔ بڑے عذر پیش کر سکتا ہوں لیکن میرا نبی تو دلوں کے حال بھی جانتا ہے۔ منافق سمجھتے تھے کہ ہم نے داہ لگا لیا ہے۔ اب میں اپنے نبی کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یا رسول اللہ میرا کوئی عذر نہیں تھا۔ سواری میرے پاس تھی۔ صحت مند تھا۔ کوئی معذوری نہیں تھی۔ زاد راہ بھی میرے پاس تھا۔ یا رسول اللہ میں سچ بولوں گا۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ جو 80 لوگ جھوٹ بول کے گئے ہیں ان کی نجات نہیں ہے۔ مجھے اگر نجات ملے گی تو سچ میں ملے گی۔ اب دیکھیے منافقین کی بیعت بھی حضور نے لے لی اور فرمایا تمہارے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور کعب سے کہا تیری توبہ کا معاملہ میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ تُو نے سچ بولا ہے تیری توبہ کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہاں دو تین باتیں ذہن میں رہیں۔ کعب مالک فرماتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو بدری صحابہ سے بھی افضل سمجھتا تھا۔ اصل میں یہ میرے ساتھ ایک کیفیت یہ بھی تھی چونکہ میں بیعت عقبہ میں شامل تھا۔ یہ میں نے جمعہ پہ آپ کو بتایا تھا۔ پتہ نہیں اب آپ کو یاد ہے یا نہیں؟ جب سرکار ابو طالب کا اور سیدہ خدیجہ کا وصال ہوا اور مکہ پاک میں حضور کے لیے زمین بڑی تنگ کر دی گئی تھی تو اس وقت مدینہ شریف سے یہ چند لوگ گئے تھے تو انہوں نے جا کے حضور کی بیعت کی اسلام قبول کیا۔ یہ دو دفعہ ہوئی تھی بیعت عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانی۔ تو انہوں نے پھر حضور کو مدینے آنے کی دعوت دی اور پھر حضور مکے سے ہجرت کر کے مدینے سے تشریف لائے تھے۔ تو فرماتے ہیں میں چونکہ اس بیعت عقبہ میں شامل تھا جو حضور کی انتہائی مصیبت کے وقت میں ہم ان کے ساتھی تھے اور پھر سرکار کو مدینہ شریف لے کے آئے تھے۔ اس لیے میں تو اپنے آپ کو بدری صحابہ سے بھی افضل سمجھتا تھا۔ وہ جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بات کی

تھی ناں کہ ہم نے مالک کے اندر نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ اس کی بیک گراؤنڈ میں تھوڑی سی آپ کو بتاؤں کہ ان صحابہ میں سے تھے۔

لیکن نبی کے ساتھ نہ جانا۔ پیغمبر حکم دے کہ میرے ساتھ چلو اور نہ جانا۔ کہتے ہیں کہ حضور نے صحابہ سے فرمادیا کہ ان سے قطع تعلق کرلو۔ جب ہم باہر نکلتے تو صحابہ منہ پھیر لیتے۔ کوئی ہماری سلام کا جواب نہ دیتا۔ اگلے دن کہتے کہ میں اتنا پریشان ہو گیا کہ جو عزیز و اقارب تھے، رشتہ دار تھے انہوں نے بھی بولنا چھوڑ دیا۔ قطع تعلق کرلی سب نے۔ یہ آیت اگر آپ کی سمجھ میں آجائے کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پہ تنگ کر دی گئی۔ اگلے دن میں نے سوچا کہ چلو میں بھی جھوٹ بول کے جا کے عذر پیش کر دوں۔ پھر میں نے کہا سچ کی وجہ سے مصیبت بھی آتی ہے تو آئے لیکن میں نے جھوٹ نہیں بولنا۔ آج کل تو ہم کہتے ہیں ناں سچ بولیں گے تو پھر کوئی مصیبت آجائے گی۔ اللہ کہتا ہے اس سے بڑی مصیبت بھی کوئی آسکتی تھی؟ کہتے ہیں میرے کزن تھے، ابو قتادہ اور میرا جگری یار بھی تھا۔ میں ان کے باغ کی دیوار پہ چڑھ گیا اور میں نے کہا ابو قتادہ میں تجھے اللہ رسول کا واسطہ دیتا ہوں۔ مجھے بتا، کیا مجھے اللہ رسول سے محبت نہیں ہے؟ کہتے ہیں ابو قتادہ نے بھی میری بات کا جواب نہ دیا۔ پھر میں نے کہا میں تجھے اللہ رسول کا واسطہ دیتا ہوں مجھے بتا کہ مجھے اللہ رسول سے پیار نہیں ہے۔ جب میں نے تیسری مرتبہ پوچھا۔ تب ابو قتادہ میری طرف پلٹے اور انہوں نے کہا مجھ سے پوچھتا ہے؟ اللہ رسول کو بہتر پتہ ہے تو اُن سے پیار کرتا ہے کہ نہیں کرتا۔ مجھ سے گواہی نہ لے۔ یہ گواہی اللہ رسول دیں گے کہ تو ان سے پیار کرتا ہے یا نہیں۔ کہتے ہیں، باقی دونوں ساتھی تو گھر میں محصور ہو گئے۔ روتے رہتے۔ کسی چیز کی طرف کوئی رغبت نہیں تھی۔ لیکن میں چونکہ جوان آدمی تھا۔ میں باہر بازار میں بھی نکلتا۔ مسجد میں نماز پڑھنے بھی آتا لیکن میرے دوست، صحابہ دیکھتے اور منہ پھیر لیتے۔ اور یہ کیفیت جب کعب بن مالک بیان فرماتے۔ یقین جانیے، ویسے بھی تعلق ہو، کہتے ہیں میں مسجد میں آتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا اور پھر سرکار کے لبوں کی طرف دیکھتا رہتا کہ اگر لب ہی ہل جائیں تو میں سمجھوں میری سلام قبول ہو گئی۔ ظاہر میں نماز کی نیت کر کے کھڑا ہوتا تھا لیکن دیکھتا تو حضور کے چہرے کی طرف رہتا تھا کہ سرکار اب بھی راضی ہوئے ہیں یا نہیں؟ لوگ پوچھتے مالک اتنا کیوں روتا ہے؟ اتنا مضطرب کیوں ہے؟ تو میں ان سے

کہتا کہ اگر اسی حالت میں میری موت آگئی تو کیا رسول اللہ میرا جنازہ نہیں پڑھائیں گے؟ ہمیں تو فکر ہے ناں اپنے کاروباروں کی، اپنی ترقی کی۔ پتہ نہیں کہاں ہم نے پہنچنا ہے؟ اب اس آیت کو دیکھیں کہ اللہ فرمارہا ہے کہ ان تینوں کی بھی توبہ قبول کی جو پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ کیفیت قرآن کریم نے کیوں بیان کی؟

کہتے ہیں پھر میرے اوپر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا میں بازار میں جارہا تھا۔ ایک تاجر شام سے آیا۔ غلہ بیچ رہا تھا۔ لوگوں سے کہتا کہ مجھے کعب بن مالک سے ملنا ہے لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ اس نے غسّان کے بادشاہ کا خط مجھے دیا۔ میں چونکہ پڑھا لکھا تھا۔ خطیب تھا۔ تقریریں بڑی کرتا تھا۔ تو میں نے وہ خط دیکھا تو بادشاہ نے لکھا تھا۔ سُنا ہے، تیرے نبی نے تیرے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ تو مدینے میں ذلیل ورسوا ہورہا ہے۔ کیا تو ذلت کے لیے پیدا ہوا ہے؟ آ ہم تمہیں اپنی فوجوں کا کمانڈر بناتے ہیں۔ تمہیں وزیر بناتے ہیں۔ تمہیں عزت دیں گے۔ تو کیوں ذلت کی زندگی گزار رہا ہے؟ فرماتے ہیں یہ وہ دن میرے لیے مصیبت کا دن تھا کہ آج کافروں نے یہ سوچ لیا ہے کہ میں دنیا کی خاطر نبی کو چھوڑ سکتا ہوں؟ یہ لوگوں نے توقع کرلی؟ ہم تو چھوٹی چھوٹی عزتوں کے لیے نبی کے حکم کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کعب بن مالک کو تو فوجوں کی سپہ سالاری کی آفر ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ میں نے تنور میں پھینک دیا وہ خط، جلا دیا۔ پھر ایک دن کسی نے پوچھا کہ کیوں اتنا روتا ہے؟ میں نے کہا آج خیال آرہا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ وصال فرما گئے تو پھر میں کیا کروں گا؟ یعنی فکر ہے اپنی آخرت کی کہ میری آخرت برباد نہ ہوجائے۔

فرماتے ہیں 40 دن گزر گئے۔ ایک صحابی میرے گھر تشریف لائے۔ انہوں نے کہا کہ نبی پاک نے فرمایا ہے کہ اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کرلو۔ کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ نے طلاق کا حکم دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں علیحدگی کا حکم دیا ہے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میکے چلی جا۔ یہ اگلا جملہ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ کہ پھر ان کی جانیں بھی ان کے لیے تنگ ہوگئی۔ ان کے نفس ان کے لیے تنگ ہو فرماتے ہیں میرے جو دوسرے ساتھی تھے ہلال بن امیہ۔ ان کی بیوی حاضر خدمت ہوئی۔ اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرا خاوند 80 سال سے زیادہ عمر کا ہے۔ بہت بوڑھا ہے اور اس کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں۔ لیکن اگر آپ کا حکم ہے تو میں اس

کو چھوڑ کے چلی جاتی ہوں۔ سرکار نے فرمایا کہ نہیں تو اس کی خدمت کر۔ بس اس کی اس طرف رغبت نہیں۔ اس نے کہا یارسول اللہ جس دن سے آپ نے رخ موڑا ہے وہ تو کسی چیز کی طرف دیکھتا ہی نہیں۔ کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ 50 دن اسی حالت میں گزر گئے۔ میں صبح کی نماز اپنی چھت پہ پڑھ رہا تھا۔ سامنے پہاڑی سے آواز آئی۔ سحری کے وقت یہ آیات نازل ہوئیں، یہ جو ہم پڑھ رہے ہیں۔ اور اس صحابی نے آواز دی کہ کعب تمہیں مبارک ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی۔ کہتے ہیں میں نے وہ ایک ہی لباس تھا میرے پاس بڑا قیمتی تھا۔ میں نے اس خوشخبری پہ وہ اپنا لباس اسے دے دیا۔ تحفہ دے دیا کہ تو مجھے خوشخبری سنانے آیا ہے اور پھر خود کسی سے اُدھار مانگ کے کپڑے پہن کے میں حضور کے پاس گیا۔ اتنی خوشی ہوئی کہ اللہ نے ہماری توبہ قبول کرلی۔ کہتے ہیں میں جب حاضر خدمت ہوا، تو سب سے پہلے حضرت طلحہ اٹھ کے ملے، سینے سے لگایا۔ آج میرے پیغمبر کے چہرے پہ جو مسکراہٹ تھی وہ محبت کی تھی۔ چاند کی طرح چہرہ چمک رہا تھا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ، میری توبہ قبول ہوگئی؟ فرمایاہاں اللہ نے تیری توبہ کو قبول کرلیا۔ میں نے کہا یارسول اللہ اب یہ مال، بات پچھلے جمعہ آپ نے سنی تھی، وہ باغات جو تھے، وہ پھلوں سے لدے ہوئے تھے، سارے سال کی معیشت کا، تجارت کا معاملہ تھا۔ یارسول اللہ یہ ان باغوں کی وجہ سے، یہی خیال آتا تھا ناں کہ سامان سنبھال لوں، پھل اُتار لوں، پھر جاؤں گا۔ یہ میں سب کچھ اب اللہ رسول کے سامنے خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان کو باقی رکھنا ہی نہیں تھا۔ یہ چیزیں اب مجھے نہیں چاہیے۔ سرکار نے فرمایا اپنی بیوی بچوں کے لیے کچھ رکھ لے۔ پھر میں نے خیبر کا جو تھوڑا سا باغ تھا وہ اپنے پاس رکھا اور باقی سب کچھ میں نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ یہ مختصر سی بات میں نے کہا کہ وہ جو تین پیچھے رہ گئے تھے اللہ نے تین کا ذکر علیحدہ کیا، ان کی شان علیحدہ بیان کی۔

اس میں دو تین باتیں جو ضروری ہیں۔ ایک تو فرماتے ہیں کہ لوگ یہ کہتے تھے کہ بیت عقبہ سے لے کے ہر غزوہ میں میں شریک ہوا۔ نبی پاک پہ جان مال نبی پاک پہ جان مال سب کچھ قربان کرتا رہا۔ تو لوگ کہتے تھے کہ جب ہمیشہ تو پیغمبر کے ساتھ مخلص رہا ہے، اگر ایک غلطی ہو بھی گئی ہے تو پھر کیا ہوا؟ یہ آتی ہے ناں باتیں؟ یہ کعب بن مالک فرمارہے ہیں۔ اوہ کوئی نہیں، نبی پاک کی کچھ باتیں مان لو اور کچھ رہنے دو؟ خیر ہے؟ نہیں۔ فرماتے ہیں میں غزوہ

بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا لیکن بیت عقبہ کی وجہ سے نبی پاک نے اس وقت مجھے پوچھا بھی نہیں تھا۔ تو لوگ کہتے تھے کہ یار واقعی جب تو نے اتنی حضور کی خدمت کی ہے تو ایک چھوٹی سی غلطی پہ اتنی بڑی سزا دے دی گئی تجھے اور وہ بھی سچ بولنے پہ۔ کعب بن مالک کہتے ہیں لوگ مجھے یہ کہتے کہ سچ بولنے پہ؟ اگلی آیت آپ اکثر علماء سے سنتے ہیں۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[1] اب اس آیت کا سیاق وسباق دیکھیے ذرا۔ اللہ فرماتا ہے، ایمان والو اللہ کے لیے تقوی اختیار کرو اور یہ جو تین سچے ہیں ان کے ساتھ ہو جاؤ۔ یعنی اس آیت کے بعد سچوں کا ذکر کیا ہے۔ آیت تو آپ سنتے رہتے ہیں ناں کہ ایمان والو تقوی اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اللہ فرماتا ہے جنہوں نے سچ کی وجہ سے یہ مصیبت برداشت کی ان سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ زمین تنگ ہو گئی لیکن جھوٹ کا سہارا نہیں لیا۔ بیوی چھوڑنی پڑی تو چھوڑ دی لیکن جھوٹ کا سہارا نہیں لیا۔ اللہ فرماتا ہے یہ سچے ہیں۔

اور اگلی آیت میں پالیسی بیان ہے خالق کا۔ اللہ کا پالیسی بیان ہے۔ کسی بھی گورنمنٹ کا جو پالیسی بیان ہوتا ہے ناں وہ اس لیے ہوتا ہے کہ باقی جتنے بھی آرڈر ہوں گے اس بیان کی وجہ سے ہوں گے۔ اس کو پالیسی بیان کہتے ہیں۔ یعنی ہندوستان کے لیے ہماری اسمبلی کوئی پالیسی بیان دیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم جتنے بھی ہندوستان کے ساتھ تعلق ہوں گے اس بیان کی وجہ سے ہوں گے۔ یہ جو لوگ کہتے تھے کہ چھوٹی سی غلطی پہ اتنی بڑی سزا؟ اللہ فرماتا ہے یہ پالیسی سٹیٹمنٹ ہے خالق کی۔ مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ[2] فرمایا اہلِ مدینہ کے لیے اور اس کے ارد گرد جتنے بھی اعراب رہتے تھے ان کے لیے یہ جائز ہی نہیں تھا اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ کہ وہ رسول سے پیچھے رہ جاتے؟ تم کہتے ہو کہ یہ چھوٹی سی غلطی ہے؟ پیغمبر سفر کے لیے نکلیں تو مدینے والوں کے لیے اور ارد گرد کے لوگوں کے لیے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ وہ پیچھے رہ جائیں۔ اور اگلا حصہ آیت کا وَ لَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ اور یہ جائز نہیں ہے کہ تم اپنی جانوں کو نبی کی جان سے افضل سمجھو۔ تم پیچھے رہ گئے کہ گرمی بڑی

[1] سورۃ التوبہ:119

[2] سورۃ التوبہ:120

ہے۔ بھوک ہے۔ پیاس ہے۔ مصیبت ہے۔ تمہاری جان میرے نبی کی جان سے افضل ہے؟ یہ پالیسی سٹیٹمنٹ ہے۔ جس کسی انسان نے اپنی جان کو نبی کی جان سے افضل سمجھا؟ میرا نبی تو باہر دھوپ میں جائے۔ مصیبت میں جائے۔ بھوک اور پیاس میں جائے۔ اور تم اپنی جان بچانے کے لیے مدینے میں بیٹھے رہو۔ یہ ان لوگوں کو جواب تھا، جو کہتے تھے کہ باقی غزوات میں تو گیا ہے۔ نہیں۔ ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔

اب اگر وہ آیت اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ[1]، تم اپنی جانوں پہ وہ حق نہیں رکھتے جو نبی تمہاری جانوں پہ ہاتھ رکھتا ہے۔ آج چونکہ وقت ہو گیا ہے۔ پالیسی سٹیٹمنٹ ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَــٴُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ[2] اللہ نے فرمایا تم جہاد کے لیے نکلتے ہو میرے پیغمبر کے ساتھ۔ مصیبت اٹھاتے ہو، بھوک برداشت کرتے ہو، پیاس برداشت کرتے ہو، دشمنوں میں گر جاتے ہو۔ کیا سمجھتے ہو کہ نبی پہ احسان کر رہے ہیں؟ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ تمہارے ان تمام کاموں پہ اللہ تمہیں اجر دیتا ہے۔ میرے پیغمبر کا جو ساتھ دیتے ہو کیا خالق تمہیں اس پہ اجر نہیں دیتا؟ پھر تم نے اپنی جانوں کو میرے نبی کی جان سے بہتر سمجھ لیا؟ آج تو ہم اپنے پیغمبر کے کس حکم کی توہین نہیں کرتے؟ مثلاً ساتھ دینا کیا ہے؟ حکم تھا۔ ہمارے ساتھ جانا ہے۔ یہ سارے قران کا، سارے دین کا پالیسی سٹیٹمنٹ ہے کہ تمہاری جان نبی کی جان سے افضل نہیں ہے کہ تم اپنی جان کی خاطر میرے پیغمبر کا اب حکم نہیں مانو گے؟ اور وہ ہیں سچے جنہوں نے اپنے لیے زمین بھی تنگ کر دی۔ سب کچھ اللہ کی راہ میں دے دیا۔ کہا نہیں، ہماری جان پیغمبر کی جان کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہمارا مال پیغمبر کے حکم کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

پھر ان منافقین کا وہی حشر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ اللہ نے نبی پاک سے فرمایا کہ میرے پیغمبر جب تم واپس جاؤ گے تو یہ قسمیں اُٹھا اُٹھا کے کہیں گے فلاں عذر تھا، فلاں عذر تھا۔ اور میرا اللہ فرما رہا ہے

---

[1] سورۃ الاحزب:6

[2] سورۃ التوبہ:120

جب میرا نبی حکم دے دے تو پھر عذر کیا؟ پھل پکے ہوئے ہیں، تو پکے رہیں۔ دھوپ ہے تو رہے۔ بھوک ہے تو رہے۔ پیاس ہے تو رہے۔ مصیبت ہے تو رہے بات تو یہ ہے کہ میرے نبی نے کہا تھا ناں میرے ساتھ چلو اور تم اپنی جانوں کی طرف دیکھتے رہے۔ اور وہ بھی تو تھے جو آ کے پیغمبر کی بارگاہ میں رو رہے تھے کہ یارسول اللہ ہمیں بھی سواری دو ہم اس مصیبت میں آپ کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ تو یہ اللہ تعالی فرمارہاہے کہ ہم نے فضل کیا پیغمبر پر بھی، مہاجرین پر بھی اور انصار پر بھی۔ مصیبت میں وہ ساتھ رہے اور یہ جو تین پیچھے رہ گئے تھے ہم نے ان کی بھی توبہ قبول کی۔ ان کو بھی ہم نے معاف کر دیا۔ آگے فرمایا کہ ایمان والو تقوی اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اللہ تعالی عمل کی توفیق دے۔ آمین

قرآن کا پالیسی بیان

قرآن: مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۙ۔ سورۃ التوبہ: 120

ترجمہ:- مدینے والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ سے پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان پیاری سمجھیں یہ اس لیے کہ انہیں جو پیاس یا تکلیف یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور جہاں ایسی جگہ قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو غیظ آئے اور جو کچھ کسی دشمن کا بگاڑتے ہیں اس سب کے بدلے ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے بیشک اللہ نیکوں کا نیگ ضائع نہیں کرتا۔

خاکہ:

1۔ منفی اور مثبت خوف میں فرق۔ 2۔ ایک امتی کی مقصدیت کیا ہوتی ہے۔

3۔ پیغمبرِ خدا کی جان نہیں بلکہ جانِ کائنات ہے۔ 4۔ معرفت کے درجات اپنے اپنے ہیں۔

5۔ شہادت کے اصول و تقاضے۔ 6۔ جس نے اللہ کی طرف اشارہ کیا تو اس نے اللہ کو محدود کر دیا۔

7۔ فکری پاکیزگی اور عملی پاکیزگی یعنی صادق اور امین۔

8۔ رحم سے خالی دل خدا والا نہیں ہو سکتا۔ 9۔ کافر اور مسلمان کا مکالمہ

10۔ اپنے اندر قناعت پیدا کریں۔

ہم غزوہ تبوک کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور یہ سورہ توبہ میں ان لوگوں کا بھی ذکر ہوا جو اس مصیبت کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ تھے اور ان لوگوں کا بھی ذکر ہوا جو بغیر کسی عذر کے پیچھے رہ گئے اور پھر ان کو سزا ملی اور ان کا بھی ذکر ہوا جنھوں نے منافقت کی اور عذر اور بہانے لگائے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے۔۔ تو یہ ہم نے سورہ توبہ سے یہ ساری چیزیں پچھلے دو تین جمعوں سے سیکھیں۔ پچھلے جمعے ہم نے وہ جو تین لوگ پیچھے رہ گئے تھے، جن کا اللہ نے خصوصی ذکر کیا کہ ان تین پر زمین تنگ ہو گئی اور اس کے بعد ان کی جانیں، ان کے لیے تنگ ہو گئیں اور پھر جب ان کو یہ یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں۔ تو اللہ تعالی نے ان کو توبہ کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

درمیان میں یہ آیت آگئی تھی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[1] ایمان والو اللہ کے لیے تقوی اختیار کرو اور سچوں کیساتھ ہو جاؤ۔ اس کا کبھی کبھی جب آپ معنیٰ کرتے ہیں ناں اللہ سے ڈرو۔ اصل میں اردو زبان کے دامن میں وہ وسعت نہیں ہے کہ وہ عربی الفاظ کا ترجمہ کر سکے۔ تو ترجمہ نہیں، اردو زبان میں ہو سکتا تو ترجمانی کیسے ہو سکتی ہے۔ دیکھیے خوف دو ہی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک منفی ہوتا ہے اور ایک مثبت۔ منفی خوف، کسی ظالم کے ظلم سے ڈرنا، کوئی تکلیف پہنچائے گا، کوئی دکھ دے گا، کوئی مال چھین لے گا، کوئی عزت کو ہاتھ ڈالے گا۔ یہ سارے منفی خوف ہوتے ہیں۔ ایک مثبت خوف ہوتا ہے۔ مثبت خوف اُسے کہتے ہیں کہ آپ کو کسی چیز کے چھن جانے کا ڈر نہیں ہوتا کہ میری عزت چھن جائے گی۔ میرا مال چھن جائے گا، میری جان کو نقصان بلکہ آپ کو یہ خوف ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے کہ میرا محبوب ناراض نہ ہو جائے۔ اس خوف کو مثبت خوف کہتے ہیں۔ میرے استاذ ایک بڑا جملہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بیٹا آج کل کوئی بندہ مصلے پہ کھڑا ہو جائے ناں تو وہ یہ تو دیکھتا ہے، بلکہ لوگوں کو بتاتا پھرتا ہے کہ میرے پیچھے اتنے لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ میرا خطبہ سننے کے لیے اتنے لوگ آتے ہیں۔ تو وہ مصلے پہ کھڑا ہو کر پیچھے دیکھتا ہے کہ میرے پیچھے کتنے لوگ ہیں۔ یہ نہیں دیکھتا کہ میں کس کی

[1] سورۃ التوبہ:119

بار گاہ میں کھڑا ہوں۔ تو یہ اگر خوف انسان کے اندر آجائے کہ میں کس ہستی کے سامنے کھڑا ہوں؟ آپ اپنے باپ کے سامنے جانے سے ڈریں کہ مجھ سے کوئی ایسا عمل نہ ہو جائے کہ میرے ماں باپ ناراض ہو جائیں۔ میرے شیخ ناراض نہ ہو جائیں۔ استاد ناراض نہ ہو جائیں۔ اس کو مثبت خوف کہتے ہیں چونکہ اس سے انسان کے کردار سازی ہوتی ہے۔ انسان منفی رویوں سے بچتا ہے۔ وہ کام نہیں کرتا جس سے اس کا محبوب ناراض ہو۔ تو وہ یہ میں نے بات اس لیے کی کہ اگر کہیں آپ ترجمہ پڑھیں ناں کہ اللہ سے ڈرو۔ اس کا کبھی بھی منفی معنیٰ نہیں لینا۔ اس کا معنی مثبت معنیٰ لینا ہے۔ یہ خوف کا negative sense میں معنیٰ نہیں لینا۔ تو اللہ کے لیے تقوی اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤں۔

اس آیت میں ہم پہنچے تھے مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ کہ مدینہ والوں کے لیے اور اس کے اِرد گرد رہنے والوں کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جاتے۔ جب حضور نکل گئے ہیں سفر پہ، غزوہ تبوک کے لیے تو اب مدینے والوں کے لیے یہ جائز ہی نہیں تھا کہ وہ پیچھے رہ جائیں یا ارد گرد کے لوگوں کے لیے یہ جائز ہی نہیں تھا اور پھر یہاں ہمارا خطبہ جمعہ ختم ہوا تھا کہ اس پالیسی سٹیٹمنٹ کے ساتھ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ کہ بس میری ساری زندگی کا جو مقصد ہے وہ صرف یہی ہے جو اس جملے میں اللہ نے بیان فرمادیا کہ یہ جائز ہی نہیں ہے کہ تم اپنی جانوں کو نبی کی جان سے بہتر سمجھو۔ تو تمہارے ذہن میں بھی یہ خیال ہو کہ پیغمبر تکلیف میں ہوں اور تمہاری جان بچ جائے؟ تو کیا کرنا ہے اس جان کو۔ پیغمبر اگر بھوک اور پیاس برداشت کر رہے ہیں۔ تو تم آسائش میں رہنا چاہتے ہو؟ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اگر سفر میں ہیں تو تم سفر میں نہیں نکلنا چاہتے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس ایک جملے میں یہ ساری مقصدیت ایک امتی کی بیان فرمائی کہ کسی امتی کے لیے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ وہ اپنی جان کو نبی کی جان سے بہتر سمجھے۔ تو پیچھے تو وہی رہے گا ناں، حکم تو وہی نہیں مانے گا جو اپنی جان کو نبی کی جان سے بہتر سمجھے گا۔

ویسے تو یہ بھی اللہ کی مہربانی ہے۔ یہ بھی اس کی عنایت ہے۔ حقیقی مالک تو اللہ ہی ہے ناں؟ بھائی یہ جان میں نے خود بنائی ہے؟ کہیں بازار سے خرید کے لایا ہوں؟ اس میں میرا کیا تھا؟ تو غالب نے جو کہا تھا کہ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی۔ اوہ بھائی! یہ بھی تو نے کون سا احسان کر دیا کہ میں نے جان دی ہے؟ جان بھی دی ہوئی اسی کی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ یعنی جان دے کے بھی تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے حق ادا کر دیا۔ ویسے علامہ اقبال کے ساتھ بڑا اختلاف ہو گیا تھا جوش ملیح آبادی کا۔ جوش نے غالب کے شعر کے سامنے تضمین کہی تھی۔ غالب نے تو کہا تھا ناں،

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو جوش ملیح آبادی نے کہا تھا۔

محبت میں تو لٹتے ہیں دین و ایماں
کیا ہوا تو نے زندگی لٹا دی

اوہ بھائی! اگر محبت کی دنیا میں تو دین و ایمان بھی لُٹ جاتے ہیں۔ تو بہر حال یہ اور دنیا کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالی نے عام فہم بات جو بات تھی، جس کو سارے سمجھ سکیں کہ یہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کو یہ چاہیے تھا کہ وہ کبھی بھی اپنی جان کو پیغمبر کی جان سے بہتر نہ سمجھیں۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے ناں۔ جو قران کریم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُم کہا ہے ناں۔ اُمی کہا ہے۔ اُم کا معنی جڑ ہوتا ہے۔

اس صورت نوں میں جان آکھاں
جان آکھاں کہ جان جہان آکھاں

تو یہ جان اصل میں ایک جان نہیں ہے۔ یہ جانِ کائنات ہے۔ بڑیا جملہ، ایک دفعہ مناظرہ ہو رہا تھا۔ تو ظاہر ہے ہر انسان کا اپنا ایک ذہنی معیار ہوتا ہے اور معرفت ہوتی ہے۔ معرفت علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے۔ تو ایک بندے نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو جی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ کفن پہنایا گیا۔ دفنایا گیا۔ بس ہماری طرح چلے گئے۔ دنیا سے دفنا دیے گئے۔ وہ دوسرا کوئی صاحب عرفان بندہ تھا۔ اس نے کہا بڑی عجیب بات ہے کہ کائنات تو موجود ہے، عالمین موجود ہیں اور رحمت اللعالمین موجود نہیں؟ بھائی یہ تو پھر اپنی اپنی معرفت کی بات ہے ناں کہ سورج تو ہے لیکن روشنی نہیں ہے۔ تو اگر کائنات ہے تو کائنات تو رحمت اللعالمین کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ ممکن ہی نہیں ہے۔ رحمت کے بغیر پرورش ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ آج ہمارا موضوع نہیں ہے ورنہ یہ نفسیات والوں نے پورا چیپٹر اس پہ لکھا ہے کہ ماں کو بھی اولاد بعد میں ملتی ہے، رحمت پہلے ملتی ہے۔ اگر ماں کے دل میں رحمت نہ ہو تو وہ بچے کی پرورش کر ہی نہیں سکتی۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ جہاں پرورش ہو گی، وہاں رحمت ہو گی۔ تو جب اللہ فرمائے کہ یہ رحمت اللعالمین ہیں۔ یہ جملہ اشرف علی تھانوی صاحب نے لکھا اپنی کتاب میں، تو بہت کمال کا لکھا۔ اس حدیث پہ وہ گفتگو کر رہے تھے اول ما خلق اللہ نوری نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ضروری تھا ناں کہ کائنات بعد میں بنتی رحمت پہلے بنتی۔ اگر رحمت پہلے نہ ہو تو پرورش نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اللہ نے رحمت اللعالمین کو پہلے بنایا۔ تو جانِ کائنات پہلے ہیں۔ تو یہ ہو نہیں سکتا کہ عالمین موجود ہوں اور رحمت اللعالمین موجود نہ ہوں۔ یہ ظاہر ہے بہت سی چیزیں ہیں۔ اسی لیے قران نے ابتدا میں کہہ دیا تھا الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ یہ بات اس لیے کہہ دی گئی۔

دیکھیے جب میرے اللہ نے فرمایا ناں اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا[1]۔ میں یہ جو جملہ ہے ناں شاید اس کی وضاحت نہیں کر پا رہا کہ اپنی جانوں کو نبی کی جان سے کبھی بہتر نہیں سمجھنا۔ اللہ نے کس لیے بھیجا تھا؟ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا یہ سورہ احزاب ہے۔ اے پیغمبر دنیا میں جاؤ اور جا کے میری گواہی دو۔ اب یہی بڑا کوئی ترجمہ، اعلیٰ حضرت نے کر دیا کہ

[1] سورۃ الاحزاب:45

اللہ نے آپ کو حاضر وناظر بنا کے بھیجا۔ شاہد کا ترجمہ انہوں نے کیا حاضر وناظر بنا کے بھیجا۔ کیوں؟ گواہ کے لیے اس دنیاوی جو قوانین ہیں ان میں یہ ضروری ہے کہ جس بندے نے شہادت دینی ہے ناں وہ موجود بھی ہو اور دیکھ بھی رہا ہو۔ اگر موجود ہے یہاں کوئی بندہ اور سویا ہوا ہے، دیکھ نہیں رہا تو وہ بھی گواہی نہیں دے سکتا اور اگر دور سے دیکھ رہا ہے لیکن یہاں موجود نہیں ہے تو وہ بھی گواہی نہیں دے سکتا۔ تو اعلیٰ حضرت نے اس کا ترجمہ کر دیا کہ اللہ نے آپ کو حاضر وناظر بنا کے بھیجا۔ اس دنیا کے جو قوانین ہیں اس کے حوالے سے۔ عام آپ ترجمہ دیکھیں گے تو اس میں یہی لکھا ہو گا کہ اللہ نے آپ کو گواہ بنا کے بھیجا۔ شاہد کا معنیٰ گواہ ہوتا ہے۔ بھائی گواہی کس کی دینی ہے؟ یہ بڑی عجیب بات تھی ناں کہ کس کی گواہی؟ وہ اللہ تو نظر میں سماتا ہی نہیں ہے۔ گواہی کس کی دیں؟ تخیل اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کوئی تخیل کی پرواز وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ٹائم اینڈ سپیس میں وہ ہے ہی نہیں۔ نہ زمانی ہے، نہ مکانی۔ نہ ظرف زمان میں ہے، نہ ظرف مکاں میں ہے۔ اس کی طرف ہی اشارہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تحلیل وہ نہیں ہو سکتا۔ تجزیہ اس کا نہیں کیا جا سکتا۔ کتنی مشکل گواہی ہے؟ ساتھ یہ بھی فرما دیا لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[1] کہ اس کی مثل کوئی شے بھی نہیں۔ یا تو آپ بڑا کرتے ہیں تو کوئی مثال دے کے، یہ شیر کی طرح دلیر ہے۔ چاند کی طرح خوبصورت ہے۔ کوئی مثال دے کے سمجھا لیں گے۔ یہاں یہ بھی ایک حد لگا دی۔ اس کی مثل کوئی شے ہے ہی نہیں۔ اب بندے تو ظاہر ہے وہ کیا کریں پھر اس خدا کو کیا مانیں؟ جو نہ تصور میں آئے، نہ تخیل میں آئے، نہ وہ نگاہ میں آتا ہے، نہ زمانی ہے، نہ مکانی ہے۔ بندے کا جی چاہتا ہے میں اپنے معبود کی دست بوسی کروں۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے ہاتھ ہی نہیں ہیں۔ میں اپنے محبوب کے گلے بھی ملوں، اس کا گلا ہی نہیں ہے۔ دیکھیے یہ کوئی آسان گواہی نہیں۔ یہ اللہ نے کیا ایسے ہی کہہ دیا کہ محبوب ہم نے تجھے شاہد بنا کے بھیجا ہے۔ تجھے گواہ بنایا ہے۔ اس لیے کہ جتنا بڑا دعویٰ تھا، اتنی ہی بڑی دلیل کی ضرورت ہے۔ اب اس نفس کو ذرا سمجھیے۔ یہ جو اللہ نے فرمایا ناں لفظ نفس استعمال ہوا ہے۔ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ

---

[1] سورۃ الشوری:11

نَّفْسِهٖ اس نفس کو اپنے نفس جیسا سمجھ لیا تم نے؟ یعنی وہ تو اس ہستی پہ دلیل ہے جو ہستی تیرے تصور اور تخیل میں بھی نہیں آسکتی۔

یہ نہج البلاغہ کے خطبے میں یہ جو میں نے کہا ناں یہ اشارہ۔ مولا علی سرکار فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ کی طرف ایسے اشارہ کیا۔ اس نے اللہ کو محدود کیا۔ اشارہ کا کیا مطلب ہے کہ مثلاً اگر میں کہتا ہوں کہ اقبال صاحب ان کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ یہاں ہیں لیکن اُدھر نہیں ہیں۔ مولا علی سرکار نے بڑے دو تین جملے اس پہ ارشاد فرمائے کہ جس نے اللہ کی طرف اشارہ کیا اس نے اللہ کو محدود کیا۔ اس نے اس کو مکانی بنا دیا ناں۔ اس کی کوئی سمت بیان کر دی۔ اس کا مطلب ہے وہ ایک سمت میں ہے باقی کسی سمت میں موجود نہیں ہے۔ تو فرمایا جس نے اس کی طرف اشارہ کیا، اس نے اس کو محدود کیا۔ اور جس نے اللہ کو محدود کیا، اس نے شرک کیا۔ پھر آپ کہیں گے کہ یہ جو کبھی ہم اشارہ کرتے ہیں اللہ سے ڈرو۔ یہ اشارہ آپ کے ذہن میں ہونا چاہیے۔ یہ اشارہ اس کی ذات کی طرف نہیں ہوتا۔ یہ اس کی کبریائی کی طرف ہوتا ہے کہ میں اس اللہ کی طرف اشارہ کر رہا ہوں جو بہت بلند ہے۔ جو میری سوچ اور فکر سے بھی بلند ہے۔ یہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہوتا ہوں۔ اس کی طرف تو یہ اشارہ بھی نہیں ہو سکتا۔

تو اس اللہ کی گواہی جو نہ زمانی ہے، نہ مکانی ہے، نہ وہ نظر میں آتا ہے، نہ فکر میں سماتا ہے، نہ اس کا تجزیہ ہو سکتا ہے، نہ وہ تحلیل ہو سکتا ہے، نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اس اللہ کی گواہی دینی ہے محمد رسول اللہ نے۔ اس لیے میں نے پچھلے جمعہ یہ بات آپ سے کہی تھی کہ یہ پالیسی بیان ہے۔ پورا دین اس بیان کے ارد گرد ہے۔ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ یہ غزوہ تبوک میں جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے ان کے لیے یہ جائز ہی نہیں تھا کہ وہ اپنی جان کو نبی کی جان سے بہتر سمجھتے۔ نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ اس لیے یہ سزا کا بھی بیان اس میں ہوا۔ حالانکہ بڑے جید صحابہ اس میں موجود تھے۔ تو دین اصل میں، ہم نے تو پتہ نہیں اس کے کتنے چہرے بنا لیے ہیں؟ یہ جو جملہ میں نے پہلے عرض کیا ہے اگر یہی ذہن میں رہ جائے کہ میں اس مصلےٰ امامت بھی کھڑا ہو کے اگر یہ سوچتا ہوں کہ میرے پیچھے اتنی دنیا ہے۔ میرا خطبہ اتنے لوگ سنتے ہیں۔ میرے پیچھے بہت سی دنیا آتی ہے۔ تو میں دیندار نہیں ہوں۔ دیندار

کب ہوں گا؟ جب مجھے یہ احساس پیدا ہو گا کہ میں کس ہستی کے سامنے کھڑا ہوں؟ اس اللہ کے سامنے کھڑا ہوں۔ کس وحدہ لاشریک کے سامنے کھڑا ہوں۔

ہمارے محدثین اس پہ جو بحث کرتے ہیں کہ ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو چیزیں بیان کرتے ہیں۔ یہ ساری زندگی کی جو کوشش تھی وہ کیا تھی؟ صادق اور امین۔ فکری پاکیزگی اور عملی پاکیزگی۔ فکر پاک ہو تو صداقت عمل پاک ہو تو امانت لیکن اس کو بھی دینداری نہیں کہا گیا۔ اس کو یہ کہا گیا ہے کہ اگر آپ نے کسی کو دین کی دعوت دینی، مثلاً میں جاتا ہوں کسی غیر مسلم کے سامنے اس دین کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ تو کیا میں جا کے وہاں یہ بتاؤں گا کہ ہمارے دین میں یہ چیزیں فرض ہیں، یہ واجب ہیں، یہ سنت ہیں، یہ مکروہ ہیں؟ ایک ہندو کو کیا لگے ان باتوں سے؟ ایک عیسائی کو ان باتوں سے کیا لگے؟ میں نے اگر اس دین کا تعارف کروانا ہے تو میرے پیغمبر کی سنت یہی ہے کہ تُو صادق ہے کہ نہیں؟ تیری فکر میں سچائی ہے کہ نہیں؟ تیرا عمل پاکیزہ ہے کہ نہیں؟ ورنہ تو اس دین کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ اس دین کو کسی کے سامنے پیش نہیں کر سکتا۔ باقی رہی تیری اپنی ذات کہ تو دین دار بنا ہے یا نہیں۔ یہ تو بعد کا مرحلہ ہے یہ تو نے آگے اس دین کو پیش کرنا ہے۔ تُو دیندار بنا ہے یا نہیں بنا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک آیت جس پہ پہلے ہم نے بات کی کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ماں کے دل میں رحم نہ ہو اور وہ بچے کی پرورش کرے۔ اس کے دل میں رحمت پہلے آتی ہے بچہ اس کو اللہ بعد میں دیتا ہے۔ پرورش کے لیے رحم کا ہو رحم کا ہونا ضروری ہے، گروتھ کے لیے، ارتقا کے لیے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر کسی دل میں رحم نہیں ہے تو وہ رحمت اللعالمین کا امتی ہے؟ اس لیے تمہیں حکم یہ دیا گیا تھا۔ تم نے پانی پینا ہے، تم نے سونا ہے، جاگنا ہے، کام شروع کرنا ہے۔ کیا کہو؟ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تیرا جب تک اس کی صفت رحمت سے تعلق نہیں بنتا تو دیندار نہیں ہو سکتا۔ تو رحمت اللعالمین کا امتی نہیں بن سکتا۔ یہ ممکن نہیں۔

میں رات اُدھر پنوانے میں تھا۔ اس پہ یہ میں نے مثال دی تھی کہ مولانا روم نے ایک حکایت لکھی۔ علامہ اقبال نے اس کو بیان فرمایا۔ علامہ اقبال چونکہ ان کو پیر رومی اور اپنے آپ کو مریدِ ہندی کہتے اور اس پہ فخر محسوس

کرتے تھے۔ اور میں اپنے نوجوانوں کے لیے یہ بھی آج بتا دوں آپ کو، کہ تُرکی والے صرف پیر کا ہی احترام نہیں کرتے، مرید کا بھی کرتے ہیں۔ اور پتہ ہے کتنا احترام کرتے ہیں انہوں نے مولانا روم کی قبر کے ساتھ علامہ اقبال کی قبر بھی بنائی ہوئی ہے۔ اگر آپ ترکی کے دورے پہ جائیں گے ناں تو مولانا روم کی قبر پہ جائیں گے تو ساتھ انہوں نے علامہ اقبال کی ایک مثالی سی قبر بھی بنائی ہوئی ہے۔ اتنا مرید کا بھی احترام کرتے ہیں۔ تو علامہ اقبال کی بالِ جبریل میں یہ چھ صفحات کی نظم ہے پیر رومی مرید ہندی۔ مولانا روم کا وہ واقعہ علامہ اقبال جو بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے پوچھا کہ میں تہجد پڑھتا ہوں۔ بڑا عبادت گزار ہوں تو یہ میری عبادتیں قبول ہو گئیں۔ انہوں نے کہا نہیں تیری عبادتیں تو ضائع ہو گئیں۔ اُس نے کہا حضور وہ کیوں؟ تو انہوں نے اس کو ایک واقعہ یاد کروایا۔ وہ واقعہ جو ہے وہ لکھا ہے مولانا روم نے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن تو جا رہا تھا سفر پہ تو تیرے پاس ناں ایک برتن میں، لوٹے میں اتنا ہی پانی تھا جس سے تو وضو کر لے۔ وضو سے زیادہ پانی نہیں تھا۔ اب جب تو وضو کرنے لگا ناں تو ایک بلی وہاں پیاسی پھر رہی تھی۔ وہ تیرے اِرد گرد پھر رہی تھی کہ مجھے پانی چاہیے۔ اب تو یہ سوچ رہا تھا کہ اگر پانی اس کو پلا دیا تو میں وضو کیسے کروں گا۔ اور تو نے بالآخر فیصلہ یہ کیا کہ میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں اور بلی پیاسی رہ گئی۔ تو تیری عبادتیں تو اُسی وقت ہی ضائع ہو گئیں۔ برباد ہو گئیں۔ اس لیے کہ تیرے دل میں رحم نہیں تھا۔ تو جو دل رحم سے خالی ہوتا ہے وہ خدا والا دل نہیں ہوتا۔ وہ اللہ والا ہوتا ہی نہیں۔ اُس نے کہا پھر میں کیا کرتا؟ آپ نے فرمایا تو تو تیمم کر کے کہ بھی نماز پڑھ سکتا تھا۔ تیرے لیے تو آپشن موجود تھا۔ ویسے بخاری مسلم میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ وہ تو مولانا رومی نے حکایت لکھی ہے۔ یہ بخاری مسلم کی روایت بھی ہے کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عبادت گزار نیک پارسا عورت اس لیے جہنم کی حقدار ٹھہری کہ اس کے گھر میں ایک بلی پیاسی مر گئی تھی اور ایک بُری عورت اس لیے جنت کی حقدار ٹھہری تھی وہ سفر پہ گئی اور اس نے دیکھا کہ کنواں کے ارد گرد ایک کُتے کا بچہ اپنی زبان زمین پہ مار رہا ہے اور اس نے اپنے جوتا جو تھا اس کنویں میں لٹکا کے کپڑے کے ساتھ پانی نکال کے اس کے منہ میں ڈالا۔ رحمت اللعالمین کی بات کر رہا ہوں۔ عالمین میں تو سب ہیں ناں۔ میں تو سارے ہی ہیں ناں۔ تو کوئی بھی بندہ اس وقت تک دیندار نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل رحم والا نہیں۔ اس کا رحمت اللعالمین سے تعلق ہی

نہیں۔ میں حیران ہوتا ہوں یہ دو چیزیں قرآن کریم میں، حالانکہ اتنا ہی کافی تھا۔ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ[1] اللہ ظالم قوم کو ہدایت ہی نہیں دیتا۔ ظالموں کے لیے، اللہ یہ قرآن سنا رہا ہوں ناں، اتنا ہی کافی تھا، اس سے بڑا بدبخت کون ہے جس کو ہدایت نہ ملے۔ لیکن پھر یہ بھی فرمایا وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ[2] کہ اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہیں اللہ کی محبت چاہیے اور تمہارا دل ظالم ہو؟

تو یہ قرآن کریم آپ کو اس ایک جملے سے، جس کو میں پچھلے جمعہ بھی میں نے پالیسی بیان کہا تھا کہ پورے دین کا پالیسی بیان ہے کہ وہ جو صفات میں نے نفس محمد میں رکھی ہیں تو نے ان صفات سے کتنا حصہ لیا؟ بھائی یہ سارا کچھ تو اسی لیے ہے ناں۔ قران نے تو بات ہی ختم کر دی وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[3] رسول جو دیں وہ لے لو۔ جس سے منع کریں، اسے باز آ جاؤ۔ تو اس نفس رسول سے تو نے حاصل کیا کیا؟ یہ تو دور ہی آج کا بڑا عجیب آ گیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ جب فوت ہوئے ناں تو کچھ غیر مسلم وہاں آ گئے اور انہوں نے بڑے اوٹ پٹانگ سوال شروع کر دیے۔ تو ظاہر ہے جب اس قسم کے سوال ہوتے ہیں تو لوگوں کو غصہ بھی آتا ہے۔ تو اُن لوگوں نے کہا یار تمہارا اُستاد تو ہماری ہر بات کو خندہ پیشانی سے سنتا تھا اور اس کا جواب دیتا ہے۔ تمہیں ہماری باتوں پہ غصہ آرہا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ پھر اچھا ایسا کرو تم بھی امام اعظم ابو حنیفہ ہی بن جاؤ، مسلمان ہو جاؤ۔ تو وہ بڑا جملہ ہے ان غیر مسلموں کا۔ انہوں نے کہا بھائی دیکھو، یہ جاتے جاتے میں یہ جملہ آپ کو عرض کر کے آج اپنی تقریر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے مسلمان بننا ہے امام اعظم ابو حنیفہ جیسا تو وہ تو بڑا مشکل ہے اور اگر تم جیسا بننا ہے تو پھر ہم تم سے ویسے ہی بہتر ہیں۔ یہ اس دن میں نے آپ کو بتایا تھا ناں کہ میرے دوست نے انگلینڈ سے یہ بات کہی تھی۔ انہوں نے کہا ہم شرمندہ ہوئے اور سرِ بازار شرمندہ ہوں اس نے بازار میں کھڑے ہو کے اس عیسائی نے کہا تھا کہ تمہارے پیغمبر کی جو سیرت گبن نے لکھی ہے، آکسفورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر ہے، برناڈ شا نے لکھی، جتنے لوگوں

---

[1] سورۃ آل عمران:86

[2] سورۃ آل عمران:140

[3] سورۃ الحشر:7

نے بھی لکھی، صادق اور امین لکھا ناں۔ اگر تمہارا نبی واقعہ ہی سچا ہے تو تم سچے کیوں نہیں ہو؟ بھائی اگر تمہارا پیغمبر سچا ہے تو تم سچے کیوں نہیں؟ تو وہ جملہ آخر میں جو میں نے آج آپ کے لیے رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک صحابی حاضر ہوئے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا دین بڑا مشکل ہے۔ سادہ آدمی تھے۔ سرکار نے فرمایا کیا ہوا؟ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کروں اگر اللہ کو راضی کروں تو بندے ناراض ہو جاتے ہیں۔ اگر بندے راضی کروں تو اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ تو مشکل تو ہے ناں اس کی دین میں۔ سرکار نے فرمایا میں تم ایک ہدایت کرتا ہوں اس کے بعد دونوں راضی ہو جائیں گے۔ اس نے کہا حضور ارشاد فرمایئے۔ سرکار نے فرمایا قناعت پیدا کر اپنے اندر۔ قانع ہو جا۔ کسی کی دولت پہ نظر نہ رکھ کہ فلاں میرا یہ کام کرے گا، فلاں یہ کرے گا۔ بے نیاز ہو جا۔ جب کسی کو یہ ہوتا ہے ناں کہ یہ مجھ سے چھین نہ لے، اس کی وجہ سے میری عزت میں فرق پڑے گا، اس کی وجہ سے میری دولت میں فرق پڑے گا، تو جب لوگ یہ خطرہ محسوس کرتے ہیں ناں تو وہ دشمن ہو جاتے ہیں۔ تو قانع ہو جا۔ قناعت اختیار کر۔ چھینا جھپٹی نہ کر۔ تو ظالم دل والا نہ بن۔ اُس نے کہا حضور اگر پھر بھی کوئی ظلم کرے تو فرمایا پھر عدل کرنے والے کو ظالم اچھا تو نہیں سمجھتا۔ بھائی جس کے اندر صفت عدل ہو گی، ظالم اس کے مخالف تو ہوں گے۔ اور ایک بڑیا جملہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سرکار علی المرتضی رضی اللہ عنہ، امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ، سرکار امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ، ان کے متعلق جب تاریخ لکھتی ہے ناں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ شہید ہوئے اپنے عدل کی وجہ سے۔ علی شہید ہوئے اپنے عدل کی وجہ سے۔ عمر شہید ہوئے اپنے عدل کی وجہ سے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ تو نماز پڑھے اور نماز کے بعد اللہ کی صفت عدل کی خیرات تجھے نہ ملے؟ نماز اسی لیے تھی ناں کہ میں اللہ کے قریب ہو جاؤں۔ تو اللہ تو عادل ہے جب اس کی صفت عدل سے تجھے فیض ملتا ہے تو پھر ظالم خلاف ہو جاتا ہے۔ لیکن دین داری یہی ہے کہ تیرا دل رحم دل بھی ہو اور عادل بھی اور قناعت والا بھی۔ اس کے بعد پھر تو دنیا کے سامنے صادق اور امین بن کے اپنے نبی کے دین کی تبلیغ کر۔ تو یہ جو پالیسی سٹیٹمنٹ ہے، قران کریم کی یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب تیری جان نبی کی جان سے افضل نہ ہو۔

اللہ تعالی عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

اللہ کی نشانیوں کا احترام

قرآن: وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ، فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ-فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ-كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔
سورة الحج: 36

ترجمہ:- اور قربانی کے بڑی جسامت والے جانوروں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا۔ تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے تو ان پر اللہ کا نام لو اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں بندھا ہوا ہو (اور) تین پاؤں پر کھڑے ہوں پھر جب ان کے پہلو گر جائیں تو ان (کے گوشت) سے خود کھاؤ اور قناعت کرنے والے اور بھیک مانگنے والے کو بھی کھلاؤ۔ اِسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے قابو میں دے دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔

خاکہ:-

1. اللہ کے لیے وقف جانور، اب جانور نہیں اللہ کی نشانی ہے۔
2. نشانی اصل کا پتہ دیتی ہے۔
3. دل کا متقی کون ہو گا؟
4. وسوسہ کیا ہے؟ جس سے آپ کا یقین متزلزل ہو جائے۔
5. عزت اللہ کی، پاک پیغمبرؐ کی اور سرکار کے غلاموں کی، منافق کی نہیں۔
6. پیغمبرؐ کے حکم میں رہنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔
7. توحید بیان کرنے سے نبی کی توہین نہیں ہوتی۔
8. جس توحید میں نبی کی توہین ہو گی وہ توحید تو بچ نہیں سکتی۔
9. توحید کی ساری عزت تو پیغمبرؐ سے ہی کھڑی ہے۔
10. اگر قناعت پسند تھ گوشت نہیں پہنچا تو سمجھ لو اللہ تھ بھی نہیں پہنچا۔

11. جانور بھی پیغمبرؑ کے ہاتھ سے قربان ہونا چاہتے ہیں۔

12. گائے اور بھینس ایک ہی جنس میں شمار ہوتی ہیں۔

13. قربانی اللہ کی رضا کے لیے کریں۔

14. جانور بھی بے عیب ہو اور کمائی بھی۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگوں، دوستوں عزیز بھائیو! اسلام علیکم

ہماری گفتگو تو غزوہ تبوک کے حوالے سے چل رہی تھی لیکن چونکہ ذی الحج کا مہینہ جو ہے وہ شروع ہو گیا ہے اور اس میں سنت ابراہیمی آپ نے، قربانی جو ہے، وہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنی ہے۔ تو آج میں نے سورہ حج کی آیہ مبارکہ موضوع گفتگو بنائی۔ ایک چیز پہلے تمہید کے طور پہ میں عرض کر دوں۔ چونکہ اس آیت کا آغاز ہو رہا ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ۔ "بُدْنَ" عربی میں گائے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اونٹ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہ جو قربانی کے لیے تم جانور اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہو یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اب اِن جانوروں کو جانور نہیں سمجھنا۔ یعنی ایک ریوڑ ہے اس میں 100، 200 گائے ہیں یا بکریاں ہیں۔ ان میں سے آپ نے ایک پہ نشان لگا دیا کہ اس کو میں قربانی کے لیے 10 ذی الحج کو پیش کروں گا۔ تو اب وہ جو 100، 150 باقی جانور رہے ناں، اب اس کی شان جو ہے وہ علیحدہ ہے۔ جس کو آپ نے وقف کر دیا ہے ناں اللہ کے لیے۔ تو یہ لفظ جو ہے ناں شعائر۔ یہ شعیرہ کی جمع ہے۔ شعیرہ عربی زبان میں کہتے ہیں نشانی کو۔ تو نشانی جو ہوتی ہے ناں وہ اصل کی طرف لے کے جاتی ہے۔ ہاں نشانیاں کس لیے ہوتی ہیں؟ بھائی اگر کہیں آپ جائیں ناں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ جو بیٹا ہے ناں اپنے باپ کی نشانی ہے۔ آپ مینار مسجد پہ لگاتے ہیں تو وہ مینار اس مسجد کی نشانی ہے۔ تو نشانی اصل کی طرف آپ کو لیکر جاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ظاہراً تو یہ جانور ہے لیکن یہ نشانی ہے اللہ کی۔ اب اس کی عزت اللہ کی عزت ہے۔ ہم اس جانور کو اب اُس چھڑی کے ساتھ نہیں ہانک سکتے جس چھڑی سے تم دوسرے جانوروں کو

ہانکتے ہو۔ سورہ بقرہ میں فرمایا اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ[1] کہ بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں اور یہاں ایک یہ بڑی بات، سورہ حج کا یہ جو رکوع ہم پڑھ رہے ہیں وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ[2]۔ یہ رکوع گھر جا کے بھی پڑھنا ہے۔ فرمایا جس نے شعائر اللہ کی تعظیم کی، جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی، عزت کی، وہ دل کا متقی ہے۔ آپ نے روزہ کیوں رکھا؟ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ[3] تاکہ تمہیں تقویٰ مل جائے۔ اوہ! بھائی روزے کا مقصد قران کیا بیان کرتا ہے کہ روزے رکھو شاید کہ تم متقی بن جاؤ۔ نماز کس لیے پڑھتے ہو تاکہ تم متقی بنو۔ حج کس لیے کرتے ہو تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ لیکن وہاں لفظ ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ شاید کہ متقی بن جاؤ۔ یہاں کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر روزہ رکھنے والا متقی ہو۔ اس لیے وہاں یہ نہیں کہا کہ روزے رکھو چلو تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ شاید کہ تم متقی بن جاؤ۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر روزہ دار متقی ہو۔ ہر نمازی متقی ہو۔ ہر زکوۃ دینے والا متقی ہو۔ لیکن یہ کیا کمال کا جملہ یہاں ارشاد فرمایا۔ دیکھیے یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے کہ وہاں لفظ شاید ہے اور یہاں کیا فرمایا جس نے وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ صفا اور مروہ پہاڑیاں ہیں ناں؟ اوہ پتھر ہیں لیکن جو ان پہاڑیوں کی عزت کرے گا اس کے متعلق شک نہ کرنا۔ وہ دل کا متقی ہے۔ تو یہ گیارواں رکوع اور دسواں رکوع، اس میں یہ دونوں موضوعات ہیں۔ اب ظاہراً تو یہ جانور ہے۔ پلید ہے، گوبر لگا ہے۔ اس کے بالوں کو پیشاب لگا ہوا ہے لیکن تم نے تعظیم کرنی ہے۔ اب یہ کوئی عام جانور نہیں ہے۔ اب یہ اللہ کی نشانی ہے۔

شیطان کے متعلق جو قرآن نے بات کہی ہے وہ کیا ہے؟ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ[4] وہ انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ[5] وہ وسوسے ڈالنے والا جنوں میں سے بھی ہے اور انسانوں میں سے

---

[1] سورۃ البقرہ:158

[2] سورۃ الحج:32

[3] سورۃ البقرہ:183

[4] سورۃ الناس:5

[5] سورۃ الناس:6

بھی۔ یعنی انسان بھی وسوسے ڈالتے ہیں اور شیطان تو ہے ہی جنات۔ جنوں میں سے۔ یہ وسوسہ کیا ہوتا ہے؟ جو آپ کے یقین کو متزلزل کرتا ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ کہ اللہ تعالی کو اس سطح پہ آ کے بات کرنی پڑی کہ جو قربانی کے جانوروں کی، صفا و مروہ کی، اللہ کی جو بھی نشانی ہے، بیت اللہ شریف، اللہ کی نشانی ہے اور پتہ ہے اس کائنات میں اللہ کی سب سے بڑی نشانی کون ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ اللہ کے نبی سے بڑی اللہ کی نشانی کوئی نہیں اور اللہ فرما رہا ہے جو نشانیوں کی عزت کرتا ہے وہ دل کا متقی ہے۔ اور یقین کو یقین اس لیے کہتے ہیں کہ اس کو کوئی وسوسہ متزلزل نہیں کر سکتا۔ اگر متزلزل ہو گیا تو وہ یقین تھا ہی نہیں۔ یہ کیا ہوا کہ کسی نے بات سنائی اور آپ کا توحید کا یقین ختم ہو گیا؟ رسالت کا یقین ختم ہو گیا؟ اب ابلیس کا کام ہے وسوسے ڈالنا۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ کچھ انسان بھی ہیں اور جنوں میں سے بھی ہیں۔

قران کریم کی یہ دو آیتیں، آج آپ نے اچھی طرح سمجھ لینی ہیں۔ اللہ فرماتا ہے اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا[1] عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔ جَمِيْعًا جتنی بھی عزتیں ہیں ناں وہ صرف عزت اللہ کی۔ اور سورہ منافقون میں فرمایا وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ[2] عزت اللہ کے لیے ہے، اس کے رسول کے لیے ہے اور رسول کے غلاموں کے لیے۔ ان دونوں آیتوں کو آپ نے دیکھنا ہے تاکہ یہ میں شعائر اللہ کی جو تشریح ہے وہ آپ کے سامنے عرض کر دوں۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو جانور تھا، اس کی عزت کا اللہ نے حکم دے دیا؟ یہاں آیت میں یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ قربانی کا جانور ابراہیم کی نشانی ہے۔ یہ نہیں کہا یہ ابراہیم کی نشانی ہے۔ اسماعیل کی نشانی ہے۔ حاجرہ کی نشانی ہے۔ نہیں۔ یہ اللہ کی نشانی ہے۔ اب یہاں پہ وسوسہ شروع ہوتا ہے۔ دیکھیں جی عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے۔ قران کہتا ہے اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ اب سورہ منافقون میں یہ بات فرما دی کہ عزت اللہ کے لیے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ایمان والوں کے لیے۔ اب یہاں وہ وسوسے والا جو تھا، وہ آ گیا۔ اس نے کہا دیکھو قرآن تو کہتا ہے کہ عزت

---

[1] سورۃ یونس:65

[2] سورۃ المنٰفقون:8

اللہ کے لیے ہے۔وَ لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اب یہاں پہ عزت تقسیم ہو گئی۔اب وہ ایک عزت جو تھی وہ تین جگہوں پہ تقسیم ہو گئی۔ تو دیکھو اگر آپ تعظیم کریں کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی تھی یہ تو شرک ہو جائے گا۔ وسوسہ ہے ناں۔ اس لیے قرآن کی بہترین تشریح قرآن سے ہی ہو سکتی ہے۔ اب آیتیں دونوں ذہن میں رہیں۔ حقیقت کیاہے؟عزت صرف اللہ کے لیے ہے۔ ساری عزتیں اسی کیلیے۔ اب پھر اس آیت کا کیا مطلب ہےوَ لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ کہ عزت اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مومنین کیلیئے۔ہاں بس یہی قرآن کریم نے بات ارشاد فرمائی کہ جب ہم اس ایک عزت کو تین جگہوں پہ بیان کرتے ہیں، تو اس کو تین نہیں سمجھنا، وہ ایک ہی ہے۔ اب اس عزت کو تقسیم نہیں کرنا۔ سورہ منافقون میں تو اس لیے کہا تھا کہ وہاں عبد اللہ بن اُبی نے یہ اعلان کیا تھا کہ ہم جنگ سے واپسی پہ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡہَا الۡاَذَلَّ[1]، کہ مدینے واپس جا کے ہم عزت والے، ذلت والوں کو نکال دیں گے۔ ان مہاجرین کو ہم نے جگہ دی۔ کاروبار دیے۔ اب یہ دیکھیے ہمارے ساتھ لڑ پڑے ہیں۔ ہم مدینے واپس جائیں گے، تو ہم عزت والے ہیں اور ان ذلت والوں کو نکال دیں گے۔ اس کے جواب میں میرے اللہ نے فرمایا تھا کہ تم عزت والے نہیں ہو۔ عزت والے تو میرے محمد کریم کے غلام ہیں۔ منافق کب عزت والا ہو گیا؟ عزت والا مومن ہوتا ہے۔ تو کبھی بھی اس عزت کو تقسیم نہیں کرنا۔

اسی لیے جب یہ نویں پارے کی وہ آیت آئی تھی ناں۔یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ[2] کہ جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں۔ یہ نویں پارے کے آخر میں ہے۔ میں اسی لیے آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ گھر جا کے آپ نے خود بھی قرآن کریم کا مطالعہ کرنا ہے۔ اللہ نے فرمایا ایمان والو جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو دوڑ کے جا کے بات سنا کرو۔ آیت آگئی۔ صحابی نماز پڑھ رہے ہیں۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی۔ صحابی تھے ناں۔ قران نبی سے سیکھا تھا۔ نماز چھوڑی اور نبی پاک کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ میں مختصر روایت بیان کر رہا ہوں۔

---

[1] سورۃ المنافقون:8

[2] سورۃ الانفال:24

سرکار نے فرمایا یہ پیسے لو اور بازار سے سودا لے آؤ۔ سودا لینے کے لیے چلے گئے۔ آ گئے۔ فرمایا کہ ہمارے گھر دے آؤ۔ گھر دے کے آئے۔ واپس آئے تو سرکار نے پوچھا کہ جب میں نے آواز دی تھی تو کیا کر رہا تھا؟ یا رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا جہاں سے چھوڑی تھی ناں، وہیں سے جا کے شروع کر۔ آپ کو پتہ ہے ناں اصول فقہ میں، آپ کو نماز کے متعلق یہ پتہ ہونا چاہئے۔ یہ سینہ قبلے کی طرف سے پلٹ جائے ناں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ آپ کسی سے گفتگو کریں گے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر امام کسی سے گفتگو کرے گا تو اس کی بھی گئی اور مقتدیوں کی بھی گئی۔ امام کا سینہ پلٹ گیا تو سب کی نماز باطل ہو گئی۔ اب وہ صحابی بازار گیا ہے۔ لوگوں سے گفتگو بھی کی ہے۔ سینہ بھی قبلے سے پلٹ گیا لیکن نماز نہیں ٹوٹتی اس لیے کہ عزت ایک ہے۔ اس عزت کو تقسیم نہیں کرنا۔ فرمایا جب تک تو نبی کے کام میں رہا ہے نماز ہی میں رہا ہے۔ تو جہاں اللہ عزت اپنی طرف منسوب کر دے پھر اس عزت کو تقسیم نہیں کرنا کہ اللہ کی عزت اور ہے نبی پاک کی اور ہے اور مومنین کی اور ہے۔ نہیں۔ آپ اپنے ماں باپ کی عزت کرتے ہیں ناں؟ تو اللہ کا حکم سمجھ کے کریں گے تو وہ اللہ ہی کی عزت ہے۔ اسی لیے تو دعا کیا سکھائی تھی؟ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا[1] اوہ! ماں باپ کی عزت اللہ کا حکم سمجھ کے کریں گے ناں تو اب ظاہراً تو آپ ماں باپ کی عزت کر رہے ہیں لیکن اصل میں وہ عزت کس کی ہے؟ اللہ کی۔ اپنے استاذ کی عزت کرتے ہیں۔ اصل میں عزت وہ اللہ کی۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ کسی ایمان والے کی عزت کرتے ہیں۔ اپنے پیر و مرشد کی عزت کرتے ہیں۔ تو یہ عزت ایک ہی ہے۔

وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ یہ جو قربانی کے جانور ہیں یہ بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ میں جب اس آیت کو پڑھتا تھا ناں، بڑا حیران ہوتا تھا کہ قربانی تو ہم سنتِ ابراہیمی کے لیے کرتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی جب پوچھا گیا تھا کہ یہ قربانی کیا ہے؟[2] تو آپ نے فرمایا سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت

---

[1] سورہ بنی اسرائیل:24

[2] [سنن ابن ماجہ / كِتَابُ الْأَضَاحِي / حدیث:3127]

ہے۔قَالُوا: فَمَا لَنَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ہمیں کیا حاصل ہو گا؟ فرمایا بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ ہر بال کے بدلے اللہ ایک نیکی عطا کرے گا۔ اب آیت ذہن میں رہے کہ یہ شعائر اللہ ہے۔ اب اگر کوئی عربی زبان سے تھوڑا بہت واقف ہے۔شَعَرَةٍ تو یہ جب تنوین، دوزیر آجاتی ہیں۔بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ۔ تو یہ اسم نکرہ بنتا ہے۔ ظاہراً تو ترجمہ ہو جائے گا کہ ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی۔ لیکن جو عربی زبان سے واقف ہے ناں، ان کو پتہ ہے اس کا اصل معنٰی کیا ہے۔ کیونکہ اردو کا تو دامن بڑا کمزور ہے۔ عربی کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ پھر ہمیں یہ ساری کوشش کرنی پڑتی ہے۔ تنوین بنا دیتی ہے اس میں نکرہ۔بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ دونوں میں تنوین ہے۔ تو اس کا پھر مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ تیرے جانور کو، وہ بال جس کو پیشاب لگا ہوا ہے، لید لگی ہوئی ہے، گوبر لگا ہوا ہے، کتنا گندا بال ہے؟ اوہ بھائی قربانی کا جانور ہی سہی لیکن پیشاب تو کرتا ہے۔ اسی پیشاب پہ وہ جانور بیٹھ گیا اور بال گندے ہو گئے۔ یہ ہے شَعَرَةٍ کہ گندے سے گندا بال بھی جو ہے اس کے لیے نیکی اعلیٰ سے اعلیٰ ہی ملے گی۔ یہ ہے اس تنوین کا مفہوم۔ اور یہ آیت ذہن میں رہے کہ یہ قربانی کے جانور اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ان کو معمولی نہیں سمجھنا۔ ان کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔

چونکہ یہ فتنے اُٹھتے رہتے ہیں۔ مارچ میں جب ہم فیصل آباد گئے تھے۔ تو وہاں ایک مولانا اسحاق صاحب ہوا کرتے تھے۔ چلے گئے دنیا سے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ وہ اہل حدیث مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن لبرل تھے وہ اتنے تنگ ذہن کے نہیں تھے۔ ان کو اللہ تعالی نے یہ وسعت قلبی عطا کی ہوئی تھی۔ مکتبہ اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے لیکن اچھے آدمی تھے۔ ایک بات کر دی گئی اور ایک فتنہ پھیلانے والے نے پھیلا دی۔ اس نے کہا جی دیکھو مولانا اسحاق صاحب کہا کرتے تھے کہ اگر توحید بیان ہو گی تو پھر نبی کی توہین تو ہو گی۔ یعنی توحید اس لیے ہے کہ نبیوں کی توہین کرنی ہے؟ میں نے ان سے کہا دیکھو پہلے تو میں اس بات کو مانتا ہی نہیں کہ مولانا اسحاق صاحب نے یہ بات کہی ہے اور اگر تم ثابت کر بھی دو تو ہم اس کو مان اس لیے نہیں سکتے کہ جب قرآن کہتا ہے کہ عزت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے تو پھر اللہ کی شان بیان کرتے ہیں نبی کی توہین کیسے ہو گئی؟ یہ وسوسہ ہے۔ یہ شیطانی کام ہے۔

یہ فتنہ ہے۔ یہ قرآن کا اسلوب ہی نہیں ہے۔ جو قرآن قربانی کے جانور کا احترام بتائے، وہ اپنے نبی کی توہین کروائے گا؟ جو صفا مروہ کی عزت کی بات کرے، وہ کہے گا میرے محبوب کی توہین کرو؟ جو قرآن یہ کہے کہ تم نماز بھی پڑھ رہے ہو تو میرا نبی آواز دے تو نماز چھوڑ کے چلے آؤ۔ تو یہ کمینگی جو ہے یہ بھی شروع ہو گئی ہے۔ جی توحید بیان ہو گی تو پھر نبی کی توہین تو ہو گی۔ اوہ! جس توحید میں نبی کی توہین ہو گی وہ توحید تو بچ ہی نہیں سکتی۔ اوہ! اس اللہ کی شان کیسے بچ سکتی ہے اگر اس کے نمائندے کی توہین ہو گئی؟ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ پیغمبر کی توہین ہو اور اللہ کی توحید بچ جائے۔ آپ اذان دیتے ہیں۔ کسی موذن کے سر پہ قرآن رکھیں، جب وہ کہتا ہے اذان میں اشھد ان لا الہ الا اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم نے کوئی اللہ کو دیکھا ہے؟ کیوں گواہیاں دیتے پھر رہے ہو؟ کیوں اذان پڑھتے ہو؟ توحید کی تو ساری عزت ہی کھڑی ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پہ؟

تو اللہ فرماتا ہے فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ۔ آج کل تو ہم ایک ایک جانور بھی قربان کرنے میں، یہاں اللہ فرماتا ہے کہ جانوروں کی صفیں باندھی ہوئی ہیں بھائی۔ صفوں میں کھڑے ہیں۔ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا۔ تو یہ طریقہ بھی بتایا کہ اس اونٹ کو، ایک جانب سے آپ نے باندھ لینی ہے اس کی ٹانگ جب آپ نحر کرتے ہیں۔ ذبح کرنا اور نحر کرنا، یہ دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے اور باقی جو گائے، بکری، بھینس وغیرہ ہیں، ان کو آپ ذبح کرتے ہیں۔ تو اس کا یہ طریقہ بتایا۔ اور آگے فرمایا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ۔ اس میں سے تم بھی کھاؤ اور جو قناعت کر کے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں، سوال نہیں کرتے ان تک بھی گوشت پہنچاؤ اور جو سوال کر لیں ان کو بھی دو۔ بھائی اللہ تعالی نے اس آیت میں یہ سارے مسائل بیان کر دیے ہیں۔ اور اگلی آیت میں پتہ ہے کیا فرمایا؟ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ [1]۔ پیچھے یہ فرمایا ناں کہ جو گھروں میں بیٹھے ہیں قناعت کر کے، لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ [2] وہ تم سے لپٹ لپٹ کے سوال نہیں کرتے کہ ساڈے گھر بھی قربانی دا گوشت

---

[1] سورۃ الحج: 37

[2] سورۃ البقرہ: 273

کھلیں۔ نہیں۔ اپنی عزت نفس لے کے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ بڑے خود دار ہیں۔ گھر میں کچھ نہیں ہے لیکن سوال نہیں کرتے۔ ان کو تلاش کرو اور جو سوال کر لیں ان کو بھی دو۔ تو اگلی آیت میں یہ بات فرمائی کہ یہ جو گوشت ہے ناں یہ اللہ نے نہیں کھانا۔ اللہ کی بارگاہ میں یہ گوشت نہیں پہنچتا۔ نہ یہ خون ہی پہنچتا ہے۔لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ[1]۔ وہی یہ بات آ گئی ناں۔ یہ تو تیرے دل کا تقوی ہے جو اللہ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ اب یہ نہیں ہے کہ جانور کا تو احترام کرتا رہے اور یہ جو بھوکے اپنے گھروں میں قناعت کر کے بیٹھے تھے، ان تک تو گوشت پہنچایا نہیں۔ تو اللہ تک کیسے پہنچ گیا؟ وہ گوشت تو پہنچانا تھا ناں اللہ کی بارگاہ میں اور اگر تیرے ہمسائے میں ارد گرد لوگ بھوکے بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے گھروں میں گوشت نہیں پہنچا۔ اگر پہنچی بھی ہیں تو چند ہڈیاں پہنچی ہیں۔ تو تجھے دل کا تقوی کیسے مل جائے؟ یہ قربانی کے جانور کا تو نے احترام کیا ہے؟ نہیں۔ اللہ نے یہ گوشت نہیں کھانا۔ اس کے بندوں تک پہنچا۔ یہ دل کا تقویٰ ہے۔ اچھا بڑی عجیب بات ہے۔ جہاں تعظیم کی بات کی وہاں بھی دل کے تقویٰ کی بات کی۔ تو تقویٰ آپ کو اس وقت تک مل نہیں سکتا جب تک آپ خود غرضی کی زندگی گزارتے ہیں اور خود غرض متقی نہیں ہوتا۔ شاید کسی موقع پہ میں نے ایک جملہ کہا تھا اگر آپ کو یاد رہ گیا ہو کہ مومن کی سوچ ذاتی نہیں ہوتی۔ کائناتی ہوتی ہے اور جو خود غرض ہوتا ہے وہ مومن ہوتا ہی نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے رشتہ داروں میں، میرے محلے میں، کسی کے گھر ایک وقت بھی گوشت نہیں پکا اور میں نے فرج بھری ہوئی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اور اگر کسی کے گھر بھیجا بھی ہے تو گھٹیا بھیجا ہے؟ اور اعلیٰ جو پیس ہیں وہ میں نے اپنے گھر میں رکھے ہوئے ہیں؟

ان دونوں آیات کو گھر جا کے بھی تفصیل سے دیکھنا۔ ہر مسلمان، عاقل، بالغ اور صاحب نصاب۔ یہ تین شرطیں ہیں قربانی کے لیے۔ مسلمان ہو، عاقل بالغ آزاد اس میں آ جاتا۔ جو کسی کا زر خرید غلام ہے ناں اس پہ بھی قربانی واجب نہیں ہوتی۔ آزاد مرد کا ہونا ضروری ہے ۔وہ مرد ہو یا عورت ہو، مسلمان ہو، عاقل اور بالغ ہو اور

---

[1] سورۃالحج:37

صاحب نصاب ہو۔ زکوۃ کا اور قربانی کا فرق یہ ہے کہ زکوۃ میں جب آپ صاحب نصاب ہوتے ہیں اس نصاب پہ ایک سال گزرنا ضروری ہوتا ہے۔ آپ کا اپنا گھر، کھانے پینے کی چیزیں، مزدوری کے اوزار، ان کے علاوہ آپ کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے مطابق رقم موجود ہے تو آپ صاحب نصاب ہیں۔ اس نصاب پہ سال گزرے گا تو پھر زکوۃ فرض ہو گی لیکن قربانی کے لیے سال گزرنا ضروری نہیں۔ اگر آپ ان ایامِ تشریق میں صاحب نصاب ہو گئے تو آپ پہ قربانی واجب ہو جائے گی۔ ایام تشریق آپ کو پتہ ہے ناں 9 سے شروع ہوتے ہیں اور 13 تک رہتے ہیں۔ نو ذی الحج کی صبح سے آپ نے یہ تکبیریں شروع کرنی ہیں ہر نماز کے بعد۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ تو 9 کی صبح سے لے کے 13 کی عصر تک۔ تو یہ ان دنوں میں اگر آپ صاحب نصاب ہو گئے، عید والے دن بھی ہو گئے تو آپ پہ قربانی واجب ہو گئی۔ اور یہ ایک میں بات آپ سے کہوں آپ حیران ہوں گے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہ ساری زندگی زکوۃ فرض نہیں ہوئی۔ حضور پہ ساری زندگی زکوۃ فرض نہیں ہوئی کیونکہ حضور مال رکھتے ہی نہیں تھے۔ فرماتے تھے اگر اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا عصر کے وقت آئے گا ناں تو شام تب پڑھوں گا جب تک وہ تقسیم نہ کر دوں۔ تو جب مال پہ سال گزرا ہی نہیں تو زکوۃ فرض کیسے ہو گی۔ نبی پاک پہ ساری زندگی زکوۃ فرض نہیں لیکن فقہاء نے یہاں ایک اور نقطہ بھی بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں اگر حضور پہ زکوۃ فرض ہو جاتی تو حضور دیتے کسے؟ کیونکہ ساری کائنات تو حضور کی غلام ہے۔ تو غلام پہ زکوۃ لگتی نہیں۔ فقہاء نے ایک یہ نقطہ بھی بیان کیا ہے۔ بھائی غلام کو آپ زکوۃ دیں گے تو مالک آپ ہی رہے ناں، ملکیت ٹرانسفر نہیں ہوتی۔ زکوۃ میں ملکیت کو ٹرانسفر کرنا ہوتی ہے۔ لیکن آخری حج کے موقع پہ، پہلا بھی اور آخری بھی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے 63 اونٹ، اپنی عمر مبارک کے مطابق، نحر کیے۔ آپ اس کی اہمیت کا اندازہ کریں۔ 63 اونٹ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم 100 اونٹ منگوائے تھے اور اپنے ہاتھ سے نحر کیے۔ اور امام بخاری جو روایت لکھتے ہیں ناں، یہ جو صَوَآفَّ ہے ناں اسکی بھی شاید آپ کو سمجھ آجائے۔ یہ جو قران میں وہ صف کا ذکر کیا ہے کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نیزہ ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ یہاں تو ظاہر ہے اونٹ کو باندھتے رہتے ہیں کہیں وہ ہمارے پیچھے ہی نہ چڑھ جائے۔ امام بخاری نے جو روایت نقل کی ہے وہ بڑی کمال کی ہے کہ جونہی یہ صف باندھی ہوئی تھی ناں، صف میں کھڑے تھے

کہ سرکار باری باری آئیں اور ان کو نحر کریں۔ تو اب اونٹوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کاٹنا شروع کر دیا اور اپنی گردن حضور کے سامنے پیش کر دی کہ سرکار پہلے مجھے نحر کریں، پہلے مجھے نحر کریں۔ اوہ! تم سے زیادہ تو ان اونٹوں کو معرفت تھی پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ نبی کے ہاتھ سے جان چلی جائے تو اس کا مقام کیا ہوتا ہے۔ تم تو جانوروں جتنی بھی معرفت حاصل نہیں کر سکے۔ پھر سرکار نے وہ نیزہ پھینک دیا اور سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حکم دیا۔ باقی پھر اونٹ انہوں نے نحر کیے۔ اور اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنبے، ایک اپنی اہل بیت کی طرف سے، اپنی طرف سے اور ایک دنبہ پھر امت کی طرف سے قربان کیا۔ مولا علی سرکار ساری زندگی امت کی طرف سے پھر وہ قربانی جو ہے وہ دیتے رہے۔

تو یہ میں نے تفصیل سے پچھلے سال یا اس سے پچھلے سال گائے بھینس والا بیان کر دیا تھا۔ وہ سن لیا کریں۔ امت کا اجماع ہے اس پہ۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پہلے دن سے ہی یہ جو بھینس ہے، یہ گائے کی ایک قسم ہے عربی لغت میں بھی اور فقہاء نے بھی اس کی قسم بیان کی ہے۔ اب بھی یہ جو اختلاف ہے۔ یہ اہل حدیث علماء کا، ان کا بھی آپس میں اختلاف ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں۔ اہل سنت کے ساتھ ان کا اختلاف نہیں۔ تو یہ اجماع امت ہے کہ یہ بھینس جو ہے یہ گائے ہی کی ایک قسم ہے۔ زکوۃ دینی ہو گی ناں، تو جو گائے پہ قانون لگے گا وہی بھینس پہ لگے گا۔ جو اس کے بچوں پہ لگے گا وہی اس پہ لگے گا۔ تو وہ تفصیل سے میں نے وہ جمعہ جو آپ کو پڑھایا تھا کہ قوانین شریعت کے جو ہیں جو گائے پہ لگتے ہیں وہی بھینس پہ لگتے ہیں۔ تو سات حصے ہیں اونٹ کے، گائے کے، بھینس کے۔ اور باقی جو گھر کے نابالغ یا والدین بوڑھے ہیں تو یہ نہیں سوچنا، وہ جو گھر میں ایک فرد صاحب نصاب ہے وہ قربانی دیتا ہے تو سارے گھر والوں کو ثواب ملتا ہے۔ ہاں۔ وہ وڈیرے بابے جن کے پاس پیسے نہیں ہیں، وہ ضد نہ کریں کہ میری طرف سے قربانی دے۔ قربانی جو صاحب نصاب ہے اسی پہ واجب ہے۔ تو وہ آپ اپنی طرف سے قربانی جو ہے وہ ضرور کریں۔ جو بھی صاحب نصاب آدمی ہے نصاب آج کل وہ چل رہا ہے ساڑھے باون تولے چاندی جو ہے۔ وہ 5 لاکھ اور 3 ہزار تقریباً بنتے ہیں۔ اس کے برابر آپ کے پاس سونا ہو، چاندی ہو، پیسے موجود ہوں۔ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ یہ نہیں ہے کہ بی بی 10 تولے سونا لے کے بیٹھی ہے اور کہے کہ قربانی میں نہیں

کرنی۔ اگر کوئی عورت صاحب نصاب ہے تو اس پہ قربانی علیحدہ واجب ہے۔ اور اسلام میں جو خاندان ہے، جب ایک مرد اور عورت شادی کر لیتے ہیں تو وہ ایک خاندان ہے۔ چاہے وہ اس گھر میں چار بھائی کیوں نہ رہ رہے ہوں لیکن اگر وہ شادی شدہ ہیں تو وہ چار علیحدہ خاندان ہیں۔ یہ بھی جو ہے یہ آپ کو پتہ ہونا چاہیے۔ اسلام ان کو اکٹھے نہیں سمجھتا۔ اسلام کہتا ہے کہ جب شادی ہو گئی تو وہ ایک علیحدہ خاندان ہے۔ تو وہ مرد ہو، عورت ہو قربانی جو ہو واجب ہے۔

بڑیا جو بات ہے کہ ان قربانی کے دنوں میں اللہ تعالی کو اس کے سوا اور کوئی نیکی پسند ہے ہی نہیں۔ اللہ کو یہی پسند ہے کہ اس کی بارگاہ میں خون بہایا جائے۔ سنت ابراہیمی جو ہے اس کو ادا کیا جائے لیکن بات پھر وہی ہے کہ اس میں وہ شیطانی وسوسہ شامل نہ ہو جائے۔ کچھ یہ بھی کہتے ہیں میں نے سنا ہے کہ ہمارے بچے اب لوگوں کو دیکھیں گے؟ اوہ بھائی اللہ کے لیے قربانی کرو۔ خرچہ بھی کرنا ہے اور نیت بری کر کے اس کو ضائع کرنا ہے؟ ساڈے بچے لوکاں ول ویکھن گے ہن۔ کوئی ماڑا جیہا لے آؤ جانور۔ نہیں۔ یہ سوچ نہیں رکھنی۔ میرے اللہ کو یہ عمل پسند ہے اس لیے کرنا ہے اور بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جہاد سے بھی قربانی بڑی ہے؟ تو سرکار نے فرمایا تھا ہاں ان دنوں میں قربانی کرو۔ تو یہ آپ ان آیات سے دیکھ ہی سکتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ان جانوروں کی تعظیم کا حکم دیا۔ ان دنوں میں اللہ تعالی کو یہی چیز جو ہے یہ پسند ہے کہ اس کی بارگاہ میں خون بہایا جائے۔ اور یہ گوشت جیسے میں نے کہا ہے کہ یہ غرباء میں، قناعت کرنے والوں میں، ان سب میں تقسیم کیا جائے اور اس جھگڑے میں نہیں پڑنا کہ گائے اور بھینس کی قربانی؟ ان کو کہنا بس ٹھیک ہے۔ پہلے دن سے امت کا اس پہ اجماع ہے کہ گائے اور بھینس میں کوئی فرق نہیں ہے یہ اِسی کی ایک قسم ہے۔ جب بکریوں کی کتنی قسمیں ہیں اور بھیڑوں کی کتنی قسمیں ہیں۔ تو پھر اپ ان چیزوں میں الجھ جائیں گے تو پھر شیطان تو وہ وسوسہ ڈالتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کی قربانیوں کا جو حکم دیا ہے اور پھر اس کی تقسیم کا جو میں نے عرض کیا اور ایک جملہ میں ہر سال کہتا ہوں۔ یہ جملہ میں ہر سال آپ سے کہتا ہوں کہ بڑے لوگ مسئلے پوچھنے آتے ہیں۔ وہ سینگ تھوڑا سا خراب ہے۔ آ کے ذرا ویکھو۔ آپ کو پتہ ہے ناں، کانا جانور، عیب والا، کمزور اتنا ہو کہ ہڈیاں آتی ہوں، ظاہری عیب ہو تو وہ نہیں لگتا۔ بڑے مسئلے پوچھتے ہیں لیکن میں ان سے ایک ہی بات کرتا ہوں۔ اوہ یار یہ مسئلے سارے بعد

والے ہیں۔ پہلے یہ دیکھ کے تیرا رزق حلال کا ہے یا نہیں؟ حرام کے رزق کا تو صحتمند جانور بھی قبول نہیں۔ حرام کے رزق پہ زکوٰۃ بھی نہیں۔ مجھ سے تو کوئی زکوٰۃ کا بھی مسئلہ پوچھتا ہے ناں تو میں اس سے پہلے یہ کہتا ہوں کہ زکوٰۃ حرام کے رزق پہ نہیں ہے۔ قربانی بھی حرام کے رزق پہ نہیں۔ اس کے لیے رزق حلال اور حج کے لیے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی حرام کے رزق سے حج کرنے چلا جائے تو خانہ کعبہ کی چھت پہ ایک فرشتہ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ جا کہ کہتا ہے لبیک اللھم لبیک۔ میں حاضر ہوں، میرے مالک میں حاضر ہوں۔ وہ فرشتہ کہتا ہے دفع ہو جا تیری کوئی حاضری قبول نہیں۔ رزق حرام والے کا تو حج بھی قبول نہیں ہوتا۔ کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی بلکہ الٹا گناہ ہوتا ہے۔ ویسے یہ مسئلہ ہم سے پوچھتا کوئی نہیں ہے کہ پیسے رشوت کے ہیں، بہنوں کا حق مارا ہے، اوہ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ چوری، ڈکیتی کا مال ہی حرام کا ہوتا ہے۔ اوہ جس نے بہنوں، بیٹیوں کو حصہ نہیں دیا وہ بھی حرام ہی کھا رہا ہے۔ رزق حرام پہ نہ زکوۃ ہے، نہ قربانی، نہ صدقہ و خیرات ہے۔ جب تک روزے فرض نہیں نہ ہوئے تھے، تو یہ دن روزوں کے لیے بھی بڑے اہم ہیں۔ یہ ذی الحج کے پہلے جو دس دن ہیں۔ عید والے دن تو ظاہر ہے کے نہیں باقی نو تک روزے جو ہیں یہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یوم عرفہ کا روزہ خصوصی طور پر نو تاریخ کا کہ جس کے متعلق پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس روزے سے جو گزرا ہوا سال ہے اور آنے والے سال کے بھی گناہ اللہ معاف کرے۔ یہ یوم عرفہ کا جس دن ساری امت اکٹھی ہو کے جا کے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتی ہے، میدان عرفات میں، جس دن حج پڑھا جاتا ہے۔ تو کوشش کریں کہ یہ جو کچھ قران کریم سے سیکھا ہے اللہ تعالی اس پہ عمل کی توفیق دے۔

آمین

قرآن کریم کی بے حرمتی اور ہمارا کردار

قرآن: رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ(100) فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ(101) فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىْٓ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰىؕ-قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُؗ-سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ(102) سورة الصفت

ترجمہ:- اے میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ تو ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری سنائی۔ پھر جب وہ اس کے ساتھ کوشش کرنے کے قابل عمر کو پہنچ گیا تو ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو دیکھ کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: اے میرے باپ! آپ وہی کریں جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ اِنْ شَاءَ اللہ عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

خاکہ:-

1. دین زندہ ہو گا تو قوم بھی زندہ ہو گی۔
2. اللہ تمھیں ضرور آزمائے گا۔
3. اس دنیا میں اللہ کا امتحان نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کا امتحان ہے۔
4. صلیبی جنگیں کیوں لڑی گئیں۔
5. انسان کی محبتیں۔
6. سب سے بڑی محبت کیا ہے؟
7. دنیا میں کبھی کسی بھی مذہب کی توہین نہیں ہوئی سوائے اسلام کے۔
8. ایمان ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔
9. جذبہ ایمانی اور ننھے شاہ سوار۔

عید الاضحیٰ کا آج دوسرا دن ہے۔ ایام تشریق جو ہیں وہ چل رہے ہیں۔ اللہ کی کبریائی، اس کی عظمت مسلمان اپنے اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ عید کا ویسے تو لغوی معنی خوشی ہے لیکن پتہ نہیں ہمارے ہاں یہ خوشی کے لمحات کب ہمیں نصیب ہوں گے؟ ایسے ایسے دکھ اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ عید کا دن بھی عید نہیں لگتا اور ہم رسمی طور پہ ایک دوسرے کو عید مبارک کہہ رہے ہوتے ہیں۔ دل کی وہ کیفیت نہیں ہوتی۔ ہمارے سینے فراخ نہیں ہوتے۔ دلوں کے اندر وہ فرحت نہیں ہوتی اور میں تو چونکہ ہمارے ہاں خبر بہت دیر سے پہنچی کہ سویڈن کی گورنمنٹ نے سرکاری سطح پہ قرآن کریم کو جلانے کی اجازت دی اور یہ مسلمانوں کے عید والے دن ہوا اور پھر انہوں نے قرآن کریم کی بے حرمتی کی۔ جلایا قرآن کریم۔ اب اس صورتحال میں ایک مسلمان کیا عید کی خوشی کو انجوائے کر سکتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ہے، تو وہ ایسی خبر سن کے، اس کا عید کا دن کیسا گزرے گا؟ کس پریشانی میں اور اس کے بعد جو اگلی تکلیف کی خبر تھی وہ یہ تھی کہ 57 مسلمانوں کے ملک اس وقت دنیا میں ہیں، تقریباً 180 کروڑ آبادی ہے مسلمان کی اور صرف ایک ملک نے احتجاج کیا اور وہ ترکی تھا۔ دوسرا ملک جس نے سویڈن کے خلاف احتجاج کیا کہ تم نے مسلمانوں کا دل دکھایا ہے وہ روس کا صدر پیوٹن تھا۔ تو پتہ نہیں کیسے ہم یہ دن اور یہ راتیں گزار لیتے ہیں۔

کئی دفعہ بچے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ جب یہ خبر پہنچی ہے ہم تک، تو کتنے مسلمان ہیں جو افسردہ ہوئے؟ پریشان ہوئے؟ ان کی روزمرہ کی زندگی جو ہے اس میں کوئی خلل پیدا ہوا؟ کیا میرے کسی عزیز کے ساتھ کوئی حادثہ ہو، تو کیا میری زندگی ایسی گزرتی ہے جیسے اب گزر رہی ہے؟ قرآن سے بڑا عزیز میرا کون ہو سکتا ہے؟ لیکن ہم ویسے ہی ہلا گلا کر رہے ہیں۔ سیر کو نکل رہے ہیں۔ کوئی کسی جگہ مجھے کوئی ایسی محفل نہیں ملی۔ ہمارے ملک کو تو یہ توفیق ہی نہیں ہے ناں بلکہ ایک ہی بات سننے کو ملتی ہے دیکھو جی اگر ہم نے یورپ کے ساتھ تعلقات خراب کر لیے تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہم survive نہیں کر سکتے۔ تو اس کو زندہ رہنا کہتے ہیں؟ مثلاً اگر میرا دین ہی محفوظ نہیں ہے تو کیا میں زندہ ہوں؟ اس کو زندگی کہتے ہیں؟

پھر دوسری بات جو کفار بھی یہ سوال کرتے ہیں تمہارا اللہ کہاں چلا گیا؟ تمہارا اللہ روک لیتا۔ جب ہم نے قرآن کو جلایا ہے تو اللہ روک لیتا؟ یہ بھی سوال ہوتا ہے۔ ہمارے اپنے لوگ تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس اُمت کو یہ بات بتادی گئی تھی۔ سورہ فیل نازل کر کے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم، کیا آپ نے دیکھا نہیں ہے کہ ہم نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا تھا؟ چند پرندے بھیج کے ان کے ہاتھیوں کے لشکر بھسم کر دیے۔ برباد کر دیے۔ لیکن اب اللہ ایسا نہیں کرے گا۔ ہاں یہ آپ کو سمجھ ہونی چاہیے۔ اس امت کو یہ بات بتادی گئی ہے کہ اب اللہ نہیں ایسا کرے گا۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ[1] اب ہم صرف تمہارے زبان کے قول کو نہیں دیکھیں گے کہ تم زبان سے کہتے ہو کہ ہم ایمان لے آئے اور تمہیں آزمائش میں نہیں ڈالیں گے؟ تمہیں آزمائیں گے نہیں کہ تم قرآن کی حفاظت کے لیے کیا کرتے ہو؟ تم خانہ کعبہ کی حفاظت کے لیے کیا کرتے ہو؟ جب یزید نے خانہ کعبہ پہ حملہ کیا۔ منجنیق کے ساتھ پتھراؤ کیا۔ واقعہ کربلا کے بعد جب مکے اور مدینے والوں نے یزید کی بیعت توڑ دی تو ان پتھروں سے خانے کعبے کو آگ لگ گئی تھی۔ خانہ کعبہ کا غلاف جل گیا تھا۔ اللہ نہیں بچانے کے لیے آیا تھا۔ یہی تو اس امت کا امتحان ہے کہ تم بہترین امت ہو۔ اب اللہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو۔ اب اس امت کا امتحان ہے۔ کئی دفعہ خانہ کعبے کو آگ لگی ہے۔ کئی دفعہ قرآن کریم کو جلایا گیا۔ اب اللہ اس امت کو دیکھ رہا ہے کہ یہ زبان سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے کہ یا یہ عملی طور پہ بھی کچھ کرتے ہیں اور یہ سورہ عنکبوت کی آیت میں آپ کو سنا رہا ہوں اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ کیا انہوں نے حساب لگا لیا ہے کہ ہم صرف ان کو اس بات پہ چھوڑ دیں گے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اس بات پہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم دیکھیں گے کہ تم نے ہمارے دین کی حفاظت کے لیے کیا کیا؟

اگر آپ کو یہ گلہ ہے کہ ہمارے وزیر اعظم کی طرف سے، ہمارے وزیر خارجہ کی طرف سے کوئی مذمت نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہم تو ویسے بھی غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم تو غلام ہیں ان کے لیکن ایک بات تھی کہ جب

[1] سورۃ العنکبوت:2

کبھی ہمارے ایمان کو چیلنج کیا جاتا تھا تو پھر ہم اتنے بھی بے غیرت نہیں تھے کہ ہم اپنے ایمان پہ بھی سودا کر لیں۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہمارے ایمان کو بھی چیلنج ہوتا ہے۔ خوش ہیں، سعودی عرب بھی خوش ہے، UAE بھی خوش ہے، انڈونیشیا بھی، ملائشیا بھی، پاکستان بھی، بنگلہ دیش۔ سارے خوشیاں منا رہے ہیں اور وہ یہ پوچھ رہے ہیں کہ کہاں ہے تمہارا خدا؟ صلاح الدین ایوبی سے رچرڈ نے صرف یہی ایک جملہ کہا تھا، اس کے ایک سپاہی نے پکڑ لیا تھا، تو اس نے کہا تھا کہ اپنے محمد کو کہو تمہیں بچا لے۔ یہ صلیبی جنگیں صرف اس جملے پہ ہوئی تھیں کہ اپنے محمد سے کہو تمہیں بچا لے۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا تھا کہ نہیں اب محمد کا غلام ہی بچانے کے لیے آئے گا۔ جب یہ شخص دنیا سے گیا تھا تو ایک گھوڑا ایک تلوار اور جیب میں ایک اشرفی تھی۔ اتنا بڑا سپہ سالار اور بادشاہ اس لیے حج نہیں کر سکا ساری زندگی اس کے پاس حج کے پیسے ہی نہیں۔ ایوبی کے پاس حج کرنے کے لیے پیسے ہی نہیں تھے۔

اس صورتحال میں کیا عید ہے اور مجھے تو کل کی سمجھ ہی نہیں آرہی کہ ہم زندہ بھی کس لیے ہیں؟ اگر آج کا جمعہ امت مسلمہ صرف اس بات پہ اکٹھی ہوتی ہے کہ آج ہم نے باہر نکل کے احتجاج کرنا ہے۔ 180 کروڑ لوگ اگر کسی ملک کا بائیکاٹ کر دیں ناں تو چیخیں نکل جاتی ہیں۔ سویڈن کی کیا جرات ہے کہ ان کی حکومت کی سطح پہ یہ اجازت دی جائے کہ تم مسلمانوں کے مذہب کی توہین کر سکتے ہو؟ اور 57 اسلامی ملک سوئے ہوئے ہیں۔ کلبوں میں شرابیں ہیں، عیاشیاں ہیں، شہر سپاٹے ہیں۔ کسی کو کوئی غیرت نہیں ہے؟ ہم زبان سے تو احتجاج کر سکتے ہیں ناں کہ دنیا کو یہ بتاتے کہ ہمیں کیا تکلیف ہے؟ کیا پریشانی ہے؟

دیکھیے چار چیزیں ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے۔ انسان اپنے وطن سے محبت کرتا ہے۔ جہاں رہتا ہے اس وطن سے اس کو پیار ہوتا ہے۔ محبت ہوتی ہے لیکن دولت کی محبت وطن سے بڑی ہوتی ہے۔ اگر اس کو دولت کی خاطر ملک چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دیتا ہے۔ وطن قربان کر دیتا ہے۔ وہاں جا کے یاد ضرور کرے گا، میرا ملک، میرا محلہ، میرے لوگ۔ لیکن یہ محبت قربان ہو جاتی ہے۔ دولت سے محبت کرتا ہے انسان لیکن یہی دولت اپنی اولاد کی محبت میں قربان کر دیتا ہے۔ جب اولاد کی محبت سامنے آتی ہے ناں تو دولت قربان کر دیتا ہے۔ اب اس کے بعد انسان کو

اپنی جان سے محبت ہے۔ اپنی جان کی خاطر تو اس کو جو کچھ بھی قربان کرنا پڑے گا کر دے گا۔ لیکن ہمیں ایک اور بات بتائی گئی تھی کہ یہ ساری محبتیں چھوٹی ہیں۔ سب سے بڑی محبت ایمان کی محبت ہے۔ ایمان کی خاطر اگر تمہیں وطن چھوڑنا پڑے، دولت چھوڑنی پڑے، اولاد چھوڑنی پڑے اور آخر میں اپنی جان بھی قربان کرنی پڑے تو ایمان کی خاطر دے دینا۔ یہ عید کیا آپ کو بتا رہی ہے فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ[1]۔ باپ نے بھی سر تسلیم خم کیا اور بیٹے نے بھی کیا۔ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے کہ دونوں جھک گئے اللہ کے سامنے۔ دونوں مسلمان تھے ناں۔ جان ہے تو کیا اللہ کی دی ہوئی ہے۔ باپ نے بیٹے کی محبت قربان کی اور بیٹے نے اپنی جان اللہ کی بارگاہ میں پیش کی۔ ایمان کا تقاضا ہی یہی ہے کہ اور کوئی محبت ایمان کے سامنے غالب نہ آئے۔ اور اگر تم سمجھتا ہوں کہ میرا یورپ والے بائیکاٹ کر دیں گے۔ میں مر جاؤں گا۔ تو میں نے ایسا زندہ کیا رہنا ہے کہ میری زندگی میں اللہ رسول کی توہین ہو رہی ہے اور میں زندہ ہوں؟ اس کو زندگی کہتے ہیں؟ اسی لیے میں کہتا ہوں ناں فرقوں سے ذرا باہر نکل کے انسان کو سوچنا چاہیے۔

1979 میں، پورا یورپ، امریکہ سارے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ عراق نے ایران پہ حملہ کر دیا۔ سارے عرب ممالک عراق کے ساتھ اور کہا گیا کہ ایران کی ناکہ بندی کر دو۔ یہاں کے لوگ مر جائیں گے۔ یہ زرعی ملک نہیں ہے۔ ان کا تیل بکنے نہیں دیتے تھے باہر۔ دوائیاں نہیں لینے دیتے تھے اور خمینی نے ایک جملہ کہا تھا۔ اس نے کہا کہ امریکہ سے جا کے کہو کہ ایران کے ارد گرد لوہے کی دیواریں بلند کرے اور پھر دیکھیں میرا خدا مجھے کہاں سے رزق دیتا ہے۔ یہ 1979 کی بات ہے لیکن جب اللہ پر ایمان ہی نہ رہے، یقین ہی نہ رہے کہ ہم تو یورپ کی وجہ سے زندہ ہیں؟ ہم امریکہ کی وجہ سے زندہ ہیں؟

یہ بغیرتی اس لیول پہ نہیں ہوتی کہ کوئی حکومت اجازت دے کسی کے مذہب کی توہین کی۔ حکومتیں ایسا نہیں کرتیں۔ لیکن یہ تو انتہا ہو گئی کہ سویڈن کی حکومت نے اجازت دی ہے کہ تم قرآن جلا سکتے ہو۔ توہین کر سکتے ہو

[1] سورۃ الصفت:103

اور پھر کی گئی۔ ایسے جینے سے، ایسی عیدوں سے، ایسی شب قدروں سے، ایسے مال و متاع سے۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

عصرِ حاضر مَلک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش

تجھے ایک ہی فکر لگا دی ہے کہ تو جب تک کھائے گا نہیں، تو زندہ نہیں رہے گا۔ فکر معاش دے دی تجھے۔ اور تیرے اندر سے یہ روح ہی کھینچ لی کہ ایمان کے بغیر تو کیسے زندہ رہے گا؟ اگر تیرا ایمان compromise ہو گیا۔ کوئی دنیا کی حکومت سکھوں کی کتاب کی توہین کر کے دکھائے۔ ان کا تو اس دنیا میں ملک بھی کوئی نہیں۔ کسی کی جرات ہے؟ مسلمانوں کو 57 اسلامی ملک ہیں، 180 کروڑ آبادی ہے۔ لیکن پوری دنیا میں کسی ملک کی یہ جرات نہیں ہے کہ سکھوں کی جو کتاب ہے اس کی کوئی توہین کرے۔ ان کے گرو کی کوئی توہین کرے۔ بائبل کی کوئی توہین کرے۔ ہندوؤں کی کسی وید، ان کی جو کتاب ہے ان کو وید کہتے ہیں۔ آخر یہ مسلمانوں کے نبی کی اور مسلمانوں کی کتاب ہی کی توہین کیوں؟ یہودیوں کے مذہب کی توہین کیوں نہیں؟ عیسائیوں کے مذہب کی توہین کیوں نہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ سکھوں کے مذہب کی اگر توہین کریں گے تو ہمیں پتہ ہے کہ سکھوں کا دل دکھے گا۔ یہودیوں کے مذہب کی توہین کریں گے تو ہمیں پتہ ہے کہ ان کا دل دکھے گا۔ احتجاج کریں گے۔ عیسائیوں کے مذہب کی توہین کریں گے تو عیسائی احتجاج کریں گے۔ مسلمان بے غیرت ہیں ان کی مذہب کی جتنی بھی توہین کر رہے وہ حیا نہیں ہے۔ احتجاج نہیں کرتے۔ اب تو انہوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ اپنے دین سے مخلص ہی نہیں۔ مسلمان اپنے دین سے مخلص ہی نہیں ہیں۔ انہوں نے بحیثیت مذہب اس کو قبول ہی نہیں کیا۔

وہ جو میں ایک روایت آپ کو سنایا کرتا ہوں کہ آپ کے اندر یا ایمان ہے یا نہیں ہے۔ دو چیزیں تو ایک وقت میں ہو ہی نہیں سکتیں کہ ایمان بھی ہے اور کفر بھی۔ یا ایمان ہے یا نہیں ہے اور ایمان کی حالت میں کوئی شراب نہیں پی سکتا۔ ایمان کی حالت میں کوئی چوری نہیں کر سکتا۔ ایمان کی حالت میں کوئی بدکاری نہیں کر سکتا۔ ایمان کی

حالت میں کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر تم شراب بھی پی لیتے ہو تو تم کون سے صاحبِ ایمان ہو؟ جب میرج ہالوں میں تمہاری بچیاں بے حیائی کا لباس پہن کے آتی ہیں تو کیا یہ تمہارے نبی کا حکم ہے؟ بے حیائی کو اگر تم پسند کرتے ہو تو اس کا مطلب تم نے اس دین کو قبول ہی نہیں کیا؟ بہرحال یہ میرا فرض تھا جہاں تک میری آواز پہنچے کہ ہم کم از کم احتجاج تو کریں۔ حکومتی حلقوں تک اپنا احتجاج پہنچائیں۔ تم ہمارے نمائندے نہیں ہو اگر تم اسی طرح خاموش بیٹھے رہو گے۔ پاکستان میں تو تم ذرا ذرا سی بات پہ لوگوں کو اٹھا لیتے ہو۔ جھوٹے پرچے، ظلم و تشدد اور قرآن کی حرمت پہ ایک لفظ تم نہیں کہہ سکتے سویڈن کو۔ کیا یہ ہمارے نمائندے ہیں؟

باقی گورنمنٹ کو تو چھوڑیں اور باتوں کو چھوڑیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر آج کا دن صرف تمام مساجد کے آئمہ متفقہ طور پہ اس بات کے لیے وقف کرتے کہ ہم نے احتجاج کرنا ہے۔ ہمارا دل دکھا ہے اور یہ آواز اقوام متحدہ تک پہنچانی ہے۔ ان کو احساس ہو کے مسلمان ابھی اتنے بے غیرت نہیں ہوئے۔ لیکن مجھے نہیں پتہ کہ کتنے گھروں میں یہ بات ڈسکس ہوئی ہے؟ کتنے گھروں میں بیٹھ کے اپنے بچوں کے ساتھ کوئی افسردہ ہوا ہے؟ اور بچوں نے پوچھا ہو کہ ابا جی آپ آج پریشان کیوں ہیں اور اس نے کہا ہو کہ آج قرآن کی توہین ہوئی ہے۔ اس لیے میں پریشان ہوں۔ غزوہ بدر والے دن ان بچوں نے کیا کہا تھا؟ اُن کی ماں نے ایک ہی بات بتائی تھی ناں۔ انکی ماں افسردہ تھی تو بچوں نے پوچھا تھا کہ ماں کیوں پریشان ہے؟ کہا تھا کہ بیٹا سنا ہے ابو جہل ہمارے نبی کی توہین کرتا ہے۔ کبھی تو کوئی ماں باپ اس وجہ سے بھی پریشان ہوں کہ ہمارے دین کی توہین ہوئی ہے۔ اور حفیظ جالندھری نے کیا خوبصورت وہ جملہ لکھا کہ جب وہ غزوہ بدر میں پوچھتے پھرتے تھے ابو جہل کہاں ہے؟ تو لوگوں نے کہا یہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ ہر کسی سے یہی پوچھ رہے تھے کہ ابو جہل کہاں ہے؟ آخر جب پوچھا گیا کہ بیٹا تم نے ابو جہل کو کیا کہنا؟

قسم کھائی ہے مر جائیں گے یا ماریں گے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے یہ محبوب باری کو

بہر حال، کبھی تو میرا دل افسردہ ہو، میرا ذہن پریشان ہو، کبھی تو میرے گھر میں اللہ رسول کے لیے بھی کوئی پریشانی اگر ہو تو میں اظہار کر سکوں۔ یہ میرے دل کی یہ کیفیت تھی۔ ذہن کی کیفیت تھی۔ جو میں نے آپ سے شیئر کرنی تھی کہ ہمارے عیدیں کوئی عیدیں نہیں ہیں۔ غارت ہو گئی ہماری خوشیاں۔ برباد ہو گئے ہم اور پھر انہوں نے اس توہین کے لیے عید کا دن چنا۔ ہمارے عید والے دن کا انتخاب کیا گیا اور ہم اپنی لڑائیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ مناظرے ہو رہے ہیں۔ بریلوی ٹھیک ہیں؟ دیوبندی ٹھیک ہیں؟ وھابی ٹھیک ہیں؟ شیعہ ٹھیک ہیں؟ ان باتوں سے فرصت نہیں اور وہ آپ کے اسلام کو چیلنج کرتے ہیں۔ وہ جب بھی چیلنج کرتے ہیں تمہارے دین کو چیلنج کرتے ہیں۔ اور ہم اس بات میں خوش ہیں کہ ہم دیوبندی ہو گئے ہیں، بریلوی ہو گئے ہیں، شیعہ ہو گئے ہیں، اہل حدیث ہو گئے ہیں؟ خدا کے لیے اس پہ بھی کبھی بیٹھ کے غور و فکر کریں۔ اللہ کی بارگاہ میں دعا ہی کریں۔ جتنا احتجاج کر سکتے ہیں کریں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

توحید کا ذمہ نبوت سے ولایت کے سپرد

قرآن: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ۔ سورة المائدہ:3

ترجمہ:- آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

خاکہ:-

1. دلوں سے احساس ختم ہو جائے تو قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔
2. خالق کی ذات لا محدود ہے تو پھر کلامِ خالق کی وسعت بھی لامتناہی ہے۔
3. مقامِ غدیر اور آخری آیات کا نزول۔
4. نبوت کی ذمہ داری اب کون ادا کرے گا؟
5. جب اللہ اپنے محبوب پر نعمتیں تمام کرے تو پھر کون مقامِ محبوب کو سمجھے۔
6. اللہ میرا مولا ہے اور میں تمہارا مولا ہوں، تو جس کا میں مولا اس کا علی مولا۔
7. کیا اللہ اپنے جیسا خدا بنانے پر قادر ہے؟ (مشرکین کا سوال)
8. خیرات آتی گھر سے ہے مگر ملتی در سے ہے۔
9. دنیا سے جاتے وقت دل میں آلِ نبی سے محبت ہو۔
10. ہمیں یہ توحید بزرگانِ دین کے در سے ملی ہے، کسی مولوی سے نہیں۔

گزشتہ جمعہ جس پریشانی کا میں نے آپ سے اظہار کیا تھا، وہ پریشانی اپنی جگہ موجود ہے۔ لیکن کچھ اطمینان ہوا کہ جو سب سے بڑی پریشانی تھی کہ کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا۔ علامہ اقبال نے بھی فرمایا تھا کہ دُکھ اس بات کا ہے کہ دلوں سے احساس ختم ہو گیا۔ لٹنے کا احساس ختم ہو گیا۔ تو میرا پچھلے جمعہ کا بھی دکھ یہی تھا کہ اتنا بڑا میرے ایمان پہ حملہ ہو اور ہماری زندگی میں کوئی فرق نہ پڑے؟ کوئی غم کے، تکلیف کے، دکھ کے آثار جو ہیں وہ ظاہر نہ ہوں؟ تو اللہ کا شکر ہے کہ وہ جو پچھلے جمعے ہماری تنہا آواز تھی اور میں نے جو عرض کیا تھا کہ کاش آج ہر مسجد سے اس کا اظہار ہوتا تکلیف کا تو میرے اللہ نے کمال مہربانی کی کہ ہماری اس تنہا آواز کو آج ہر مسجد تک پہنچادیا ہے۔ اور آج ہر مسجد میں اس کا احتجاج ہو گا۔ ایک بات جو ہے وہ ذہن میں رکھنا۔ جب سے یہ انسانیت شروع ہوئی ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بات بہت سے ہجوم میں ہو گی تو شاید آگے پہنچے گی لیکن اللہ کا قانون یہ نہیں ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ تم میرے لیے آواز بلند کرو، پہنچانا میرا کام ہے۔ دو مثالیں آپ تاریخ سے دیکھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بالکل جنگل اُجاڑ بیابان میں، اپنی طرف سے انہوں نے مار دیا تھا لیکن انہوں نے آواز بلند کی تو اللہ نے وہ پہنچادی پوری دنیا میں۔ اور کربلا میں بھی وہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم نے اس اجاڑ بیابان میں حسین کو شہید کیا ہے کہ اب اس کی آواز کون سنے گا؟ لیکن میرے اللہ نے اس مظلوم کی آواز کو ہر گھر تک پہنچایا۔ تو آواز اٹھانا آپ کا کام ہے، آگے اس کو پہنچانا میرے اللہ کا کام ہے۔ ایک غریب نواز نے اجمیر میں کھڑے ہو کے توحید کی صدا بلند کی تھی تو اللہ نے ہر گاؤں میں پہنچادی۔ تو یہ میں خوشی تو نہیں کہہ سکتا لیکن اطمینان ہے کہ چلو اُمت مسلمہ آج اور پھر اس ہفتے میں اور بہت سے، پچھلے جمعے تو ہم کہہ رہے تھے ناں کہ صرف ترکی نے اور روس نے احتجاج کیا اور اس کے بعد مراکش نے تو کمال کر دیا کہ انہوں نے سویڈن کے سفیر کو ہی اپنے ملک سے نکال دیا۔ پھر کینیڈا کے وزیر اعظم نے، نیوزی لینڈ کے سابقہ وزیر اعظم نے، یورپی یونین کی طرف سے اور پھر یہ ایک سلسلہ جو تھا وہ چل نکلا۔ اور آج ہمارے ملک میں بھی ظاہر ہے یہ اعلان ہے اور احتجاج ہو گا۔ تو یہ پچھلے جمعہ والی بات ساری جو ہے وہ ذہن میں رہے کہ کم از کم ایسی خبر سن کے دل افسردہ تو ہو جائے۔ پریشان تو ہو انسان۔ یہ پچھلے جمعہ میں ہم نے غزوہ تبوک کا ذکر پڑھا تھا۔ تو وہاں بھی اللہ نے ان لوگوں کی کتنی تعریف کی کہ محبوب یہ بھی تو دیکھ ناں یہ صرف اس لیے مدینے میں بیٹھ کے رو رہے ہیں کہ

ان کے پاس سواریاں نہیں ہیں۔ زاد راہ نہیں ہے۔ تو میرے اللہ نے ان کی تعریف کی۔ غمگین تو تھے ناں کہ ہم کیوں غزوے میں نہیں جاسکے۔ ہم پیغمبر کے ساتھ نہیں جاسکے۔ چلو اگر اسی طرح اس امت کو بیداری نصیب ہو جائے۔

آج سورہ مائدہ سے میں نے جو نزول قرآن کی آخری آیت اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق مفسرین کے دو بیانات ہیں۔ ایک مفسرین وہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ یہ آیت یوم عرفہ والے دن نازل ہوئی۔ آخری حج کے موقع پہ نو ذی الحج کو جب حج پڑھا جا رہا تھا تو میدان عرفات میں یہ آیت نازل ہوئی اور اسی لیے صحابہ یوم عرفہ کو کہتے تھے کہ ہمیں آج دو عیدیں ملیں۔ ایک حج کی عید اور ایک دین کے مکمل ہونے کی عید۔ کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ نہیں یہ آیت غدیر کے مقام پہ نازل ہوئی۔ آج چونکہ 18 ذی الحج ہے اور 18 ذی الحج کو ہی یوم غدیر ہوا تھا۔ تو اس لیے آج کے دن اس آیت کو پڑھنا اور اس کا مفہوم عرض کرنا ضروری ہے۔ میں کئی دفعہ یہ بات سوچتا بھی ہوں اور کرتا بھی ہوں کہ بڑے بڑے لوگوں کے دعوے ہیں کہ ہم مجاز کو حقیقت بنا کے بیان کر سکتے ہیں۔ آسمان سے تارے توڑ سکتے ہیں۔ سمندر کی تہوں میں جا کے بہت کچھ کر سکتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کسی کا نہیں ہے کہ ہم قرآن کی کسی آیت کی تفسیر مکمل بیان کر سکیں۔ اس لیے کہ یہ خالق کا کلام ہے۔ یہاں سب عاجز ہیں۔ بس جتنا جتنا عطا ہوتا ہے اللہ کی طرف سے اتنا اتنا ہم عرض کر دیتے ہیں۔ ہماری چونکہ عادت ہے کہ ہم تمام موقف جو ہیں وہ سامنے رکھتے ہیں۔ تو 9 ذی الحج کا اور 18 ذی الحج کا یہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ جو کہتے ہیں کہ 9 ذی الحج کو یہ آیت نازل ہوئی۔ کہنا ان کا بھی یہی ہے کہ یہ قران کی آخری آیت ہے۔ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آج کے دن اللہ نے تمہارا دین تم پہ مکمل کر دیا۔

اور یہ 18 ذی الحج کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مناسک حج ادا فرما کر واپس مدینہ شریف تشریف لا رہے ہیں۔ تو راستے میں ایک جگہ ہے جس کو غدیر کہتے ہیں۔ گاؤں کا نام ہے۔ تو یہ وہ جگہ تھی جہاں سے اب لوگوں نے نبی پاک ﷺ سے جدا ہو کے اپنے اپنے علاقوں کی طرف جانا تھا۔ یہ تھوڑا سا پس منظر آپ کے ذہن میں ہونا چاہیے۔

شام والوں کا راستہ علیحدہ تھا۔ مصر والوں کا علیحدہ تھا۔ یمن والوں کا علیحدہ۔ تو ہر ایک نے وہاں سے اب جدا ہونا تھا۔ امت کی آخری ملاقات تھی اپنے پیغمبر کے ساتھ۔ تو وہاں پہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو آگے لوگ گئے ہیں ان کو واپس بلاؤ اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کا انتظار کرو اور صحابہ فرماتے ہیں گرمی بڑی سخت تھی۔ ظہر کا وقت تھا۔ تو تپتا ہوا صحرا۔ صحرا میں آپ کو پتہ ہے، یہ کانٹے دار جڑی بوٹیاں بڑی پھر رہی ہوتی ہیں۔ تو میدان کو صاف کروایا گیا اور آپ کو تعداد کا علم ہے ناں۔ دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ 40 ہزار لوگوں نے حج پڑھا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ایک میں ایک لاکھ 24 ہزار لوگ۔ تو منبر لگوایا گیا۔ یہ اونٹ کا کجاوہ جو تھا ناں اس کا منبر بنایا گیا اور اب میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت سے آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔ تو اس موقع پہ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًاؕ۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا، لَكُمْ تمہارے لیے۔ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ اور میں نے اپنی نعمت تمام کر دی آپ کے اوپر۔ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًاؕ اور اللہ دین اسلام سے راضی ہو گیا۔

تو یہ غدیر کے موقع پہ جب آخری خطبہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا تو یہ مسند امام احمد کی روایت ہے۔ حدیث کی بڑی کتاب ہے۔ یہ امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، یہ جتنے بھی محدثین ہیں، جنہوں نے حدیث پہ کام کیا ہے، یہ ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ یہ سارے امام احمد بن حنبل کے شاگرد ہیں۔ تو اس لیے نے کہا کہ میں بخاری مسلم، دوسری حدیثوں کی بات کروں، میں ان کے استاذ کی بات کر لیتا ہوں تاکہ سارے شاگرد درمیان میں آ جائیں۔ تو میں مسند امام احمد سے یہ روایت آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پہ تشریف فرما ہوئے اور مولا علی سرکار کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے پاس بلایا۔ خطبے کا آغاز ہوا وہی جو نو ذی الحج کو یوم عرفہ والے دن کہ کیا میں نے اللہ کا پیغام آپ تک پہنچا دیا؟ سب نے کہا کہ ہاں پہنچا دیا۔ اللہ ان بندوں کی گواہی سن لے میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے۔ یہ ساری باتیں، آپ نے وہ خطبہ پہلے سنا ہوا ہے۔ اب یہاں پہ جو اضافی بات تھی،

وہ یہ تھی۔ اللہُ مولائی، اللہ میرا مولا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں اللہُ مولائی اللہ میرا مولا ہے و انامولاکم اور میں تمہارا مولا ہوں۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ وہاں کوئی مولوی موجود نہیں تھا، ورنہ شاید وہ نبی پاک پہ بھی شرک کا فتویٰ لگادیتے کہ اللہ بھی مولا اور آپ بھی مولا ہیں۔ اب اگلا جملہ تھا من کنت مولا فھذا علی مولا۔ اللہ میرا مولا ہے۔ میں تم ساری امت کا مولا ہوں۔ سب نے کہا کہ ہاں آپ ساری امت کے مولا ہیں۔ اب فرمایا کہ جو جو مجھے مولا سمجھتا ہے وہ علی کو مولا کہے۔من کنت مولا فھذا علی مولا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا۔ اور میں قربان جاؤں جس ہستی نے سب سے پہلے کھڑے ہو کے، سب سے پہلے، وہ ایک لاکھ چالیس ہزار یا چوبیس ہزار کے مجمع میں، جس شخص نے سب سے پہلے کھڑے ہو کے کہا علی آج کے بعد تو میرا بھی مولا ہے، وہ حضرت عمر فاروق کی ذات تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے مقام غدیر پہ سب سے پہلے کھڑے ہو کے حضرت علی کو مولا کہا تھا۔ اس کے بعد پھر باقی صحابہ نے۔ اچھا ایک اور بات میں بڑا حیران ہوتا ہوں، جو سب سے مضبوط روایت ہمارے پاس پہنچتی ہے ناں اس کو تواتر کہتے ہیں۔ حدیث متواتر کہ جس کو دس بندے روایت کریں، 20 کریں، 30 کریں۔ یہ بڑی بات ہوتی ہے ایک ہی بات کو دس صحابی بیان کر رہے ہیں، 20 صحابی بیان کر رہے ہیں، تیس صحابی بیان کر رہے ہیں، اس کو حدیث متواتر کہتے ہیں۔ یہ واحد حدیث ہے جس کو 110 صحابہ نے بیان کیا۔ 110 صحابہ نے اس حدیث کی روایت کی۔ پھر صحابہ اُٹھتے گئے اور علی کو اپنا مولا کہتے گئے۔

اب الفاظ پہ آپ نے غور کرنا ہے، اللہ فرمارہا ہے کہ آج دین مکمل ہو گیا۔ دین مکمل ہو گیا، کیا مطلب ہے کہ وحی ختم ہو گئی، نبوت ختم ہو گئی۔ اب کسی نبی کی، وحی کی، اب ضرورت نہیں رہی۔ دین کو مکمل کر دیا۔ یہی آیت کافی تھی۔ اتنا جملہ ہی کافی تھا کہ دین مکمل ہو گیا۔ نہیں۔ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ میں نے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اپنی نعمت بھی تمام کر دی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں محققین، علماء، محدثین سر پکڑ کے بیٹھ جاتے ہیں کہ اس کا کیا ترجمہ کریں؟ اس کی کیا تفسیر بیان کریں؟ اس جملے کو کیسے بیان کریں کہ میں نے اپنی نعمت آپ پہ تمام کر دی۔ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ کی صفات لامحدود ہیں۔ اس کی رحمت لامحدود ہے۔ اس کی تو کوئی انتہا نہیں۔ اس کی قدرت

لامتناہی ہے۔ اس کی طاقت، اس کی مملکت، لامتناہی ہے۔ وہ لامحدود اللہ جب کہے کہ میں نے تمام کر دی۔ اس لامحدود کے تمام کے معنی کون بیان کر سکتا ہے؟ کس کی جرات ہے؟ یہ کوئی معمولی جملہ نہیں تھا کہ وہ لامحدود اللہ، وہ لامتناہی صفات رکھنے والا اللہ، اس کی خوبیاں گننے میں نہیں آتی، تو جب وہ لامحدود کہے کہ میں نے تمام کر دی نعمت۔ تو کون جانے میرے محمد کی شان کو۔ جہاں لامتناہی انتہا کی بات کرے، تمام کی بات کرے۔ میں نے اپنی نعمت اے محبوب آپ پہ تمام کر دی۔ کیوں؟ یہاں ایک اصول سمجھ لیجیے۔ چونکہ یہ قادیانی مرزئی جو ہیں ناں وہ بھی یہی دلیل دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبوت رحمت ہے۔ نبوت جو ہے ناں یہ رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنی مخلوق کو رحمت سے دور نہیں کرتا۔ اب دو چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بات فرمائی بھی ہے کہ کوئی امت ایسی نہیں گزری جہاں ہم نے کوئی ڈرانے والا نہ بھیجا ہو۔ کوئی ایسی امت نہیں جہاں ہم نے کوئی اپنا ڈرانے والا، کوئی نبی، اپنا نمائندہ، خلیفہ نہ بھیجا ہو۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا نبی جس پہ نبوت ختم ہو گئی ہے وہ پردہ کر جائے۔ اب اس نبی کے پردہ کرنے کے بعد، اس دنیا کو چھوڑنے کے بعد قیامت تک جو انسان آنے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ یا تو حضور کے وصال کے ساتھ ہی یہ دنیا ختم کر دی جاتی کیونکہ اب نبی تو آنا کوئی نہیں یا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قیامت تک کے لیے، حضور کو ظاہری طور پہ زندہ رکھا جاتا۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ دین بھی مکمل، نبوت بھی ختم، وحی کا سلسلہ بھی ختم، اب قیامت تک اس دین نے بھی زندہ رہنا ہے۔ توحید نے بھی زندہ رہنا ہے۔ نبوت نے بھی زندہ رہنا ہے۔ نعمت بھی تمام ہو گئی۔ اب اس اللہ کے عدل کا تقاضا یہ تھا کہ نبوت ختم اس لیے کی ہے کہ اب یہ توحید کا پیغام ولایت کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ کام جو پہلے نبی کرتے تھے اب اس امت کے ولی کریں گے۔ اچھا کئی دفعہ لوگ ویسے مجھے پوچھتے بھی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم توحید کی بڑی بات کرتے ہیں۔ کوئی ہمارا لیکچر خالی نہیں ہوتا جس میں توحید کی بات نہیں کرتے۔ تو ان کو شاید پتہ نہیں کہ یہ جو پیغام ہے، اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اپنے ولیوں کے سپرد کیا ہے۔ تو جب اللہ کی شریعت، اس کی توحید کا پیغام نبوت سے ولایت میں منتقل ہوا تو اللہ نے کہا نعمت تمام کر دی۔ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت تھی ناں۔ تو ختم نبوت پہ یہ آیت نازل ہوئی کہ اب فکر نہ کرنا، کہیں حسین کربلا میں توحید کی بات کرے گا، کہیں امام جعفر صادق کھڑا ہو جائے گا، کہیں امام جعفر

صادق کا شاگرد نعمان بن ثابت امام اعظم ابو حنیفہ کھڑا ہو جائے گا۔ کہیں امام مالک اس کی ترویج و اشاعت کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔ کہیں غریب نواز اجمیر میں بیٹھ جائے گا۔ کہیں بابا فرید پاک پتن میں بیٹھ جائے گا۔ یہ جب نبوت سے یہ سلسلہ ولایت میں منتقل کیا تو اللہ نے فرمایا کہ نعمت تمام کر دی۔ لیکن پھر بھی مفسرین کا ذہن قاصر ہے وہ کہتے ہیں کہ لا محدود نے جب تمام کی بات کی تو یہ ہمارے بس کی بات ہی نہیں ہے کہ اس کو بیان کر سکیں۔ کیوں کہ اس کی تو ہر نعمت لا محدود ہے۔ اسی لیے آپ کے اولیاء کرام کے جتنے بھی سلاسل ہیں، وہ فیض کہاں سے لیتے ہیں؟ سرکار مولا علی کرم اللہ وجہ سے۔ آپ کا شجرہ بھی سرکار مولا علی پہ پہنچتا ہے۔ قادریوں کا سلسلہ بھی وہیں تک پہنچے گا۔ سہروردیوں کا بھی وہی پہ پہنچے گا۔ نقشبندی دو سلسلوں سے، ایک سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق تک لیکن وہاں بھی وہ امام جعفر صادق کے ذریعے سے پہنچتے ہیں۔ وہاں بھی وہ پہنچتے ہیں تو حضرت بایزید بسطامی کو امام جعفر صادق کے ساتھ۔ پھر بھی علی کے گھر سے ہو کے جانا پڑتا ہے اور دوسرا ان کا جو سرکار امام جعفر صادق سے امام باقر اور پھر امام زین العابدین سے ہوتا ہوا سرکار مولا علی تک پہنچتا ہے۔ تو نبوت کیوں ختم ہوئی؟ یہ پتہ چلا ناں کہ اللہ نے یہ نظام اب ولایت کے سپرد کر دیا۔اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔

اور یہ جو میں جملہ آپ سے عرض کیا کرتا ہوں کہ کوئی بندہ بھی اگر تمہیں، ہاں پھر وہ روایت بہت لمبی ہے لیکن اگلے دو جملے، اللہ میرا مولا ہے، میں تمہارا مولا ہوں اور جس جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہوں۔ اور اب اللہ سے دعا جو کی مولا! جو علی سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ اور جو علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ۔ امام مسلم اسی لیے مسلم شریف میں یہ روایت لیکر آئے کہ کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جس کے دل میں علی کی محبت نہ ہو اور وہ پکا منافق ہے جس کے دل میں علی کی نفرت ہے۔ بغض ہے۔ لیکن کچھ لوگ اس کو بھی پھر، ظاہر ہے جن کے اندر بغض علی ہے، وہ نہیں جی، مولا کا معنی دوست ہے، اس کا معنی کوئی آقا یا مولا تو نہیں ہے ناں۔ میں ان سے یہ جملہ کہا کرتا ہوں کہ نبی پاک نے اس کو conditional بیان کیا من کنت مولا فھذا علی مولا۔ جس کا میں مولا ہوں۔ کیا تو نبی کو آقا سمجھتا ہے کہ دوست سمجھتا ہے؟ پہلے اپنی پوزیشن کلیئر کرناں کہ تیرا پیغمبر سے تعلق

آقا اور بندے کا ہے یا برابری کا ہے؟ یہی تو پیغمبر نے شرط لگائی، جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ جو تو مجھے سمجھتا ہے وہی علی کو سمجھنا ہے۔ اس لیے کہ دین مکمل ہو گیا، وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

محدثین حضور کی وہ جو حدیث ہے، اس پہ بڑی بحث لکھتے ہیں انا مدينة العلم وعلي بابها کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ وہ اس آیت کے حوالے سے بھی اس روایت کو بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ کے گھر پہ کوئی سوالی آ جائے، مانگنے والا آ جائے۔ تو وہ آٹا، چاول، چینی جو کچھ بھی جانا ہے وہ کہاں سے جاتا ہے؟ گھر سے جاتا ہے۔ جاتا گھر سے ہے۔ ملتا در پہ ہے۔ ملتا دروازے پہ ہے۔ آتا حضور کے گھر سے ہے لیکن ملتا علی کے در سے ہے۔ چونکہ آج کا دن جو 18 ذی الحج کا ہے۔ یہ کچھ ہمارے مورخین کے نزدیک حضرت عثمان غنی کی بھی شہادت کا دن ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ کچھ شہادت کو 12 ذی الحج بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق تھے یعنی وہ جو نو سے 13 تاریخ تک ہے ناں، ان دنوں میں شہادت ہوئی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں ہی ایک شخص مدینے میں آ گیا اور اس نے آ کے کہا، اس نے کہا تمہارے قران میں ایک آیت ہے۔ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِير۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو وہ لوگوں سے کہنے لگا کہ کیا تمہارا اِس آیت پہ اعتبار ہے؟ یقین ہے؟ سب نے کہا کہ ہاں جب قرآن میں ہے تو پھر تو اعتبار ہے۔ یقین ہے۔ اس نے کہا اگر تمہارا اللہ ہر چیز پہ قادر ہے تو کیا وہ اپنے جیسا خدا بنانے پہ بھی قادر ہے؟ ہر چیز کا جو قادر ہے تو وہ اپنے جیسا کوئی خدا بھی بنانے پہ قادر ہے؟ یہ بڑا مشہور واقعہ ہے حضرت عثمان غنی کا دور تھا۔ تو لوگ پریشان ہو گئے کہ اگر کہیں کہ نہیں بنا سکتا تو پھر إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ نہیں رہتا اور اگر کہیں کہ بنا سکتا ہے تو پھر توحید خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ تو سر پھرے لوگ ہر دور میں ہوتے ہیں۔ ایک بندہ کہنے لگا اسے قتل کر دو۔ مار دو۔ تو اس شخص نے کہا دیکھو تم مجھے مار بھی دو گے تو میرا سوال زندہ رہے گا۔ تم مجھے مار دو گے اس سے کیا فرق پڑے گا؟ یہ اس مجمع میں جو لوگ ہیں، یہ سوال پوچھتے رہیں گے۔ تمہارا تو دین stake پہ لگ گیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ نکلے۔ آپ نے فرمایا اِدھر آ میں تمہیں دیتا ہوں جواب اس کا۔ انہوں نے اس شخص کو پکڑا اور سرکار مولا علی کے در پہ لے گئے۔ لوگ بڑے اکٹھے ہو گئے گھر کے

ارد گرد۔ سوال ہی بڑا عجیب تھا۔ مولا تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ کیا ہوا؟ کہا سرکار یہ سوال کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں بول۔ اس نے سوال دہرایا۔ اس نے کہا کیا تمہارا اللہ اپنے جیسا اللہ بنانے پہ قادر ہے؟ تو مولا علی سرکار مسکرائے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ قادر ہے لاکھوں کروڑوں خدا بنا سکتا ہے۔ لیکن فرق پتہ ہے کیا رہے گا؟ اس نے کہا جی کیا رہے گا؟ آپ نے فرمایا وہ ایک خدا بنائے، دو بنائے، دس بنائے، لاکھوں بنائے، خالق وہی رہے گا۔ اس کی توحید کو فرق نہیں پڑے گا۔ یہ ہزاروں خدا بھی اس کی مخلوق کہلائیں گے۔ اس لیے مارنا نہیں کسی کو۔ علم سے جواب دینا ہے۔ اس نے پھر حیران ہو کے پوچھا۔ اس نے کہا علی تیرے پاس یہ علم کہاں سے آیا؟ آپ نے فرمایا یہ میرے پیغمبر کے لعاب کا اثر ہے۔ اس لیے میں نے کہا تھا کہ خیرات آتی گھر سے ہی ہے، ملتی در سے ہے۔ انا مدينة العلم وعلي بابها۔

اور یہ ان کی جو محبت تھی، ان کا پیار تھا، بڑے بدبخت لوگ ہیں، جو آج کل صحابہ اور اہل بیت کی لڑائیاں بیان کرتے ہیں۔ ان سے بچ کے رہنا ہے۔ صحابہ کون ہیں؟ جن سے اللہ راضی ہے۔ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ [1] سبقت لے گئے۔ پہلے پہل ایمان لانے والے۔ حضرت عثمان غنی تو چھٹے آدمی تھے جنہوں نے دعوت اسلام قبول کی۔ بڑی لوگ بکواس کرتے ہیں ان کے متعلق۔ لیکن آپ نے قرآن کو سامنے رکھنا ہے۔ جب قران نے کہہ دیا کہ اللہ ان سے راضی ہے تو تم نے اللہ کو ناراض نہیں کرنا۔ عقیدہ میں نے کئی دفعہ آپ کے سامنے رکھا ہے کہ عقیدہ ہمارا یہ ہے کہ معصوم صرف نبی ہوتے ہیں۔ باقی غلطی تو ہر انسان سے ہو جاتی ہیں۔ صحابہ سے بھی ہو جاتی ہیں لیکن ان غلطیوں سمیت اللہ ان سے راضی ہے۔ اس لیے کبھی اللہ کا مقابلہ نہیں کرنا اور اللہ نے تو یہ بات اور آگے expand کر دی ناں۔ یہ جو آیت سنا رہا ہوں آپ کو۔ میں نے ایک دفعہ ایک شخص سے یہ بھی سوال کیا تھا پھر وہ سر جھکا کے چلا گیا۔ میں نے کہا دیکھ، حیا کرو۔ جب اللہ نے اپنا پیغام بھیجا تو فرمایا وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ [2] کہ جو آپ کے قریبی ہیں ناں، خاندان والے ان کو اسلام کا پیغام دیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دعوتیں کیں۔

---

[1] سورۃ التوبہ:100

[2] سورۃ الشعراء:214

اپنے خاندان والوں کیں۔ تو حضرت علی کے سوا کوئی ایمان نہیں نہ لایا۔ 10 سال کا بچہ صرف ایمان لایا۔ تو پھر میرے نبی اس پیغام کو لے کے کس کے پاس گئے؟ ابو بکر کے پاس گئے۔ عثمان کے پاس گئے۔ عمر کے پاس گئے۔ یہ میرے نبی کا وہ گلدستہ ہے جنھوں نے تکلیفوں میں اس دعوت کو قبول کیا۔ ایسے ہی اللہ نے نہیں یہ بات فرمادی وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ کہ یہ جو پہلے پہل سبقت لے گئے ناں۔ ان میں مہاجرین بھی ہیں، انصار بھی۔وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ میرے اللہ نے تو بات ہی بہت پھیلادی۔ اب وہ لوگ جنھوں نے صحابہ کی اتباع کی، ان کے پیچھے چلے۔بِاِحْسَانٍ۔ نیکی کے معاملے میں۔رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اللہ صحابہ سے بھی راضی ہوا اور صحابہ کے غلاموں سے بھی راضی ہوا۔

اور جب باغیوں نے حضرت عثمان غنی کے گھر کا محاصرہ کیا تھا تو اس گھر کے دروازے کی حفاظت امام حسن اور حسین کر رہے تھے۔ اس لیے ذرا ہوش سے حضرت عثمان غنی کے خلاف بات کرنا۔ مجھے کئی لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ اتنے اعتماد سے یہ بات کیوں کرتے ہیں؟ میں کہتا ہوں تم نے کتابوں میں، تاریخوں میں باتیں پڑھی ہیں۔ ایک تاریخ دوسری تاریخ سے نہیں ملتی۔ ایک عالم کی بات دوسرے عالم سے نہیں ملتی۔ ہمارے تک جو دین پہنچا ہے، وہ مشاہدے والا پہنچا ہے۔ تمہارے پاس سناسنایا پہنچا ہے۔ علی نے نبی کا مشاہدہ کیا اور دین حاصل کیا۔ حسن و حسین نے علی کا مشاہدہ کیا اور ہمارا جو سلسلہ جہاں تک پہنچتا ہے، امام حسن بصری نے مولا علی کے مشاہدے سے علم حاصل کیا۔ اور وہ شجرہ چلتا چلتا صوفی محمد یوسف صاحب تک پہنچا۔ ہمارا دین مشاہدے کا علم ہے۔ تمہارا سنا ہوا علم ہے۔ اس لیے ہمارا نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی جب اپنی فراست سے دیکھتا ہے تو وہ کہتا ہے، اللہ پاک محمد چار یار۔ وہ جب نبی کو دیکھتے ہیں تو چاروں یاروں کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ تو یہ دیکھے ہوئے علم اور سنے ہوئے علم میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میرے اللہ نے فرمایا، اللہ مہاجرین سے بھی راضی ہے اور انصار سے بھی راضی ہے۔ اور میں نے اس دن آپ سے کہا تھا کہ یہ چوتھے پارے میں جو غزوہ اُحد میں درّہ چھوڑ گئے تھے۔ غلطی تو ہو گئی تھی ناں۔ شکست ہو گئی۔ صحابہ سے

غلطی ہو گئی لیکن اللہ نے وہاں بھی فرمایا کہ محبوب میں نے بھی معاف کر دیا تو بھی کر دے اور اب ان سے آگے کاموں میں مشورہ بھی کیا کر۔

تو آج ہم نے چونکہ حضرت عثمان غنی کو بھی ہدیہ تبریک پیش کرنا تھا۔ اور ان کے لیے جو بات، خصوصی طور پہ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ میں اس شخص سے حیاء کیوں نہ کروں، حضرت اماں عائشہ صدیقہ اس کی روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب باقی صحابہ آئے تو روٹین میں بیٹھے ہوئے تھے اور پنڈلی مبارک سے کپڑا اہٹا ہوا تھا؛ تو جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی تو سرکار نے دروازے پہ روک دیا۔ سرکار اُٹھ کے بیٹھ گئے۔ کپڑے درست کیے۔ پھر فرمایا عثمان کو اندر آنے دو۔ آپ کو پتہ ہے مسلمانوں کو کنواں خرید کے دیا تھا پانی کے لیے۔ یہ مسجد نبوی شریف کی زمین حضرت عثمان غنی نے خرید کے دی تھی۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا کے جہیز کا سارا پیسہ حضرت عثمان غنی نے دیا تھا اور پھر وہ زرہ واپس بھی حضرت علی کو تحفے میں دے دی تھی شادی والے دن۔ تو اماں جی کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ابا جی آئے آپ بے تکلفی کے ساتھ بیٹھے رہے اور صحابہ آئے لیکن جب عثمان آیا تو آپ نے بڑا اہتمام کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں اس شخص سے حیاء نہ کروں جس سے آسمان کے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔ اور آج کا کوئی بدبخت آدمی اُٹھ کے ان کے خلاف بکواس کرے؟ اس لیے صحابہ کے متعلق کبھی آپ نے کوئی بات سنی بھی نہیں۔ کیوں؟ قران کی یہ آیت ذہن میں رہے۔ یہ سورہ توبہ کی آیت۔ گیارہویں پارے کی آیت جو میں نے آپ کو سنائی ہے کہ جن کے پاس میرا نبی دعوت لے کے گیا اور انہوں نے میرے نبی کا ساتھ دیا۔ اور جنہوں نے پھر صحابہ کی غلامی اختیار کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا۔

اس لیے آج غدیر کا بھی دن تھا۔ دین کی تکمیل کا بھی دن تھا۔ آخر میں میں حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کا وہ جملہ آپ کو ضرور عرض کروں گا۔ حضور مجدد پاک سے جب پوچھا گیا اِس دن کے حوالے سے۔ تو آپ نے بڑا عجیب جملہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا یہ تو مجھے وراثت میں چیز ملی ہے۔ جس دن میرے والد محترم کا انتقال ہونے لگا

تھا، حضور مجدد الثانی کے الفاظ ہیں، آپ فرماتے ہیں میں اپنے باپ کی چارپائی کے قریب بیٹھا تھا۔ تو میں نے پوچھا کہ ابا جی کس حالت میں اس دنیا سے جا رہے ہیں؟ کس حالت میں یہ دنیا چھوڑ رہے ہیں؟ موت کا وقت آ گیا ہے۔ تو فرماتے ہیں میرے ابا جی نے مجھے آخری جملے وصال کے وقت جو ارشاد فرمائے۔ آپ نے فرمایا بیٹا احمد۔ نام احمد تھا ناں، شیخ احمد سرہندی۔ آپ نے فرمایا بیٹا احمد، دل میں نبی کی آل کی محبت ہے اور صاحب ایمان دنیا سے جا رہا ہوں۔ یہ ہے ولایت جو نبوت کے بعد اب توحید کا کام کرے گی اور شرک کے خلاف لڑے گی۔ توحید پرست مشرک نہیں ہوتا۔ ہم آپ کو کیا سبق دیتے ہیں؟ عطا کرنے والی صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس منبر سے یہ سبق آپ کو بار بار کیوں دیا جاتا ہے؟ اس لیے کہ نبوت ختم ہوئی اور ہمیں مولا علی کے در سے یہی توحید ملی ہے۔ بابا فرید کے در سے۔ خواجہ غریب نواز کے در سے۔ تو توحید کا سبق بھی دینا ہے اور شرک کے خلاف لڑنا بھی ہے۔ اللہ تعالی نے یہ بڑی مہربانی فرمائی کہ جب نبوت ختم کی تو یہ سارا نظام ولایت کے سپرد دیا۔ اللہ تعالی ہمیں صحابہ اور یہ امت کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

موت سے فرار ممکن نہیں

قرآن: قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ سورۃ جمعہ:8

ترجمہ:- تم فرماؤ: بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو پس وہ ضرور تمہیں ملنے والی ہے پھر تم اس کی طرف پھیرے جاؤ گے جو ہر غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال بتادے گا۔

خاکہ:-

1. کائنات کی سب سے بڑی حقیقت۔
2. زمانے کو بُرا نہ کہو (حدیثِ نبویؐ)
3. مالک رب العلمین، نبی رحمت للعلمین، تو شمسی و قمری تمام سال بھی اسی کے ہیں۔
4. ایک کنکشن ہے جو انسان کو زندہ رکھتا ہے۔
5. اگر کنکشن بحال ہے تو مر کر بھی موت نہیں آتی۔
6. جب تک آسمان سے فیصلہ نہ آئے زمین والے کچھ نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کا جو ذکر فرمایا ہے وہ موت ہے۔ جس سے کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا۔ کوئی مذہب انکار نہیں کر سکتا۔ کوئی فلسفہ انکار نہیں کر سکتا۔ موت انسان کی سانس کو بھی آتی ہے، لمحات کو بھی آتی ہے، نظریے کو اور مقصد کو بھی آتی ہے۔ ہاں اس کا صرف یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان کی صرف سانس رک گئی اور موت آگئی۔ اگر آپ زندگی کا مقصد اللہ کے خلاف لیکر چلیں گے تو آپ کے مقصد کو بھی موت واقع ہو جائے گی۔ آپ کا نظریہ موت کا شکار ہو جائے گا۔ وقت کا ہر لمحہ موت کا پیغام لیکر آتا ہے۔ اسی طرح یہ دن اور رات، مہینے، سال اور صدیاں گزرتی ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک سیکنڈ جو ہے، ایک لمحہ جو ہے، ساری دنیا بھی کوشش کرے اس لمحے کو واپس نہیں لا سکتی۔ یہ کسی کی جرات نہیں۔ آپ کا ایک سال اور گزر گیا، شمسی سال کا۔ 2021 جو ہے وہ شروع ہوا اور جمعۃ المبارک، سید الایام ہے، اس سے آغاز ہوا ہے۔

یہ بات پہلے بھی میں نے آپ سے کہی ہے۔ پتہ نہیں ہمارے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ پچھلے جمعہ کی طرح اس دفعہ بھی، یہ تو جی عیسائیوں کا سال ہے۔ پتہ نہیں یہ جہالت کون پھیلا رہا ہے؟ ہمارا تو جی وہ چاند والا سال ہے، یہ تو عیسائیوں کا ہے۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ [1]۔ زمانے کو، وقت کو گالی نہ دیا کرو۔ دھر، زمانے کو کہتے ہیں۔ وقت کو کہتے ہیں۔ زمانے کو گالی مت دیا کرو۔ زمانہ تو میں ہوں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ جملے ادا ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ساری دنیا بھی کوشش کر لے ایک لمحے کو بھی واپس نہیں لا سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے یہ طاقت دی ہے کہ سورج غروب بھی ہو جائے تو اس کو واپس لا سکتے ہیں۔ اس وقت کو آگے کرنا ہو، پیچھے کرنا ہو، تو یہ اختیار صرف میرے پیغمبر کا ہے۔ باقی کسی کی جرات نہیں۔ کسی کی طاقت نہیں۔

دوسری بات یہ ذہن میں رکھا کریں کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھنی ہے تو سورج کو دیکھ کر پڑھنی ہے۔ عصر پڑھنی ہے تو سورج کو دیکھ کر۔ شام آپ نے غروب آفتاب پہ پڑھنی ہے۔ روزہ آپ نے سورج غروب ہونے پہ کھولنا

[1] صحیح مسلم / کتاب الألفاظ من الأدب وغیرھا / حدیث: 5863

ہے۔ یوم عرفہ والے دن، وقوف عرفہ آپ نے سورج کو دیکھ کر کرنا ہے۔ تو ہماری تو زیادہ عبادات سورج کیساتھ لگی ہوئی ہیں تو اس کو آپ کافروں کا سال کیسے کہہ دیتے ہیں۔ تو پتہ نہیں یہ جہالت کون پھیلا رہا ہے سوشل میڈیا پہ۔ یہ سارے چاند، سورج اور ستارے میرے اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ کسی مقصد کیلئے پیدا کیے ہیں۔ میں نے اس لیے اس دن یہ جملہ کہا تھا کہ اگر ایسے ہی ہوتا تو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین کو تقسیم کر دیتے کہ یہ کافروں کی زمین ہے اور یہ مسلمانوں کی۔ نہیں۔ جو رحمت اللعالمین ہے وہ کیسے زمین کو تقسیم کر سکتا ہے۔ جو عالمین کیلئے شہنشاہ ہے۔ جو عالمین کا بادشاہ ہے۔ جو عالمین کیلئے رحمت ہے۔ تو وہاں یہ تقسیم نہ کیا کریں کہ یہ سال مسلمانوں کا ہے اور یہ سال کافروں کا ہے۔قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا[1]۔ کل کائنات کیلئے یہ رسول تشریف لائے ہیں۔

اللہ بھی رب العالمین ہے۔ بڑا دکھ ہوتا ہے ہمارے مسلمانوں کی یہ حالت بھی ہونی تھی۔ آج ہم نے کچھ چیزوں کو جو اللہ نے پیدا کی ہیں، اللہ تعالی کے متعلقہ ہیں، اللہ کا نظام ہے، امور تکوینی ہیں امور تشریعی نہیں ہیں، یہ سورج چاند ستارے یہ سارے امور تکوینی کے تحت کام کرتے ہیں اپنی مرضی سے نہیں کرتے۔ سورج عیسائی یا یہودی نہیں ہوتا وہ تو اللہ تعالی نے جس کام میں اس کو لگایا ہوا ہے وہ لگا ہوا ہے۔ یہ آپ کے رات اور دن اسی سورج کے ساتھ بنتے ہیں۔ تو خدا کے لیے ایسی چیزوں سے پرہیز کیا کریں۔ چاند والا سال بھی ہمارا ہی ہے سورج والا سال بھی ہمارا ہے۔ بس اللہ تعالی اس میں مسلمانوں کے لیے خیر و برکت نازل فرمائے۔ آمین۔ بیماریوں سے، بھوک افلاس سے، جہالت سے جو سب سے بڑی بیماری ہے۔ اللہ نجات دے اور ہمیں واقعی جس مقصد کے لیے اللہ نے پیدا کیا ہے اس مقصد کے تحت زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ جو آیۃ مبارکہ تلاوت فرمائی ہے۔ اس کے لیے سب سے بڑی حکمت یہی جو بیان فرمائی کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم، مخاطب تو یہود ہیں لیکن اس حوالے سے آگے پھر پوری امت کو یہ سبق دیا گیا ہے (تَفِرُّوْنَ) یہ موت جس سے تم فرار اختیار کرتے ہو بھاگتے ہو مرنا نہیں چاہتے کسی بندے کا جی نہیں چاہتا مرنے کا اور

---

[1] سورۃ الاعراف:158

مجبوری کیا ہے (فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ) اس میں شک نہ کرنا کہ اس موت نے تم سے ملاقات تو کرنی ہے۔ تو جو کام ہونا ہی ہونا ہے اس سے فرار اختیار کیا کرنا ہے۔ یہ تکوینی امر پھر آگیا ناں ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھتے رہے یہ میرے اختیار میں نہیں ہے کہ اگر میں نہیں مرنا چاہتا تو نہیں مروں گا یہ تکوینی امر ہے۔ (فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ) اس نے تم سے ملاقات کرنی کرنی ہے۔ جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ خلا میں چلے جاؤ۔ زمین کی تہوں میں چلے جاؤ۔ بڑے بڑے محلات میں اپنے آپ کو محصور کرلو۔ زیر زمین دیواروں میں چھپ جاؤ کے فرشتہ کہاں سے آئے گا۔ وہ اٹلی کا تھا ایک بادشاہ، اس نے زیر، زمین محلات بنائے تھے۔ اس غرض سے کہ فرشتہ کہاں سے آئے گا۔ تو یہ تکوینی امر جب آج تک سمجھ نہیں آسکا تو جو فرشتوں کے بھی امام ہیں، امام الانبیاء، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کے متعلق پھر اپنی ذات کو دیکھ کر قیاس نہ کیا کرو۔ کیسی میری فریاد کو سنیں گے۔ کیسے میرے درود کو سنیں گے۔ تم تو ان کے غلاموں کی آمد کو نہیں سمجھ پائے۔ دیواریں بند کرلو، شیشے لگالو۔ فرشتہ کہاں سے آئے گا؟ اللہ فرماتا ہے بس اس نے تم سے ملاقات کرنی ہی کرنی ہے۔

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ پھر تم پلٹائے جاؤ گے۔ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ۔ اس کی طرف جو غیب کو بھی جانتا ہے اور حاضر کو بھی جانتا ہے۔ تو جب حاضر پھر اسی دربار میں ہونا ہے تو کتنا فرار اختیار کر لے گا اب یہاں بھی بات نہیں ختم کی۔ فَيُنَبِّئُكُمْ پھر وہ اللہ تجھے بتائے گا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جو کچھ تم اس دنیا میں کرتے رہے۔ اب ذرا انسان اس پہ تھوڑا سا غور کر لے کہ ملاقات تو موت نے کرنی کرنی ہے۔ میں جو جی چاہے کرلوں۔ انسائکلوپیڈیا برٹانیکا میں، میں نے پہلی دفعہ جب دیکھا، اس میں ایک ریسرچ لکھی ہوئی تھی۔ وہ ریسرچ برطانیہ میں ہی ہوئی۔ سات ہزار لوگوں پہ ان ڈاکٹروں نے ریسرچ کی۔ جن کا دماغ بھی ٹھیک ہے، دل بھی ٹھیک ہے، گردے بھی ٹھیک ہیں، معدہ بھی ٹھیک ہے۔ ان کو کہتے ہیں اعضائے رئیسہ۔ اگر آپ کا دل بند ہو گیا ہے تو ہر شے ہی بند ہو گئی ناں۔ مثلاً انگلی اگر آپ کی تھوڑی سی خراب ہوئی تو انگلی کٹ جائے گی۔ تو آپ کی زندگی چلتی رہے گی لیکن اعضائے رئیسہ ان کو کہتے ہیں جن کے بغیر زندگی نہیں چل سکتی۔ آپ کے گردے ختم ہو گئے تو زندگی ختم۔ تو یہ جو

اعضائے رئیسہ تھے، جگر تھا، دل تھا، گردے تھے، دماغ تھا اس پہ ریسرچ کی۔ 7 ہزار لوگوں پہ کہ ایک بندہ ہے جس کے اعضائے رئیسہ بالکل ٹھیک ہیں۔ دل صحیح کام کر رہا ہے۔ گردے ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ دماغ صحیح کام کر رہا ہے لیکن پھر بھی مر جاتا ہے۔ ایک تو آپ یہ کہتے ہیں ناں کہ اس کے اعضائے رئیسہ ختم ہو گئے تو موت آ گئی۔ بھائی ایک وہ بندہ جو بالکل تندرست ہے۔ تو بڑی پیاری تحقیق انسائیکلوپیڈیا میں لکھی گئی ہے کہ پھر ان ڈاکٹروں نے اپنے پروفیسر سے یہ بات کی کہ ہم حیران ہیں کہ ایک بندے کے اعضائے رئیسہ بالکل ٹھیک ہیں، پھر وہ کیوں مرتا ہے؟ تو آخر میں جملہ بڑا کمال کا انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہوا ہے۔ ان کے پروفیسر نے جو بات کہی، اس نے کہا کہ انسان ان اعضائے رئیسہ سے زندہ نہیں رہتا۔ انہوں نے کہا پھر کس بات سے زندہ رہتا ہے؟ اس نے کہا ایک کنکشن ہے جو نظر نہیں آتا۔ اگر کسی بندے کے اعضائے رئیسہ ٹھیک ہوں لیکن کنکشن کٹ جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو اصل میں بندہ اس وقت مرتا ہے جب کنیکشن کٹتا ہے۔ میں نے تو جب اس تحریر کو دیکھا تو یقین جانیے میرے بڑے مسائل حل ہوئے۔ مسلمان آج کیوں مر رہے ہیں؟ اس لیے کہ ان کا نبی سے کنکشن کٹ گیا۔ جہاں جہاں بھی آپ کا کنکشن کٹ گیا موت آ جائے گی اور اگر کنکشن جڑا رہے تو پھر یہ سوکھی لکڑی جو ہے اس کو بھی موت نہیں آتی۔ پھر بندہ مر کے بھی نہیں مرتا۔ پھر قرآن کہتا ہے کہ ان کی موت کے متعلق گمان بھی نہ کرنا وہ زندہ ہیں یہ موت ان کو نہیں مار سکتی۔ مرتے وہ ہیں جن کا کنکشن کٹ جاتا ہے۔ ایک ایسا بھی شخص گزرا ہے، یہ میں فرار کی باتیں اپ کو بتا رہا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں سے فرار اختیار کریں گے تو بچ جائیں گے۔ اس نے کہا میرے پاس بڑا پیسہ ہے، بہت بڑا آرٹسٹ تھا، میں 200 سال زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ چھ ماہرین ڈاکٹر اپنے ساتھ رکھے۔ 27 لوگ ان ڈاکٹروں نے کہا کہ ان کو بھی ساتھ رکھنا ہے کہ اگر کوئی اعضاء خراب ہو جائیں تو ان کا نکال کے تجھے ڈال دیں گے۔ 27 وہ لوگ، ان کی پرورش ہو رہی ہے۔ چھ ڈاکٹر جو ہر روز چیک اپ کرتے ہیں۔ کتنی کیلوریز کی ضرورت ہے، خوراک اس کے مطابق ملے گے۔ بس ایک دن کنکشن کٹ گیا۔ 50 سال کی عمر میں ہی کٹ گیا۔ اس نے 200 سال کی پلاننگ کی تھی۔ یہاں بڑے بڑے فرعون جو کہتے ہیں ہمارے حکم کے بغیر پتہ نہیں ہلتا۔ کہتے ہیں جو ہمارا جی چاہے ہم کریں لیکن جب موت کا وقت آتا ہے تو پھر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ مقبرے بنوائے لوگوں نے لیکن دریا میں غرق ہو

گئیے۔ لاشیں ہی نظر نہیں آئیں۔ یہ فرار قرآن کہہ رہا ہے قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ تم جتنا جی چاہے بھاگ لو۔ جتنا جی چاہے دوڑ لگا لو اس نے تم سے ملاقات کرنی ہی کرنی ہے۔ اور ملاقات کے بعد تیرے چھپے ہوئے اعمال اور تیرے سارے اعمال اللہ کے سامنے پیش ہونے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ تو کرتا رہا ہے۔ صرف جانتا ہی نہیں فَیُنَبِّئُكُمْ وہ تمہیں بتائے گا بھی۔ جو جو کچھ کرتوتیں تم نے کی ہیں۔ پچھلی آیت میں اللہ نے فرمایا تھا ناں وَ لَا یَتَمَنَّوْنَهٗ یہ یہود کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ان کو پتہ ہے ہم نے کرتوت کیا کیے ہیں۔

اور دوسرے وہ انسان بھی ہیں، مجھے سب سے بڑیا واقعہ جو نظر آتا ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ بستر مرگ پہ تھے۔ پردہ ہٹا کے جب ان کے خیمے میں ایک شخص داخل ہوا۔ ان کا اپنا ہی تھا۔ تو کہنے لگے کہ میری یہ دائیں ٹانگ دیکھو ذرا۔ کوئی ایسی جگہ تو نہیں ہے جہاں پہ زخم کا نشان نہ لگا ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں جی، پوری ٹانگ پہ زخموں کے نشانات ہیں۔ فرمایا میری بائیں ٹانگ دیکھو۔ اس نے کہا اس پہ بھی زخم ہی زخم ہیں۔ میری پشت دیکھو۔ میرے بازو دیکھو اور پھر زار و قطار رونے لگے۔ کہنے لگے یہ سارے زخم پتہ ہے میں نے کس لیے کھائے تھے کہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہو جائے۔ ایک وہ بھی لوگ ہیں جو میدان جہاد میں جاتے ہی موت کے لیے ہیں۔ گھر واپس پلٹنے کے لیے جاتے ہی نہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ نے غزوہ بدر کے موقع پہ کہا تھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ حکم تو دیں، سامنے سمندر آجائے گا ناں، چھلانگیں لگا دیں گے۔ کبھی پلٹ کر بھی نہیں دیکھیں گے کہ ہمارے پیچھے بیوی بچے بھی ہیں۔ ہمارے گھر بھی پیچھے ہیں۔ ہمارے باغات، کاروبار بھی ہیں۔ آپ حکم تو دیں۔ ہم کوئی قوم موسیٰ کی طرح نہیں ہیں کہ کہیں گے جا اے نبی تو اور تیرا اللہ جا کے دشمنوں سے لڑے۔ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ جب بڑا شدید رونے لگے تو صحابہ اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے کہا خالد کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا بس ساری زندگی میدان جہاد میں گزری، اتنے زخم کھائے ہیں، ایک ہی خواہش تھی کہ میدان جنگ میں مجھے شہادت نصیب ہو اور آج خالد بن ولید اپنے بستر پہ مر رہا ہے۔ یعنی وہ موت کو ایسا سمجھتے تھے کہ موت تو آنی ہی آنی ہے۔ ملاقات تو ہونی ہونی ہے۔ کیوں نہ کسی مقصد کے لیے یہ جان دی جائے۔ آخر پھر صحابہ نے کہا خالد تمہیں کیسے میدان جہاد میں موت آسکتی تھی۔ جب

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خالد سیف اللہ ہے۔ اللہ کی تلوار ہے۔ اب اللہ کی تلوار کو کیسے کوئی مار سکتا تھا۔ اب کیسے کسی کی جرات ہوتی؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو نہیں فرمایا کہ اس کے ہاتھ میں جو تلوار ہے وہ اللہ کی ہے۔ فرمایا تھا خالد سیف اللہ ہے۔ سبحان اللہ۔ شاید آپ ابھی وہاں پہنچے نہیں، جہاں میں لے جانا چاہتا تھا۔ بھائی یہ خالد جو ہے یہ سیف اللہ ہے۔ یہ اللہ کی تلوار ہے۔ اب اگر اس پہ کوئی اور تلوار غالب آجائے تو اللہ کی توہین ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی لیے تو ادھر کیا ہے؟ جی چار لاکھ کا لشکر ہے۔ خالد کتنے لوگوں سے لڑو گے؟ بس تین ہزار کافی ہیں، چار ہزار کافی ہیں۔ لاکھوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ شہادت ہے مطلوب و مقصود نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی۔ یہ جو لوگ پھر موت سے فرار نہیں ناں اختیار کرتے بلکہ موت کی انکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہیں۔

اچھا یہاں ویسے عجیب بات میں آپ کو بتاؤں۔ ادھر کہا کہ خالد سیف اللہ ہے۔ اور ادھر کیا فرمایا لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ ادھر علی کو سیف اللہ نہیں کہا۔ علی کے ہاتھ میں جو تلوار ہے ناں اس تلوار کی کیا بات ہے۔ علی جیسا جواں کوئی نہیں۔ لافتی الا علی۔ علی جیسا جوان کوئی نہیں اور ذولفقار جیسی تلوار کوئی نہیں۔ پھر جب کہا گیا ناں کہ خارجی آپ کو مارنا چاہتے ہیں لیکن بات تو پھر وہ جو میں اکثر آپ کو یقین کی کہا کرتا ہوں۔ یہی اللہ کی معرفت ہے۔ اگر اللہ پہ یقین آپ کا پختہ ہو جائے۔ اچھا دو چیزیں یہاں سمجھنے والی ہیں۔ ایک تو سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ آگے آگے انسان جا رہا ہے پیچھے اس کا رزق ہے۔ اس رزق کے پیچھے موت ہے۔ یہ نہیں کرنا کہ رزق کے پیچھے تم نے بھاگنا ہے۔ بلکہ اللہ نے نظام ایسا بنایا ہے کہ رزق آپ کے پیچھے بھاگتا ہے۔ ترتیب یہ نہیں ہے کہ رزق آگے اور آپ رزق کے پیچھے۔ نہیں نہیں۔ ترتیب یہ ہے کہ رزق انسان کے پیچھے جاتا ہے اسی لیے آپ سوئے ہوئے بھی ہوں تو یہ سانس لینے کا رزق آپ کو خود بخود ملتا رہتا ہے۔ سب سے بڑا اور اہم رزق جو ہے یہ سانس ہے۔ آپ سو بھی گئے ہیں تو آپ کو مل رہا ہے اور فری میں مل رہا ہے۔ اس کے لیے کوئی تگ و دو نہیں ہے۔ کوئی کوشش نہیں ہے۔ یہ جتنی آپ کو کوششیں کرنا پڑتی ہیں ناں وہ اصل میں آپ کے لیے اہم نہیں ہوتا جو ضرورت ہے وہ آپ کو خود بخود ملتی رہے گی۔ اسی لیے بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ قرض بھی لینا ہو تو ضرورت کے لیے لیا کرو، خواہش کے لیے نہ لیا کرو۔ جو ضرورت ہے وہ اللہ تعالی آپ کی پوری کرتا رہے گا۔ یہ آپ خواہشوں کے

پیچھے بھاگ بھاگ کر اپنا بیڑا غرق کرتے ہیں اور خواہشیں کبھی کسی کی پوری نہیں ہوئیں۔ کوئی بندہ ایسا نہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر ایک وادی سونے کی انسان خواہش کرے اللہ تعالی اس کو وہ وادی عطا کر دے۔ تو وہ دوسری وادی کی خواہش کرے گا۔ اگر دوسری مل جائے تو وہ تیسری کی کرے گا۔ خواہش کبھی پوری نہیں ہوئی اور یہ خواہش کا پیٹ تو صرف قبر کی مٹی سے پورا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں ہوتا۔ تو سرکار مولا علی سے جب کہا گیا کہ آپ باڈی گارڈر کھ لیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک ایک سانس کا رزق بھی میرے پیچھے موجود ہے موت مجھے پکڑ ہی نہیں سکتی۔ بھائی درمیان سے رزق ختم ہو گا تو موت میرے تک پہنچے گی۔ ایک قطرہ پانی کا، آپ دیکھتے ہیں، کہتے ہیں یار بندہ جو ہے وہ گھر ہی مر رہا تھا، ہسپتال لیکر گئے بوتل لگوائی۔ بھائی وہ بوتل کے پانی کا ایک قطرہ اگر اس کے جسم میں داخل ہونا تھا، جہاں موجود تھا، جب تک وہ اس کے اندر نہ جاتا اس کو موت آ نہیں سکتی۔ یہ رزق کا نظام ہے اللہ کا۔ وہ دوائی کی صورت میں جائے۔ وہ پانی کی صورت میں جائے۔ جہاں جہاں وہ رزق پھیلا ہوا ہے وہاں انسان نے پہنچنا ہوتا اور دوسری ایک بڑی بات، آپ نے فرمایا کہ موت میری سب سے بڑی محافظ ہے۔ مجھے باڈی گارڈز کی ضرورت نہیں۔ یہ سکیورٹی گارڈز کی مجھے نہیں ضرورت۔ موت میری سب سے بڑی محافظ ہے۔ جب تک انسان کے پیچھے رزق موجود رہتا ہے وہ چاہے 10 سال کومے میں رہے۔ ہل جل نہ سکے لیکن صرف سانس آتی رہتی ہے۔ موت نہیں پکڑ سکتی۔ دوسرا پھر صحابہ نے کوشش کی کہ مولا علی تو نہیں مانتے سکیورٹی گارڈز کے حوالے سے۔ ہم اپنے طور پر ان کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری لے لیں۔ رات کو گھر میں موجود ہیں تو گھر کے ارد گرد پہرا دیا کریں، دشمن بہت ہو گئے ہیں۔ اگر مسجد میں آتے ہیں تو مسجد کہ گرد پہرہ دیا کریں۔ ایک دن سرکار تہجد پڑھ کے گھر کو جا رہے تھے تو ان بندوں سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا بھائی تم کیسے پھر رہے ہو ادھر۔ انہوں نے کہا حضور سچی بات یہ ہے کہ ہم نے کہا کہ مولا علی سرکار تو احتیاط نہیں کرتے ہیں تو ہم خود ہی ان کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری لے لیں۔ بھائی محبت والوں کی بھی اپنی نشانیاں ہوتی ہیں۔ اظہار تو پھر ہو جاتا ہے۔ تو اب آپ جب مسجد میں آئے تھے تو ہم پھر مسجد کے ارد گرد کھڑے ہو گئے تھے۔ پہلے آپ تہجد کے بعد نماز یہاں پڑھ کے گھر جاتے تھے تو آج آپ اچانک نکلے ہیں تو ملاقات ہو گئی۔ سرکار نے بڑے حکمت والے دو تین جملے ارشاد فرمائے۔ آپ نے فرمایا تم

میری کن مصائب سے حفاظت کروگے؟ جو آسمان کی طرف سے آنے ہیں یا زمین والوں کی طرف سے آنے؟ میں نے اس کی تشریح میں نہیں جانا۔ جتنی جتنی کسی کو سمجھ ہے وہ خود اس سے حاصل کر لے۔ فرمایا جو تکلیفیں، مصائب آسمان کی طرف سے آنے ہیں ان سے میری حفاظت کروگے یا جو زمین والوں کی طرف سے آنے ہیں ان سے میری حفاظت کروگے؟ کہنے لگے سرکار آسمان والے تو ہمارے اختیار میں ہی نہیں ہیں۔ جو کچھ آسمانوں سے آنا ہے وہ تو ہمارے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا پھر زمین والے کچھ نہیں کر سکتے جب تک آسمان سے فیصلہ نہ آئے۔ زمین والے کچھ نہیں کر سکتے اس لیے اپنے اپنے گھروں میں جا کے آرام سے سو جاؤ۔ ایک یہ بھی ہے جو موت سے فرار اختیار نہیں کرتے اور پچھلی آیت ذہن میں رہے کہ ایک وہ ہیں جو موت سے فرار اختیار کرتے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے تم یہ موت سے ضرور ملاقات کرے گی پھر تم پلٹائے جاؤ گے ظاہر اور غیب کے جاننے والے کے پاس اور پھر اللہ تمہیں بتائے گا جو تم کرتوتیں کرتے رہے ہو اور ایک وہ ہیں جو آگے بڑھ کے موت کو گلے لگاتے ہیں۔ وہ فرار اختیار نہیں کرتے وہ تیار رہتے ہیں ہر وقت شہادت کے لیے۔ غالب نے کہا تھا جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی اس میں بھی تو نے کیا بھائی کوئی کمال کر دیا کہ میں نے اللہ کی بارگاہ میں جان قربان کی۔ تیری اپنی تھی؟ مثلاً یہ دو ٹکے دے کے بڑی بات کرنا۔ یہ کوئی تیرے تھے پیسے جو تو نے دیے ہیں؟ تو غالب نے کہا یہ بڑا کہ جی جان دے دی وہ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ اس لیے جن کو پتہ ہے اس کی امانت ہے اس کی راہ میں ہر وقت دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ وہ نہیں ڈرتے اس موت سے۔ بس ڈرتے ہیں تو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اس دل کے پاک برتن میں کوئی نافرمانی کا چھینٹا نہ گر جائے۔ اس بات سے ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

ختم نبوت کانفرنس

قرآن: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (45)

ترجمہ: اے نبی! بیشک ہم نے تمہیں گواہ ابنا کر بھیجا ہے۔

خاکہ:

1. توحید ورسالت کا وژن عالمین کا وژن ہے۔
2. معصوم کون ہوتا ہے؟
3. سارے دین کی عمارت صرف اعتبارِ محمد ﷺ پہ کھڑی ہے۔
4. دشمنان اسلام کی سازش
5. عقلمند کون ہو گا؟
6. عقل کے مراحل۔
7. اسلام کے دشمن تو سارے اکٹھے ہیں لیکن یہ حرم کے محافظ اکٹھے نہیں ہیں۔
8. خانہ کعبہ میں اللہ کسی فرقے کو نہیں بلاتا، امت کو بلاتا ہے۔
9. چاک دامنی دیکھ اور پاک دامنی کا اندازہ کرلے۔
10. لمس اور مس میں فرق۔
11. محبوب کی عزت کا معاملہ۔
12. اگر میرے پیغمبر سے بے وفائی کروگے ناں، پھر اللہ تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز علماء، سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم !

یہ چیز ذہن میں رہے توحید اور رسالت کے حوالے سے، مشن جو ہوتا ہے، آج آپ مشن پہ بیٹھے ہیں، اس کے پیچھے ایک وژن ہوتا ہے۔ اگر آپ کا وژن چھوٹا ہوگا ناں تو مشن کبھی بڑا نہیں ہو سکتا۔ توحید کا وژن، عالمین کا وژن ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ رسالت کا وژن بھی عالمین کا وژن ہے۔ تو جب تک آپ کے ذہن میں عالمین نہیں آئیں گے ناں تب تک آپ کو نہ توحید کی سمجھ آسکتی ہے اور نہ رسالت کی سمجھ آسکتی ہے۔ آج ظاہر ہے نبوت تو ختم ہو گئی، ساری ذمہ داری ہماری ہے۔ ہم نے عالمین کے وژن کو لیکر آگے چلنا ہے۔

اس دور میں پہلی چیز یہ دیکھنی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ مرزا قادیانی کی چند باتیں کریں گے، اس حوالے سے جو اس نے کتابیں لکھیں، جو تحریریں لکھیں؟ آج کے دور کے مسائل اور ہیں۔ ختم نبوت کے حوالے سے آج کے دور کے مسائل اور ہیں۔ میں چونکہ مختلف یونیورسٹیز میں لیکچر کیلئے جاتا ہوں، ابھی تھوڑے دن پہلے مَیں ایک یونیورسٹی میں لیکچر کیلئے گیا تو ایک بچے نے سوال کر دیا۔ اس نے کہا کہ آج کل یہ چیز چل رہی ہے کہ ہم مختلف جگہ پہ فارم فِل (Form fill) کرتے ہیں، آفس میں، ائیر پورٹ پہ، تو خانہ ہوتا ہے مسلم (Muslim) اور نان مسلم (Non-Muslim)۔ یہ جو ان کی تحریک ہے یہ کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ اب مسلمان اور کافر کی جو تقسیم تھی وہ انہوں نے ختم کر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ اب آپ کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ جب تک آپ کسی پہ حجت تمام نہ کریں۔ اس وقت تک آپ کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے اور حجت تمام صرف نبی کر سکتا ہے۔ یہ ہماری یونیورسٹیز میں بچوں کی یہ برین واشنگ کی جا رہی ہے کہ حجت تمام آپ کے اوپر صرف نبی کر سکتا ہے۔ باقی کوئی حجت تمام نہیں کر سکتا اس لیے آپ کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ وہ جو کہ نبی پاک ﷺ کے دور میں کافر تھے، ٹھیک ہے وہ کافر تھے چونکہ حضور نے ان کے سامنے حجت تمام کر دی۔ اب کوئی تم میں سے کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے دین صحیح طریقے سے کسی کے سامنے پیش کر دیا ہے؟ حجت تمام کر دی ہے؟ اور وہ (مرزائی) یہ کہتے

ہیں کہ مرزا کی ضرورت اس لیے ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی رحمت (نبوت) کسی سے چھین لے اور اس کو ماننا اس لیے ضروری ہے کہ اب حجت تمام مرزا کرے گا۔ اور محمد رسول اللہ (نعوذ باللہ) مرزا کی شکل میں دوبارہ آ گئے ہیں۔ یہ آج کل کا جو معاملہ ہے وہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

وہ کہتے ہیں معصوم حجت تمام کر سکتا ہے۔ اس لیے ہمارے جتنے بھی دفاتر ہیں، ان میں کافر کا خانہ ختم کر دیا گیا ہے۔ وہاں پہ مسلم اور نان مسلم کی تقسیم ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی میں بچ گیا وہاں پہ۔ جب انہوں نے کہا کہ حجت تمام صرف معصوم ہی کر سکتے ہیں۔ معصوم کے علاوہ کوئی حجت تمام نہیں کر سکتا۔ ہمارے اہلِ سنت کا عقیدہ کیا ہے کہ معصوم صرف نبی اور فرشتے ہوتے ہیں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اجماع کو معصوم کہا ہے۔ تو مرزا کو، مرزئیوں کو اور یہ ختم نبوت کے منکرین کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ ان کو معصوم اجماعِ امت نے کافر قرار دیا ہے۔ لیکن یہاں پہ یہ بات سمجھنی پڑے گی کہ اجماعِ امت معصوم ہے، کوئی فرقہ معصوم نہیں ہے۔ کسی فرقے کو معصوم نہیں کہا، اجماع کو معصوم کہا ہے۔

دیکھئے یہ بہت سے پہلو ہیں۔ اگر ہم مفردات القرآن میں امام راغب کو دیکھیں۔ تو وہ جو عقل کی تعریف کرتے ہیں۔ علماء تو جانتے ہیں، آپ کیلئے میں یہ بات عرض کر دوں۔ یہ لفظ عقل جو ہے ناں یہ عقال سے نکلا ہے۔ عربی زبان میں عقال رسی کو کہتے ہیں۔ یہ جو اونٹوں کی قطار کے آگے ایک شخص چلتا تھا ناں اور وہ اپنے سر کے اوپر رسی لپیٹ لیتا تھا۔ اس کی دوسری سمت سے امام راغب نے اسکو بیان فرمایا ہے کہ ایک طرف رسی اونٹ کے گلے میں اور دوسری طرف مالک کے ہاتھ میں۔ ہمارے ہاں عقلمند اسے کہتے ہیں جو اپنی خواہشوں کے گلے میں رسی ڈال کے اپنے نبی کے ہاتھ میں دے دے۔ اگر میری خواہشوں کے گلے میں رسی ہے اور میرے پیغمبر کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر میں بھٹکتا پھروں گا۔ مفتی شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں الذین یومنون بالغیب کی تفسیر میں جو جملے لکھے ہیں۔ معارف القرآن کا کبھی مطالعہ کریں۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے یہ فرمایا ناں ایمان بالغیب۔

دیکھیے اس خطبہ جمعہ میں بھی میں عرض کر رہا تھا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا [1]۔ اللہ نے پاک پیغمبر ﷺ کو شاہد بنایا۔ کس کی گواہی دینی ہے؟ جو نظر میں سماتا ہی نہیں، جو فکر میں نہیں آتا، اس کا تجزیہ نہیں ہو سکتا، تحلیل نہیں ہو سکتا، نہ وہ زمانی ہے نہ وہ مکانی ہے۔ اس اللہ کی گواہی دینی ہے محمد رسول اللہ ﷺ نے۔ مفتی صاحب نے بڑا پیارا جملہ یہاں لکھا ہے کہ وہ اللہ جو نہ میری فکر میں سماتا ہے، نہ وہ میری نظر میں سماتا ہے، لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ [2]، اس کی مثل کوئی شے بھی نہیں ہے۔ اب جو سارے دین کی عمارت جو کھڑی ہے، جو الفاظ مفتی صاحب نے استعمال کیے، وہ صرف اعتبارِ محمد ﷺ پہ کھڑی ہے۔ میں اللہ کو مانتا ہوں صرف اپنے محمد پہ اعتبار کر کے۔ میں جنت، دوزخ کو مانتا ہوں، میں فرشتوں کو مانتا ہوں۔ اگر یہی اعتبار متزلزل ہو گیا تو میرے دین کی تو ساری روح ہی برباد ہو جائے گی۔ مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ جب آپ یومنون بالغیب پڑھیں تو آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ اعتبار مصطفیٰ کا نام یومنون بالغیب ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ، علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے تھیسس میں یہ بات لکھی تھی کہ میں جب لبنان گیا۔ وہاں کچھ عیسائیوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور واپسی پہ علامہ اقبال نے یہ لکھا تھا کہ جو اسلام دشمن طاقتیں ہیں وہ اس نتیجے پہ پہنچی ہیں کہ ان کے پیغمبر کو متنازع بنا دو۔ یہ سارے کا سارا دین خود بخود متنازع ہو جائے گا۔

اس کے دو چار پہلو جو ہیں وہ میں عرض کر دیتا ہوں۔ ظاہر ہے میرے بزرگ یہاں پہ بیٹھے ہوئے ہیں، امت کا اجتماع ہے۔ تو یہ غور و فکر کیلئے چیزیں ہیں۔ پہلی جو فکری بات ہمارے بچوں کے ذہن میں آتی ہے کہ یہ مرزئی کافر ہیں یا مرتد۔ اس میں بھی ہمارے علماء کا تھوڑا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جو نسل اب ہے یہ کافر ہے، 1973 کا جو آئین ہے اس میں ان کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ کچھ علماء کو اس وقت بھی اختلاف تھا کہ ان کو کافر نہیں کہنا، ان کو مرتد کہنا ہے۔ لیکن اب جو نسل ان کی ہمارے پاس موجود ہے یہ کافر ہے یا مرتد؟ مرتد کی سادہ سی تعریف، جس نے

---

[1] سورۃ الاحزاب:45

[2] سورۃ الشوریٰ:11

پہلے میرے پاک پیغمبر ﷺ کے دین کو قبول کیا ہو اور پھر بعد میں چھوڑ دے۔ اس کو مرتد کہتے ہیں۔ کافر وہ جس نے حضور کے دین کو قبول ہی نہیں کیا۔ اب ان پہ کیا فتویٰ چلے گا؟ ان کیساتھ ہم نے ڈیل کیسے کرنا ہے؟ ان کیساتھ ہم نے کیسے رہنا سہنا ہے۔ وہ تو میں نے امام راغب کی بات عرض کر دی کہ اگر میری رسی میرے پیغمبر کے حکموں کے ہاتھ میں ہے تو میں مسلمان ہوں۔ ورنہ تو میں عقلمند ہی نہیں ہوں۔

ہمارے علمِ نفسیات والے چار حصوں میں اس کو تقسیم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک عقل ہوتی ہے عقل ہیولانی۔ ہیولا، عربی میں کہتے ہیں خاکہ کو۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلی منزل ہوتی ہے، پہلی عقل ہوتی ہے انسان کی جس میں کوئی بھی سانچہ جو ہوتا ہے، اس سانچہ میں عقل ڈھل جاتی ہے۔ خاکہ بنتا ہے۔ پہچان نہیں ہوتی۔ اس کو میرے پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ پیدا ہونے والا بچہ فطرت اسلام پہ پیدا ہوتا ہے [1]۔ آگے اگر ماں باپ کا سانچہ یہودی تھا تو انہوں نے اسکو یہودی بنا دیا۔ اگر وہ سانچہ نصرانی تھا تو انہوں نے اپنے بچے کو نصرانی بنا دیا۔ اگر وہ سانچہ مجوسی تھا تو بچے کو مجوسی بنا دیا۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ اس کے ماں باپ اس کو مسلمان بنا لیتے ہیں۔ یہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ مسلمان تو وہ پیدا ہوا ہے۔ اب اس کا جو خاکہ ہے وہ اس کے والدین تیار کرتے ہیں۔ آج کا جو بچہ مرزئیوں کے گھر میں پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ نے اس کو مرزئی بنا دیا۔ اس بچے تک اسلام کا پیغام پہنچانے کیلئے ہم نے کیا کوشش کی؟ بھائی اس بچے کو اگر میں کہوں گا کہ تُو فلاں ہے، تیرے ماں باپ فلاں ہیں، یہ ہے وہ ہے۔

یہ مسجد میں مَیں بیٹھا ہوں، میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ میں درس قرآن دیکر آرہا تھا۔ قاسم صاحب تو چونکہ بزرگ آدمی ہیں۔ ورنہ جس شہر میں بھی جانا ہو تو مَیں کہتا ہوں کہ پک اینڈ ڈراپ، لے جاؤ اور چھوڑ جاؤ۔ تو درس قرآن کے بعد جب وہ مجھے ننگل شریف چھوڑنے کیلئے جارہے تھے تو ایک بچہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ کہنے لگا کہ

---

[1] سنن ترمذی:2138

مجھے میرا ایک دوست اِدھر درس قرآن کیلئے لے آیا تھا، وہ ختم نبوت کے حوالے سے گفتگو چل رہی تھی۔ اس بچے نے مجھ سے کہا کہ میری کیا غلطی ہے کہ میں مرزئیوں کے گھر میں پیدا ہو گیا ہوں؟ اور میرے والدین نے جو مجھے بتایا میں اس کے مطابق زندگی گزار رہا ہوں۔ اس میں میری کیا غلطی ہے؟ اگر میرا یہ دوست مجھے درس قرآن میں نہ لیکر آتا، آپ نے مجھے کہا تو نہیں کہ تُو مرزائیت کو چھوڑ دے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے توبہ کرلی ہے، مجھے پتہ چل گیا ہے کہ حق کیا ہے۔ اور یہ میں گھر جاکر سوچ رہا تھا کہ یار اس طرح کے کتنے بچے ہونگے جن تک ہم پیار سے اسلام کا پیغام ہی نہیں پہنچاتے۔

ایک درجہ یہ ہے یہ آپ کو awareness ہو، آپ کے دین کے متعلق آپ کو پتہ ہو۔ اس دور کے جو بڑے بڑے سوالات ہیں انکا آپ کو علم ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ جو بچے مرزئیوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں، ان تک ہم نے کیسے پہنچنا ہے؟ ایک بات ذہن میں رکھنا کہ ہر کام لڑائی سے نہیں ہوتا۔ قرآن کریم نے ذمی کافروں سے لڑنے کی کوئی آیت نازل نہیں کی۔ مثلاً ایک کافر ہے اس کے سامنے آپ نے اسلام کی تعلیمات رکھیں۔ اس کو نہیں سمجھ آئی، اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ یہاں اللہ یہ نہیں فرماتا کہ اس کو پکڑ کے مارو۔ ہاں وہ کافر جو اِس دین کے مقابلے میں کھڑا ہوگا، اِس دین کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا، اس کو حربی کافر کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ آپ نے لڑنا ہے۔ ذمی کافر کی تو عزت، جان اور مال کا تحفظ اسلامی ریاست میں ویسا ہی ہے جیسا کہ ایک مسلمان کا ہے۔

میں چونڈہ درسِ قرآن کیلئے جاتا ہوں، کوئی 10، 12 سال سے ہو رہا ہے۔ عبد القیوم بٹ صاحب جب مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے مجھے بلایا۔ انہوں نے کہا یہ تعلیمات، ہمارے عام لوگوں کو تو یہ بھی نہیں پتہ، یہ اس وقت انہوں نے مجھے بتایا تھا۔ کہنے لگے کہ ہمارے ہاں یہ بھی ہوتا ہے کہ ان کو پتہ چل جائے کہ یہ بندہ مسلمان ہونے لگا ہے تو اس کو قتل کر دیتے ہیں۔ مرزئی قتل کر دیتے ہیں۔ انہوں نے تو بڑا ایک سائڈ پہ ہو کر، Bar Council میں جاکر انہوں نے اعلان کیا تھا۔ یعنی ان کے جو مسائل ہیں انکو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے نوجوانوں کو پتہ ہو کہ جب ہم نے سکول، کالج، یونیورسٹی میں جانا تو ان کیساتھ کس طریقے سے پیش آنا ہے۔ ان کو ہم نے بتانا ہے کہ یہ سامراجی سازش ہے جو ہمارے اوپر مسلط کی گئی ہے۔ تو ایک تو یہ درج ہوتا ہے خاکہ بننے کا۔ جس جس گھر میں کوئی پیدا ہو گیا ویسے ویسے وہ خاکہ بن گیا۔ اس میں اس بچے بچارے کی کوئی غلطی نہیں۔

دوسرا درج ہے عقل بالملکہ۔ جہاں پہ انسان پہچان شروع کرتا ہے۔ یہ میری ماں ہے، یہ میرا باپ ہے۔ یہ میرا چچا ہے، یہ میرا بھائی ہے، یہ میری بہن ہے۔ معرفت کا درجہ۔ باقی ہزار باتیں ہیں، میں جہاں بھی لیکچر کیلئے جاتا ہوں، اگر کوئی بندہ پاک پیغمبر ﷺ کی توہین کرتا ہے تو ایک بات تو واضح ہے کہ اس کو میرے پیغمبر کی معرفت نہیں ہے۔ یہ بات تو واضح ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ حضور کی معرفت کسی کو حاصل ہو اور پھر وہ بے ادبی کرے؟ اس معرفت کے لیول پہ ہم نے کیا کام کرنا ہے؟

اور تیسرا ہوتا ہے عقل بالفعل۔ جہاں پہ انسان تجزیہ کرتا ہے۔ نتائج اخذ کرتا ہے۔ یہ عقل کا تیسرا مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ علماء کا کام ہے کہ تحریری ان کے جواب دینے، مناظرے کرنے۔ دیکھئے ہمارا اس وقت بھی نظام ایسا ہی تھا۔ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے شمس الہدایہ اور سیف چشتیائی کتابیں لکھ کر انکا جواب دیا تھا۔ کراچی کے یوسف بنوری صاحب اور ان کے آباء واجداد، فیصل آباد والی تقریر یوٹیوب پر ہے، میں نے وہاں بھی یہ بات کہی تھی کہ ہمارے اندر ایک یہ بھی بڑی مصیبت ہے، فیصل آباد جب ختم نبوت کانفرنس ہوئی، تو میں نے کہا کہ بریلوی جب ختم نبوت پڑھیں گے تو 1956 میں کیا ہوا؟ مولانا عبدالستار خاں نیاری صاحب کو سزائے موت ہوئی۔ بھائی ان کیساتھ مودودی صاحب کو بھی تو ہوئی۔ کیا ہو گیا ان کا نام کیوں نہیں لیتے؟ اک بندہ اٹھے گا پیر مہر علی شاہ صاحب کا اور پیر جماعت علی شاہ صاحب کا۔ بھائی یہ جو بنوری فیملی ہے ان کا کیا قصور ہے؟ مولانا ثناء اللہ پانی پتی اور امرتسری، ان کا نام کیوں نہیں لیا جاتا؟ اصل میں اسلام کے دشمن تو سارے اکٹھے ہیں لیکن یہ حرم کے محافظ اکٹھے نہیں ہیں۔ اس

حقیقت کو تسلیم کرنا چاہئے۔ اگر حرم کے محافظ اکٹھے ہوتے تو آج جو سیاسی سطح پہ ان کی سُنی جاتی ہے وہ ہماری نہیں سنی جاتی۔ ان کو تحفظ دیا جاتا ہے انٹرنیشنل لیول پہ بھی اور یہاں بھی۔

تو ایک یہ علمی محاظ ہے، ایک سیاسی محاظ، ایک معاشی محاظ ہے۔ بہت سے لوگوں کو میں جانتا ہوں کہ جن کو چندہ دیکر انہوں نے مرزئی کر لیا۔ کئی نوجوانوں کی شادیاں کر کے ان کو مرزئی کر دیا۔ تو یہ کوئی ایک پہلو نہیں ہے ختم نبوت کے حوالے سے دیکھنے کا۔ یہ بہت سے پہلو ہیں۔ لیکن اس کے لیے میں بات عرض کر دوں کہ جیسے آپ خانہ کعبہ میں جا کر امت بنتے ہیں ناں، دیکھئے جتنا مرضی گیا گزرا دور ہے لیکن اللہ کے گھر میں بھی امت جاتی ہے اور نبی کے گھر میں بھی امت جاتی ہے۔ خانہ کعبہ میں اللہ کسی فرقے کو نہیں بلاتا، امت کو بلاتا ہے۔ میرے پیغمبر نے بھی مسجد نبوی شریف میں دروازے فرقے کیلئے نہیں کھولے بلکہ امت کیلئے کھولے ہیں۔

دیکھئے پچھلے نبیوں، یہ نہیں ہے کہ یہ آج کے دور کا ہی مسئلہ ہے۔ ایک نبی کی عزت stake پہ لگ گئی تھی اور اس عورت نے باہر نکل کر جو جملہ کہا۔ عزیز مصر سے، کہنے لگی کہ اس کے متعلق تیرا کیا ارادہ ہے؟ قمیض بھی پیغمبر کی پھٹی ہے۔ نبی کی عزت stake پہ لگ گئی ہے اور قرآن کہتا ہے وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَاۚ[1] ہم نے کوئی فرشتہ نہیں بھیجا تھا جو اس عورت کو دو چار تھپڑ مارے۔ ہم نے وہیں پہ ایک گواہ کھڑا کیا جو پیغمبر کی عصمت کیساتھ کھڑا ہو۔ قرآن کا اصول یہی ہے۔ اوہ بھائی اللہ چاہتا تو اس کی زبان گنگ کر دیتا۔ مار دو اسے، نہیں۔ وہیں سے اک بچہ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ بادشاہ۔ اس نے کوئی پوری کہانی بیان نہیں کی کہ ایسے یہ پیغمبر علیہ السلام کو اندر لیکر گئی اور کہا وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَؕ[2]، اور پیغمبر نے تو کہا تھا قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ[2]۔ میں تو اپنے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ بھائی اس بچے نے بھی عجیب بات کہی۔ اس نے کہا بادشاہ، چاک دامنی دیکھ اور پاک دامنی کا اندازہ کر لے۔ اگر یوسف نے ہاتھ اٹھایا ہوتا تو اس کے بھی

---

[1] سورۃ یوسف:26

[2] سورۃ یوسف:23

کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے۔ اللہ نے پیغمبر کی عصمت گواہ سے بچائی تھی۔ یعنی آپ جس کام کیلئے بیٹھے ہیں، ذرا اپنے آپ کو پہچانیے آپ کس مقصد کیلئے بیٹھے ہیں۔

ایک معصومہ کی عزت stake پہ لگ گئی۔ پاک دامن عورت، سیدہ مریم۔ جبریل سے جو مکالمہ کیا قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا[1]۔ یہاں ایک مفسر نے بڑی خوبصورت بحث لکھی ہے۔ ہماری اردو زبان کا تو دامن بڑا تنگ ہے۔ کہتا ہے کہ عربی زبان میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں: لمس اور مس۔ کہتے ہیں کہ لمس اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ کسی کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کیلئے اور مس کا لفظ ہوتا ہے تعظیماً کسی کو چھونا۔ یہاں لمس نہیں ہے، مس ہے لَمْ يَمْسَسْنِيْ۔ قرآن کریم کی گہرائی دیکھئے، یہ جبریل سے مکالمہ ہے کہ مجھے تو تعظیماً بھی کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[2] قرآن کو آپ مس کرتے ہیں احتراماً۔ خانہ کعبہ کو آپ احتراماً مس کرتے ہیں۔ اس پاکدامن بی بی کی عزت stake پہ لگ گئی اور یہودی علماء کھڑے ہوگئے۔ کہنے لگے کیسے اس سے بات کریں یہ پنگھوڑے والا بچہ جو ہے۔ یہ بس آپ کو تھوڑا سا تسلسل دینا ہے کہ نبی کی عزت stake پہ لگی تو گواہ آگیا۔ سیدہ مریم کی عزت stake پہ لگی تو وہاں بیٹے نے گواہی دی وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَاۚ۔ یہاں ایک بڑا مناظرہ New York میں ایک دفعہ ہوا، یہودیوں کا اور عیسائیوں کا۔ وہاں ایک عیسائی نے ایک یہودی سے کہا کہ تم لوگ بڑے عقلمند بنے پھرتے ہو۔ آج بھی وہ کہتے ہیں کہ ہم چند لاکھ ہیں اور مسلمان کروڑوں میں ہیں، ہم نے آگے لگائے ہوئے ہیں۔ یہودی فخر سے یہ بات کرتے ہیں کہ ہم چند لاکھ ہیں، یہ ایک سو اسی کروڑ ہیں، ہم نے آگے لگائے ہوئے ہیں۔ اس عیسائی پادری نے کسی یہودی سے کہا تھا کہ تم نے کیا کرنا ہے ہمارے ایک بچے نے تمہارے بڑوں کو پاگل بنا دیا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ تم نے تو اعتراض کیا تھا مریم پہ۔ تو بچے نے تو مریم کے

---

[1] سورۃ مریم:20

[2] سورۃ الواقعہ:79

متعلق بات ہی نہیں کی۔ بچے نے کہاقَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا[1]۔ میں اللہ کا بندہ ہوں؛ مجھے نبوت ملی ہے، مجھے کتاب ملی ہے۔ مریم کا تو اس نے ذکر ہی نہیں کیا۔ تمہاری مت ماری گئی۔ بھائی سوال تم کر رہے ہو مریم پہ اور بچہ تو مریم پہ بات ہی نہیں کر رہا۔ لیکن اس نے بھی آگے سے، یہ مناظرہ بڑا عجیب ہے، اس نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے، ہم عیسیٰ کو مانتے تو نہیں لیکن جب اس بچے نے کہا تھا ناں کہ میں نبی ہوں۔ پھر ہمیں حیاء آگئی کہ نبیوں کے ماں باپ ایسے نہیں ہوتے۔ اس لیے ہم خاموش ہو گئے۔ حالانکہ انہوں نے نبی مانا نہیں، ان کے بڑے غلط نظریات ہیں۔

لیکن جب میرے پاک پیغمبر ﷺ کے گھر پہ کسی نے انگلی اٹھائی، اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ اٹھی۔ میرے پیغمبر ﷺ کی عزت کو بھی ہاتھ ڈالا گیا۔ اب گھر سے گواہی نہیں لی گئی۔ یوسف کی گواہی گھر سے لی گئی تھی۔ مریم کی گواہی بیٹے سے لی گئی۔ حضرت عمر فاروق نے کہا یارسول اللہ ﷺ، آقا جو اللہ آپ کے جسم پہ مکھی نہیں بیٹھنے دیتا وہ آپ کے حرم میں کوئی غلط بیوی کو کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ حضرت عثمانِ غنی نے تو اس سے بھی آگے، کمال کی بات کہی، انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ کا سایہ نہیں بنایا، اس لیے کہ اگر سورج آگے ہو تو سایہ پیچھے چلے گا اور اللہ فرماتا ہےیٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ[2] کہ کوئی میرے نبی کے آگے نہ چلے۔ اللہ نے تو یہ بھی برداشت نہیں کیا کہ آپ کا سایہ آپ کے آگے چلے۔ اگر سورج آگے ہو گا تو سایہ پیچھے ہو گا۔ کسی کا قدم نہ سایہ پہ آجائے۔ وہ اللہ آپ کے حرم میں کوئی غلط عورت کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اور بھی مثالیں ہیں۔ میں چونکہ قرآن کریم کا طالبعلم ہوں۔ قرآن کریم میں اور بھی مثالیں ہیں لیکن چونکہ علماء نے ابھی آپ سے مخاطب ہونا ہے۔ یوسف علیہ السلام کی گواہی گھر سے لی گئی۔ یہاں گواہی ابو بکر سے نہیں لی گئی۔ پاک پیغمبر ﷺ

---

[1] سورۃ مریم:30

[2] سورۃ الحجرات:1

سے بھی نہیں لی گئی۔ میرے اللہ نے پہلا حکم تو یہ دیا لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًاۙ-وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ[1] جب مومن مردوں اور عورتوں نے یہ بات سنی تھی، انہوں نے یہ بات مان کیوں لی کہ نبی کی بیوی ایسی ہے؟ پہلے تو مومنوں کو کہا کہ تم نے مان کیوں لیا۔ اللہ کے محبوب کی باری آئی تو گواہی گھر سے نہیں لی گئی۔ پھر گواہی کیلئے میرا اللہ آگیا۔ یہ محبوب کی عزت کا معاملہ تھا۔ قرآن سے میں اور مثالیں بھی دے سکتا ہوں۔ آپ اگر ناموس رسالت پہ کھڑے ہیں تو اللہ نے اس امت کے اجماع کو معصوم اس لیے قرار دیا کہ یہ اللہ کی سنت پہ کھڑے ہیں۔ لیکن اس کے لیے پھر ہمیں امت بننا پڑے گا۔

میرے استاذی المکرم جو بات فرماتے تھے، میں جمعہ پہ بھی بتارہا تھا کہ کبھی مصلے پہ کھڑے ہو کر یہ نہیں سوچنا کہ میرے پیچھے کتنے لوگ کھڑے ہیں۔ میرے پیچھے فلاں نماز پڑھتاہے۔ فلاں چودھری صاحب آتے ہیں۔ میرا خطبہ جمعہ سننے ہزاروں لوگ آتے ہیں۔ میرے مقتدی لاکھوں ہیں۔ فرمایا کرتے تھے بیٹا مصلے پہ کھڑے ہوکے، کبھی پیچھے نہیں دیکھنا، یہ دیکھنا کہ تُو کس کے سامنے کھڑا ہے۔

یہ میں باتیں اس لیے کر رہاہوں کہ یہ 1973 کا آئین تو ابھی کل آیاہے۔ سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنے تو آپ کو خلیفۃ اللہ کہا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ خلیفۃ اللہ نبی ہوتے ہیں۔ نبوت ختم ہو گئی ہے۔ اب قیامت تک خلیفۃ الرسول آئیں گے۔ اب کوئی خلیفۃ اللہ نہیں آئے گا۔ ختم نبوت پہ پہلا پالیسی بیان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا۔ اور یہ نبوت پتہ ختم کیوں ہوئی تھی؟ نبی کس لیے آتے ہیں؟ توحید کیلئے آتے ہیں۔ شرک ختم کرنے کیلئے آتے ہیں۔ ہوتا یوں تھا کہ جونہی نبی پردے سے اوجھل ہوا تو امت پھر شرک شروع کر دیتی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام نظروں سے غائب ہوئے تو امت نے ابن اللہ کہنا شروع کر دیا۔ بھائی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ شرک شروع ہو گیا۔ پھر توحید کے پیغام کیلئے نئے نبی کو آنا پڑتا۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے تو نبی کی موجودگی میں

---

[1] سورۃ النور:12

بچھڑے کو سجدے شروع کر دیے۔ اب میرے اللہ نے اس امت پہ اعتبار کیا۔ اب ذرا اپنا مقام پہچانیں کہ آپ کس stage پہ کھڑے ہیں۔ اللہ نے نبوت ختم کر کے آپ کو اس مقام پہ کھڑا کیا ہے ۔ اس لیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے، یہ جو میں اجماع امت کی بات بار بار اس لیے کر رہا ہوں اس لیے کر رہا ہوں کہ یہ امت گمراہی کے کام میں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

لیکن ہمارے بچوں کو شاید یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ آپ کو کافر سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مرزا نے آکر حجت تمام کر دی ہے، اب اگر کوئی مرزا کو نہیں مانتا تو وہ کافر ہے۔ اور ہم پھر بھی انکے ساتھ پینگیں بڑھائیں محبت کی؟ نہیں ہماری دلی رغبت کبھی بھی اُدھر نہیں ہو سکتی۔ کسی گستاخ رسول کیساتھ نہیں۔ اس لیے کہ ہم نے اپنی ساری خواہشیں اپنے پیغمبر کے سامنے، اپنا سر تسلیم، مسلمان ہے کیا کہ اپنے پیغمبر کے سامنے جُھکنا۔ اور حضور ﷺ کا امتی ہونا، اللہ تعالیٰ نے اس توحید کا، رسالت کا، ختم نبوت کا پہرے دار بنایا ہے۔ اب دیکھئے قیامت تک جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے آیات نازل ہوئیں۔ قرآن موجود رہے گا اور صدیقہ کائنات کی عظمت بحال رہے گی۔ اب چاہتے تو یہ تھے کہ نبی کے گھر کی بات کر کے ہم نبی تک بھی۔ کوئی انگلی اٹھائیں۔ تو یہ محبوب کی بات ہے، یہ امام الانبیاء کی بات ہے۔ اس لیے جب نبی کی بات آئی۔ یہاں بھی یہ ہے، علماء اس کو تفصیل سے بیان کرینگے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[1] ۔ حضرت زید دیکھئے جی بیٹا بنالیا، بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی؟ اس کا سیاق وسباق یہی ہے۔ اس لیے میرے اللہ نے فرمایا کہ کسی جوان کا میرا رسول باپ ہی نہیں ہے۔ خاتم، بس مہر لگا دی ہے، مہر کے نیچے جو بھی کوئی تحریر لکھی جائے وہ قابل قبول نہیں۔ بھائی اسٹامپ پیپر پہ مہر لگ جائے ناں تو اس کے نیچے جو تحریر لکھی جائے وہ قابل قبول نہیں۔

---

[1] سورۃ الاحزاب:40

مسیح موعود ہوں، نہیں، مسیحِ موعود مریم کا بیٹا ہے۔ گھسیٹی کا بیٹا، مسیحِ موعود نہیں ہوتا۔ وہ عیسیٰ ابن مریم ہے جس نے آنا ہے۔ لیکن چونکہ انٹرنیشل لیول پہ، اسٹیبلیشمنٹ ساری ان کیساتھ ہے، معاشی، سیاسی سارے معاملات ان کیساتھ ہیں۔ ہمیں بھی خوشی ہورہی ہے کہ جب میرے پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں يد الله على الجماعة[1]۔ اللہ کا فضل، اللہ کی رحمت، اس کے فضل کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ انشاء اللہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ فکر مجھے اس وقت ہوتی ہے جب ہم نبی پاک ﷺ کی محبت سے دور ہوتے ہیں۔ بس آخری آیت، اللہ فرماتا ہے يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ[2]۔ اللہ فرماتا ہے کہ اگر میرے پیغمبر سے بے وفائی کروگے ناں، پھر اللہ تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا۔ اس وقت مجھے ڈر لگتا ہے۔ جب تک پیغمبر سے ہماری وفا ہے، اس وقت تک مجھے کوئی ڈر نہیں لگتا اور اللہ فرماتا ہے کہ میں کوئی تمہارا محتاج بھی نہیں ہوں۔ پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے۔ کہیں تاتاری مسلمانوں کی گردنیں اڑا رہے تھے اور کبھی وہی اسلام کے محافظ بن گئے۔

اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ قاسم صاحب اور جتنے بھی لوگوں نے یہ کاوش کی، اور ہماری حاضری پاک پیغمبر کی بارگاہ میں اللہ قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] سنن ترمذی:2167

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ میری امت کو یا یہ فرمایا: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا، اللہ کا ہاتھ (اس کی مدد و نصرت) جماعت کے ساتھ ہے، جو شخص جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گرا"۔

[2] سورۃ المائدہ:54

سورۃ النجم اور پاک پیغمبر ﷺ کی شان و عظمت

قرآن: وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى (1) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى (2) وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (3) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (4) سورۃ نجم

ترجمہ:- اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اُترے۔ تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنھیں کی جاتی ہے۔

خاکہ:-

1. معراج کی رات کیوں عطا کی؟
2. ثریا کسے کہتے ہیں؟
3. عبادت میں استقامت ہو، خواہ تھوڑی ہی ہو۔
4. قیامت آسکتی ہے مگر محبوبؐ کے قدموں میں لغزش نہیں آسکتی۔
5. ضل اور غویٰ کے معنی میں فرق۔
6. اللہ اپنے محبوب کے ماضی کی گارنٹی دے رہا ہے۔
7. نبی میں عیب تلاش کرنے والے خبردار۔
8. عبد اللہ میں جو کہتا ہوں لکھ لیا کرو کیونکہ اس زبان سے حق کے سِوا کچھ نہیں نکلتا۔
9. نبوت عہدہ ہے اور رسالت منصب۔
10. فخر کریں کہ آپ کس نبیؐ کے امتی ہیں۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثنا کے بعد اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بابرکت، منزہ اور کریم ذات پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو دوستو عزیز بھائیوں! اسلام علیکم

کبھی کبھی ایسے مواقع بھی آجاتے ہیں کہ جمعہ والا دن سید الایام ہے۔ جمعہ سارے دنوں کا سردار دن ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جمعہ مسکینوں کے لیے حج ہے۔ تو دن بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں سردار آج عطا فرمایا اور اس کے ساتھ جو رات آئے گی وہ معراج کی رات ہے۔ تو ایک تسلسل ہے بلندی کا لیکن وہ جو میں پچھلے جمعہ بھی آپ سے عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تو ایسے مواقع فراہم کرتا ہے لیکن یہ بندے کی مرضی ہے کہ اس عظیم وقت کو وہ بھی کہیں ضائع نہ کر بیٹھے۔ مواقع تو اللہ تعالیٰ سب کو عطا کرتا ہے۔ کوئی اپنے دن کو، رات کو روشن کر لے اور کوئی اس کو تاریک کر لے ۔یہ انسان کی اپنی مرضی ہے۔

آج چونکہ شب معراج ہے، جمعہ کے ساتھ ہے یہ رات اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی۔ تو میں نے یہ سورہ نجم کی پہلی آیات جو ہیں وہ تلاوت کی ہیں۔ دیکھیے یہ کلام، میں بار بار آپ سے کہتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال کا، حیُّ قیوم کا کلام ہے۔ ہمارے ادب کی دنیا میں ایک بات کہی جاتی ہے کہ کلام کا ظاہری حصہ یعنی اس کے ظاہر کو دیکھ کر ہی اگر آپ اس کے معنی تک پہنچ جائیں گے تو اس سے بہتر کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ یعنی یہ بات اس سے بہتر طریقے سے ہو ہی نہیں سکتی۔ تو جب آپ سورہ نجم کی یہ آیات تلاوت کرتے ہیں تو وہ جو چیز ہے وہ سامنے آتی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج، معراج کا معنی ہی ہے ناں بلندی یعنی وہ بلندی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی اس سے بہتر طریقے سے بیان ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ جس طریقے سے خالق نے بیان کی۔ یہ ظاہری حسن بھی ہے اس کلام کا۔ وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى ستارے کی قسم۔ کیونکہ جونہی آپ ستارے کا ذکر کریں گے ناں تو ذہن میں تصور بلندی کا جائے گا۔ ذکر کسی بلندی کا ہونے لگا ہے۔ ھَوٰی اسم کے طور پہ بھی استعمال ہوتا ہے اور فعل کے طور پہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسم کے طور پہ آپ روزمرہ زندگی میں اس کو استعمال کرتے ہیں بلکہ وہ آیت میں بار بار آپ کو بتاتا ہوں اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ[1] وہاں بھی لفظ ھوا ہے ناں۔ ہوا کہتے ہیں خواہش نفس کو۔ انسان کی نفس کی جو

[1] سورۃ الفرقان:43

خواہشیں ہیں ان کو ہوا کہتے ہیں۔ اسم کے طور پہ جب یہ لفظ ہوا استعمال ہو گا اس کی بات کر رہا ہوں۔ فعل کے لیے تو پھر آگے دو تین چیزیں ہو جائیں گی۔

عرب اصل میں تو، میں آپ کو بتا دوں کہ اگر نجم کی ہی تفسیر کی جائے تو ظاہر ہے اس میں مہینوں چاہییں۔ صرف لفظ نجم کی تفسیر کیلئے۔ ثریا کیلئے، چلو میں ایک دو جملے عرض کر دوں۔ وہ جو سات ستارے آپ کو نظر آتے ہیں ان کو نجم کہتے تھے۔ اچھا اس میں ایک بڑی عجیب بات کہ چھ ستارے سب کو نظر آتے ہیں۔ اس میں ساتواں ستارہ کسی کسی کو نظر آتا ہے۔ تو وہ ثریا کے لیے بھی نجم استعمال کرتے تھے۔ اس کے پیچھے حکمت یہ تھی کہ وہ لوگوں کی نظر جو تھی اس کا ٹیسٹ کرتے تھے کہ بھائی کس کو چھ ستارے نظر آتے ہیں اور کس کو سات نظر آتے ہیں۔ لیکن یہی معاملہ جب میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ یہ جو نجم ہے اس کو دیکھ کے بتائیں۔ تو سرکار نے فرمایا یہ تو 11 ستارے ہیں۔ تو اُن کا جو علم تھا وہ سات ستاروں تک تھا اور ان کو یہ بتایا گیا کہ ہم اس ستارے کی قسم کھا رہے ہیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ تو ثریا میں بھی ان کے ہاں زیادہ سے زیادہ سات ہی تھے۔ تو انہوں نے میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کو بھی چیک کرنے کی کوشش کی۔

ہوا کا ایک معنی ہے ٹوٹنا اور ایک ہے اترنا۔ ہوا کو ہوا بھی پتہ ہے کیوں کہتے ہیں یہ جو انسان کے اندر ایک صفت ہے ناں استقامت کی، انسان بڑا پتہ ہے اس وقت ہوتا ہے جب اس کے اندر استقامت ہوتی ہے۔ کسی اچھائی کے لیے، کسی اعلیٰ مقصد کے لیے کھڑا ہونا۔ تو اس کی استقامت میں جب لغزش آتی ہے تو وہ خواہش کی وجہ سے آتی ہے۔ یعنی انسان کے قدم خواہش کے سامنے ڈگمگاتے ہیں۔ مثلاً کون بندہ ہے جو بھائی ملاوٹ کرنا چاہتا ہے؟ یہ ایک گھٹیا کام ہے۔ بے عزتی ہوتی ہے۔ لیکن جب خواہش سامنے آتی ہے کہ اس سے تجھے پیسے زیادہ ملیں گے تو وہ خواہش اس کے قدم ڈگمگا دیتی ہے۔ یہ روزمرہ زندگی میں یہ جو آپ انسانوں کو گرتا ہوا دیکھتے ہیں ناں، ذلت کی گہرائیوں میں گرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس کی وجہ اس کی خواہشات ہوتی ہیں۔ تو جو بندہ خواہش کے سامنے ڈگمگا جائے، وہ کبھی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ بات ذہن میں رکھنا۔ اسی لیے میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات کے

حوالے سے بھی بتایا تھا کہ دو نفل پڑھ لو لیکن اس میں استقامت ہو۔ یہ نہیں ہے کہ ایک رات ہزار نفل پڑھ لیا اور پھر چھوڑ دیا۔ اس کی جو میں نے مثال آپ کو دی تھی کہ آپ جتنا جی چاہیں تیز پانی پتھر پہ ماریں۔ سوراخ نہیں ہو گا۔ لیکن اگر استقامت کیساتھ ایک ایک قطرہ مسلسل پتھر پہ گرتا رہے تو اس میں سوراخ کر دے گا۔ یعنی جو بھی کام آپ نے کرنا ہے اس میں استقامت ہو۔ کوئی لالچ آپ کے قدموں کو ڈگمگا نہ سکے۔ یعنی یہ نہیں چیز ہونی چاہیے کہ چھوٹی سی خواہش آئے تو آپ چوری کرنے لگ جائیں؟ ڈکیتی کرنے لگ جائیں؟ ملاوٹ کرنے لگ جائیں؟ رشوت اور سود لینا شروع کر دیں؟ اپنی انسانی عظمت کو گرا دیں گے؟ جھوٹ بولیں گے؟ تو جہاں بھی انسانی قدم ڈگمگائے ہیں اس کے پیچھے اصل میں خواہش ہوتی ہے۔ تو اس آیت میں بھی اللہ نے یہی فرمایا کہ جب کوئی اللہ کو چھوڑ کر اپنی خواہش کو الٰہ بنالیتا ہے اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ تو اپنی خواہش کے حکم کے پیچھے چلتا ہے تو اس نے اللہ کو الہ نہیں مانا۔

اب اگر آپ یہاں تک آگئے ہیں۔ اس کو اسم کے طور پہ جو ہم سمجھ رہے ہیں اور یہ جملہ پھر کمال کا کہ ستارہ تو ٹوٹ سکتا ہے۔ ستارے کا ٹوٹنا، یہ سائنس والے لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت برپا ہو جائے اگر ستارہ ٹوٹ جائے۔ لیکن اللہ فرما رہا ہے کہ ستارہ، وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى یعنی ستارہ جب ٹوٹ کر، ستارہ تو ٹوٹ کر گر سکتا ہے لیکن میرے محبوب کے قدموں میں لغزش نہیں آسکتی۔ یعنی ستارے کے قدموں میں لغزش آسکتی ہے۔ ستارہ جب ٹوٹ کر گرے۔ یعنی ستارہ ٹوٹ سکتا ہے، اپنی منزل چھوڑ سکتا ہے۔ اپنے مقام سے آگے پیچھے ہو سکتا ہے لیکن میرے محبوب کے قدموں میں لغزش ہے۔ ان کی استقامت میں فرق نہیں پڑ سکتا۔

یہ ساری چیزیں تو ظاہر ہے بیان نہیں ہو سکیں گی لیکن چند چیزیں بھی آپ سیکھ لیں کہ اطاعت کیوں کرنی ہے اللہ کے محبوب کی؟ اس لیے کہ اس سے بڑا استقامت والا کوئی ہے ہی نہیں۔ عقلی دلائل بھی دیے جا رہے ہیں کہ ان کی اطاعت کرو۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى تمہارے یہ جو صاحب ہیں۔ تمہارے یہ جو سردار ہیں۔ تمہارے یہ جو آقا و مولا ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ جو اللہ کے محبوب ہیں۔ یہ دونوں فعل جو ہیں، یہ دیکھیں۔ ضَلَّ یہ

اس وقت استعمال ہوتا ہے جب بغیر ارادے کے کوئی یعنی راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اس وقت لفظ استعمال ہوتا ہے۔ غَوٰی ہوتا ہے جان بوجھ کر بھٹکنا۔ ارادے سے غلط راستے پہ چلنا۔ ضَلَّ ہوتا ہے بغیر ارادے کے۔ یہ جو تمہارا صاحب ہے۔ یہ جو تمہارے آقا و مولا ہیں۔ یہ جو اللہ کے محبوب ہیں یہ بھول کر بھی راستے سے نہیں ہٹے اور ارادتاً بھی نہیں ہٹے۔وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰی یعنی نہ کبھی بھول کر ان کی استقامت میں فرق آیا ہے نہ جان بوجھ کر۔ اصل میں، دو ہیں ناں ایک ثوابت ہے ایک سیار ہے۔ یہ تھوڑا سا ذہن میں رکھنا۔ سیار وہ ہوتے ہیں سیارے جنہیں آپ کہتے ہیں۔ یہ گھومنے والے۔ زمین آپ کا ایک سیارہ ہے۔ جو سورج کے گرد گھومتا ہے۔ ستارے میں، میں نے کہا کہ استقامت ہوتی ہے۔ وہ اپنی جگہ پہ قائم رہتا ہے۔ ہم ان کو اپنی زبان میں ثوابت کہتے ہیں اپنی جگہ پہ قائم رہنے والے۔ اب یہ چیز بیان کرنا مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰی تمہارا یہ صاحب بھول کر بھی کبھی غلط راستے پہ نہیں گیا۔ نہ بہکے نہ بھٹکے۔ ذرا تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ ستاروں کے گرنے کی بات کرتا ہے اور ان کو گرا کر، ان کے اپنے مقام سے ہٹا کر بتا رہا ہے کہ ایک بلندی گر رہی ہے اور ایک کو ہم بلندی پہ لے جا رہے ہیں۔ کیا حُسن ہے کلام میں۔ ان کے پایہ استقامت میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ اب پتہ چلا کہ اس نبی کی اطاعت کیوں کرنی ہے؟ اس پیغمبر کے حکم پہ عمل کیوں کرنا ہے؟ آنکھیں بند کر کے اس نبی کو اپنا صاحب کیوں ماننا ہے؟ اس لیے کہ وہاں شک و شبہ ہے ہی نہیں۔ وہاں شک نہیں ہے۔

یہ تو کیا کریں اس دور میں بھی، اپنے آپ کو دانشور بھی کہتے ہیں۔ بڑی بڑی ٹی وی کی سکرینوں پہ بیٹھ کے، اوہ دیکھو جی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نماز، چار رکعتوں والی پانچ پڑھا دیں۔ یہ چیزیں آپ کو بتائیں گے۔ کبھی دو رکعتوں میں بھول گئے۔ بھائی یہ جو سارے جو کام تھے یہ تمہیں تعلیم دینے کے لیے تھے۔ امت کو تعلیم دینی تھی کہ اگر کبھی پانچ رکعت پڑھ لو تو پھر کیا کرتے ہیں۔ اگر کبھی تین پڑھ لو تو پھر کیا کرنا ہے۔ بھائی میں نہیں کہہ رہا۔ یہ قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ بھول کر بھی کبھی راستے سے نہیں ہٹے؛ نہ جان بوجھ کر کبھی ہٹے۔ بڑا ظلم کیا ہے ہمارے ترجمہ کرنے والوں نے۔ ظلم کیا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مجتہد کے طور پہ پیش کیا۔ جیسے مجتہد سے کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے کبھی اس سے صحیح فیصلے بھی ہو جاتے ہیں۔ نہیں۔ قران کہہ رہا ہے کہ نبی مجتہد

نہیں ہے۔ ان کی شان یہ نہیں ہے۔ یہ جو آپ کو پہلے بھی میں نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ یہ سورۃ الضحیٰ میں وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى[1] یہی ضَلَّ اور اس کا ترجمہ کیا کر دیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے العیاذ باللہ ہم نے آپ کو بھٹکا ہوا پایا اور ہدایت دی۔ اب اس آیت کو سمجھ کے جانا۔ اللہ گارنٹی دے رہا ہے کہ تمہارا نبی کبھی بھٹکا نہیں ہے۔ نہ بھول کر، نہ جان بوجھ کر۔ وہ جو میں کہا کرتا ہوں ناں کہ قران کی بہترین تفسیر کیا ہے جو قران سے کی جائے۔ اب جن جن لوگوں نے وہ ترجمہ پڑھا ہے، ان کے ذہن میں نبی کی اطاعت کا کیا تصور آئے گا؟ اور جنہوں نے یہ ترجمہ سورہ نجم کا پڑھا ہے۔

اچھا یہ ہیں بھی ماضی کے صیغے۔مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى۔ یہ نہیں ہے کہ یہ بھٹکتے نہیں ہیں۔ نہیں۔ یہ نہ بھٹکے، نہ بہکے۔ ماضی کی بات ہے۔ کیوں؟ آگے تھاوَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ جو بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ نطق فرماتے ہی نہیں، یہ گفتگو کرتے ہیں ہی نہیں، یہ بولتے ہی نہیں۔ بس وہی ہوتا ہے جو اُس نے کہا ہوتا ہے۔ وہی کہتے ہیں جو اللہ کہتا ہے، جو وحی ہوتی ہے۔ اصل میں وہ جو ترجمہ ہے ناں، میں وہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ وہ جنہوں نے یہ کہا ہے ناں وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کہ اے نبی ہم نے آپ کو بھٹکا ہوا پایا اور ہدایت دی۔ میں ان کی بات کر رہا ہوں۔ وہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ یہ دونوں صیغے ماضی کے ہیں۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى۔ بھائی بات یہ تھی کہ اگر نبی وحی کے بغیر بولتے ہی نہیں تو یہ جملہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ تمہارا نبی نہ بہکا نہ بھٹکا۔ بھائی یہ جملے کی پھر ضرورت نہیں۔ بھائی اگر نبی اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں بولتے اور کوئی کام نہیں کرتے تو پھر یہ جملہ کہنا کہ تمہارا نبی نہ بہکے اور نہ بھٹکے۔ یہ جملے کی کیا ضرورت تھی؟ ہاں اس کی ضرورت ہے۔ میں نے اس لیے کہا کہ یہ ماضی کے صیغے ہیں۔ اب تو تم سمجھ رہے ہو کہ اعلان نبوت کے بعد جو کہہ رہے ہیں وہ وحی الٰہی کہہ رہے ہیں۔ ماضی کی تو ہم پہلے گواہی دے رہے ہیں۔ کیسے ترجمہ کر دیا انہوں نے کہ ہم نے تم کو بھٹکا ہوا پایا اور ہدایت دی؟ یہ کیسے ترجمہ کر لیا؟ یعنی اب جو کہیں گے وہ تو کہیں گے ہی وہ جو وحی ہے۔ ماضی کی ذمہ داری ہم اُٹھا رہے ہیں۔ اس سے پہلے کی جو زندگی ہے اس کی ہم ذمہ داری اٹھا رہے

---

[1] سورۃ الضحیٰ:7

ہیں۔ وحی آنے سے پہلے بھی یہ نہ کبھی بہکے ہیں نہ بھٹکے ہیں۔ لیکن کیا کریں آج بھی ہیں وہ لوگ جو آپ کو کہیں گے کہ خواب آیا تھا۔ اللہ تعالی اس کو کس طریقے سے بیان فرمارہا ہے معراج کو۔ کیا گراؤنڈ بیان کی ہے؟ حضور کی معراج کو بیان کیسے کیا ہے۔ کیونکہ آگے چل کے وہ لفظ آنا تھا اں مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى [1] آنکھ نے جو دیکھا ہے اس کی دل نے تصدیق کی ہے۔ دل نے اس کو جھوٹ نہیں جانا۔ آگے آنا تھا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى [2] یہ آنکھ نہ بے ادب ہوئی ہے نہ حد سے بڑی ہے۔ یہ معراج آگے چونکہ بیان ہونی ہے۔ اس لیے اس کی بنیاد پہلے ہی بتادی۔ یہ نہیں کہ اس نگاہ کی اب یہ حالت ہے۔ ماضی میں بھی اس نگاہ کی یہی حالت تھی۔ یہ نگاہ پہلے بھی ایسی تھی۔

ہاں اس میں دوسرا پہلو جو ہے، وہ سمجھنے والا۔ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ یہ نہ سمجھنا کہ اب 40 سال کی عمر میں اعلان نبوت فرمایا ہے۔ اسی سے وہ یہ وحی کی اب دو قسمیں کرتے ہیں ناں۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ ایک وحی یہ قرآن کریم ہے جس کی آپ تلاوت کرتے ہیں اور ایک وحی وہ ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہ اللہ تعالی فرماتا ہے اور اس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ اس کا فرق یوں سمجھیے کہ یہ قران کریم کو وحی متلو اس لیے کہتے ہیں ہے اس میں الفاظ بھی خالق کے ہیں اور معنی بھی اللہ تعالی نے عطا کیے۔ اور وحی غیر متلو میں کیا ہے؟ معنی اللہ عطا کرتا ہے اور الفاظ محمد رسول اللہ کے ہیں۔ یہ فرق ہے۔ قرآن وہ ہے جس میں الفاظ بھی اللہ کے اور معنی بھی اللہ کے اور وحی غیر متلو میں معنی تو اللہ بیان فرمائے اور الفاظ پاک پیغمبر ﷺ کے۔ اس کو دیکھیں۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى اب تو جو کہہ رہے ہیں وہ کہہ ہی وحی رہے ہیں۔ اس سے پہلے بھی جو کہا تھا وہ بھی وحی ہی تھی۔ ماضی کی تم ہم ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کیا اپنے محبوب کی شان بیان فرمائی۔ یعنی آپ دیکھیں، یہ جو میں نے ابتدا میں کہا تھا کہ اس سے بہتر کوئی بیان کر سکتا تھا؟ یہ جو میں آیات تلاوت کر رہا تھا تو وہ جو کیفیت تھی کہ اس سے بہتر حضور کی شان بیان ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

---

[1] سورۃ النجم:11

[2] سورۃ النجم:15

دیکھیے نبوت جو ہے ناں یہ عہدہ ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا۔ رسالت منصب ہے۔ یہ ماشاء اللہ علامہ صاحب کو تو پتہ ہے۔ آپ نے صرف اتنا یاد ہی رکھنا ہے کہ نبوت عہدہ ہے اور رسالت منصب ہے۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۔ تمہارا صاحب نہ بہکا ہے نہ بھٹکا ہے۔ جان بوجھ کر بھی نہیں اور بھولے سے بھی نہیں۔ ارادے سے بھی نہیں اور بغیر ارادے کے بھی نہیں۔ اس لیے کہ یہ بھولتے ہیں ہی نہیں۔ کیوں؟ اللہ عادل ہے۔ وہ منصب دیتا ہے تو دیکھ کر دیتا ہے۔ کیا اس کو رسالت کا منصب دے دے جو بھول جائے؟ وہ اس کی وحی کا کیا تحفظ کرے گا؟ اس لیے یہ جملہ کہنا پڑا مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۔ یہ اس منصب کا اہل تھا اس لیے ہم نے اسے یہ منصب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذمے اپنا پیغام دے دے جو بھول جاتا ہے؟ وہ کیا لوگوں کو بتائے گا؟ کیا سکھائے گا لوگوں کو؟ میں نے وہ جو کہا تھا ناکہ اگر اس کی تفصیل شروع کر دیں تو یہ تو مہینوں لگ جائیں۔

اور یہ جملہ ظاہر ہے عام فہم بندہ پہلے سوچتا ہے کہ جب اللہ نے یہ بات فرما دی وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ عبد اللہ بن عمرو بن عاص۔ ایک عبد اللہ ابن عمر ہیں ناں ایک عبد اللہ بن عمرو بن عاص ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آقا آپ جو فرماتے ہیں میں لکھ لیتا ہوں۔ تو کچھ لوگ مجھے یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ہر چیز نہ لکھا کرو۔ ظاہر ہے حضور کبھی غصے میں ہوتے ہیں کبھی خوشی میں ہوتے ہیں۔ یہ انسان کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔ تو جو حضور فرمائیں ناں وہ لکھا کرو۔ ہر بات نہ لکھا کرو۔ سرکار نے فرمایا عبد اللہ! میں جو کہوں وہ لکھ لیا کر۔ اس لیے اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ کیا بلندی ہے اللہ کے محبوب کی۔ یہ ہے عصمت کبریٰ۔ یہ میرے نبی کی عصمت اللہ نے بیان کی ہے۔ سبحان اللہ۔ نبی تو ویسے ہی معصوم ہوتے ہیں ناں۔ میں نے لفظ کیا استعمال کیا؟ عصمت کبریٰ۔ ستارے ٹوٹ سکتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ اپنے پایہ استقامت میں لغزش لا سکتے ہیں۔ ہر شے درہم برہم ہو سکتی ہے لیکن میرا نبی نہیں بھٹک سکتا۔ میرا پیغمبر نہیں بہک سکتا۔ یہ بھی ٹھیک ہے میرا پیغمبر۔ یہ تو میں جملے ویسے ہی کہہ رہا ہوں ناں۔ اللہ نے تو کہا ہے تمہارا سردار نہیں بھٹک سکتا۔ صَاحِبُكُمْ۔ اوئے اپنی ذات پہ بھی فخر کرو کہ

کس کو سردار مانا ہے۔ سبحان اللہ۔ کس کے امتی ہیں۔ کس کی غلامی کا پٹکا گلے میں ڈالا ہے۔ کیا شان ہے تمہارے صاحب کی۔ سبحان اللہ۔ اللہ کو تو پہلے ہی پتہ ہے۔ اللہ تمہیں بتا رہا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ اس میں تو پھر ظاہر ہے لمبی بات ہے لیکن ایک خاص بات۔ یہ جو منظر ہے ناں آگے آرہا ہے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔ اس وحی میں جبریل نہیں ہے۔اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی بس جو کہا، اللہ نے کہا انہوں نے سن لیا۔ ان دونوں کو ہی پتہ ہے۔ اس نے جو وحی کی، بس کی۔ اب جبریل تو نہیں ناں درمیان میں اور درمیان میں اب قرآن بھی نہیں ہے۔ اب وہ علم کبھی حضور اپنے کسی صحابی کو دے دیں۔ وہ جو کہا کہ جو وحی کی، بس کی۔ وہ بس اللہ کو پتہ ہے یا اس کے محبوب کو۔ میں ایک ایک جملے میں صرف وحی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ جو خاص راز ہے اللہ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک علم میرے نبی نے مجھے وہ دیا کہ اگر میں لوگوں پہ ظاہر کروں تو لوگ میری شاہ رگ کاٹ دیں۔ یعنی وہ علم جس کا آپ تحمل نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ تعارف کروا رہا ہے، یہ ہے تمہارا صاحب۔ یہ ہیں تمہارے آقا و مولا ﷺ۔

اور کمال تو پھر یہ ہے ناں اللہ نے اگر یہ بتایا ناں کہ یہ تمہارے صاحب ہیں، تمہارے آقا و مولا ہیں۔ ان کی یہ شان ہے۔ ان کی یہ عظمت ہے۔ تو کیا محبت، کیا پیار امت کے ساتھ کہ جب تشریف لاتے ہیں واپس تو امت کو کہتے ہیں کہ اگر اللہ نے مجھے معراج کروائی ہے تو تمہارے لیے بھی معراج ہی لے کے آیا ہوں۔ سبحان اللہ۔ لیکن ایک چیز کا مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے جب ہم اس نماز کو بس جلدی جلدی پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ نہیں۔ حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ [1] قران کہتا ہے کہ جو کہہ رہے ہو اس کا تو پتہ ہو۔ یار اس معراج کو ضائع نہ کریں۔ سب سے بڑا مراقبہ جو ہے وہ نماز ہے۔ وہ سجدے کی حالت ہے۔ اس نماز کو معراج بنائیں۔ اور آج رات کو ایسے ہی فضول کاموں میں ضائع نہ کریں۔ اطاعت کریں، فرمانبرداری کریں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، اپنے صاحب کی اور اس وقت کو ضائع نہ

[1] سورۃ النساء: 43

کریں۔ چونکہ ایک بندے نے بڑی جلدی جلدی نماز پڑھی تو سرکار ﷺ نے فرمایا تھا نہیں ہوئی۔ جا کے پھر پڑھ کے آ۔ وہاں مثال پتہ ہے کیا دی تھی کہ جیسے ایک مرغا دانے اٹھاتا ہے ناں چونچ سے جلدی جلدی۔ پھر اللہ وہ نماز منہ پہ مار دیتا ہے۔حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ اللہ فرماتا ہے کہ جو لفظ تم کہہ رہے ہو ناں زبان سے، ان کا تمہیں علم تو ہو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اللہ سے بات کر رہے ہو۔ اللہ سے گفتگو کر رہے ہو۔ تو اللہ تعالی نے تمہیں صاحب وہ عطا کیے ہیں کہ ان کو اللہ نے معراج اور بلندی عطا کی تو امت کے لیے بھی وہی بلندی لے کے آئے ہیں۔ اپنا سر سجدے میں رکھو اور اللہ تعالی کی بارگاہ سے وہ بلندیاں حاصل کرو۔ لیکن جہاں سے میں نے بات شروع کی تھی کہ کوئی بھی بندہ جتنا بھی استقامت اختیار کر لیتا ہے اتنی ہی اس کو بلندی ملتی ہے۔ وہ جو جملہ آپ سنتے ہیں ناں کہ شیر بھوکا بھی مر جائے تو گیدڑ کا چھوڑا ہوا نہیں کھاتا۔ شیر شیر کیوں ہے؟ اس کے اندر استقامت ہے کہ میں نے مردار نہیں کھانا۔ بھوکا مر جانا قبول کر لیتا ہے۔ لیکن کسی کا چھوڑا ہوا نہیں کھاتا۔ یہ استقامت ہے اس کی۔ شاہین شاہین کیوں ہے؟ وہ کسی کا مارا ہوا نہیں کھاتا۔ اپنا شکار خود کرتا ہے۔ وہ مردار پہ نہیں گرتا کہ نیچے کو جانور مرا ہے تو جا کے اپنی غذا لے لوں۔ نہیں۔ تو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے دی ہیں کہ جیسے تمہارے نبی کے قدم استقامت والے ہیں؛ ان کا علم استقامت والا ہے؛ ان کا کردار استقامت والا ہے؛ ان کے غلام کو بھی چاہیے کہ وہ استقامت اختیار کرے۔ استقامت کی زندگی گزارے۔ ورنہ بلندی نہیں ملتی۔ اللہ تعالی عمل کی توفیق دے۔ آمین

اُسوہ رسول تک پہنچنے کے دو ذرائع

قرآن: وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ-وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ سورۃ النساء: 64

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ سورۃ النساء: 65

ترجمہ:- اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے۔ تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

خاکہ:-

1۔ صحابی کی تعریف۔ 2۔ اللہ اپنے محبوب کے لیے کوئی کندگی پسند کرے گا۔

3۔ جب اسلام اور قرآن کا مقابلہ نہ کر سکے تو کفار نے کیا کیا؟

4۔ اب صحابہ اور اہلِ بیعت کے حوالے سے ہمیں الجھایا جارہا ہے۔

5۔ اطاعت اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی اہلِ بیت اور صحابہ کو دیکھ کر۔

6۔ حضرت عمرِ فاروق کو فاروق کا لقب کیسے ملا۔ 7۔ اہلِ بیت سے محبت ہمیں صحابہ نے سکھائی ہے۔

8۔ مقامِ غدیر پر حضرت عمر نے کیا فرمایا تھا؟

25 ذی الحج، خلیفہ دوئم حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت ہے۔ کچھ لوگوں نے یکم محرم بھی لکھا ہے لیکن زیادہ تر ہمارے جو مستند مؤرخین ہیں انہوں نے 25 ذی الحج کو آپ کی شہادت لکھی ہے۔ تو یہ دن قدرتی طور پہ ساتھ ساتھ، پچھلا جمعہ 18 ذی الحج کو آ گیا تھا اور اس جمعہ 25 ذی الحج کی یہ بابرکت ساعتیں ہیں۔ دیکھیے، پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم جو اللہ کا دین لے کے ہم تک لائے، اس دین کی ذمہ داری آ گئے، جو پچھلے جمعے میں نے آپ کو بیان کیا تھا کہ نبوت تو ختم ہو گئی، آگے ولایت نے یہ سلسلہ سنبھالا۔ صحابہ بھی سارے ولی ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا اور صحابہ کی انفرادیت صرف یہ ہے کہ انہوں نے ایمان کی حالت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی۔ ہمارا جو عقیدہ ہے، صحابی کی definition آپ کو پہلے بھی میں نے کئی دفعہ بتائی ہے کہ ایمان کی حالت میں وہ حضور کے پاس بیٹھا ہو اور پھر اسی حالت میں اس کو موت آئی۔ یہ بھی ضروری ہے۔ تو ہمارے ہاں صحابی اسے کہتے ہیں جو حضور کے پاس ایمان کی حالت میں بیٹھا اور وہ ایمان بچا کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچا۔ کیونکہ بہت سے لوگ تھے جو ایمان لائے لیکن بعد میں مرتد ہو گئے۔ سورہ منافقون اسی لیے نازل ہوئی ہے ناں۔ بھائی وہ بھی حضور کے پاس ہی بیٹھتے تھے۔ منافقین بھی حضور کے پاس ہی بیٹھتے تھے۔ تو ہمارا اہل سنت کا جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ایمان کی حالت میں حضور کے پاس بیٹھنا اور پھر اس ایمان کی حالت کی حفاظت کرنا اور پھر اسی حالت پہ اس کو موت آنا۔

جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ پہ تہمت لگی تھی، یہ اٹھارویں میں پارے میں، سورہ نور میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ تو جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو بلا کے پوچھا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے یہ جو تہمت میری بیوی پہ لگائی گئی؟ قران کی آیتیں تو بعد میں نازل ہوئی تھیں۔ اسی لیے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق غلط خیال رکھتا ہے، وہ کفر کے درجے کو پہنچ جاتا ہے کیونکہ وہ قران کی مخالفت کر رہا ہے۔ قرآن ان کو صدیقہ کہتا ہے، طیبہ کہتا ہے، طاہرہ کہتا ہے۔ تو اب اگر کوئی ان پہ بُرا اِلزام لگائے گا تو وہ قرآن کی مخالفت کرتا ہے اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔ تو وہاں ظاہر ہے، مختلف قبائل کے جو سرداران تھے انہوں نے اپنا اپنا نقطہ نظر دیا۔ وہ تو پھر لمبی بحث ہو جائے گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے اس موقع پہ جو بات کہی تھی۔ آج چونکہ حضرت عمر فاروق کا ذکر ہو رہا ہے تو میں آپ کو عرض کر رہا ہوں۔ پہلے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو بکر صدیق سے پوچھا کہ ابو بکر تیرا کیا خیال ہے اپنی بیٹی کے متعلق؟ بھائی بڑا مشکل ہوتا ہے اپنی بیٹی کے متعلق بات کرنا کہ لوگوں نے تہمت لگا دی ہے۔ تو تُو اپنی بیٹی کی کیا صفائی دے گا؟ سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو جب سے کلمہ پڑھا ہے میری کوئی رائے نہیں ہے۔ جب سے میں ایمان لایا ہوں ناں اس کے بعد میری کوئی رائے نہیں ہے اگر آپ عائشہ کو برا سمجھتے ہیں تو میں بھی برا سمجھتا ہوں اور اگر آپ اس کو پاک سمجھتے ہیں تو میں بھی پاک سمجھتا ہوں۔ میری رائے تو وہی ہے جو میرے نبی کی رائے ہے۔ ایمان، کیا پتہ کسی کو کیا شے ہے؟ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی اپنی رائے رکھنا؟ سرکار عمرِ فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کیا جو اللہ آپ کے بدن پہ مکھی نہیں بیٹھنے دیتا وہ کیسے برداشت کرے گا کہ آپ کے حرم میں کوئی گندی عورت جو ہے وہ داخل کرے؟ یہاں ایک بڑی لطیف سی بات حضرت عمر فاروق نے ارشاد فرمائی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ، اللہ آپ کے جسم میں مکھی اس لیے نہیں بیٹھنے دیتا کہ آپ کے جسم سے اُٹھ کر پھر وہ گندگی پہ نہ بیٹھے۔ جس کو آپ سے نسبت ہو جائے، اس نسبت کے بعد وہ گندگی پہ بیٹھے؟ تو جس پہ اللہ کو شک بھی ہو کہ میرے نبی کو چھوڑ کے کوئی گندگی کی طرف جائے گا، اللہ اس کو آپ کے جسم پہ بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بھائی کوئی گندا حضور کی بارگاہ میں چلا جائے، حضور پاک کر دیں تو وہ پھر وہ گندگی کی طرف دیکھے؟ پھر نجاست کی طرف دیکھے؟ تو اس لیے ہمارے اہل سنت کے ہاں جو عقیدہ ہے، وہ یہ ہے کہ اسی ایمان کی حالت میں، اسی پاکیزگی کی حالت میں اسے موت آئے پھر وہ صحابی ہے اور اگر وہ کلمہ پڑھنے کے بعد پھر پلٹ گیا، گندگی کی طرف چلا گیا تو وہ منافق ہے، چاہے وہ حضور کی بارگاہ میں ہی کیوں نہ بیٹھے وہ صحابی نہیں ہے۔

ایک بات میں نے علامہ اقبال کے حوالے سے آپ سے کی تھی۔ علامہ اقبال اپنی ریسرچ میں جو بات کرتے ہیں کہ جب اسلام دشمنوں کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ ہم اسلام کا اور قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو انہوں نے بانی اسلام پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو متنازع بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا ان کے نبی کو متنازع بنا دو اور جب ان کا نبی متنازع ہو جائے گا تو ان کا سارا دین ہی متنازع ہو جائے گا۔ ظاہر ہے اسلام کے دشمن بھی بہت ہیں اور وہ بھی کروڑوں، اربوں میں ہیں۔ وہ ہر وقت اس دین کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں۔ یہ جو آپ کو جھگڑے نظر آتے

ہیں ناں یہ مسلمانوں کے نہیں ہیں کہ نبی پاک کو علم غیب تھا یا نہیں تھا؟ یہ صرف نبی کو متنازہ بنانے کے لیے بات کی گئی۔ چونکہ نبی لفظ نَبَأٌ سے ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو غیب کی خبر دے۔ اس کا لفظی معنی ہے غیب کی خبر دینے والا۔ تو یہ جتنے آپ کو جھگڑے نظر آتے ہیں، نور تھے یا بشر تھے؟ بھائی یہ کوئی مسلمانوں کے جھگڑے نہیں ہیں۔ یہ صرف پیغمبر کو متنازع بنانے کے لیے ہیں۔ ہاتھ باندھتے تھے؟ رفع یدین کرتے تھے؟ کدھر ہاتھ رکھتے تھے؟ ہم کیا کہتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ جہاں جی چاہے ہاتھ رکھو، نماز پڑھو۔ ہمیں ہاتھوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہمیں یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاؤ۔ تراویح 8 تھی کہ 20 تھی؟ یہ سارا اِس دین کو متنازع بنانے کے لیے ہے۔

بھائی یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی کتاب تحریر نہیں کی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے کوئی کتاب لکھ جاتے اور وہ حدیث کی جو کتاب ہے وہ ہمارے تک پہنچ جاتی کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور یہ نبی پاک نے کتاب حدیث کی لکھ دی ہے۔ نبی پاک کی ساری زندگی ہم تک کیسے پہنچی ہے صحابہ کے ذریعے سے ہے۔ پہلا سورس وہی ہے ناں۔ انہوں نے دیکھا ناں پاک پیغمبر کو زندگی گزارتے ہوئے اور اس کے دونوں حصے میں نے بہت دفعہ آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ زندگی کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک گھر کی زندگی اور ایک گھر سے باہر کی زندگی۔ گھر کی زندگی حضور نے کیسے گزاری؟ وہ اہل بیت بتائیں گے اور گھر کے باہر کیسے گزاری وہ اصحابِ رسول بتائیں گے۔ جب یہ دونوں ملتے ہیں تو دین مکمل ہوتا ہے۔ صحابہ بھی اور اہل بیت بھی۔

اب اسلام دشمنوں نے ایک کام کیا کہ کیوں نہ صحابہ اور اہل بیت کی لڑائی جو ہے وہ لوگوں کو بتائی جائے؟ اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم لوگوں کو بتائیں کہ صحابہ بھی اور اہل بیت آپس میں لڑتے تھے۔ وہی تو بنیادی سورس ہے۔ تو جب ان کی لڑائیاں لوگوں کو بتائیں گے تو دین سارے کا سارا خود بخود متنازع ہو جائے گا۔ چونکہ ہمیں دین وہاں سے ملنا ہے ناں۔ اور تو کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے لیے جو سب سے پہلی بات گھڑی گئی۔ ایک جھوٹی کہانی یہ گھڑی گئی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت فاطمہ کے گھر پہ حملہ کیا۔ ان کے دروازے کو آگ لگائی۔ میں تو وہ الفاظ بھی نہیں ادا کر سکتا اور سیدہ کائنات کو تھپڑ مارے گئے۔ ان کے اوپر دروازہ گرایا گیا۔ ان

کی پسلیاں ٹوٹ گئی اور ان کے بطن میں ایک حمل تھا، بیٹا جس کا نام محسن بتاتے ہیں وہ ضائع ہو گیا۔ یہ پہلی کہانی جو مسلمانوں کے اندر بیان کی گئی کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت فاطمۃ الزہرہ کی تو یہ دشمنی تھی اور یہ رو رو کر پھر ایسے بیان کی جاتی ہے کہ ہم مسلمان جب سنتے ہیں تو وہ کہتا ہے یار اتنے ظالم تھے صحابہ کہ نبی کی بیٹی کے ساتھ انہوں نے یہ ظلم کیا؟ اور مقصد کیا ہے کہ جب صحابہ اور اہل بیت کی لڑائیاں سامنے آجائیں گی تو دین خود بخود ہی ختم ہو جائے گا۔ اس دین کی credibility کیا رہ جائے گی؟ کیا حیثیت رہ جائے گی؟

یہ کہانی سب سے پہلے جس بندے نے بیان کی اس کا نام تاریخ میں ہے سلیم بن قیس الہلالی۔ عامری ہلالی بھی کہتے ہیں۔ ایک شخص ہے ابان ابی عیاش۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس کا شاگرد ہوں۔ کتاب کا نام ہے سقیفہ۔ میں اکثر آپ کو کہتا ہوں ناں کہ کتابوں میں تو بہت کچھ لکھا ہے۔ میرے پاس اصل دین وہ ہے جو سینہ بہ سینہ پہنچا ہے اور وہی دین آج تک قائم ہے۔ یہ کتاب مرتب کی اِسی ابان نبی عیاش نے اور یہ سَندیوں بیان کرتا ہے؛ سند یہ ہوتی ہے کہ اس نے فلاں سے سنا اس نے فلاں سے سنا، اسماء الرجال کا یہ جو علم ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ یہ کتاب مجھے دی سلیم بن قیس نے جس کا نام میں نے پہلے ذکر کیا وہ کہتا ہے کہ میں حضرت عبد اللہ ابن عباس کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ عبد اللہ ابن عباس نبی پاک کے چچازاد بھائی ہیں۔ حضرت عباس کے بیٹے، حضور کے چچا جو عباس تھے۔ تو ایک شخص نے آکے خبر دی کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت فاطمہ کے گھر پہ حملہ کر دیا ہے۔ کچھ لوگوں کو لے کے آئے ہیں اور ان کے گھر کو آگ لگا دی ہے۔ یہ وہ سند بیان کر کے آگے یہ کہانی جو ہے وہ سنائی جاتی ہے۔ الحمد للہ، اللہ کا شکر یہ ہے کہ اسلام کے جو بڑے محققین ہیں، مثلاً جو شیعہ فرقے کے بڑے عالم ہیں، ان میں علامہ حلی ہیں۔ اسماء الرجال پہ ان کی سب سے بڑی کتاب ہے۔ یہ شیعہ عالم ہیں، حالانکہ اس واقعہ کو زیادہ شیعہ لوگ بیان کرتے ہیں لیکن وہ چونکہ عالم ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے، کذاب ہے اور یہ کہانی اس نے گھڑی ہے۔ علامہ حلی نے لکھا ہے یہ۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس کتاب کو صحیح مان لیا جائے، اس سقیفہ کو تو سارے دین کا ہی بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ یہ علامہ حلی کہہ رہے ہیں۔ یہ شیعوں کے بہت بڑے عالم ہیں، اسماء الرجال کے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کے ابتدا میں وہ بدبخت یہ کہتا ہے کہ یہ جو قرآن ہم تک پہنچا ہے یہ تحریف شدہ ہے۔ اس میں کچھ آیتیں داخل کر لی گئی ہیں اور کچھ نکال دی گئی ہیں۔ اور

قران کیا کہہ رہاہےاِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1]۔ اللہ فرماتا ہے کہ ذکر کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اس کے جھوٹا ہونے کے لیے تو یہی بات کافی ہے کہ وہ قرآن پہ بات کرتا ہے۔ اس لیے اس کی کسی بات پہ اعتبار نہ کرنا۔ یہ کذاب ہے۔ جھوٹا ہے۔ اس نے یہ کہانی وضع کی ہے۔ ان کے ایک اور بہت بڑے عالم ہیں علامہ مفید۔ انہوں نے بھی اس کو کذاب اور جھوٹا کہا ہے۔ اہل سنت کے بھی تمام بڑے علماء نے اس کو کذاب اور جھوٹا کہا ہے۔ لیکن لوگ کرتے ہیں بیان اس کہانی کو اور لوگوں کے ایمان جو ہیں وہ متزلزل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ علامہ عسقلانی نے یہ بات کہی کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس کے جتنے بھی تلامذہ ہیں، جتنے بھی شاگرد ہیں ان میں اس بندے کا نام نہیں آتا۔ حدیث کی کسی کتاب میں اس بندے سے تو کسی نے حدیث روایت ہی نہیں کی۔ اور اس نام کا بندہ ہی کوئی نہیں جو حضرت عبد اللہ ابن عباس کی محفل میں کبھی بیٹھا ہو۔ اور یہ جو اس کا شاگرد ہے یہ بھی کذاب ہے جو اپنے آپ کو شاگرد کہتا ہے۔ کہتے ہیں چونکہ سلیم بن قیس نام کا تو بندہ ہی کوئی نہیں ہے۔ یہ ابان نبی ابی عیاش نے یہ کتاب مرتب کی اور اس میں یہ کہانی درج کی ہے۔ یہ ہے اس کہانی کی ابتداء۔ جس کو شیعہ سنی تمام علماء نے جھوٹا کہا ہے اور اس کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ جب یہ سارا واقعہ پیش آیا، اس وقت حضرت علی گھر میں موجود تھے۔ کوئی صاحب عقل بندہ یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ علی کی موجودگی میں اس کی بیوی پہ تشدد ہو اور وہ آگے بڑھ کے اس کو روک نہ سکے؟ یعنی ایسے ایسے ظلم کیے گئے ہیں ہمارے دین کے ساتھ۔ اور پھر ایک بندہ نہیں بتاتے۔ میں تو وہ چونکہ تاریخ پڑھ کے آیا ہوں، اس میں 25 سے 30 آدمی بنی ہاشم کے اس وقت گھر میں موجود تھے۔ یار بنی ہاشم موجود ہوں، صحابہ موجود ہوں اور ان کی موجودگی میں؟ کوئی عام عورت ہے؟ سیدہ کائنات کے ساتھ ظلم ہو رہا ہو اور یہ 30 بندے خاموش بیٹھے ہوئے تھے؟ انہوں نے وہ ظلم ہونے دیا؟ اور پھر دیکھیے جی انہیں چوٹوں کے ساتھ ان کی شہادت ہوئی؟ یہ فتنے ابتدائے اسلام میں ہی پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن اہل حق نے، اہل علم نے آگے بڑھ کر ان تمام فتنوں کی سرکوبی کی۔

[1] سورۃ الحجر:9

اس کے ساتھ دوسری کہانی جو جوڑی گئی کہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنی بیعت کروانے کے لیے، یہ کہانی شروع یہاں سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر فاروق کو اور لوگوں کو بھیجا کہ جاؤ علی کو لے کے آؤ مسجد میں۔ وہ میری بیعت کریں اور حضرت علی جو ہیں وہ آ نہیں رہے تھے۔ اس لیے حضرت فاطمہ کا گھر جلا دیا گیا۔ حضرت علی چھپے ہوئے تھے بیوی کے پیچھے۔ اوہ بغیر تو! ہم تو علی کو شیر خدا مانتے ہیں۔ ایک طرف تم یہ بیان کرتے ہو کہ خیبر کے قلعے کا دروازہ جس کو 80 بندے ہلا نہیں سکتے تھے، علی نے ایک ہاتھ سے اس کو اکھاڑ کے اپنی پشت پہ رکھا اور فوج اس کے اوپر سے گزاری۔ وہ دروازہ اکھاڑ کے پھینکا نہیں تھا۔ اپنی پشت پہ رکھا تھا کہ باقی فوج قلعے میں داخل ہو سکے۔ اس علی کے گلے میں رسی ڈال کے العیاذ باللہ کھینچ کر مسجد نبوی شریف میں لایا گیا؟ ایسی ایسی بد تمیزی کی باتیں کی گئیں۔ اور یہ سب کچھ ہونے کے بعد ابو بکر صدیق کا وصال ہو اور حضرت علی پاک آپ کی بیوی سے شادی بھی کریں اور حضرت ابو بکر صدیق کے بیٹے کو اپنے گھر لے آئیں اور اس کی پرورش بھی کریں۔ تو عقل مانتی ہے اس جھوٹی کہانی کو؟ کوئی ذی شعور انسان اس واقعہ کو تسلیم کر سکتا ہے؟ تو دو کام جو ہیں وہ کیے گئے ایک تو اللہ کے نبی کو متنازع بناؤ اور ایک اہل بیت اور صحابہ کی لڑائیاں لوگوں کو بتاؤ کہ وہ تو آپس میں بڑا لڑتے تھے۔ تو جب وہاں پر ہی دین مشکوک ہو جائے گا تو آگے اس دین کو کون مانے گا لیکن ان بے وقوفوں کو کیا پتہ کہ نبی بھی یہ دین ولیوں کے حوالے کر کے گئے اور ہم پیغمبر کی ہر نسبت کا تحفظ کرتے ہیں۔ وہ صحابہ ہوں، وہ اہل بیت ہوں، جس کو بھی میرے نبی سے نسبت ہے، ہم اس کا تحفظ کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔

میں نے پچھلے جمعہ جو آیت آپ کے سامنے رکھی تھی سورۃ توبہ سے وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍۙ-رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ[1]۔ سبقت لے گئے، پہلے پہل جنہوں نے اس دین کو قبول کیا نبی پاک کی دعوت کو قبول کیا وہ مکے کے مہاجر بھی ہیں اور مدینے کے انصار بھی۔ جو مدینے سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے ایک ایک چیز کا قرآن میں ذکر کیا۔ کون اس دین میں آگے بڑھے؟ مہاجرین اور

---

[1] سورۃ التوبہ:100

انصار۔ ابو بکر صدیق مہاجرین میں سے ہیں۔ سابقون اولون میں سے ہیں۔ عمر فاروق مہاجرین میں سے ہیں۔ سابقون اولون میں سے ہیں۔ میں جو بار بار آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ کی وابستگی اس قرآن سے رہے گی تو یہ میرے پیغمبر کا حکم ہے کہ تم گمراہ نہیں ہوگے۔ کوئی آپ کو حدیث کی جتنی بڑی کتاب سامنے لاکے کہے کہ یہ بات بخاری میں لکھی ہے، مسلم میں لکھی ہے، اصول کافی میں لکھی ہے ہمیں حکم یہ ہے کہ اگر اس قرآن کے خلاف ہے تو اس کو دیوار پہ دے مارو۔ قران کہے کہ یہ سابقون اولون، جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کو قبول کیا اور ساتھ تشریح بھی کر دی کہ وہ مہاجرین ہیں اور انصار ہیں۔ اور میرا اللہ جواد ہے کریم ہے۔ ان کی شان کو بیان کرنے کے لیے فرمایاوَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ۔ اب جو لوگ ان مہاجرین اور انصار کی غلامی اختیار کریں گے۔ اللہ ان سب سے راضی ہو گیا۔ اب اگر کوئی ایسا فتنہ باز انسان ملے یا کہیں آپ کو کوئی بات ایسی سننے کو ملے، اس سے کہنا کہ اللہ ظالموں سے راضی نہیں ہوتا۔ یہ قران ہے۔ دو چیزیں قرآن نے بیان کی ہیں۔ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ [1] اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ [2] اور اللہ ظالموں سے محبت بھی نہیں کرتا۔ اللہ کسی ظالم سے راضی نہیں ہوتا اور اگر اللہ کہے کہ اللہ مہاجرین سے بھی راضی ہے اور انصار سے بھی راضی ہے تو تُو بکواس کرتا ہے، ان سے تو اللہ راضی ہے۔ اس دین پہ ہم یہ حرف نہیں آنے دیں گے۔ اس لیے کہ نبی پاک ﷺ کا دین ان دونوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ حضور کی سیرت مکمل نہیں ہوتی۔ مثال میں نے کئی دفعہ پہلے بھی دی ہے۔ ہجرت کی رات دونوں کردار ہیں ناں، اس جملے کو سمجھنے کے لیے۔ گھر میں امانتیں کن کن لوگوں کی ہیں؟ کن کو واپس کرنی ہیں؟ گھر بستر پہ کس کو لٹایا؟ علی کو۔ گھر کے حالات علی بتائے گا اور غار کے حالات ابو بکر یار غار بتائے گا۔ اب ہجرت کا سفر بھی صرف اہل بیت نہیں بتا سکتے اور نہ صرف صحابہ بتا سکتے ہیں۔ دونوں اکٹھے ہوں گے تو ہجرت کا پتہ

[1] سورۃ آل عمران:86

[2] سورۃ آل عمران:140

چلے گا۔ اس لیے یہ ایک سازش شروع سے ہوتی آئی کہ ایک تو پیغمبر کو متنازع بناؤ اور وہ جو ایک بنیادی سورس سے ہے حضور کی زندگی کا ہم تک پہنچنے کا، صحابہ اور اہل بیت کا، ان کو متنازع بناؤ۔

اب یہ پہلی آیت کا میں ترجمہ چلو عرض کر دیتا ہوں۔ اللہ فرماتا ہے وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اللہ نے زندگی دی تو اگلے جمعہ اس پہ گفتگو کریں گے۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ رسول اللہ کیوں بھیجتا ہے؟ اللہ یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ ہم نے رسول بھیجا ہے تا کہ اس کی اطاعت کرو۔ نہیں۔ اس لیے رسول بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اِس کی اطاعت کرو۔ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اور اگلی بات وَ لَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ۔ اگر اس اطاعت میں کوئی کمی بیشی رہ گئی۔ گناہ ہو گئے۔ جانوں پہ ظلم کر لیا۔ تو اب کیا کرو؟ اب بھی اس نبی کے در پہ آ جاؤ۔ وقت کم ہے ورنہ میں تفصیل سے بات کرتا۔ اللہ کے حکم سے رسول کی اطاعت کرو۔ اب اگر ظلم کر بیٹھو اپنی جانوں پہ۔ تو پھر اسی نبی کے در پہ آنا۔ یہ نہیں کہا کہ خانہ کعبہ چلے جانا۔ اس آیت میں یہ نہیں ہے کہ جانوں پہ ظلم کر لو تو خانہ کعبہ چلے جانا۔ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ پھر اسی نبی کے در پہ آنا اور اللہ سے استغفار کرنا۔ معافی مانگنا۔ وَ اسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ اور رسول بھی تمہارے لیے معافی مانگیں۔ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا تو پھر تم اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پاؤ گے۔

بھائی اطاعت میں نے کرنی ہے اللہ کے حکم سے رسول کی۔ رسول تک پہنچاتے ہیں اہل بیت اور صحابہ۔ گھر میں کیسے گزارا کرنا ہے؟ اہل بیت بتائیں گے۔ باہر زندگی کیسے گزارنی ہے؟ صحابہ بتائیں گے۔ ان دونوں کے بغیر میں نبی کی اطاعت نہیں کر سکتا لیکن اگر پھر کوئی وجہ ہو جائے۔ بس ایک جملہ اس آیت کا سن لیں۔ آنا پھر اسی در پہ ہے۔ جَآءُوْكَ تیرے پاس آئیں۔ كَ، كُمَا، كُمْ۔ تیرے پاس آئیں۔ واحد کا صیغہ ہے۔ ایک کو کہنا ہو تو کہتے ہیں السلام علیک تیرے اوپر سلامتی ہو اور سب کو کہنا تو کیا کہتے ہیں السلام علیکم۔ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ یعنی یہ مخاطب کر رہے ہیں۔ اللہ کہہ رہا ہے تیرے پاس آئیں۔ بس اس جملے کو مفسرین نے وسیلہ کہا ہے۔ جَآءُوْكَ کیا ہے؟ وسیلہ ہے۔ جانوں پہ ظلم کیا تھا ناں؟ نافرمانی اللہ کی ہو گئی تھی؟ تو وسیلہ اختیار کرو۔ وسیلہ اختیار کرنے سے معافی نہیں ملے گی۔ استغفر اللہ سے

معافی نہیں ملے گی۔وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ رسول بھی تیرے لیے اللہ سے معافی مانگیں۔رسول بھی کہیں کہ یا اللہ اسے معاف کر دیں۔ تو یہ دو جملوں کی تشریح تو بڑی لمبی مفسرین نے لکھی ہے۔بس یہ دو جملے آج ذہن میں رکھنا۔ جَآءُوْكَ وسیلہ ہےوَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ اور شفاعت ہے۔نبی کا وسیلہ بھی مانیں اور نبی کی شفاعت کی مانیں۔پیغمبر کا صرف وسیلہ بنانے سے بھی بات نہیں بنے گی جب تک حضور کی شفاعت کو نہیں مانتے۔حضور سفارش کریں۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔اوہ بد بختو!یہ آیت تو نازل ہی اس وقت ہوئی ہے جب عمر فاروق نے ایک منافق کو قتل کیا اور اس کے خاندان والوں نے آ کے کہا کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کیا۔اللہ نے تو منافق اور مسلمان کے فرق کو ہی تو عمر کو فاروق بنایا ہے۔یہ فاروق کا لقب ان کو کہاں سے ملا؟اوہ پہلے تو منافق بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔منافق بھی کہتے تھے ہم نمازیں پڑھتے ہیں۔وہ تو عمر نے منافق کو قتل کیا۔اس کے قبیلے والوں نے کہا کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا اور میرے اللہ نے قسم اٹھا کے کہا کہ جس کو میرے نبی کا فیصلہ نہیں منظور وہ تو مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔خبردار کسی نے کہا کہ عمر نے کسی مسلمان کو قتل کیا۔قرآن کریم نے یہاں ایک بڑی بات کہی۔آپ مجھے یاد نہیں کرواتے موضوعات بڑے رہ جاتے ہیں۔یہ مقام اللہ کس کو دیتا ہے؟یہ فاروق کا مقام اللہ کسے دیتا ہے؟ اوہ بھائی!بظاہر دو بندے نماز بھی پڑھ رہے ہیں،کلمہ بھی پڑھ رہے ہیں۔ایک منافق ہے ایک مومن ہے۔کون فرق کرے؟یہ کوئی چھوٹی بات ہے؟تو قران کریم نے یہاں ایک بات کہی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا[1]۔یہ قرآن کی آیت کبھی یاد کروانا،یہ پورا موضوع ہے۔اے ایمان والو اللہ کے لیے تقویٰ اختیار کرو،متقی بن جاؤ۔اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا اگر تم تقوی اختیار کرو گے تو پھر وہ اللہ تمہیں بنائے گا فرق کرنے والا۔یہ منزل تقویٰ کے بعد ملتی ہے۔اللہ نے عمر کو متقی بھی بیان کیا ہے اور فاروق بھی بیان کیا ہے۔ان بد بختوں کے کہنے سے عمرِ فاروق کو کیا فرق پڑتا ہے؟

[1] سورۃ الانفال:29

جو اہل بیت کے ساتھ صحابہ کی محبت ہے، تمہیں کیا پتہ؟۔ کیا محبت عمر فاروق نے بتائی تھی کہ جب یمن سے سامان آیا۔ وہ مال غنیمت آیا تو حضرت عمر فاروق نے تقسیم کرنا شروع کیا تو سرکار امام حسن اور حسین کو بھی بلایا۔ تو مال غنیمت تو بھائی مجاہدین کا ہوتا ہے جو جنگ میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ تو حضرت عمرِ فاروق کے بیٹے نے یہ بات کہہ دی کہ آپ ان کو ہمیشہ ہمارے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ تو جنگ میں گئے بھی نہیں تھے۔ یہ تو مدینے میں تھے اور ان کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا جارہا ہے؟ ان کو بھی یہ عزت دی جارہی ہے؟ یہ محبتِ اہل بیت ہمیں کسی مولوی نے نہیں سکھائی۔ عمر فاروق نے سکھائی ہے۔ آپ نے اس وقت جو جملے ارشاد فرمائے۔ آپ نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا تھا تیرا نانا حسین کے نانا جیسا نہیں ہے۔ تم بغیر تو کہتے ہو کہ انہوں نے فاطمہ کا گھر جلایا؟ دوسرا جملہ سرکار عمر فاروق اپنی اولاد کو یہ کہا تھا۔ تیری ماں حسین کی ماں جیسی نہیں ہے۔ وہ خاتون جنت ہے۔ پھر فرمایا کہ تیرا باپ حسین کے باپ جیسا نہیں ہے۔ ابھی 18 ذی الحج کو، پچھلے جمعہ کو جو ہم نے بیان کیا۔ 18 ذی الحج کو یہی عمر فاروق غدیر میں کہہ رہے تھے کہ آج کے بعد علی میرا بھی مولا ہے۔ اس عمر پہ یہ الزام لگاتے ہو؟ جس کے تقویٰ کی گواہی قرآن دے۔ جس کے فیصلے کے لیے قرآن کی آیتیں اُتریں۔

اس لیے اگر اس قرآن سے وابستہ رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ کوئی بندہ آپ کو یہ کہانی سنائے، وہ کہانی سننی نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ میرے مولا علی کی بھی توہین ہے کہ مولا علی موجود ہوں اور سیدہ پاک کے ساتھ یہ ظلم ہو؟ بنی ہاشم موجود ہوں؟ اور آئمہ رجال نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ اسلام کو تو چھوڑیں۔ دور جہالت میں بھی عرب کا قبیلہ اور عرب کے قبائل یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کسی عورت کے ساتھ کوئی ایسا ظلم کرے۔ یہ تو دور جہالت میں عرب یہ برداشت نہیں کرتے اور مدینہ بھرا ہوا صحابہ کیساتھ اور کوئی سیدہ پاک کے ساتھ یہ ظلم کرے؟ کچھ عقل سے کام لو۔ لیکن چونکہ وہ اسلام دشمنی پیچھے موجود ہے۔ سمجھتے ہیں کہ جب تک نبی پاک کو اور صحابہ اور اہل بیت کو متنازع نہیں بنائیں گے اس وقت تک اس دین کو متنازع نہیں بنا سکتے۔ تو یہ شانیں اللہ تعالیٰ نے قران میں ان کی بیان کی ہیں کہ مہاجرین سے بھی اللہ راضی ہے اور انصار سے بھی۔ ساتھ قرآن نے کہا کہ اللہ کبھی ظالموں سے راضی نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب ہے یہ جو کہانی بیان کرتے ہیں، یہ جھوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

اللہ کا قرب پیغمبر کی اتباع میں ہے

قرآن: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ-يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْؕ-فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤۙ-اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠- سورة الاعراف: 157

ترجمہ:- وہ جو اس رسول کی اتباع کریں جو غیب کی خبریں دینے والے ہیں، جو کسی سے پڑھے ہوئے نہیں ہیں، جسے یہ (اہلِ کتاب) اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور انہیں برائی سے منع کرتے ہیں اور ان کیلئے پاکیزہ چیزیں حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں اور ان کے اوپر سے وہ بوجھ اور قیدیں اتارتے ہیں جو ان پر تھیں تو وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

خاکہ:- 1۔ انسان کا مقصدِ حیات ہے فلاح کا حصول۔

2۔ پاک پیغمبرؐ کے ماننے والوں کا ذکر پہلی آسمانی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔

3۔ تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ کے بغیر اتباع ناممکن ہے۔

4۔ اللہ نے سرکارِ دوعالم کا تعارف "محمد رسول اللہ" کرایا ہے "محمد بن عبد اللہ نہیں۔

5۔ تمام رسولوں نے کبھی اپنے لیے رسول کا لفظ استعمال نہیں کیا، کیوں؟

6۔ تمام مخلوقات کا دعویٰ ہے کہ اللہ ان کے قریب ہے۔

7۔ اللہ اس کے قریب ہوتا ہے جو پیغمبر ﷺ کے قریب ہو جائے۔

8۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی زبانِ مبارک سے بس حق ہی نکلتا ہے۔

9۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

10۔ مجھے تو اس نبی کے جوتوں کے تسمے باندھنے کے لیے رکھ لیں تو بھی سعادت کی بات ہے۔ (حضرت عیسیٰؑ)

سورہ االاعراف کی یہ جو آیہ مبارک آج میں نے تلاوت کی ہے، کیونکہ مقصد تو انسان کا فلاح پانا ہے اور یہ کتاب اسی لیے اللہ نے نازل کی ہے کہ انسان جو ہے وہ فلاح پا جائیں، کامیاب ہو جائیں۔ تو ایک چونکہ فلاح کے حوالے سے اس آیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اصل میں تو یہ خطاب موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ہے۔ یہ پیچھے جو تذکرہ آرہا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے لیکن قیامت تک یہ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے بھی یہ ہے کہ کون ہے شخص جو کامیاب ہو گا؟ یہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے، ان کی اُمت سے بھی کہہ رہا ہے اور پھر قیامت تک کے لیے انسانوں سے بھی مخاطب ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ جو لوگ اتباع کریں گے رسول کی اور نبی امی کی۔الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ان کا تذکرہ انجیل میں بھی پائیں گے۔ تورات میں بھی پائیں گے۔يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وہ پیغمبر نیکی کا، معروف کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے۔وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لیے حلال فرما دیں گے وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور پلید چیزوں کو تمہارے لیے حرام قرار دیں گے۔وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ تمہاری گردن کے جو بوجھ ہیں یہ اتار دیں گے۔ یہ تمہارے گلوں میں جو طوق لٹکے ہوئے ہیں، یہ جتنے بوجھ ہیں، یہ سب اللہ کے رسول آ کے تمہارے بوجھ اُتار دیں گے۔فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ جو لوگ ان پر ایمان لائیں گے۔ جو کہتے ہیں ناں، ماشاءاللہ قاری صاحب بھی نعت پڑھ رہے تھے تو ہم یہی کہتے ہیں کہ ہم نے دل اللہ کے رسول کو دے دیا۔ ایمان یہی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ اگر ایمان لے آئے تو پھر کیا کرو؟ وَ عَزَّرُوْهُ پھر میرے نبی کی عزت بھی کرو۔وَ نَصَرُوْهُ میرے پیغمبر کی مدد بھی کروو َ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اور اس نور کی اتباع کرو جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے۔اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اگر یہ نو چیزیں تمہارے اندر آ گئیں تو پھر سمجھو کہ تم فلاح پا گئے، کامیاب ہو گئے۔

تو اس میں پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نو صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ کہ جو لوگ اتباع کریں گے رسول کی۔ یہ بڑی حیران کن بات ہے۔ اس کو سمجھنے کی ہم کوشش کریں گے کہ آیت شروع بھی اتباع سے ہوئی اور اس کا اختتام بھی اتباع سے ہوا وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ۔یعنی یہ شروع

بھی اس بات سے ہوئی ہے کہ اللہ کے رسول کی اتباع کرنی ہے اور اس کا اختتام بھی اتباع کرنے پہ ہوا لیکن درمیان میں تعظیم مصطفیٰ کو رکھ دیا کہ کسی بھی شخص کی اتباع ابتدا اور انتہا پہ ہو لیکن اگر اس کے دل میں پاک پیغمبر کی تعظیم ہے تو وہ اتباع کرتا ہے۔ اب یہاں پہ، پہلے تو فرمایا رسول پھر فرمایا نبی، پھر فرمایا اُمی۔ یہ تین لفظ اکٹھے آئے۔ رسول کے متعلق آپ لوگ جانتے ہیں۔ علماء سے آپ سنتے رہتے ہیں۔ عام فہم سی بات جو کی جاتی ہے کہ جو صاحب کتاب ہوتے ہیں، صاحب شریعت ہوتے ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش پیغمبروں میں سے صرف 313 یا 317 رسول ہیں۔ دو روایتیں ہیں۔ باقی سارے نبی ہیں لیکن اس ڈیفینیشن سے بھی اختلاف اس لیے کیا جاتا ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اور صحائف اگر اکٹھے کر لیے جائیں تو وہ 104 یا 108 بنتے ہیں اور رسولوں کی تعداد 313 یا 317 ہے۔ اور رسول کا لفظ فرشتوں کے لیے بھی استعمال کیا اور انسانوں کے لیے بھی استعمال کیا۔ جیسے سورہ مریم میں، جب جبریل آئے حضرت مریم کے پاس۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے رسول ہوں۔ تمہیں بچے کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو کسی انسان نے چھوا ہی نہیں؟ تو یہ کیا ہو جائے گا معاملہ؟ تو وہاں جبریل کے لیے قرآن نے لفظ رسول استعمال کیا۔

نبی کا لفظ نبأ سے نکلا ہے۔ غیب کی خبر دینے والا۔ یہ جملہ نبی کے متعلق ضرور سمجھنا ہے کسی بشر کے وسیلے کے بغیر اللہ کی ذات اور صفات کا علم دینے والا نبی ہوتا ہے۔ یعنی اس نبی نے اِس دنیا سے کچھ نہیں سیکھا ہوتا۔ اس نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ نہیں تہ کیا ہوتا۔ لیکن یہاں جو محبت کی بات ہے وہ میں آپ کے ساتھ ضرور شیئر کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم فرقان حمید میں پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کے جو ذکر کیا وہ چار مقامات پہ کیا۔ نبی پاک کا نام جہاں پہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ خوف اس لیے آتا ہے۔ ہم سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لیتے ہیں۔ اللہ کے پیارے رسول کہہ لیتے ہیں۔ صحابہ کی تاریخ جتنی میں نے پڑھی ہے، یقین جانیے، جب وہ لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ادا کرنے لگتے تھے تو کانپ جاتے تھے۔ زبان سے یہ لفظ ادا کرتے ہوئے انکی کیفیت یہ ہو جاتی تھی۔ اسی لیے یا نبی اللہ، یا رسول اللہ یعنی صفات سے وہ ذکر کرتے تھے اور قران کریم میں بھی چار مقامات پہ

ذکر آیا ہے۔ پہلے چوتھے پارے میں اللہ نے فرمایا وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ[1] پھر سورۃ احزاب میں مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ[2]۔ سورہ فتح کی آخری آیت میں پڑھتے ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ یہ بات میں نے اس لیے شروع کی ہے کہ اللہ تعالی نے میرے اور تمہارے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف اس دنیا کے حوالے سے کروایا ہی نہیں کہ وہ مکی ہیں، مدنی ہیں، مطلبی ہیں، قریشی ہیں، ہاشمی ہیں؟ نہیں۔ اللہ تعالی نے ان کا تذکرہ جہاں بھی کیا ہے اس حوالے سے کیا ہے کہ تم نے جب دیکھنا ہے ناں تو اللہ کا رسول دیکھنا ہے۔ اس سے کم نہیں دیکھنا۔

اور میں نے، آپ نے، کیا ادب احترام کرنا ہے۔ حیران ہوتا ہوں میں کہ ان 313 یا 317 رسولوں میں اولوالعزم رسول بھی ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم رسول ہیں۔ یہ رسول سے اوپر کا درجہ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسول ہیں۔ عیسی علیہ السلام اولوالعزم رسول ہیں۔ یہ سارے رسول بھی ہیں۔ صاحب کتاب بھی ہیں اور اولوالعزم بھی ہیں۔ لیکن کسی رسول نے دنیا میں آ کے یہ نہیں کہا کہ کلمہ یہ پڑھو کہ لا الہ الا اللہ ابراہیم رسول اللہ۔ حالانکہ ہیں رسول۔ رسول سے بھی اوپر کا درجہ اولوالعزم رسول۔ لیکن یہ لفظ رسول کا ادب جو ہے، یہ نبیوں نے بھی اس کو ملحوظ خاطر رکھا؛ رسول ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو رسول نہیں کہا۔ اولوالعزم رسول ہوتے ہوئے بھی دنیا میں آ کے اپنی رسالت کا کلمہ نہیں پڑھایا اور اس کائنات میں آدم علیہ السلام سے لے کے میرے بعد پاک پیغمبر ﷺ تک یہ واحد ہستی ہے جنہوں نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اگر اس رسول کی آپ کو سمجھ آجائے۔ اس کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عہد لیا تھا۔ تو فرمایا وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ[3] اس محفل میں رسول بھی بیٹھے تھے ناں؟ رسول بیٹھے ہوئے تھے لیکن اللہ نے ان

---

[1] سورۃ آل عمران:144

[2] سورۃ الاحزاب:40

[3] سورۃ آل عمران:81

سب کو نبی کہا۔وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ اللہ نے نبیوں سے عہد لیااور پھر ان سے فرمایا جب میرا رسول آئے۔تو نبیوں نے اصل میں وہ جو معاہدہ تھا، اس پہ قائم رہے کہ اس دنیا میں اگر اللہ نے ان کو رسالت دی بھی تو انہوں نے اپنے آپ کو رسول نہیں کہا۔ کہا رسول ایک ہی ہے اور وہ محمد رسول ہے۔ ﷺ۔ اپنے آپ کو نبی کہتے رہے۔

تو میرے اللہ نے بھی یہاں پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسی لفظ سے شروع کیا۔اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ۔ یہ بات اکثر کرتا رہتا ہوں کہ یہ میرے اللہ کا عجیب معاملہ ہے۔ رولا شروع دن سے جو ہے، پہلے دن سے جو ہے ناں، وہ صرف یہ ہے کہ ہر مخلوق کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم اللہ کے زیادہ قریب ہیں۔ ابلیس کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ میں اللہ کا زیادہ مقرب ہوں اور وہ علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تلبیسِ ابلیس میں جو قرآن کریم کی آیات اس حوالے سے لکھیں ہیں کہ ابلیس نے جب اللہ سے پوچھا کہ مولا کریم، اس وقت بھی معاملہ یہی تھا کہ میں اسے سجدہ کروں جو ابھی پیدا ہوا ہے۔ اس کے نامہ اعمال میں نہ کوئی نماز، نہ روزہ، جس نے عبادت بھی کوئی نہیں کی اور میرے نامہ اعمال میں ہزاروں سال کے سجدے ہیں۔ بھائی یہ بات تو بڑی مشکل ہے ناں۔ یہاں کوئی ستر، اسّی سال کا بابا بیٹھا ہو اور اسے کہا جائے کہ تم اس بچے کو سجدہ کرو جو ابھی پیدا ہوا۔ تو بات تو بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ تو علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی، شیخ سعدی کے استاد ہیں، ان کی کتاب تلبیسِ ابلیس کے اندر میں نے پڑھا تھا، اس نے کہا مولا کریم میرے نامہ اعمال میں ہزاروں سال کی عبادت اور یہ ابھی پیدا ہوا ہے۔ مجھے یہ بتا کہ تو نے اسے مجھ پہ فوقیت کیوں دی؟ اس کو بھی یہ تھا کہ میں اللہ کے زیادہ قریب ہوں۔ لیکن ابن جوزی یہاں پہ جو مقدمہ لکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ صفت تو فرشتوں کے پاس بھی تھی۔ فرشتوں کے پاس بھی تو ہزاروں سال کی عبادت تھی۔ فرشتوں نے تو یہ اعتراض نہیں کیا کہ مولا کریم ہمارے نامہ اعمال میں ہزاروں سال کی عبادت ہے۔ ہم آدم کو سجدہ کیوں کریں۔ تو فرشتوں نے سجدہ کر دیا۔ ابلیس نے نہیں کیا۔ رولا وہاں بھی یہی تھا، وہ سمجھتا تھا کہ میں فرشتوں سے زیادہ مقرب ہوں اور میرے اللہ نے یہاں پہ جو جملہ ارشاد فرمایاوَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

اِبْلِيْسَ-اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ [1]- یہ کَانَ جو ہے ناں یہ ماضی کا صیغہ ہے۔ کَانَ کا معنی ہوتا ہے "تھا" اللہ یہ نہیں فرمارہا کہ وہ اب کافر ہوا ہے۔ فرمایا وہ تھا ہی کافروں میں سے۔ یہ آیت کا اختتام بڑا عجیب ہے وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ وہ تھا ہی کافروں میں سے۔ مولا کریم پھر یہاں پہ لا کے اس کو کیوں نکالا؟ پہلے ہی نکال دیا جاتا اور اللہ کو یہ بھی علم تھا کہ اس نے سجدہ نہیں کرنا۔ اب یہاں جو لائن ڈرا کی گئی وہ یہ تھی کہ یہاں سے چونکہ انسانوں کا سلسلہ شروع ہونا ہے تو لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے، دعویٰ سب نے یہی کرنا ہے کہ میں اللہ کے قریب ہوں۔ میں اللہ کے قریب ہوں۔ تو یہ قرآن کریم کی آیت ان کو سمجھا رہی ہے کہ اللہ اس کے قریب ہوتا ہے جو نبی کے قریب ہوتا ہے۔ یعنی فرشتوں کو اللہ کا قرب کیوں مل گیا؟ انہوں نے سجدہ کر لیا؟ یعنی ایمان کا معیار کبھی بھی توحید نہیں رہا۔ رسالت رہا ہے۔ اگر توحید ہوتا تو پھر ابلیس جو ہے ناں وہ بہت آگے نکل جاتا۔ اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہو جائے کہ میں اللہ کے بڑا قریب ہوں تو وہ یہ سوچ لے کہ اللہ اس کے قریب ہوتا ہے تو اس کے نبی کے قریب ہوتا ہے۔ جو نبی سے دور ہو، اس کے سجدے اس کے منہ پہ مار دیے جاتے ہیں۔

دوسرا یہ غزوہ بدر کی آیت میں اسی پارے میں دیکھ رہا تھا۔ اللہ فرماتا ہے کہ تمہاری یہ خواہش تھی، یہ لفظ رسول کی نسبت اگر آپ کی سمجھ میں آجائے کہ یہ نسبت کتنی بھاری ہوتی ہے۔ پھر اپنے جوزی نے، جو ان کی کتاب جو ہے ناں "الوفا" یہ میں تھوڑا سا تعارف آپ کو کروادوں ابن جوزی کی کتاب "الوفا" یہ آخری کتاب ہے۔ یہ 328 کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ آخری کتاب ان کی جو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پہ لکھی گئی۔ یہ جامعہ الازہر کے کورس میں شامل رہی۔ آپ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کے نامہ اعمال میں بھی ہزاروں سال کی عبادت تھی لیکن فرشتے سمجھ گئے کہ اگر اللہ سجدے کا حکم دے رہا ہے تو کوئی بات تو ہے۔ اللہ کو نہیں پتہ کہ آدم نے ابھی کوئی عبادت نہیں کی اور ہم نے ہزاروں سال کی عبادت کی ہوئی ہے۔ بھائی اگر میرا خالق سجدے کا حکم دے رہا ہے تو آخر کو وجہ تو ہے۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے اس وقت یہ جو فیصلہ کیا تھا وہ صرف اس لیے کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب

[1] سورۃ البقرۃ:34

دونوں کو، ابلیس کو بھی، فرشتوں کو بھی حکم دے دیا تو ابلیس نے اپنی عبادت کی طرف دیکھا اور فرشتوں نے اپنی عبادت کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ ہزاروں سال کی عبادت ایک طرف اور نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف۔ یہ جو رسول سے اس آیت کو شروع کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہ بات کی جا رہی ہے۔ تو انہوں نے یہاں پر بھی یہ بات فرمائی کہ دیکھو جب تم نکلے ہو غزوہ بدر کے لیے۔ یہ آگے جو سورت ہے ناں اس کی ابتداء میں ہے۔ اللہ نے موقع دیا تو وہاں پھر تفصیل سے اس پہ بات ہو گی۔ فرمایا تم نکلے تھے کہ وہ تجارت کا قافلہ جو ابوسفیان لے کے آ رہا، 50 ہزار دینار کا اس دور میں سامان تھا اور وہ لشکر اس لیے تھا کہ یہ سارے پیسے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے استعمال ہونے ہیں۔ اور 40، 50 لوگ تھے اس قافلے کے ساتھ۔ اب مسلمان تو نکلے ہیں اس قافلے کیلئے۔ ابوسفیان نے پیغام مکے بھیج دیا اور ابوجہل 1000 کا لشکر لے کے وہاں سے چل پڑا۔ تو میرا اللہ فرماتا ہے، قران کریم میں سارا یہ درج ہے سورۃ انفال کے پہلے رکوع میں، اب تمہاری خواہش یہ تھی کہ وہ جو تجارت والا قافلہ اس کے ساتھ ہمارا ہونا سامنا ہو جائے۔ چونکہ جنگ کی نیت سے تو نکلے نہیں۔ اب یہاں پہ یہ ابوجہل والا قافلہ سامنے آ گیا۔ اب اللہ کی مرضی یہ ہے کہ تم ٹکراؤ یہ جو ہزار والا لشکر آ رہا ہے اس کے ساتھ اور قرآن نے جو الفاظ استعمال کیے تھے لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ[1] اللہ حق کو حق کر کے دکھانا چاہتا ہے۔ بھائی دیکھو اگر تم اس بات سے ڈر رہے ہو ناں۔ کچھ لوگوں کے دلوں میں بحیثیت انسان یہ بات آ گئی کہ ان کے پاس تو 900 اونٹ ہیں اور ہمارے پاس 70 ہیں۔ کیا مقابلہ ہے؟ ان سب کے پاس تلواریں ہیں۔ ہمارے پاس تلوار نہیں۔ کوئی مقابلہ تو بنتا ہی نہیں۔ کیا کریں؟ 1000 کی تعداد ہے ادھر 313 اور میدان میں وہ بھی 305 تھے۔ 8 تو لوگ ہے ہی نہیں تھے۔ میرا اللہ فرماتا ہے۔ بڑا کمال کا یہ جملہ ہے جو قران کریم نے جو لکھا ہے لِيُحِقَّ الْحَقَّ۔ بات یہ نہیں ہے کہ تم تھوڑے ہو، وہ زیادہ ہیں۔ ان کے پاس طاقت زیادہ ہے۔ ابوجہل کی وہ جو دعا ہے ناں جو اس نے غزوہ بدر والی رات کی ہے۔ وہ کبھی سیرت کی کتابوں میں پڑھیں تو وہ ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ وہ بھی اللہ کی بارگاہ میں دعا کر رہا ہے۔ کہتا ہے میرے

---

[1] سورۃ الانفال:8

خالق، میرے پیدا کرنے والے، یہ جو لشکر میرے سامنے آیا ہے اس کو ذلیل کر دے۔ اے میرے اللہ تجھے پتہ ہے کہ انہوں نے ہمارے رحم کے رشتے کاٹ کے رکھ دیے ہیں۔ بھائی کو بھائی سے لڑا دیا ہے۔ بیٹا باپ سے لڑتا ہے۔ ہمارا خاندان، ہمارا شہر برباد کر دیا ہے۔ یہ دعا ابو جہل، اللہ سے کرتا ہے اور پھر جب وہ کہتا ہے کہ یا اللہ اگر یہ محمد سچا ہے تو پھر ہمارے اوپر پتھروں کی بارش کر دے اور ہمیں دردناک عذاب مبتلا کر دے۔ یہ اللہ سے دعا کر رہا ہے اور ابلیس ان کو تھپکی دے رہا ہے کہ تو اللہ کا بڑا مقرب ہے۔ تو نے اللہ کو راضی کر دیا۔ صبح فتح تیری ہو گی۔ اب یہ شروع سے یہ خدشہ ہر شخص کو رہا ہے کہ میں اللہ کے بڑا قریب ہوں۔ اور میرا اللہ فرماتا ہے کہ میں نے اس لیے اس لشکر کے ساتھ تمہارا سامنا کروایا، اگر وہ ہزار تھے تم دو ہزار ہوتے ہیں تو کیسے پتہ چلتا کہ تم حق پہ ہو؟ اگر ان کے 900 اونٹ ہیں، تمہارے پاس دو ہزار ہوتے تو کیسے پتہ چلتا؟ ساری دنیا کہتی کہ ان کے پاس طاقت ہی زیادہ تھی۔ اب تمہارے پاس ظاہری سامان نہ ہو اور پھر تم اس لشکر پر غالب آ جاؤ اور یہ لائن کھینچ دی جائے کہ وہ جو کہتے ہیں ناں کہ ہم بھی اللہ کے بڑے قریب ہیں، ہم ابراہیم کی اولاد ہیں، کعبے کے متولی ہیں، ہم بھی اللہ کے بڑے مقرب ہیں، تو میرا اللہ فرماتا ہے کہ ایک دفعہ پھر لائن ڈرا ہو جائے کہ نہیں اللہ صرف اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ محمد کریم کی ذات ہے۔ قصہِ ابلیس سے لے کے غزوہ بدر تک قرآن یہی لائن ڈرا کر رہا ہے کہ کبھی اس بلیکھے میں نہ رہنا کہ میں اللہ کے بڑا قریب ہوں یا اللہ میرے بڑا قریب ہے۔ اللہ صرف اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ رسول ہے۔ جس کے ساتھ رسول نہیں ہوتا اللہ اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔

پھر یہ جو بات آگے اُمی کی، کچھ بیوقوفوں نے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں یہ بھی بڑا انتشار پھیلایا کہ اس اُمی کا معنیٰ ان پڑھ کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نبی پاک کی صفت کے طور پہ بیان کیا ہے کہ میرے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں کسی انسان سے آپ نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اُم، جیسے ماں بچے کو جنم دیتی ہے تو اس وقت کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں بندے نے اس کو سکھایا ہے۔ یہ میرے پیغمبر بھی اُمی ہیں۔ اسی فطرت اولیٰ پر موجود ہیں جیسے ماں نے ان کو جنم دیا۔ کسی انسان سے انہوں نے علم حاصل نہیں کیا۔ اب یہ بڑی حیران کن بات تھی کہ جس نے کسی انسان، کسی مدرسے، کسی یونیورسٹی سے نہیں پڑھا تو وہ جب عقائد پہ گفتگو

کرے تو انبیاء کے بھی سر جُھک جائیں۔ وہ جب معاشرت کی بات کرے تو فلسفے والے سر جھکا کے بیٹھ جائیں۔ سابقہ انبیاء کا تذکرہ ہو تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی بول نہ سکے۔ تو میرا اللہ فرماتا ہے یہ تھی صفت میرے رسول کی۔ یہ معجزہ تھا میرے پیغمبر کا۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے، فُصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

اچھا یہ بھی بڑی عجیب بات ہے میری سرکار نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے جامع القلم بنایا ہے۔ مختصر گفتگو فرماتے۔ اتنی مختصر، تاریخ دان حیران ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب ارشاد فرماتے کوئی تو لفظ گنے جا سکتے ہیں۔ بڑی مختصر گفتگو فرماتے لیکن ان کے اندر معنی اتنے چھپے ہوئے ہوتے تھے۔ فصاحت و بلاغت اتنی ہوتی تھی۔ انگریزی والے بڑے ایک جملہ کہتے ہیں اس معاملے میں۔ وہ کہتے ہیں read between the lines کہ اصل معنی تو between the lines میں ہوتی ہے۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک جملے علم کے سمندر چھپے ہوئے ہیں۔

یہ بات میں نے اس لیے کہا کیونکہ اگلا جملہ اُمی آرہا ہے۔ کہنے والوں نے تو کمال کا کہا جب سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو کہا السّلام اے امّی و استاذِ کُل۔ کیسا اُمی ہے کہ کائنات کا استاد ہے۔ السلام اے صاحبِ ارشاد کل۔ فرمایا مجھے حفظ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے پیغمبر نے کبھی کوئی چیز حفظ نہیں کی تھی۔ چونکہ جو حفظ کرتا ہے وہ بھول بھی جاتا ہے۔ اسی لیے تو حافظ صاحب کے پیچھے ایک صف میں کھڑا کرنا پڑتا ہے ناں کہ کہیں بھول جائیں گے تو انکو بتا دے۔ میرا اللہ فرماتا ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى [1] اے محبوب ہم تمہیں پڑھائیں گے اور پھر تم بھولو گے نہیں۔ یہ قرآن ہے۔ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سورس کا کبھی comparison نہ کرنا۔ میں جب یہ آدم علیہ السلام والی

---

[1] سورۃ الاعلیٰ:6

آیت پڑھتا ہوں ناں، آدم کے لیے کیا فرمایا وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ[1] اس سے پہلے ہم نے آدم سے عہد لیا کہ اس درخت کے قریب نہیں جانا۔فَنَسِيَ آدم بھول گئے۔ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ہم نے ان کے دل میں ارادہ نہیں پایا تھا۔ نافرمانی کا ارادہ نہیں تھا۔Defend کیا ہے ناں کہ ابلیس نے جو کچھ کیا ارادے سے کیا اور آدم اگر درخت کے قریب گئے ہیں تو میرا اللہ defend کر رہا ہے کہ آدم بھول گئے اور اب بھی جب انسان کی ڈیفینیشن کی جاتی ہے تو نسیان سے کی جاتی ہے۔ خطا سے کی جاتی ہے۔ لیکن میرے اللہ نے صرف اس ایک ہستی کے لیے ارشاد فرمایا۔ فرمایا جب اللہ سکھا دے گا تو پھر آپ بھولیں گے نہیں۔ اس ہستی پہ نسیان نہیں آئے گا اور پھر جب وہ نماز میں سجدہ سہو والا معاملہ آیا۔ صحابہ پریشان ہو گئے کہ اللہ نے تو فرمایا تھا کہ آپ بھولیں گے نہیں۔ آپ بھول گئے اور سجدہ سہو بھی کیا۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ مت سوچنا کہ میں بھول گیا تھا۔ میں نہیں بھولتا۔ یہ صرف تمہارے لیے ایک سنت طریقہ رائج کرنا تھا اس لیے یہ اللہ نے مجھ سے کروایا۔ تو یہ ایک ہستی جس کے متعلق قرآن نے یہ گارنٹی دی کہ اللہ کے سکھائے ہوئے تھے، پھر وہ بھولتے نہیں۔ پھر کبھی بھی وہ آگے پیچھے نہیں جاتے۔ ان کی اتباع کا ایسے ہی تمہیں حکم نہیں دیا جا رہا۔

پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمی ہونے میں، یہ میں جملے اس لیے بار بار کہہ رہا ہوں کہ یہ چودھویں صدی میں کچھ ترجمے ایسے ہوئے، جب تک تو عربی کا سلسلہ رہا تب تک تو ایسا نہیں تھا لیکن جب سے یہ ترجمے شروع ہوئے ہیں تم تب سے بڑا گند پڑ گیا ہے۔ یہاں تک کچھ کمینے لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالی نے ایک ان پڑھ سے دین کا کام لے لیا۔ حالانکہ اللہ نے اس کو معجزے کے طور پہ پیش کیا ہے کہ یہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، صفت ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں مدرسے سے پڑھے تھے تو اس لیے ان کی یہ تعلیمات آگے بڑھا رہے ہیں یا کسی سے لکھوا لیا تھا۔ نہیں۔وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ[2]۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىۙ[3]۔ یہ کوئی بات خواہش سے نہیں کہتے۔ اس

---

[1] سورۃ طٰہٰ:115

[2] سورۃ النجم:3

[3] سورۃ النجم:4

زبان پہ اگر کوئی بولتا ہے تو صرف اللہ بولتا ہے۔ کسی کو شک نہ ہو کہ اللہ کے سوا کوئی بولتا ہے۔ اسی لیے جب حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے جب کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دفعہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی فرماتے ہیں تم لکھنا شروع کر دیتے ہو۔ سرکار کبھی غصے میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی میں ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی اور جذبہ ہوتا ہے تو وہ چیز لکھا کرو جو سرکار فرمائیں۔ ہر چیز نہ لکھ لیا کرو۔ تو جب عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما نے یہ بات عرض کی۔ یہ وہ ہستی ہے جس کے متعلق جب کسی نے پوچھا کہ آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو فرمایا میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور پھر رونے لگ گئے۔ پوچھا روتے کیوں ہیں؟ فرمایا اگر کسی نے مجھے پوچھ لیا کہ تیرے رسول کا سراپہ اور حلیہ کیا تھا؟ میں نہ بتا سکوں گا۔ اس لیے کہ ادب کی وجہ سے میں نے ساری زندگی آنکھ اٹھا کے دیکھا ہی نہیں۔ میں کہتا تو ہوں کہ مجھے محبت ہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ۔ لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھ لے تو میں اپنے محبوب کا حلیہ نہیں بیان کر سکتا کہ تعظیم کی وجہ سے میں ساری زندگی آپ کو آنکھ اُٹھا کے ہیں دیکھ سکا۔ وہ یہ عرض کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگ کہتے ہیں کہ ساری باتیں نہ لکھا کرو۔ تو میرے آقا نے مسکرا کے فرمایا عبد اللہ! میری زبان سے جو کچھ سُنو لکھ لیا کرو، اس لیے کہ اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ غصے میں بھی نکلے، خوشی میں نکلے، جہاں بھی کوئی لفظ نکلتا ہے وہ حق کے ساتھ نکلتا ہے۔

یہ باتیں ساری اس لیے ہے کہ جب ہمارا یقین ہو گا کہ اس زبان مبارک پہ اللہ بولتا ہے تو پھر ہمارا شک دور ہو جانا چاہیے۔ پھر یہ تو نہیں ناں ہونا چاہیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات فرما دیں تو پھر ہم کہیں کہ نہیں دنیاداری بھی ہے۔ اِدھر بھی تو کچھ کرنا ہے اور جن لوگوں کو یہ یقین ہو گیا۔ میں کل ہی دوستوں کو بتا رہا تھا کہ ایک بزرگ کو میں ملنے جاتا تھا۔ بڑا پیار کرتے تھے میرے ساتھ۔ اچھا جب بھی کبھی کوئی شخص آتا ناں دعا کے لیے تو وہ ایسے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور ساتھ ہی منہ پہ پھیر لیتے۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ سرکار آپ دعا بڑی مختصر کرتے ہیں۔ فرمانے لگے بیٹا یہ میں کسی اور کو تو نہیں بتا رہا، تیرے ساتھ پیار ہے، محبت ہے۔ میں نے جب سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ جملہ پڑھا ہے کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ابو بکر گھر کیا

چھوڑا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ میں گھر میں اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ کیا یقین ہے۔ تو فرمایا میں نے اس کے بعد اس سے آگے کبھی دعا مانگی ہی نہیں۔ کوئی بیمار آجائے، کوئی تنگدست آجائے، میں صرف یہی جملہ کہتا ہوں۔ میرے لیے اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہے۔ بھائی اس سے آگے میں کیا اللہ سے مانگوں؟ میرے لیے اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہے۔

تو یہ قرآن کریم فلاح کے اُس راستے پہ آپ کو لے کے آنا چاہتا ہے کہ اگر آپ فلاح چاہتے ہیں تو اس پیغمبر کی اتباع اور محبت کے بغیر تمہیں نہیں مل سکتی۔ اور یہ لائن پہلے دن سے ڈرا کر دی گئی ہے کہ اللہ کی خوشنودی، اللہ کی رضا صرف اس فرد یا قوم کے ساتھ ہے، جو قوم اللہ کے رسول کے ساتھ ہے۔ باقی سارے اللہ کو ہی پکارنے والے ہوتے ہیں لیکن اللہ ان کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اور پھر یہ اُمی نبی، اوہ بھائی سیدہ مریم کی کفالت کیلئے حضرت زکریا کا ذمہ لگایا گیا۔ ہارون علیہ السلام کو کہا جائے گا کہ موسی علیہ السلام نے پڑھا دیا۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو پڑھا دیا۔ داؤد علیہ السلام نے سلیمان علیہ السلام کو پڑھا دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق کو پڑھا دیا۔ یہ ہے میرا رسول جس کی زبان سے صرف اللہ بولتا ہے۔ حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی اُن کی زبان مبارک سے۔

پھر فرمایا یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ۔ ان کا ذکر صرف قران میں نہیں ہے۔ ان کا ذکر انجیل میں بھی ہے اور تورات میں بھی ہے۔ تورات کے اس دور میں جو سب سے بڑے عالم تھے، حضرت عبد اللہ ابن اسلام۔ مناظرے کے لیے آئے تھے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اچھا وہ بات پھر میرے ذہن سے نہ نکل جائے۔ اُمی کے متعلق یہ جو کہتے ہیں، ہاں اس کے لیے ہمارے مفسرین نے یہ بات لکھی کہ جب اعلان نبوت کیا۔ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ[1] آپ اعلان نبوت سے قبل نہ لکھتے تھے نہ پڑھتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ پتہ نہیں یہ کہاں سے گھڑ لیا ہے انہوں نے قران۔ اور اس کے بعد پھر یہ بات جو میں نے آپ سے عرض کرنا تھا کہ ایک عورت کو رجم کرنا تھا بدکاری کی وجہ سے۔ تو یہودی علماء آگئے۔ انہوں نے کہا

---

[1] سورۃ العنکبوت:48

کہ جی ہماری تورات میں تو یہ نہیں ہے سزا جو آپ فرماتے ہیں۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تورات لے کے آؤ۔ اب وہ مولوی جو تھا ان کا یہودیوں کا۔ اس نے چالا کی کی۔ اس نے اوپر سے جب پڑھنا شروع کیا تو جہاں درمیان میں وہ رجم کا حکم تھا، وہاں اس نے ہاتھ رکھ لیا۔ جیسے آج کل ہمارے مولوی بھی کرتے ہیں، آدھی آدھی آیت، آیت کا ایک حصہ، censor شدہ قرآن لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سارے قرآن کی بات نہیں کرتے۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کیا اور فرمایا یہاں سے پڑھ۔ تو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً تو یہ تھا کہ آپ نہ پڑھتے ہیں اور نہ لکھتے ہیں لیکن اگر کوئی موقع آجاتا تھا تو پھر بتاتے تھے کہ مجھے پتہ ہے۔ یہ چونکہ اللہ تعالیٰ بات میرے لیے معجزے کے طور پہ رکھی ہوئی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے پتہ نہیں ہے کہ کہاں کیا چیز لکھی ہے۔ عبداللہ ابن سلام بھی مناظرہ کرنے کے لیے آئے تھے۔ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ اب جب یہودی ساتھ آئے۔ سامنے آکے بیٹھے اور عرض کی سرکار مجھے کلمہ پڑھائیں۔ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ اب یہودی جو تھے وہ سیخ پا ہو گئے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے تُو مناظرہ کرتا، ہار جاتا۔ اِس سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن تو نے بات ہی نہیں کوئی کی۔ تُو نے تو ہمیں ذلیل کروا کے رکھ دیا ہے۔ ساری زندگی تجھے نذر نیاز دیتے رہے ہیں۔ بڑے پیسے خرچ کیے ہیں تیرے پہ۔ یہ کیوں ہو گیا؟ اب بڑا کمال کا جملہ انہوں نے فرمایا کہ تورات میں جو نشانیاں لکھی ہیں وہ ساری تو اس رسول میں پائی جاتی ہیں۔ اور پھر جملہ جو کمال کا آپ نے کہا کہ جب میں سرکار کے سامنے حاضر خدمت ہوا اور رُخ انور کی زیارت کی ایک نظر تو میرے دل نے اسی وقت یہ گواہی دی تھی کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ تو یہ علامات جو ہیں یہ تو ساری کی ساری پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں موجود تھیں۔ تورات میں بھی، انجیل میں بھی پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری نشانیاں ہیں۔ قران میں بھی وہی بات کی ہے کہ یہ ساری نشانیاں جتنی بھی ہیں یہ تورات میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی ہیں۔ یہ اگر آپ کے ذہن میں ہو میں نے اس حوالے سے پہلے بھی ایک بات کی تھی کہ جب اللہ فرماتا ہے ناں هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ

حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا[1] انسان پر ایک ایسا وقت بھی تھا کہ یہ کوئی قابل ذکر شے ہی نہیں تھی۔ یہ سورہ الدھر کی پہلی آیت ہے 29 پارے سے۔ انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ یہ کوئی قابل ذکر شے نہیں تھی۔ مثلاً میرے پیدا ہونے سے پہلے میرا کوئی ذکر نہیں تھا۔ آپ کے بھی پیدا ہونے سے پہلے آپ کا ذکر نہیں تھا۔ تو اللہ فرما رہا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا[2] پھر اس اللہ نے تجھے ایک نطفے سے تخلیق کیا۔ تخلیق اس لیے کیا کہ اللہ تجھے آزمانا چاہتا ہے۔ اس دنیا میں آزمائش کے لیے آیا ہے۔ یہاں رہنا نہیں ہے۔ پھر تمہیں دیکھنے والا، سننے والا بنایا۔ یہ آیت پھر اسی طرف لے کے جا رہی ہے۔ میرا پیدا ہونے سے پہلے کوئی نام نشان نہیں تھا۔ آپ کا بھی پیدا ہونے سے پہلے کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ یہ اللہ کے محبوب کی شان ہے کہ ان کا نام تورات میں بھی تھا اور انجیل میں بھی تھا۔ جس کا تذکرہ سابقہ کتب میں بھی موجود تھا اور سابقہ انبیاء کرام میں بھی موجود تھا۔ یعنی جس کے میلاد سے پہلے میلاد بنایا جاتا تھا وہ اللہ کے رسول کی ذات ہے۔ تو اس لیے قرآن نے یہ خاص طور پہ بات لکھی ہے کہ کبھی بھی اپنی ذات سے اس ہستی کو compare کرنے کی کوشش نہیں کرنی۔ تمہارے لیے قانون یہ ہے کہ تم پیدا ہو گے تو تمہارا ذکر شروع ہو گا اور یہ آمنہ کے لال کا معاملہ ہے کہ ان کا پیدا ہونے سے پہلے بھی ذکر تھا اور مقدس کتابوں میں ہوتا تھا۔ انبیائے کرام کے تذکروں میں یہ ساری باتیں جو ہیں وہ موجود تھیں۔ تم بھول جاتے ہو یہ بھولتے نہیں ہیں۔ ان کی زبان سے صرف حق بولتا ہے۔

بڑی کوشش کی ہے لوگوں نے کہ کسی نہ کسی طریقے سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تذکرے ان کتابوں سے نکال دیں۔ دشمن نے تو ظاہر ہے دشمنی کرنی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود آج بھی جو، جن کو اللہ تعالی نے، چونکہ یہ قران نے لکھا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ[3] کچھ عیسائیوں کی تعریف کی ہے اللہ نے کہ وہ بڑے عاجز ہیں۔ متکبر نہیں ہیں۔ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ ان کو پھر توفیق دے دیتا ہے ایمان

---

[1] سورۃ الدھر:1

[2] سورۃ الدھر:2

[3] سورۃ المائدہ:82

کی۔ جب وہ اللہ سے ڈرتے ہیں، خدائے ذوالجلال کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر ان کو اپنے نبی کا یہ راستہ دکھا دیتا ہے۔ اب لوقا انجیل کا، انجیل جو ہے ناں وہ چار بڑی اس وقت چل رہی ہیں۔ لوقا انجیل، متی انجیل، یوحنا انجیل اور برناباس انجیل ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام کے چار شاگرد تھے۔ ان چاروں نے یہ پھر ترتیب دیں۔ ان کو ملا کر پھر بائبل جو ہے وہ بنتی ہے۔ آپ کے نالج کیلیئے میں عرض کر دوں کہ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید، یہ بائبل کے دو حصے اب چل رہے ہیں۔ جس میں یہ ساری انجیلیں اکٹھی کرتے ہیں اور پھر تورات کی وہ جو 10 کمانڈز ہیں وہ شامل کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس میں ہم نے زبور کا کچھ حصہ جو ہے وہ بھی شامل کر لیا ہے۔ عہد نامہ قدیم جو ہے اس کے اندر یہ چیزیں جو ہیں وہ پائی جاتی ہیں۔ لوقا کی انجیل جو ہے۔ جب میں پڑھتا ہوں ضیاء القرآن، آپ بھی پڑھا کریں۔ پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ نے بڑی محنت کی اور پھر وہاں سے دو نسخے ہی دنیا میں رہ گئے اور پھر اس عجائب گھر سے، برطانیہ سے وہ نسخہ لے کر اس کو پھر فوٹو کاپی کرا کے ضیاء القران کے اندر انہوں نے لکھ دی کہ جب پوچھا گیا حضرت عیسی علیہ السلام سے، یہ تذکرہ کوئی عام محفلوں میں نہیں ہوتا۔ یہ سورہ صف میں بھی ہے ناں کہ عیسی علیہ السلام اپنے حواریوں میں کھڑے ہو کے جب خطاب فرما رہے ہیں۔ تو فرما رہے ہیں مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ[1] تو اس کا پھر وہ فوٹو کاپی انہوں نے اس میں درج کی کہ جب عیسی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا وہ جو آپ کے بعد نبی آئیں گے وہ آپ سے بڑے نبی ہیں؟ آپ فرما رہے ہیں کہ میں ان کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ تو کیا وہ آپ سے بڑے نبی ہیں؟ تو کیا تذکرہ میرے پیغمبر کا، اللہ کے رسول کا تذکرہ کس انداز میں عیسیٰ علیہ السلام نے وہاں کیا۔ فرمایا تم بڑا کہہ رہے ہو؟ اُس پیغمبر کے جوتوں کے تسمے باندھنے والوں میں اگر اللہ مجھے رکھ لے تو یہ میرے لیے بڑی بات ہو گی۔ اگر لفظ رسول کی سمجھ کسی کو آجائے کہ اس کائنات میں یہ ہے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو یہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ کہنا کہ ہم اس نبی پہ درود بھیجتے ہیں، ذکر کرتے ہیں تو شاید ہم کوئی احسان کر رہے ہیں؟ اوہ بھائی یہ تذکرے تو موسیٰ نے بھی کیے اور عیسیٰ نے بھی کیے۔ یہ تذکرے تو ابراہیم نے بھی

[1] سورۃ الصف:6

کیے اور سابقہ کتب سماویہ میرے سارے تذکرے موجود ہیں۔ اور یہ خدائے ذوالجلال کہ محبوب جن کے لیے لفظ رسول، ایک ہستی کے لیے صرف استعمال ہوا۔ فرمایا یہ تم ہی نہیں کہہ رہے، تم سے پہلے جتنے بڑے لوگ تھے انہوں نے بھی اس پیغمبر کا تذکرہ کیا۔

یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ یہ معروف کا حکم دیتے ہیں برائی سے روکتے ہیں۔ منکرات سے روکتے ہیں۔وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ یہ بڑے خاص جملے ہیں۔ بھائی جو پاک چیز ہے، اللہ فرمارہا ہے کہ پاک چیزوں کو تمہارے لیے حلال کریں گے۔ اس کا مطلب ہے اس سے پہلے کچھ پاک چیزیں بھی تھی کہ انسانوں پہ حرام تھیںوَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور جو خبیث چیزیں ہیں ان کو تمہارے لیے حرام قرار دے دیں گے وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ-اور تمہارے لیے بوجھ، جس بوجھ کے نیچے تم مر رہے ہوناں، چیخیں نکل رہی ہیں، یہ سارے بوجھ تمہارے اوپر سے اتار دیں گے۔فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤۙ-اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اب تذکرہ پھر وہی کہ عزت کرو مدد کرو اتباع کرو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس پہ انشاءاللہ پھر اگلے درس میں گفتگو ہو گی تفصیل کے ساتھ۔ اللہ تعالی ان کی توفیق۔ آمین۔

مقامِ عبدیت

قرآن: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ سورة الفاتحہ:4

ترجمہ:- ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

خاکہ:-

1. اس کائنات مین تخلیقِ انسانی کا مقصد۔
2. اطاعت کی اقسام، کی جانے والی، کروائی جانے والی۔ دونوں میں فرق۔
3. امورِ تکوینی اور امورِ تشریعی۔
4. رزق کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے
5. قیامت پوچھا جائے گا کہ رزق کیسے حاصل کیا تھا؟
6. جو رزق تمہارے مقدر میں لکھا ہے وہ تمہیں مِل کے رہے گا چاہے تم کوشش نہ بھی کرو۔
7. مولا علیؑ کا واقعہ۔
8. اللہ کی انسان سے کمال محبت۔
9. ہندوؤں کا سوال۔
10. ہم نے وسیلہ اللہ کی مرضی کا اختیار کیا اور ہندوؤں نے اپنی مرضی کا۔
11۔ جو اپنی مرضی کرتا ہے وہ عبد نہیں ہوتا۔
12۔ میرے پیغمبر ﷺ کا کردار اور اشاعتِ اسلام۔
13۔ پاک پیغمبر ﷺ تو دلوں کا حال جانتے ہیں مگر میں "عمر" نہیں جان سکتا۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء کے بعد کہ جن نے ہمیں انسان پیدا کیا۔بے حد و بے انتہا درود و سلام امام الانبیاء، حبیب کبریاء، شفیع المذنبین، رحمت اللعالمین، تاجدار سلطنت دنیا و دین، آمنہ کے لال۔ باعثِ تخلیقِ کائنات، احمد مجتبی، محمد مصطفی کی ذاتِ اقدس پر کہ جن کے صدقے اللہ نے ہمیں ایمان کی دولت سے مالامال فرمایا۔ نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو، عزیز بھائیو!

درس قرآن کا جو مقصد ہے، اس کائنات میں ہمارے آنے کا، تخلیق کا اور اس دین کا جو مقصد ہے وہ اس آیہ کریمہ کے اندر ہے۔ پہلے آپ اللہ کی صفات کے متعلق گفتگو سنتے رہے کہ اللہ رب ہے، رحمٰن ہے، رحیم ہے۔ مالک یومِ الدین ہے۔ اوراب بندے کی صفت کی بات ہے اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ عقیدہ اگر صحیح نہیں ہو گا تو اعمال غارت چلے جائیں گئے اور یہ کسی بھی انسان کا، کوئی بھی مخلوق ہو، انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے کسی بھی انسان کا جو نقطہ کمال ہے وہ عبدیت ہے۔ اور اللہ تعالی جب اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مخاطب فرماتا ہے تو کہتا ہے "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ "تو یہ عبدیت کا کمال ہے اگر وہ اس منزل پہ آجائے۔ مخلوق کا اور کوئی کمال نہیں اور مجھے میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وہ دعا، یقین جانیے وجد میں آجاتا ہوں جب میری سرکار کی وہ دعا میرے سامنے آتی ہے کہ میرے اللہ! میرے لیے اتنی ہی عزت کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔ میرے لیے اتنی ہی عزت بڑی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے۔ تو یہ کمال کسی بھی مخلوق کا جو ہے وہ عبدیت کے اندر ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں "ایاک نعبد" کہ یا اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ مخاطب کرتے ہیں اللہ کو، تو اس کی ڈیفینیشن میں نے مختلف تفاسیر میں دیکھیں۔ وہابیوں کی تفاسیر بھی دیکھیں، دیوبندیوں کی بھی، بریلویوں کی بھی۔ لیکن یہ جو ڈیفینیشن میں آپ کے سامنے رکھنے لگا ہوں یہ کامن ہے (اس پہ سب متفق ہیں) یہ ہر تفسیر میں لکھی ہے کہ کسی ہستی کو خالق مان کر یا خالق کا حصے دار مان کر اس کے سامنے اپنی عاجزی، تذلل، اور اطاعت کا اظہار کرنا یہ بندگی ہے۔ اس ڈیفینیشن کو آپ نے اپنے ذہنوں میں اور دل میں جگہ دینی ہے۔ اس لیے کہ اس عبدیت کا

مفہوم پھر آپ کے سامنے واضح ہو گا۔ کسی کو خالق مان کر یا خالق کا حصے دار مان کر اگر کوئی اپنی عاجزی اور تذلل کا اظہار کرتا ہے، اطاعت کے لیے تیار ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ یہ عبدیت کے مقام پہ چلا گیا۔

اب یہ جو اطاعت ہوتی ہے ناں یہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اطاعت وہ ہے جو کی جاتی ہے اور ایک اطاعت وہ ہوتی ہے جس پہ مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ ان دونوں میں فرق سمجھنا ضروری ہے۔ یہ جو پہلی اطاعت ہے، جو کی جاتی ہے، یہ محبت کی وجہ سے کی جاتی ہے، اور بندگی اسی کے اندر ہے۔ وہ جو مجبوری کی اطاعت ہے اس میں بندگی نہیں ہوتی۔ یہ بات کلیئر کر لیں، یہ کوئی عام بات نہیں ہے۔ مَیں اکیلا بیٹھا سوچتا ہوں کہ اللہ میرا خالق ہے۔ اس نے مجھے تخلیق کیا ہے۔ تخلیق کر کے اس نے مجھے پھینک نہیں دیا۔ وہ مجھے پالتا ہے۔ میرا رب ہے۔ وہ میری نگہداشت کرتا ہے ربوبیت کے ساتھ۔ مجھ سے گناہ سرزد ہو جائے تو پردہ پوشی کرتا ہے۔ میں توبہ کے لیے اس کے دروازے پہ چلا جاؤں تو میرے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس درجے پہ انسان کی محبت جوش مارتی ہے۔ وہ اس اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ یہ وہ اطاعت ہے جو کی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے محبت جوش مار رہی ہوتی ہے کہ وہ میرا خالق ہے، وہ میرا رب ہے اور جو کوئی عبادت اس لیے کرتا ہے کہ وہ "مالک یوم الدین" ہے۔ وہ ڈر اور خوف کی وجہ سے۔ اسی لیے میرے مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم سے جب پوچھا گیا کہ حضور آپ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ جنت کا لالچ ہے۔ فرمایا کہ نہیں۔ یہ تو مزدوروں کا کام ہے کہ کام کریں اور مزدوری کا لالچ رکھیں دل میں۔ پھر جہنم کے خوف سے پڑھتے ہیں؟ فرمایا یہ مجرموں کام ہے۔ جہنم کے خوف سے نماز پڑھنا مجرموں کا کام ہے۔ تو پھر آپ کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارا اللہ اس قابل ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوا جائے۔ تو جو مجبوری کی اطاعت کرتا ہے اس کو اطاعت نہیں کہتے۔ نہ اس کو بندگی کہتے ہیں۔ بندگی، جو محبت کی وجہ سے اطاعت کی جاتی ہے۔

اب یہ کام دو قسم کے ہیں۔ ایک کو امورِ تشریعی کہتے ہیں۔ ایک کو امور تکوینی کہتے ہیں۔ امور تشریعی وہ ہیں، جن میں انسان کو اختیار ہے۔ وہ کر بھی سکتا ہے نہیں بھی کر سکتا۔ مثلاً نماز ہے ناں، اذان ہوئی ہے آپ گھر بیٹھے

ہیں، میچ دیکھ رہے ہیں۔ آپ مسجد کی طرف جا بھی سکتے ہیں، نہیں بھی جاسکتے۔ آپ کو اختیار ہے۔ روزہ آپ رکھ بھی سکتے ہیں، ہیں بھی۔ حج پہ آپ کو اختیار ہے۔ لیکن پیدا ہونے پہ آپ کو اختیار نہیں۔ اگر میں کسی اچھے گھرانے میں پیدا ہو گیا ہوں تو یہ کوئی فخر والی بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ تو اس کی مہربانی ہے مجھے کسی اور گھر میں بھی وہ پیدا کر سکتا تھا۔ اسی لیے رزق جو ہے اس پہ اختیار نہیں۔ موت پہ اختیار نہیں۔ عزت اور ذلت پہ اختیار نہیں۔ چاند کو اختیار نہیں ہے کہ وہ کہے کہ میں نے اپنے مدار سے باہر نکلنا ہے۔ سورج کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ آج میں نے طلوع نہیں ہونا۔ فرشتوں کے پاس بھی یہ امور تشریعی نہیں۔ بندے اور فرشتے کی عبادت میں فرق ہی یہ ہے۔ انسان اور فرشتے کی عبادت میں یہی فرق ہے کہ فرشتہ امور تکوینی میں آتا ہے۔ انسان امور تشریعی میں آتا ہے۔ اس کو اختیار ہے یہ سجدہ کر بھی سکتا ہے، نہیں بھی کر سکتا۔ لیکن جب اس کی محبت جوش مارتی ہے تو وہ سجدہ ریز ہو جاتا۔ فرشتے کو تو یہ اختیار ہی نہیں۔ تو یہ سوز و گداز جو عبادت کا ہے یہ کسی اور مخلوق کے پاس نہیں ہے۔ اسی لیے تو اقبال نے کہا تھا،

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

یہ درد و سوز کی جو دولت ہے اس سے بڑی تو متاع ہے ہی کوئی نہیں۔ اب امور تشریعی جو ہیں اس پہ انسان کو اختیار ہے۔ اب اس اختیار کے باوجود وہ دوستوں کی محبت قربان کر کے مسجد میں آجائے۔ ماں باپ کی محبت قربان کر کے اللہ کی راہ کی طرف آجائے۔ ساری کائنات کی محبت چھوڑ کر جب وہ اللہ کی طرف آتا ہے تو پھر وہ بندگی کے مقام پہ پہنچتا ہے۔ پھر کہہ سکتا ہے ایاک نعبد۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ امور تکوینی میں تو انسان کو اختیار ہی نہیں۔ رزق ہے ناں تو اللہ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا لا نَسئَلُکَ رِزقًا[1]۔ فرمایا اللہ قیامت کے دن تم سے رزق کا سوال ہی

---

[1] سورۃ طٰہٰ:132

نہیں کرے گا۔ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ[1] رزق تو ہم عطا کرتے ہیں۔ فِی الۡاَرۡحَامِ كَيۡفَ يَشَآءُ[2] ماں کے پیٹ میں ہم نے تجھے کیسے رزق عطا کیا؟ کبھی تو نے غور کیا۔ تو فرمایا ہم رزق کا سوال نہیں کریں گے۔ سوال کس بات کا کریں گے؟ رزق تو امورِ تکوینی میں سے ہے۔ لیکن رزق کا حصول امور تشریعی میں سے ہے۔ سوال ہو گا کہ طریقہ کون سا اختیار کیا تھا۔ فتوح الغیب میں میرے غوث پاک سرکار نے فرمایا کہ جو رزق اللہ نے تیرے مقدر پہ لکھ دیا ہے اگر تو نہ بھی لینا چاہے تو اللہ تجھے ہی دے گا۔ اس لیے کہ وہ کسی اور کے مقدر کا ہے ہی نہیں۔ یعنی تو نہ بھی لینا چاہے تو پھر بھی اللہ نے تمہیں ہی دینا ہے۔ اس سے آگے اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ وہ میں نے شاید پہلے بھی ایک دفعہ آپ سے یہ مثال عرض کی تھی کہ میرے مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم، باب العلم کے آستانے سے جو علوم ملتے ہیں وہ کمال درجے کے ملتے ہیں۔ نماز پڑھنے لگے، زِرہ ایک بندے کو پکڑا دی۔ فرمایا یہ زِرہ پکڑ کے رکھ میں نماز پڑھ لوں۔ سرکار نماز پڑھنے لگے۔ وہ ہماری طرح تو نہیں پڑھتے تھے کہ اِدھر اُدھر بھی دیکھ لیا۔ نماز پڑھنی شروع کر دی۔ بندے کی نیت خراب ہو گئی۔ پیسے نہیں ہیں جیب میں، چلو بازار میں زرہ فروخت کرتے ہیں۔ انہوں نے کون سا نماز توڑ کے میرے پیچھے آ جانا ہے۔ بازار میں فروخت کر دی زرہ۔ جب مولا علی نماز سے فارغ ہوئے، لوگوں سے پوچھا یار یہاں ایک بندہ کھڑا تھا؟ کہنے لگے وہ تو بازار کی طرف گیا۔ سرکار بازار پہنچے ایک دکان میں اپنی زرہ دیکھی۔ فرمایا یہ زرہ میری ہے۔ کہنے لگا حضور ایک بندہ تھا، دو درہم کی بیچ کے چلا گیا ہے۔ میرے مولا علی سرکار مسکرائے۔ آپ نے فرمایا جب میں نے اس کو زرا پکڑائی تھی ناں، تو دل میں نیت کی تھی کہ نماز پڑھ کے اس کو دو درہم دوں گا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ نماز پڑھ کے اس کو دو درہم دوں گا۔ اب اگر کھڑا رہتا تو ملنے پھر بھی دو ہی تھے۔ ملے اب بھی دو ہی ہیں لیکن حرام کر لیے۔ اگر یقین پہ کھڑا رہتا تو ملنے دو ہی تھے۔ وہ حلال ہوتے۔ تو سوال رزق کا نہیں ہو گا، رزق کے حصول کا ہو گا کہ تو نے رزق حاصل کرنے لیے طریقہ کون سا اختیار کیا تھا۔ اس لیے کہ یہ جو طریقے ہیں یہ امور تشریعی ہیں، حلال اور حرام۔

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل: 31

[2] سورۃ آل عمران: 6

اب یہاں یہ بات میں نے امور کے حوالے سے کی ہے کہ مثلاً عبدیت، اطاعت جو ہے وہ امور تشریعی کے اندر ہے۔ جہاں اختیار ہے بندے کو۔ جس پہ اختیار ہی نہیں ہے، وہاں وہ کیا عبدیت کا اظہار کرے گا۔ ویسے وہ جو جملہ میں نے پہلے کہا تھا، یہ احساس جب بندے کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ میں اپنے دوستوں کو کئی دفعہ جب یہ جملہ سناتا ہوں کہ نافرمانی ابلیس سے ہوئی تو اللہ نے فرمایا کہ تو نے کی۔ تُو مجرم ہے۔ اور جب انسان بھول گیا، کیا کمال محبت ہے اللہ کی انسان کے ساتھ۔ میرے اللہ نے یہ نہیں کہا کہ انسان نے غلطی کی ہے، بلکہ فرمایا فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا[1] انسان کو تو شیطان نے بھُلا دیا۔ یہ کوئی ایسا تو نہیں تھا کہ اللہ کی نافرمانی کرتا۔ یار جب بندہ اللہ کی اس محبت کو ہی دیکھ لیتا ہے تو پھر بھی وہ سجدے کے لیے تیار نہیں ہوتا؟ یعنی ابلیس سے اللہ دوٹوک کہے کہ تو نافرمان ہے۔ اور پھر قرآن میں ایک اور جملہ جو اللہ نے فرمایا وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا[2] آدم کا تو ارادہ ہی نہیں تھا۔ اس کا تو عزم ہی نہیں تھا نافرمانی کا۔ اس لیے اس کو اشرف المخلوقات بنایا ہے کہ اس کے اندر یہ جو شرم و حیا ہے اللہ کی، یہ بڑی کمال درجے کی ہے۔ انسان کوئی کام کرے تو اللہ کی رضا کے لیے کرے اور کسی کام کو چھوڑے تو اللہ کی رضا کے لیے چھوڑے۔ یہ سارا ایک ایک لفظ جو ہے آج کے درس قران کا یہ ہماری پوری زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بندگی یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی مرضی کی زندگی گزار لیں۔ میں آپ کو اپنی بات بتاؤں مَیں گوشہ نشین آدمی تھا۔ میں ایسے جلوتوں میں آنے کا قائل ہی نہیں تھا۔ لیکن جب میں دیکھتا تھا معاشرے میں کہ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کے آئے ہیں، اس دین کی اساس یہ تھی کہ انسان جو ہے وہ اللہ کی غلامی میں آجائیں، اور جو میرے پیغمبر کے مخالف ہیں وہ یہ نظریہ لے کے اٹھے تھے کہ انسان انسانوں کو غلام بنائے اور آج اس دین کے نام پہ یہ بدمعاشی ہو رہی تھی کہ ہم نام دین کا لیتے ہیں اور انسانوں سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ہمارے غلام بنیں اور میرے آقا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دین نہیں ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری تگ و دو یہ ہے کہ انسان اللہ کی بندگی میں آئے۔ ان کے جسم پر اللہ کی حکومت چلے اور حکومت اس کے ہوتی ہے جس کا حکم چلتا ہے۔ اگر میرے جسم پہ کسی اور کا حکم چل رہا ہے تو پھر اللہ کی حکومت نہیں

---

[1] سورۃ البقرہ:36

[2] سورۃ طٰحہٰ:115

ہے، نہ یہ جسم بندگی کے اندر رہے۔ یہ ہم نماز میں ایسے ہی زبانی زبانی کہہ رہے ہوتے ہیں "ایاک نعبد" ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

مولویوں نے تو رہنا ہوتا ہے ادھر مسجدوں میں، اور ادھر ہی لوگوں کو لڑائی جھگڑے میں لگانا ہوتا ہے۔ ہندو پتہ ہے کیا سوال کرتے ہیں ہم سے؟ وہ کہتے ہیں جی تم کہتے ہو "ایاک نعبد" کہ ہم توحید پرست ہیں۔ ہم تو ایک پتھر کی پوجا کرتے ہیں۔ تمہارے خانہ کعبے میں تو ہزاروں پتھر لگے ہوئے ہیں۔ تم خانہ کعبہ کو منہ کر کے سارے سجدہ ریز ہو جاتے ہو، اتنے پتھروں کی طرف منہ کر کے۔ ہم ایک پتھر کو پوجتے ہیں تو ہمیں مشرک کہتے ہو۔ یہ ہندو سوال کرتے ہیں۔ اور ہم ان سے یہی کہتے ہیں کوئی مسلمان بھی نماز پڑھتے وقت یہ نہیں کہتا کہ یہ میری نماز واسطہِ خانہ کعبے کے ہے۔ کوئی مسلمان نہیں کہتا کہ میری نماز خانہ کعبے کے لیے ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری نماز اللہ کے لیے ہے۔ تمہاری مورتی، تمہارا بت مشرق میں ہو تو تم سجدہ مشرق کی طرف کرتے ہو، شمال کی طرف ہو تو سجدہ اُدھر کی طرف کرتے ہو، جنوب کی طرف ہو تو سجدہ اُدھر کو کرتے ہو۔ ہمارے خانے کعبے کے سارے پتھر کوئی چونڈہ میں لے آئے ہم ادھر کو منہ نہیں کریں گے۔ ہم پتھروں کی طرف منہ نہیں کرتے۔ ہم تو کنسنٹریشن کے لیے، اپنی توجہ کو مرکوز کرنے کے لیے، جو جگہ ہمارے پیغمبرے بتائی، خانہ کعبہ کے پتھر پوری دنیا میں جہاں جی چاہے لے جاؤ، ہم اُدھر کو منہ نہیں کریں گے۔ ہم اُدھر کو منہ کرتے ہیں جدھر ہمارے پیغمبر نے کیا ہے۔ تمہاری اور ہماری عبادت کا فرق یہ ہے کہ تم پتھر کے پیچھے چلتے ہو۔ ہم پیغمبر کے پیچھے چلتے ہیں اور اس دنیا میں گمراہ ہوتا ہی وہ ہے جو نبی کو چھوڑ کر اللہ کی تلاش کو نکلتا ہے۔ ہر وہ انسان گمراہ ہوا جس نے نبی کو چھوڑ کے اللہ کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔

یہ سوال مکہ کے مشرکوں نے بھی اٹھایا۔ مکّے کے مشرکوں نے صحابہ سے پتہ ہے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰىؕ[1] قران نے وہی جملے لکھے۔ ہم بھی بتوں کی کوئی عبادت نہیں کرتے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ۔ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے۔ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰىؕ ہم تو ان کے سامنے اس لیے جھکتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب

[1] سورۃ الزمر:3

کر دیں۔ یہ مکے کا مشرکوں نے صحابہ سے کہا تھا۔ آج بھی کچھ لوگ آپ سے کہتے ہیں ناں۔ اوہ بھائی مشرک بھی تو سجدہ اسی لیے کرتے تھے ناں؟ ہمارے اوپر اعتراض بھی یہی ہے کہ تم اس آیت کو کیوں نہیں پڑھتے؟ میں کہتا ہوں اسی آیت کو پڑھ کے ان کو لوگوں کو توحید بتاتے ہیں۔ پتہ نہیں وہ کون مولوی ہے جو اس آیت کو نہیں پڑھتا؟ آج بھی کہتے ہیں یار تم بھی یہی بات کہتے ہو ناں کہ ہم درباروں پہ اسی لیے جاتے ہیں، ولیوں کے پاس اس لیے جاتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ تو یہی بات تو مکے کے مشرکوں ہونے کہی تھی کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے بلکہ یہ تو اس لیے ہے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ اب اس آیت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اب مکے کا مشرک بھی بت کے پاس اسی لیے جاتا ہے کہ وہ اسے اللہ کے قریب کر دے اور صحابی بھی نبی کے پاس اس لیے جاتا ہے کہ وہ اللہ کے قریب کر دیں۔ اب سوال پوچھتا ہے کہ تیرے اور میرے میں کیا فرق ہے؟ میں بت سے کہتا ہوں اللہ کے قریب کر دے۔ تُو نبی سے کہتا ہے اللہ کے قریب کر دے۔ تو صحابہ نے فرمایا کہ ہاں تم ٹھیک کہتے ہو لیکن فرق یہ ہے کہ تم نے بتوں کو اپنی مرضی سے وسیلہ بنایا ہے۔ ہم نے محمد کو اللہ کی مرضی سے وسیلہ بنایا ہے۔ ابدیت کیا تھی؟ پھر اس جملے پہ آیئے۔ اللہ کی رضا کے لیے کچھ کرنا اور اس کی رضا کے لیے کسی کو چھوڑنا۔ ہم بتوں کو چھوڑتے ہیں اس کی رضا کے لیے؛ نبی کا دامن پکڑتے ہیں اس کی رضا کیلئے۔ بھائی ہم یہ آیت کیوں نہیں پڑھیں گے۔ ہم تو صرف یہ ان سے کہتے ہیں کہ قرآن میں ایک آیت نہیں آئی۔ 30 سپارے آئے ہیں۔ ایک ایک آیت پڑھ کے لوگ ان کو گمراہ نہ کرو سارا قرآن پڑھو۔ صحابہ نے جواب دیا۔ بھائی آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ صحابہ نے جواب دیا۔مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [1] اللہ نے فرمایا جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ تو ہم اگر نبی کا وسیلہ پکڑتے ہیں تو اللہ کی مرضی سے اور مشرکوں نے جو وسیلے پکڑے اپنی مرضی سے پکڑے۔ جو اپنی مرضی کرے وہ عبد نہیں ہوتا۔ یہی جملہ سمجھنا ہے۔ جو اپنی مرضی کرے وہ عبد نہیں ہوتا۔

[1] سورۃ النساء:80

ہم نماز پڑھتے ہیں، ایاک نعبد۔ مخاطب کرتے ہیں اللہ کو۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ یہ جو معاملہ ہے ناں یہ بڑا سخت ہے۔ اللہ کہتا ہے جب میرے ساتھ تم بات کر رہے ہو تو اب کسی اور سے بات نہیں کرنی۔ جب تم نماز میں کھڑے ہو تو اللہ سے باتیں کر رہے ہو۔ اب اگر آپ نے نماز میں کہہ دیا ناں کہ قاری شہباز صاحب۔ تو نماز ٹوٹ گئی۔ وہ کہتا ہے جب میرے ساتھ کرنی ہے ناں بات، پھر میرے ساتھ ہی کرو۔ پھر کسی اور ساتھ نہ کرو۔ نماز میں اگر کوئی بات کرے گا، کسی اور کو مخاطب کرے گا، اللہ کے سوا، نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن کیا کریں، اُسی نماز میں اللہ نے کہا کہ اور کسی کو تو نہیں کرنا لیکن سلام علیک ایھا النبی کہا ہے۔ بھائی کسی کو مخاطب کرو گے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ لیکن جیسے اللہ کو مخاطب کرنا ہے، ویسے ہی محمد کو مخاطب کرنا ہے۔ کسی اور کو مخاطب کرو گے نماز اللہ نہیں قبول کرتا۔ اس لیے کہ عبادت ہے ہی اس کیلئے۔ عبادت کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ لیکن جیسے ہم نے ایاک نعبد کہنا، ویسے ہی ہم نے السلام علیک ایھا لنبی کہنا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پتہ ہے یا نبی سلام علیک۔ کئی پوچھتے ہیں ناں کہ یا نبی سلام علیک کہا سے آگیا؟ یہ اسلام علیک ایھا لنبی کا اردو ترجمہ ہے۔ تو اب نماز میں یا اللہ بھی کہنا ہے اور یا رسول اللہ بھی کہنا ہے۔ اب کچھ لوگوں کو یہ پریشانی تھی کہ وہاں (مسجد نبوی) یا رسول اللہ کہنا جائز ہے۔ وہاں جائز ہے اور یہاں نہیں۔ اللہ کے جو تدابیر ہیں وہ بڑی کمال کی ہیں۔ اللہ نے کہا کہ نماز صرف مکے مدینے میں ہی آ کے تو نہیں پڑھنی۔ نماز تو پاکستان میں بھی پڑھنی ہے۔ سری لنکا میں بھی پڑھنی ہے۔ جو بھی نمازی یا رسول اللہ کا قائل نہیں۔ ہم اس کی نماز ہی قبول نہیں کرتے۔ اسی لیے یہ لفظ "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم تحمید سے نکلنا ہے۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے اس کو تعریف کرنی پڑے گی۔ اس باب کی خصوصیت ہی یہی ہے۔ جو نہیں چاہتا یا رسول اللہ کہنا، اس کو بھی کہنا پڑتا ہے۔ اس کو بھی یا نبی اللہ کہنا پڑتا ہے۔ تو تم جو اپنے بتوں کو پُکارتے ہو۔ تم اپنی مرضی سے پکارتے ہو ہم اللہ کی مرضی سے پکارتے ہیں۔ کیوں ایسے پریشان ہو جاتے ہیں آپ لوگوں کے چھوٹے چھوٹے اعتراضات سے؟ قرآن کا مطالعہ کریں۔ قرآن تو ہے ہی سارا آپ کے لیے۔ وہ علیحدہ بات ہے کہ ہم نے اس کا دامن چھوڑ دیا۔

اب مکہ کے مشرکوں کا بھی سوال اس وقت یہی تھا۔ سوال آج بھی وہی ہے۔ یہ سوال کوئی آج شروع نہیں ہوا۔ اللہ اسی لیے قرآن میں لکھ دیا ہے۔ یہ جو السلام علیک ایھا لنبی ہے۔ یہ درمیان والا قعدہ جو ہے یہ واجب ہے اور

آخر والا جو ہے وہ فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی۔ جو یا نبی اللہ یا رسول اللہ کا قائل نہیں تھا، اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ یہ قانون یاد رکھیں۔ یہاں جائز کیوں ہو گیا؟ اس لیے کہ یہ اللہ کی مرضی ہے۔ نماز میں کسی اور کو مخاطب کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ نبی کو مخاطب کرنے سے کیوں نہ ٹوٹی؟ اس لیے کہ یہ اللہ کی مرضی تھی اور ابدیت کہ ہر کام اس کی مرضی کے لیے کیا جائے۔

امام غزالی نے جب الصلوۃ معراج المومنین کی شرح لکھی۔ بڑا خوبصورت جملہ لکھا۔ آپ نے فرمایا نماز مومن کی معراج ہے۔ پتہ ہے یہ معراج کب بنتی ہے؟ امام فرماتے ہیں کہ جب جو تشہد میں بیٹھتا ہے اور کہتا ہے ناں السلام علیک ایھا لنبی۔ اگر پیغمبر کا تصور تیرے سامنے آجائے تو وہ نماز معراج کو پہنچتی ہے۔ اور کوئی نماز معراج کے درجے کو نہیں پہنچتی۔ اس لیے کہ اللہ کی رضا ہے کہ محمد کو مخاطب کیا جائے۔ جو ایسے مخاطب نہیں کرتا اس کی نماز معراج کے درجے کو پہنچ ہی نہیں سکتی۔ جو کرنا ہے وہ بھی اس کی رضا کے لیے۔ جو چھوڑنا ہے وہ بھی اس کی رضا کے لیے۔

قرآن نے کہا، یہ بات بڑی اللہ کو پسند ہے، بلکہ فرمایا نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ[1] ایسا قصہ کائنات میں ہی نہیں جو یوسف علیہ السلام کا ہے۔ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بہترین قصوں میں سے قصہ ہے۔ کس چیز نے بنایا بہترین؟ فرمایا وہ جو حیا تھی یوسف علیہ السلام کی، وہ جو بندگی کا تصور تھا۔ جب زلیخا نے کہا قَالَتْ هَيْتَ لَكَ[2] یوسف میری طرف مائل ہو جا۔ تو میرے بندے نے کہا معاذ اللہ۔ میں تو اپنے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ انسان کر سکتا ہو تو نہ کرے۔ یہ بندگی ہے۔ زنا کر سکتا ہو، نہ کرے، اس لیے کہ میرے خدا کی رضا اس میں نہیں ہے۔ تو یہ سوز و گداز اس کا درجہ ہے اس نے اس قصے احسن القصص بنا دیا۔ جب یوسف علیہ السلام نے فرمایا قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ میں تو اپنے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ تو زلیخا نے کیا کیا؟ وہ قریب ہی اس کا بت پڑا تھا، اس نے کپڑا اُس پہ ڈال دیا۔ کہنے لگی لوگ اللہ کو تو میں نے چھپا دیا۔ یوسف علیہ

---

[1] سورہ یوسف:3

[2] سورہ یوسف:23

السلام نے فرمایامیرا خدا توزمین کی تہ میں بھی دیکھ سکتاہے۔ تُو کس خدا کی بات کرتی ہے۔ آپ نے یہ اردو کی کتابوں میں، یہ بچوں کی چھوٹی کتابوں میں بھی یہ حدیث شریف ہے۔ وہ جو غار میں تین آدمی پھنس گئے تھے۔ تو وہ پتہ ہے دو کی دعا سے تھوڑا تھوڑاپتھر سر کا تھا اور تیسرے بندے کی دعا سے وہ پتھر گر گیا تھا۔ اس میں بھی یہی بندگی کا تصور تھا۔ مولا کریم میری چچازاد بہن تھی اور میں اس پہ عاشق ہو گیا۔ میں ہمیشہ اس کو برائی کی دعوت دیتا اور وہ مجھے کہتی کہ اللہ سے ڈر۔ ایک دن میں کامیاب ہو گیااس کو برائی پہ آمادہ کر لیااور جب میں برائی کے لیے اس کو آمادہ کر بیٹھااور تیار تھا کہ برائی کر لیتا۔ مولا مجھے تیری حیاء آگئی کہ میرا خدا مجھے دیکھ رہاہے۔ یہ وہ جملہ تھا جس نے اس پتھر کو گرا دیا۔ جو کرنا ہے وہ بھی اس کی رضا کے لیے، جو چھوڑنا ہے وہ بھی اس کی رضا کیلئے۔ اور یہ ایسے ہی شک کرتے رہنا کہ تو نے اپنے باپ کے ہاتھ چومے تو سجدہ کر لیا؟ کسی کو خالق مان کر اس کے سامنے تزلل اور عاجزی کا اظہار کرنا یہ بندگی ہو تا ہے۔ ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق نہیں مانتے۔ نہ کسی ولی کو خالق مانتے ہیں۔ ہم یہ نماز میں بھی اپنے پیغمبر کو مخاطب کرتے ہیں تو اپنے اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ ہم یارسول اللہ کے نعرے لگاتے ہیں تو بھی اپنے اللہ کی رضا کے لیے۔ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے ہی بدگمانیاں نہیں کیا کرتے تھے بلکہ منع کیا بدگمانی سے۔ مدینہ شریف میں بارش ہو گئی ایک دفعہ۔ عیسائیوں کے گرجا گر گیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا۔ سرکار گئے عیسائیوں کے پاس۔ آپ نے فرمایا کہ جتنے دن یہ تمہارا گرجا تعمیر نہیں ہو تا تم مسجد نبوی شریف میں آکر اپنی اپنی عبادت کر لیا کرو۔ میرے پیغمبر نے تو ایسے دین پھیلایا۔ اب کچھ لوگوں کو یہ خدشہ تھا کہ یہ عیسائی اور مسجد میں آکے اپنی عبادت کریں۔ لیکن حضور کے سامنے کون بول سکتا تھا۔ آٹھ دن وہ آتے رہے عبادت کیلئے اور اُدھر گرجا تعمیر ہو تا رہا۔ اُدھر گرجا تعمیر ہو گیا اور جب آخری دن عبادت کرنے آئے تو کہنے لگے کہ ہمیں کلمہ پڑھا دیں۔ میں نے پیغمبر تو فرماتے رہے بس اللہ کی عبادت کرو لیکن یہ جملہ یاد رہے آپ کو ہمیشہ کہ کہ مکے کے مشرک صحابہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی بتوں کے پاس اس لیے جاتے ہیں ہم اللہ کے قریب کر دیں لیکن وہ اللہ کے قریب نہ کر سکے۔ اس لیے کہ قران یہ دوٹوک بات ارشاد فرمادی کہ جو بھی کوئی میرے نبی کے بغیر اللہ کی تلاش میں نکلے گا، گمراہ ہو جائے گا۔ ہمارے گھر میں فرشتہ قرآن لے کے نہیں آیا۔ بھائی کسی کے گھر آیاہو جبریل اللہ کا پیغام لیکر؟ یہ اصول کی بات آپ

کو سمجھانے لگا ہوں۔ اللہ جب بھی مخلوق سے بات کرتا ہے نبی کے ذریعے سے کرتا ہے۔ اللہ نے کبھی ڈائریکٹ بات نہیں کی مخلوق کیساتھ۔ اللہ جب بھی کوئی پیغام دیتا ہے نبی کے ذریعے سے دیتا ہے۔ اس کی پتہ وجہ کیا ہے؟ تاکہ بندوں کو احساس ہو کہ اگر ہم نے بھی اللہ تک پہنچنا ہے تو نبی کے ذریعے سے پہنچنا ہے۔ کسی مولوی کے ذریعے سے نہیں پہنچنا۔ آج کل ہمارے ذہنوں میں یا فتور ہے۔ میں اپنی نوجوان نسل کو یہ دعوت فکر دینا چاہتا ہوں۔ یہ اسلام کے نام پہ تنظیمیں بنائی ہیں۔ اتنے اسلام کے نام پہ ڈھونگ رچائے گئے۔ یہ سب انسانوں کو غلام بنانے کے لیے۔ انسان بندوں کے غلام ہوں؟ میرے پیغمبر نے فرمایا نہیں۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ انسان اللہ کے غلام ہوں۔ اور پھر اگر صحابی بھی کیوں نہ ہو؟ بندے نے کلمہ پڑھ لیا۔ کسی کلمہ گو کو ایسے ہی کہہ دینا تو شرک کرتا ہے۔ میدان جنگ میں کلمہ پڑھ لیا۔ صحابی نے اس کو قتل کر دیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیس آ گیا۔ صحابہ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا کافر نے۔ اِس نے پھر بھی قتل کر دیا۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو جان کے خوف سے پڑھ رہا تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ میں قتل نہ ہو جاؤں۔ وہ تو جان بچانے کے لیے اس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ میری سرکار کا رَنگ سُرخ ہو گیا۔ غصے میں آ گئے۔ صحابی سے فرمایا۔ فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کے دیکھا تھا کہ وہ اوپر سے پڑھ رہا تھا یا دل سے پڑھ رہا تھا؟ آپ کے کسی مولوی کو کیا بنتا ہے وہ کہے کہ تو فلاں صاحب کے ہاتھ چومے ہیں، جُھکا ہے تو سجدے کی نیت سے جھکا ہے؟ اگر ایک صحابی کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ تو نے دل چیر کے دیکھا تھا؟

آج کل یہ بڑی بات نکلی ہے کہ نبی پاک ﷺ کے دور میں ایک بندے نے آ کے طلاق تین دفعہ اس نے دی تھی۔ اُس نے کہا یارسول اللہ ﷺ میری تو نیت ایک کی تھی۔ تو سرکار نے فرمایا کہ ٹھیک ہے ایک کے بعد تو رجوع ہوتا ہے تُو رجوع کر لے۔ اب اس کو دلیل بنا کے آج کل تین طلاقوں والے بھی وہ جاتے ہیں ناں وہ کہتے ہیں، ایک فرقے والے کہتے ہیں تین سے مراد ایک ہی ہے۔ پوری بات نہیں بتاتے۔ یہی معاملہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ عنہ کے پاس آیا۔ اس بندے نے کہا کہ میں نے زبان سے تو تین طلاقیں دیں لیکن میری نیت ایک تھی۔ سرکار عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تو طلاق ہو گئی۔ تینوں ہو گئیں۔ اگر تو نے تین کہیں تھی۔ اس نے کہا کہ نبی پاک ﷺ

کے سامنے تو جب اس بندے نے کہا کہ میری نیت ایک کی تھی تو حضور نے تو فرمایا کہ تُو رجوع کر لے۔ تو سرکار عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جواب سنیے۔ آپ نے فرمایا وہ نبی تھے، وہ نیتیں دیکھ لیتے تھے۔ میں تیری نیت دیکھ سکتا۔ میں فتویٰ دوں گا تو تیر ظاہر پہ دوں گا۔ قیامت تک آنے والے ہر گستاخ کے لیے یہ راستہ بند کر دیا کہ میں نبی جیسا ہوں؟ فرمایا یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ حضور یہ فتویٰ دے سکتے ہیں، اس لیے کہ وہ الفاظ بھی دیکھتے ہیں، نیت بھی دیکھتے ہیں۔ کسی اور انسان کے پاس یہ جرات نہیں ہے کہ وہ کہے کہ میں نے تیری نیت دیکھ لی۔ ایسے نہیں کسی کو فتوی دے دینا۔ تو نے کسی چیز کو بوسہ دیا تھا تو مشرک ہو گیا۔ اللہ کی رضا کے لیے کسی کام کا کرنا عبادت ہے۔ یہ تعظیم اور عبادت میں اللہ تعالی نے موقع دیا انشاء اللہ تو یہ بھی قرآن سے ہم پھر دیکھیں گے کہ تعظیم میں اور عبادت میں کیا فرق ہے؟ اللہ تعالی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اعمال کا نتیجہ

قرآن: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَاۚ-وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ سورة الانعام: 160

ترجمہ:- جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہیں اور جو کوئی برائی لائے تو اسے صرف اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

خاکہ:-

1. تمہارے فیصلے درست ہوں گے اگر نتیجہ پر نظر ہو۔
2. اللہ کے سامنے صرف سر ہی نہیں بلکہ فکر اور دل بھی جھکنا چاہیے۔
3. ایک نیکی کے عوض دس اور ایک گناہ کے عوض ایک ہی۔
4. صرف سجدوں کا نام عبادت نہیں ہے۔
5. نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ اگر یہ نتیجہ نہیں نکلا تو ابھی نماز نہیں پڑھی۔
6. کون سا سجدہ ہے جو کفر تک لے جاتا ہے۔؟
7. جنید بغدادی کا واقعہ۔
8. کن نمازیوں کی نمازیں برباد ہو گئیں؟
9. نیکی کی ہے تو اس کو محفوظ کر کے اللہ کی بارگاہ تک لے جانا۔
10. عبادتوں والے متکبر نہیں ہوتے۔
11. حضرت عمرِ فاروق کو یہ مقام کیسے ملا؟
12. اللہ کی معرفت اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے ملتی ہے۔

انسان کوئی بھی عمل کرے، اچھا کرے، برا کرے۔ اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ تو ہوتا ہے۔ نتیجے کے بغیر کوئی عمل نہیں ہوتا۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری رہنمائی کے لیے ایک بڑا جامع اصول جو ہے وہ بیان فرمادیا تھا کہ تم غلط فیصلہ نہیں کرپاؤگے اگر تمہاری نتیجے پہ نظر ہوگی۔ اگر اتنا سا کام کرلو کہ میں یہ جو کام کرنے لگا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہوگا تو پھر تم کبھی بھی غلط فیصلہ نہیں کروگے۔ جب انسان نتیجے کو نظر انداز کرتا ہے تو پھر اس کی خواہشِ نفس جو ہے اس کا راستہ روک لیتی ہے۔ اب جس نتیجے کے لیے میں نے کام کیا اگر وہ نتیجہ مجھے نہیں ملا تو وہ عمل بیکار ہوتا ہے۔ یہ سمجھنے والی بات ہے۔ یہ پنکھا میں نے لگایا ہے کہ مجھے ہوا دے اور اگر یہ ہوا نہیں دے گا تو یہ میرا سارے کا سارا عمل بیکار چلا گیا۔ یہ سپیکر اس لیے ہے کہ یہ مجھ سے آواز حاصل کرے اور آپ تک پہنچائے اور اگر یہ نتیجہ نہیں دیتا تو یہ سپیکر بیکار ہوجائے گا۔ اس کا سارا عمل بیکار ہوجائے گا۔ آپ نماز پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ[1] کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ ایک نتیجہ ہے نماز کا۔ اگر وہ نتیجہ نہیں ملا تو اس کا مطلب ہے کہ پھر نماز پڑھی نہیں گئی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ نماز پڑھی جائے اور پھر وہ بے حیائی اور برائی سے نہ روکے۔ بڑا ایک جملہ اقبال فرمایا کرتے تھے۔

تیرے سجدے کہیں تجھے کافر نہ کر دیں اقبال
تُو جھکتا کہیں اور ہے، سوچتا کہیں اور ہے

تو جب انسان کی فکر جو ہے وہ اس کے عمل کا ساتھ نہیں دیتی تو پھر وہ عمل بے نتیجہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے درس سے کوشش یہی رہی کہ انسان شعوری طور پہ ایمان حاصل کرے۔ صرف اس کا ظاہر اللہ کے سامنے نہ جھکے بلکہ اس کی فکر اور اس کا دل بھی اللہ کے سامنے جھکے۔ یہ نہیں ہے کہ سَر کسی اور کے سامنے جھک رہا ہے اور دل کسی اور کے سامنے، سوچ کسی اور کے سامنے جھک رہی ہے؟ تو جب تک یہ sequence آپ کا مکمل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ذخیرہ جب اکٹھا کیا گیا۔ تو سب سے پہلے جس حدیث کو مرتبہ اور مقام اور

[1] سورۃ العنکبوت:45

درجہ محدثین نے دیا کہ کون سی حدیث ہے جس کو سب سے پہلے لکھا جائے؟ تو آپ صحیح البخاری کو دیکھیں تو سب سے پہلے جس حدیث کو لکھا گیا وہ تھی إِنَّمَا الأعمالُ بالنِّيَّاتِ۔ یعنی اگر تیری فکر، تیری نیت جو ہے وہ ٹھیک نہیں ہے کہ میرا سر تو اللہ کی بار گاہ میں جھک رہا ہے لیکن میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ مجھے فلاں بندہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ کسی دوسرے سے فائدے کی میں توقع بھی رکھتا ہوں تو پھر میں نے ظاہر ہے کسی اور کو بھی خدا مان لیا ہے۔ کسی اور کو بھی رب مان لیا ہے۔ تو پہلے فکر اللہ کی بار گاہ میں جھکے، پھر اس کا عمل جو ہے وہ اللہ کی بار گاہ میں جھکے۔

یہ میں نے جس آیہ مبارکہ کو آج موضوع گفتگو بنایا ہے۔ یہ آپ اکثر سنتے رہتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَاۚ۔ اگر تم ایک نیکی کرو گے، اللہ کی بار گاہ میں ایک نیکی لے کے آؤ گے۔ اللہ تعالی اس کی مثل دس کر کے تمہیں دے گا۔ یعنی ایک نیکی آپ کو 10 نیکیوں کے برابر اجر دے گی۔ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا اگر تم ایک گناہ لے کے آتے ہو تو صرف ایک ہی گناہ کا بدلہ تمہیں دیا جائے گا۔ یہ قرآن پاک ہے۔ لیکن یہاں پہ جو بات اصل میں بیان کی گئی ہے وہ یہ نیکی کرنے کی نہیں ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ جو نیکی کو سنبھال کر لے آئے گا اللہ کی بار گاہ میں۔ نیکی کر لینا اور ہے، نیکی کو سنبھالنا اور ہے۔ میں اس لیے اکثر آپ سے یہ جملہ کہتا رہتا ہوں کہ فرقہ واریت کی لعنت میں کیا ہوا کہ ہمیں یہ بتایا گیا کہ اس فرقے میں شامل ہو جاؤ، تو تمہاری نجات ہو جائے گی۔ اس فرقے کے یہ جو اعمال ہیں یہ تمہیں نجات دے دیں گے۔ ہمیں یہ نہیں بتایا گیا کہ میرے کون سے عمل ہیں جو میری نیکیوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں بتایا جاتا۔ اس لیے ہمیں نہ نماز کے نتائج مل رہے ہیں اور نہ روزے کے۔ روزے کا نتیجہ کیا تھا؟ قرآن کریم سے اگر میں نے نماز کا نتیجہ آپ کے سامنے رکھا ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ روزے کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کو تقویٰ مل جائے۔ اب نہ نماز نے مجھے نتیجہ دیا، میں بے حیائی اور برائی سے نہیں رکتا۔ نہ روزے نے مجھے نتیجہ دیا۔ تو کون سی چیز تھی جس نے میری نماز بھی برباد کر دی؟ میرا روزہ بھی برباد کر دیا؟

پوچھا میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مفلس کون ہے؟ ہر کسی نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جواب دیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پاس کھانے پینے کے اسباب نہ ہوں۔ رہائش کے لیے اچھا مکان نہ ہو۔ سواری نہ ہو۔ محتاج ہو۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا جواب قبول نہیں کیا۔ پھر پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی بتائیں۔ فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے۔ یہ میں اس آیت کا آپ کو بتانے لگا ہوں کہ جو نیکی بچا کر اللہ کی بارگاہ میں لے جائے۔ یہ بخاری اور مسلم، صحیحین میں یہ حدیث ہے۔ سارے لوگ اس کو بیان کرتے ہیں فرمایا میرے اُمت کا مفلس وہ ہے جو پہاڑ جتنی نیکیاں، ڈھیر لے کے اللہ کی بارگاہ میں آئے گا۔ نوافل پڑھے ہوں گے۔ تسبیح پڑھی ہوں گی۔ نعتیں بڑی سنی ہوں گی، سنائی ہوں گی۔ نیکیوں کا ڈھیر ہو گا اس کے پاس۔ لیکن پھر اسے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیسے؟ اتنی نیکیاں بھی اس کو بخشوا نہیں سکیں گے؟ فرمایا نہیں۔ جب وہ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو گا تو ایک شخص کھڑا ہو جائے گا۔ وہ کہے گا یا اللہ اس نے مجھے گالی دی تھی۔ سِباب الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ[1] مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ گناہ کبیرہ ہے۔ ہم مذاق سمجھتے ہیں ان باتوں کو۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں نکالے گا اور اس کو دے دے گا۔ دوسرا شخص کھڑا ہو جائے گا اس نے مجھے تھپڑ مارا تھا۔ جناب ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ناں کہ میں نے اپنا ہاتھ اٹھایا تھا اپنے غلام کو مارنے کے لیے۔ تو پیچھے سے آواز آئی خبر دار۔ تو میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے اور آپ فرمارہے تھے ابو مسعود جتنا اختیار تم اپنے اس غلام پہ رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ اختیار تیرا خدا تجھ پہ رکھتا ہے۔ پھر جب بھی کبھی مجھے غریبوں پہ غصہ آتا تھا، غلاموں پہ غصہ آتا تھا، تو میرا ہاتھ رُک جاتا تھا کہ تُو بھی کسی کا غلام ہے اور تو نے بھی اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ یہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ یہ نہیں ہے کہ روزہ میں سامنے کھانا پڑا ہے تو میرا ہاتھ رُک جائے کہ میں نے کھانا کا لقمہ نہیں اٹھانا۔ میں نے پانی کا گلاس نہیں اٹھانا۔ تربیت یہ تھی کہ یہ ہاتھ ظلم کرتے ہوئے رک جائے۔ تقویٰ یہ تھا کہ جب یہ ہاتھ ظلم کے لیے بڑھے تو رک جائے۔ یہ نہیں مقصد تھا کہ اس سے صرف لقمہ نہیں توڑنا۔ اب نیکیاں نکال کے پھر اس کو دے دی جائیں گی۔ اس نے میرا حق مارا تھا۔ پاک پیغمبر

---

[1] صحيح البخاري / كتاب الأدب / حديث:6044

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس جس شخص کو اس نے تنگ کیا ہو گا، ستایا ہو گا، اس کی نیکیاں نکال کر ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں گی۔ نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور ابھی لوگوں کی لائن لگی ہو گی جن کو اس نے تنگ کیا ہوا ہو گا۔ اب اس کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہو گا۔ اب وہ جو فریادی ہیں، وہ جو مظلوم ہیں ان کے گناہ نکال کر اس کے نامہ اعمال میں ڈال دیے جائیں گے اور وہ جو شخص پہاڑ جتنی نیکیاں لے کے اللہ کی بارگاہ میں پہنچا تھا، اس کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ میں نے وہ جملہ آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ معبود کی ڈیفینیشن یہی ہے یہ صرف سجدے کرنے کا نام عبادت نہیں ہے۔ یہ تھوڑی دیر کیلئے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا نام عبادت نہیں ہے۔ 24 گھنٹے میرے جسم پر حکومت جس کی ہے وہ میرا معبود ہے۔ جس کے حکم پر میں سارے کام سرانجام دیتا ہوں اور اگر وہ جو بات اقبال کر رہے ہیں کہ تُو جھکتا کہیں اور ہے سوچتا کہیں اور ہے؟ تو اب تو تیرا سجدہ تجھے کفر کی طرف لے جائے گا۔ یعنی میں نماز اللہ کی پڑھ رہا ہوں اور میرے جسم پہ حکومت کسی اور کی چل رہی ہے؟ اب یہاں پر قرآن کریم جو جملہ کہتا ہے میں تو یقین جانیے کانپ جاتا ہوں۔ اگر اللہ فرماتا کہ بے نمازی برباد ہو گئے تو یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی کہ ٹھیک ہے ایک بندہ بے نمازی ہے، نافرمان ہے اللہ کا۔ برباد ہو گیا۔ جب میرا اللہ فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ[1] نمازی برباد ہو گئے۔ اب ہمیں تو یہی بتایا جاتا ہے ناں کہ آپ زندگی جیسے جی چاہے گزاریں، ایک میلاد کی محفل کروالیں، محفل نعت کروالیں اور باقی سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا؟ کوئی کہتا ہے کہ آپ جیسے جی چاہے زندگی گزاریں، کوئی ایک چلہ تبلیغی جماعت کے ساتھ لگالیں اور آپ کی بخشش ہو جائے گی۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں کوئی نو دس دن محرم میں رو دھولو، باقی زندگی جیسے جی چاہے گزارو، تمہاری بخشش ہو جائے گی۔ قوم کو یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ وہ کام کون سے ہیں جن سے یہ سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں؟ اگر نماز نتیجہ ہی نہیں دے رہی، روزہ نتیجہ نہیں دے رہا، میرا کلمہ جو ہے وہ نتیجہ ہی نہیں دے رہا مجھے؟ تو میں نے کبھی بیٹھ کے اس پہ سوچا ہے؟ بڑے کمال کے لوگ

[1] سورۃ الماعون:4

ہوتے ہیں سوچنے والے۔ اسی لیے تو قران بار بار کہتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا[1]۔ تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ بلکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

جنید بغدادی، کچھ لوگوں نے اس کو حضرت ذوالنون مصری کے حوالے سے بیان کیا ہے اس واقعہ کو۔ فرماتے ہیں میں دریا کے کنارے وضو کر رہا تھا۔ ایک بہت خوبصورت عورت میرے سامنے آگئی۔ اب میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ نفس کا غلبہ آگیا۔ میں اٹھ کے اس کے قریب گیا کہ اس سے گفتگو کروں۔ جب میں اس کے قریب گیا تو اس نے مجھے ایک جملہ کہا۔ اس نے کہا کہ پہلے تو میں نے سمجھا تھا کہ تو عالم ہے؟ پھر میں نے سوچا کہ نہیں یہ عالم نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں؟ اس نے کہا جو عالم ہوتا ہے وہ غیر محرم عورتوں کی طرف نہیں دیکھتا۔ قرآن میں آیا ہے ناں قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ[2]، پیغمبر، مومن مردوں سے فرمائیں کہ وہ اپنی نگاہ نیچی کرلیں۔ میں جارہا ہوں غیر محرم عورت میں نے دیکھ لی۔ اگر نگاہ نیچی کرلی تو میری نگاہ پہ اللہ کی حکومت ہے۔ اتنی سی بات ہے کہ میرے جسم پر حکومت کس کی ہے؟ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ[3] مومن عورتوں سے بھی کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ سمجھا تھا کہ تو عالم ہے لیکن اب مجھے پتہ چلا کہ تو عالم نہیں ہے۔ اب دیکھیں ناں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جس کو قرآن حفظ ہو، جس نے کوئی 9،10 ہزار حدیث زبانی یاد کی ہو وہ عالم ہوتا ہے۔ نہیں۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا[4]۔ جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہے، وہ عالم ہوتا ہے۔ جس کے دل میں اللہ کا خوف ہے۔ دل میں اللہ کا خوف ہوگا تو حکومت اللہ کی ہوگی۔ اس نے کہا پھر میں نے سوچا کہ یہ کوئی دیوانہ ہے؟ پھر میں نے خیال کیا کہ نہیں یہ دیوانہ بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تو نے کیسے اندازہ کیا؟ اس نے کہا میں نے اس طرح اندازہ کیا؟ اس نے کہا کہ دیوانے وضو نہیں کرتے۔ تو وضو کر رہا تھا۔ تو پاکی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب ہے تو دیوانہ

---

[1] سورۃ محمد:24

[2] سورۃ نور:30

[3] سورۃ نور:31

[4] سورۃ الفاطر:28

نہیں ہے۔ پھر میں نے تیرے متعلق سوچا کہ یہ کوئی عارف ہے؟ لیکن اب مجھے پتہ چلا کہ تو عارف بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ مفسرین نے لکھی ہے کہ ابلیس عابد بھی تھا، عالم بھی تھا اور عارف بھی تھا۔ تینوں چیزیں اس کے اندر تھیں۔ وہ عالم بھی تھا، فرشتوں کا استاد بنا۔ عابد بھی تھا، عبادت بھی اس نے بے شمار کی۔ عارف بھی تھا۔ صرف ایک بات نے اس کی عبادتوں کو بھی، اس کے علم کو بھی، اس کے عرفان کو بھی ضائع کر گئی۔ یہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ اللہ گناہ اس کے معاف کرتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔ ابلیس کا علم، اس کی عبادت، اس کا عرفان، اللہ کی بارگاہ میں محبت پیدا نہیں کر سکا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ عاشق نہیں تھا۔ عاشق جو ہوتا ہے وہ اپنے مالک کے حکم کی نہ نہیں کرتا اور بات اتنی سی تھی کہ جھک جا۔ اس نے جھکنے سے انکار کر دیا۔ تکبر کیا۔ اور اِدھر جو مقام حاصل کر گئے کہ جن کے چہرے کی زیارت بھی عبادت ہے۔ النظر الی وجہ علی عبادہ۔ مولا علی سرکار علی کے چہرے کی زیارت بھی عبادت تھی۔ یہ مقام کیسے مل گیا؟ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر فاروق ہوتا۔ یہ مقام کیسے مل گیا؟ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کائنات کا سب سے بڑا عالم علی ہے۔ لیکن محبوب فرمادیں کہ علی اویس قرنی سے جا کے دعا کروانا۔ ایک مرتبہ بھی نہیں سوچا کہ میں اتنے علم والا، اویس قرنی تو عالم نہیں ہے۔ اس کے تو گھر والے بھی اس کو پاگل کہتے ہیں۔ دیوانہ کہتے ہیں۔ لوگ پتھر مارتے ہیں۔ اس نے تو کوئی حدیث کی کتاب بھی نہیں لکھی۔ اویس قرنی نے تو کوئی قران کا نسخہ بھی، کوئی تفسیر بھی نہیں لکھی اور علی اور عمر دونوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم اس مقام پہ اور اویس کے سامنے جا کے ترلے کریں؟ دعا کروائیں؟ نہیں۔ محبوب جہاں جھکا دے وہاں جھک جانے کا نام عشق ہے۔ فرشتوں کو قرب اس لیے مل گیا کہ جہاں اللہ نے جھکایا وہ جھک گئے۔ یہ ہوتی ہے جسم پر حکومت ہونا۔

جب اللہ فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ نمازی برباد ہو گئے۔ اب وہ بے حیائی اور برائی سے کیا رُکے گا جس کی نماز کو اللہ ہی کہہ دے کہ یہ برباد ہو گئی۔ تو کیا اجر ملے گا؟ نماز کس بات پہ برباد ہوئی؟ اس کا سیاق وسباق ذرا دیکھیں۔ تین چیزیں صرف اس میں بیان ہوئیں۔ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ[1] جو یتیموں کو دھکے دیتے ہیں وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ

[1] سورۃ الماعون:2

الْمِسْكِيْنِ[1] اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دلاتے۔فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ بس برباد ہو گئے نمازی۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاهُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ[2] یہ دکھاوا کرتے ہیں۔ یہ مسجدوں میں ماتھوں پہ محراب ڈالنے کے لیے، دکھاوا کرنے کے لیے آجاتے ہیں۔ اگر کوئی یتیم کی عزت نہیں کرتا، اس کو کیا پتہ نماز کیا ہے؟ اس لیے اس نے یتیم کی عزت اس لیے نہیں کی کہ اس کے جسم پر اللہ کی حکومت نہیں تھی۔ اگر اللہ کی حکومت ہوتی تو وہ یتیم کا احترام کرتا۔ وہ غریب کا احترام کرتا۔ اب حالت تو یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کوئی غریب سگا بھائی ہو، غریب ہے تو اس کی بھی عزت نہیں کرنی اور دکھاوے کے لیے چیزیں تقسیم کرنی ہیں۔ اس کا آخر والا جملہ جو ہےوَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ[3] اور روزمرہ استعمال کی چیزیں ایک دوسرے کو نہیں دیتے اور نماز پڑھنے آجاتے ہیں؟

اس لیے کوشش یہ کرنی ہے اللہ اگر نیکی کی توفیق دے تو پھر وہ نیکی بچ جائے اور اسی کے لیے کسی مخلص استاذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیک صحبت کی اسی لیے ضرورت ہوتی کہ انسان نے جو نیکیاں کی ہیں وہ نیکیاں بچ جائیں ورنہ پھر وہی جو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہے کہ ڈھیروں نیکیاں بھی ہوں گی تو نتیجہ نہیں ملے گا۔ نجات نہیں ملے گی۔ یہ حدیث تو آپ نے کئی دفعہ سنی ہےانما الاعمال بالنیات اور دوسری حدیث پتہ نہیں کہ وہ کم روایت کی جاتی ہے۔ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِ[4] اعمال کا دارومدار تو خاتمہ ایمان پہ ہے۔ ساڈے میاں صاحب نے تے بڑا سوہنا، سادہ لفظاں چ آکھیا سی۔ بھریا اوس دا جانا جس دا توڑ چڑے۔ اس حدیث کا بڑا سادہ سا ترجمہ کیا تھا۔ اللہ کے ولی کیوں روتے رہتے ہیں ساری زندگی؟ ان کی زندگیوں میں اتنا رونا کیوں ہوتا ہے؟ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سرکار سے ان کا مرید یہ عرض کرے کہ سرکار میری قیامت والے دن سفارش کریں گے؟ تو آپ زار و قطار رونے لگے اور فرماتے ہیں پہلے یہ تو دعا کر کہ اللہ میرا خاتمہ تو ایمان پہ کر دے۔ یہ ڈر یہ خوف اللہ کا۔ اس لیے کوشش کریں۔ اللہ

---

[1] سورۃ الماعون:3

[2] سورۃ الماعون:5،6

[3] سورۃ الماعون:7

[4] صحیح بخاری:6493

تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اللہ ریاکاروں سے محبت نہیں کرتا۔ اللہ بے حیائی پھیلانے والوں سے اور بے حیائی سے محبت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اللہ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا۔ اللہ کی محبت مل جائے۔ یہ نہ علم سے ملتی ہے۔ نہ عرفان سے ملتی ہے۔ یہ اللہ کی بارگاہ میں جھک جانے سے ملتی ہے۔ ورنہ ابلیس بڑا عالم تھا۔ بڑا عابد تھا۔ زاہد تھا۔ صرف اللہ کے حکم کے مطابق جھک جانے سے ملتی ہے۔ میں جب کالجز میں، یونیورسٹیوں میں لیکچر کے لیے جاتا ہوں تو وہاں میں بچوں سے اکثر یہ جملہ کہتا ہوں کہ آج کل ہمارے بچوں کو یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ میرا باپ ان پڑھ ہے۔ تو میں اس کا اپنے دوستوں سے کیا تعارف کرواؤں؟ میرے سٹیٹس کو کوئی فرق پڑ جائے گا۔ اس کو پھر اللہ کا قرب نہیں ملتا۔ فخر سے بتاتا ہے یہی میرا باپ ہے۔ اس لیے کہ اس کے جسم کا تو ایک جزو ہے۔ باپ کی ایک مسکراہٹ کا اجر ساری زندگی نہیں تُو دے سکتا۔ تو جس قوم کے بچوں کو یہاں پہ لا کے کھڑا کر دیا گیا ہو کہ وہ اپنے ماں باپ کا تعارف کروانے سے بھی ہچکچائیں۔ شرمندہ ہوں۔ انہوں نے باقی نیکی کے کام کیا کرنے ہے؟ جو اپنی اصل کو ہی بھول جائیں؟ اس لیے جھکنا صرف اللہ کے سامنے ہے۔ جب اس جسم پر اللہ کا حکم چلے گا تو سمجھیں کہ آپ عبادت میں ہیں اور اگر اس جسم پہ اللہ کا حکم نہیں چلتا، پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں چلتا اس وقت تک آپ عبادت میں نہیں ہیں اور پھر وہ نیکی محفوظ بھی نہیں رہتی۔ اللہ تعالی عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

اصلاح معاشرہ اور علماء ومشائخ کی ذمہ داری

قرآن: وَ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَکْلِھِمُ السُّحْتَؕ-لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔

لَوْ لَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَ اَکْلِھِمُ السُّحْتَؕ-لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ۔

سورۃ المائدہ:62-63

ترجمہ:- اور ان میں تم بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور زیادتی اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں بیشک بہت ہی برے کام کرتے ہیں۔ انہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کے پادری اور درویش گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے، بیشک بہت ہی برے کام کر رہے ہیں۔

خاکہ:-

1. کسی معاشرہ کی اکثریت بری ہو سکتی ہے پورا معاشرہ نہیں۔
2. معاشرہ میں آنے والی تبدیلیاں۔
3. پہلے انسان غلطی چھپاتا پھرتا تھا مگر اب۔۔۔۔
4. علماء اور مشائخ کی ذمہ داریاں۔
5. ولی کی تبلیغ اور اس کے اثرات۔
6. لوگوں کی ناراضگی سے بچنے کے لیے ہم نے اللہ کو ناراض کر لیا ہے۔
7. سرکار امام احمد بن حنبل کا واقعہ۔
8. جس معاشرہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں ہوتا وہ معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔

یہود کی عوام اور خواص کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے ارشادات فرمائے ہیں، وہ دونوں آیات ہم نے تلاوت فرمائی ہیں۔ اللہ فرماتا ہے وَ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ آپ دیکھتے ہیں ان میں سے اکثریت کو۔ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ

اَکْلِهِمُ السُّحْتَ۔ یہ سارے وہ دوڑ کر آتے ہیں گناہ کی طرف، ظلم کی طرف اور حرام کھانے کی طرف۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی اکثریت جو ہے وہ گناہ کی طرف دوڑتی ہے، ظلم کی طرف دوڑتی ہے اور حرام خوری کی طرف دوڑتی ہے۔لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یہ برے اعمال ہیں جو کرتے ہیں۔ ایک تو یہ بات قرآن کریم نے واضح کر دی کہ کوئی معاشرہ جتنا جی چاہے بُرا ہو، وہ یہودی ہوں، وہ عیسائی ہوں، ہندو ہوں، پارسی ہوں، ان کی اکثریت تو بری ہو سکتی ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے لوگ ہی برے ہوں۔ یہ نہیں کبھی ہوا۔ تو لفظ کثیر استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کا استثنیٰ دیا ہے کہ نیکی کی طرف دوڑنے والے نیکی کی طرف آنے والے تھوڑے لوگ اور گناہوں کی طرف بھاگنے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ اب ہمارے ہاں بھی یہی بات ہوتی ہے۔ جب ہم یہ جملہ کہتے ہیں ناں کہ دنیا نال چلنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اکثریت کیساتھ چلنا ہے۔ تو ہم اکثریت کے ساتھ چلنے کے زعم میں اپنی آخرت برباد کر لیتے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ نہیں تھا کہ وہ یہودی بھی سارے کے سارے برے تھے۔ عیسائی سارے کے سارے برے تھے۔ تھوڑی تعداد ان کی اچھے لوگوں کی بھی تھی۔ اب یہ نہیں کہا کہ وہ گناہ کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، حرام کھاتے ہیں۔ یُسَارِعُوْنَ یہ سُرعت کا لفظ آپ اردو میں بھی پڑھتے ہیں۔ بڑی تیزی سے بھاگ کر آتے ہیں۔ بس گناہ دیکھا اور دوڑ لگا دی کہ ہم نے یہ کام کرنا ہے۔ ظلم دیکھا، دوڑ آئے کہ ہم بھی ظلم کا کام کریں۔ حرام کا مال دیکھا دوڑ لگا دی کہ جلدی جلدی ہمیں یہ حرام کا مال مل جائے۔ فرمایا یہ سرعت، یہ تیزی، آتی کب ہے؟ کب انسان دوڑتا ہے گناہ کی طرف؟ حرام کی طرف؟ ظلم کی طرف؟ جب گناہ اس کی عادت بن جاتا ہے۔ ابتدا میں ایسا نہیں ہوتا۔ ابتدا میں جب وہ گناہ کی طرف جاتا ہے تو جھجکتا ہے۔ اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے۔ کبھی اس کو لوگوں کا خوف ہوتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ یعنی ڈرتا ہے۔ خوفزدہ ہوتا ہے۔ لیکن جب اس گناہ پہ اس کی عادت پختہ ہو جاتی ہے تو پھر اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ارادہ تن یا غیر ارادی طور پہ اس نے جانا ہی گناہ کی طرف ہے۔

اس لیے اس کی تفسیر میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیان فرمائی تھی کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو وہ نقطہ مٹا دیا جاتا ہے۔ اگر توبہ نہ کرے،

معافی نہ مانگے تو پھر ایک اور نقطہ، گناہ کرے گا پھر تیسرا گناہ کرے گا تیسرا نقطہ۔ یہ وہ میں انسانوں کی کیفیت بیان کر رہا ہوں جو اللہ رسول نے ہمیں بیان فرمائی۔ میں نے جب قرآن کریم کو اس حوالے سے دیکھا تو بچپن میں ہم یہ دیکھتے تھے، یقین جانیے کہ اگر کسی سے یہ کہہ دیا جاتا تھا نا کہ تُونے دودھ میں پانی ملایا ہے تو وہ معذرت کرتا تھا۔ نہیں، نہیں۔ میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ یعنی وہ اس بات سے آگے دلائل دیا کرتا تھا کہ نہیں، نہیں، میں کیوں برا کام کرنا ہے۔ اگر کوئی بندہ رشوت کے پیسوں سے موٹر سائیکل خرید لیتا تھا تو وہ موٹر سائیکل چھپاتا پھرتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ یہ اس نے حرام کا مال سے خریدی ہے۔ یہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے۔ میں نے تو بچپن میں یہ دیکھا ہے کہ لوگ برائی کر کے ڈرتے تھے۔ لیکن اب صورتحال یہ ہوگئی ہے کہ آپ کسی سے کہیں تو وہ کہتا ہے ہاں ڈالا ہے دودھ میں پانی۔ کیا ہو گیا؟ اب وہ کہیں ناں بھائی رشوت لیتے ہو تو وہ کہتا ہے ہاں۔ نہیں گزارا ہوتا۔ تو قران یہ کہہ رہا ہے کہ یہ صورتحال کب پیدا ہوتی ہے جب گناہ تیری عادت کا حصہ بن جاتا ہے۔ جب گناہ عادت میں داخل ہو جاتا ہے، بار بار کرتے ہو تو پھر یہ صورتحال جو ہے وہ پیدا ہو جاتی ہے کہ اکثریت جو ہے وہ گناہ کی طرف راغب ہوتی ہے۔ تیزی سے جاتے ہیں، سرعت کے ساتھ جاتے ہیں۔ ایسے نہیں ہے کہ وہ پھر خوفزدہ ہوں۔ اور اگر انسان ساتھ ساتھ توبہ کرتا رہے۔ معافی مانگتا رہے، اس کا دل جو ہے وہ صاف رہتا ہے۔ اس کا ضمیر بھی اس کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ یہ تو ان کی اکثریت کی بات تھی اور ہماری بھی اکثریت کا نقشہ ہے جو قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ اکثریت تو یہی کرے گی۔ گناہ کی طرف بھی جائے گی، ظلم کی طرف بھی جائے گی اور حرام خوری بھی کرے گی۔

اب اگلی آیت ان کے خواص کے متعلق ہے۔ فرمایا لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ کیوں نہیں روکتے الرَّبّٰنِيُّوْنَ جو اپنے آپ کو اللہ والے کہتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ والے ہیں۔ نیک ہیں۔ پیر ہیں۔ مشائخ ہیں۔ عابد ہیں۔ زاہد ہیں۔ وہ اس اکثریت کو کیوں نہیں روکتے وَ الْاَحْبَارُ اور ان کے علماء جو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس دین کا علم ہے۔ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ جھوٹ سے، گناہ کی بات سے، جب کسی کی زبان سے گناہ کی بات نکلتی ہے، جھوٹ نکلتا ہے تو یہ لوگ کیوں خاموش رہتے ہیں؟ یہ کیوں نہیں روکتے ان کو؟ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَؕ اور حرام خوری سے، حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ یہ کتنے ہی بُرے کرتوت ہیں جو ان کے علماء اور مشائخ بھی کرتے ہیں۔ جب عام عوام کی بات آئی تو جملہ تھالَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور جب آئی مشائخ اور علماء کی باری تو پھر جملہ آگیالَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ اس قران کے پہلے مفسر مولا علی کے بعد حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گڑتی بھی دی تھی۔ ان کے علم کے لیے دعا بھی فرمائی تھی۔ تو قرآن لوگ ان سے سیکھنے کے لیے آتے تھے۔ نبی پاک نے ان کو تفسیر کا علم سکھایا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے سخت آیت میں نے قرآن میں نہیں دیکھی۔ بھائی بات ہی بڑی عجیب ہے ناں۔ ایک بندہ گناہ کرتا ہے، ایک بندہ ظلم کرتا ہے، ایک بندہ حرام کھاتا ہے، وہ اتنا برا نہیں۔ جتنا وہ شخص برا ہے جو ان کو منع نہیں کرتا۔ ہم تو کہہ دیتے ہیں ناں کہ جس جس جگہ کوئی لگا ہوا ہے ٹھیک ہے۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی وضاحت فرمائی ہے ناں کہ اگر دل سے بھی برا نہیں جانتے تو پھر تو ایمان ہی نہیں ہے ناں۔ کیونکہ کمزور ترین ایمان تو یہ ہے ناں کہ برائی کو دل سے برا جان اور اگر کوئی شخص برائی کو دل سے بھی برا نہیں جانتا تو اس کا تو ایمان ہی نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اس سے سخت آیت قرآن میں اور کوئی نازل ہی نہیں ہوئی۔ جتنی یہ سخت آیت ہے۔

اب یہ ذمہ داری گناہ سے روکنے کی، حرام سے روکنے کی اور ظلم سے روکنے کی۔ کچھ مفسرین نے اس کی تفصیل میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ یہ جو ربانیون لفظ ہے اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو حکومت کی طرف سے متعین کیے جاتے ہیں اور احبار وہ عالم ہوتے ہیں جو عام ہوتے ہیں جن کا حکومت سے تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن زیادہ تر کا اتفاق یہی ہے کہ اس کا حکومت سے تعلق نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو نیک کہتے ہیں، اپنے آپ کو زاہد کہتے ہیں، عابد کہتے ہیں، تہجد گزار کہتے ہیں کہ ہم بڑی عبادت گزار ہیں یا اپنے آپ کو نبی پاک کے دین کا وارث اور عالم کہتے ہیں، ان کے لیے یہ دونوں لفظ جو ہیں وہ استعمال ہوئے ہیں۔ دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک تو حکومت وقت کی طرف سے ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں ایک قانون نافذ نہیں ہوا۔ فلاں نہیں ہوا۔ چوروں کو حکومت روکے۔ ظالموں کو حکومت روکے۔ سود خوروں کو حکومت روکے۔ اس میں جو روحانی پہلو دیا گیا ہے، وہ بڑا عجیب ہے۔ وہ یہ دیا گیا ہے اگر ایک بندے کے دل میں دنیا کی محبت ہے یعنی جو کچھ بھی انسان کرتا ہے ناں پہلے اس کے اندر وہ چیز پیدا ہوتی

ہے۔ اُس کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔ ایک بندے کے دل میں دنیا کی محبت ہے، جب دنیا کی محبت آگئی تو اب وہ کیا کرے گا؟ رشوت بھی لے گا، سود بھی لے گا، ملاوٹ بھی کرے گا، چوری بھی کرے گا، ڈکیتی بھی کرے گا، سارے برے کام کرے گا۔ نبی، ایک لاکھ 24 ہزار کم و بیش انبیاء میں سے جو لوگ آئے ہیں، ان میں اکثریت بادشاہ نہیں تھی۔ ان کے پاس حکومت نہیں تھی۔ بہت چند نبی ہیں جن کے پاس حکومت آئی اور وہ بھی پتہ کیوں آئی؟ مثلاً میرے پاس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صفت اللہ تعالیٰ نذیر بیان فرماتا ہے۔ تنبیہ کرنے والا کہ اگر یہ کام کرو گے تو قیامت والے دن یہ تمہارا حشر ہو گا۔ اب لوگ کہتے ہیں اچھا قیامت کون سی کسی نے دیکھی ہے؟ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ او بھائی ویکھی جائے گی قیامت آئے گی تو دیکھی جائے گی۔ تو میرے اللہ نے وہ جو عدل قیامت والے دن نافذ کرنا تھا، اپنے محبوب کو اس دنیا میں حکومت دے کے وہ عدل نافذ کر کے دکھلایا۔ وہ عدل کر کے کہ یہ ہے وہ کام جو قیامت والے دن ہو گا۔ یہ صفت نذیر کا ایک پہلو یہ بھی مفسرین نے بیان کیا۔

باقی یہ جو کام ہے وہ یہ کیا کرتے تھے کہ بندہ رشوت بھی لیتا ہے، سود بھی لیتا ہے، چوری بھی کرتا ہے، ڈکیتی بھی کرتا ہے، ملاوٹ بھی کرتا ہے۔ تو اس کے تو ہر عمل کی سزا پھر علیحدہ علیحدہ ہو گی ناں۔ اور نبی اور ولی یہ نہیں کرتے۔ وہ پتہ ہے کیا کرتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں اس کے دل سے دنیا کی محبت ہی ختم کر دو تاکہ سارے برے اعمال ختم ہو جائیں۔ یہ ہے ناں وہ پہلو نیک صحبت کا۔ نیکوں کے پاس بیٹھنے کا، نبیوں ولیوں کا۔ وہ ٹارگٹ کرتے ہیں کہ کس وجہ سے اس کے اندر یہ برائیاں آئی ہیں؟ یہ گناہ کیوں آیا ہے؟ یہ ظالم کیوں بنا ہے؟ یہ حرام کیوں کھاتا ہے؟ اس کو بتا دو کہ یہ دنیا ناپائیدار ہے۔ اگر اس کے دل میں دنیا کی ناپائیداری آجائے گی تو یہ برائیاں ساری خود بخود چھوٹ جائیں گی۔ اس لیے میں یہ باندھ رہا ہوں تمہید کے یہ مشائخ اور علماء کو اتنا اللہ تعالیٰ نے قصوروار کیوں ٹھہرایا ہے؟ ان کا یہ کام تھا کہ ان کی اندر کی بیماری کو دور کرنا۔ ایک بندہ متکبر ہے۔ اس کے اندر تکبر آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پتہ ہے کیا فرماتا ہے؟ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ [1] اللہ تعالیٰ شیخی بگھارنے والے اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ

---

[1] سورۃ لقمن:18

ان سے محبت ہی نہیں کرتا جو شیخیاں مارے۔ تکبر آگیا۔ اب وہ کیا کرتا ہے؟ وہ دوستوں کی بھی بے عزتی کر دیتا ہے۔ ماں باپ کی بھی بے عزتی کر دیتا ہے۔ بہن بھائیوں کو بھی وہ معاف نہیں کرتا۔ اب جب آپ اس کے دل میں آخرت کا تصور ڈالیں گے، اس کا تکبر خود بخود ختم ہو جائے گا۔ میں کل پانچویں پارے میں پڑھ رہا تھا۔ ویسے تو وہ تفصیل طلب موضوع ہے۔ اللہ فرماتا ہےوَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ [1]۔ وہ لوگ جو دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ جو لوگ دکھاوے کے لیے خرچہ کرتے ہیں۔ اس سے پچھلی آیت میں فرمایا الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ [2] جو لوگ کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے ان پہ فضل کیا اس کو چھپاتے رہتے ہیں۔ ہر ویلے، یار مر گئے۔ ہے ہی کچھ نہیں۔ وقت ہی نہیں پورا ہوتا۔ اللہ نے ان پہ فضل کیا ہے اور وہ ہر وقت بس اس فضل کو چھپاتے رہتے ہیں۔ یہاں پر کنجوسوں کے متعلق یہ بات کہی۔ اگلی آیت میں فرمایا جو دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اللہ ان کو بھی پسند نہیں کرتا۔ کیوں؟ فرمایا یہ کنجوس اور یہ ریاکار، ان دونوں کا نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت پر ایمان ہے۔ اگر ان کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہوتا، تو نہ یہ کنجوسی کرتے نہ ریاکاری کرتے۔ دیکھیے بیماریاں اس وقت آتی ہیں جب انسان کے اندر آخرت کا عقیدہ کمزور ہو جاتا ہے۔

حضور داتا صاحب نے کشف المحجوب میں ایک بڑا عجیب واقعہ لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بہت بڑا ڈکیت تھا میرے دور میں۔ راستے روک کے قافلے لوٹا کرتا تھا۔ میں ایک دن اس کے پاس چلا گیا۔ میں نے کہا یہ سب کچھ کیوں کرتا ہے؟ کہنے لگا جی اپنے بیوی بچوں کے لیے، خاندان کے لیے۔ یہ کشف المحجوب میں واقعہ لکھا ہے حضور داتا صاحب نے۔ فرماتے ہیں میں نے اس سے ایک سوال کیا میں نے کہا کہ یہ تو جن کے لیے کرتا ہے یہ تیرے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔ نہ تیری بیوی تیرے ساتھ مخلص ہے۔ نہ تیرے بچے تیرے مخلص ہیں۔ نہ یہ تیرا خاندان

---

[1] سورۃ النساء:38

[2] سورۃ النساء37

جس میں تو اپنی شیخی بکھیر تا ہے، یہ بھی تیرے ساتھ مخلص نہیں۔ تو کیوں پھر یہ حرکت کرتا ہے؟ اس نے کہا نہیں جی نہیں۔ میری بیوی بچے اور میرے خاندان والے میرے بڑے تابع فرمان ہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا میری ایک بات مان لے۔ آج گھر جا اور اپنی بیوی سے کہہ کہ یہ جو میں حرام کاری کرتا تھا ناں اس کی وجہ سے مجھے حکومت نے سزائے موت سنادی ہے۔ اپنی بیوی سے کہہ کہ تُو جاکے بادشاہ سے کہہ کے یہ ڈکیتیاں یہ نہیں کیا کرتا تھا، میں کیا کرتی تھی۔ بھائی استعمال تو وہ کرتی ہے ناں اور پھر یہی بات اپنے بچوں سے کہہ اور پھر مجھے آکے بتانا۔ کہتے ہیں وہ اگلے دن واپس آیا۔ آکے اس نے توبہ کی۔ معافی مانگی۔ چوری ڈکیتی چھوڑ دی۔ تو میں نے پوچھا کہ ہوا کیا؟ اس نے کہا ہونا کیا ہے کہ جب میں نے بچوں سے کہا کہ مجھے حکومت نے سزائے موت سنادی کہ جاؤ میری جگہ جاکے سزا بھگتو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تجھے کہا تھا کہ ڈکیتیاں کیا کر؟ جاؤ جاکر خوُد ہی سزا بھگتو۔ اس نے کہا کہ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر یہ آج چھوٹی سزا کے لیے تیار نہیں ہیں تو قیامت کے دن یہ میرا ساتھ کیسے دیں گے۔ یہ بیوی اگر آج میرے ساتھ نہیں ہے تو قیامت کے دن میرے ساتھ کیسے ہوگی؟ اگر آپ آخرت کا تصور کسی کے دل میں ڈال دیں گے۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالی عنہ یہی بات فرماتے ہیں ناں کہ ایک دفعہ ہی ہاتھ اٹھا تھا ناں میرا غلام کو مارنے کے لیے۔ پیچھے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔ فرمایا خبر دار جتنا اختیار تم اپنے اس غلام پہ رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ اختیار تیرا خدا تجھ پہ رکھتا ہے۔ اس کے بعد پھر جرات ہی نہیں ہوئی کہ کسی کمزور پہ میں ہاتھ اٹھاؤں۔ اب قرآن کہتا ہے کہ یہ مشائخ اور یہ علماء ان کو پتہ بھی ہے کہ یہ کام غلط ہے۔ پھر یہ روکتے کیوں نہیں ہیں؟ پیر کرم شاہ صاحب کی ضیاء القرآن میں دیکھ رہا تھا تفسیر۔ چونکہ کچھ ترجموں میں میں نے فرق دیکھا تو پھر میں دو تین تفسیروں کو آج سٹڈی کر رہا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ لفظ لَوْ لَا اگر ماضی پہ آجائے، اس کے آگے ماضی کا صیغہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کیوں نہیں روکتے تھے اور اگر یہ لَوْ لَا مضارع پہ آجائے تو پھر اس وقت کے لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ تم کیوں نہیں روکتے۔ اب یہ لَوْ لَا جو ہے یہ مضارع پہ آیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ نہیں ہوگا کہ وہ کیوں

نہیں روکتے تھے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم کیوں نہیں روکتے۔ آگے مضارع کا صیغہ ہے یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ۔ تو اللہ تم سے یہ بات کہہ رہا ہے۔ باپ کہہ دیتا ہے بچے جو جی چاہے کریں جی بچے ناراض نہ ہو جائیں۔ فکر پڑی ہوئی ہے آج کل۔ اگر میں نے اپنے بھائی سے کہا تو بھائی ناراض ہو جائے گا اور اگر بھائی کھاتا پیتا ہو تو پھر تو ویسے ہی مسئلہ بن جاتا ہے کہ یار کبھی میرے کام بھی آجاتا ہے۔ تو میں اس کو اب برائی سے روکوں؟ تو قران کہہ رہا ہے کہ یہ ہے وہ جڑ جہاں سے معاشرے برباد ہوتے ہیں اور ان کی نسلیں تباہ کر دی جاتی ہیں۔ یہ لفظ سُحْتَ جو ہے ناں، یہ بتاتا ہے کہ جب یہ کام ہوتے ہیں تو نسلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے اور فرمایا جب عام لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یار بچہ ناراض ہو جائے گا، بھائی کھاتا پیتا ہے، یہ ناراض ہو جائے گا، برادری دابندہ ہی ناراض ہو جائے گا؛ تو پھر یہ مشائخ اور علماء بھی یہی سوچتے ہیں کہ اگر میں نے اس سود خور کو کہا کہ تو سود لیتا ہے، رشوت لیتا ہے، تو وہ جو میرے مدرسے کو پچاس ہزار چندہ دیتا ہے وہ میرا چندہ بند نہ ہو جائے۔ کہیں مسجد کا چندہ بند نہ ہو جائے۔ تو یہ جو خوف ہے، یہ ان کو روکتا ہے اور پھر وہ لوگوں کو برائی سے نہیں روکتے۔ کہاں سے لائیں گے پھر بابا فرید اور غوث پاک جیسے لوگ کہ جو بادشاہ وقت سے بھی کہہ دیں کہ تیری کمائی حرام کی ہے۔ ہم نے نذر نیاز نہیں لینی۔ کہاں سے لائیں گے؟ یہ تھا اصل کام ان کا۔ جب یہ کام رک جاتا ہے تو پھر اکثریت بھی برباد ہوتی ہے اقلیت بھی برباد ہوتی ہے۔

آج کل ایک بڑا اور issue چلا ہوا ہے۔ چند دن ہوئے وہ آتے رہتے ہیں میرے پاس صاحبزادگان بھی، علماء بھی۔ میرا جی 50 ہزار مرید ہے۔ مجھے لائک کرنیوالے 60 ہزار ہیں۔ میرے اتنے فولور ہیں۔ میں پھر ان سے یہ سوال پوچھ لیتا ہوں کہ تمہیں اس بات کا فخر ہے کہ تجھے 10 ہزار بندہ لائک کرتا ہے، 60 ہزار کرتا ہے، دو لاکھ کرتا ہے۔ کبھی تو نے یہ سوچا ہے کہ یہ جو 60 ہزار کا تُو فخر کر رہا ہے کہ مجھے 60 ہزار لائک کرتا ہے اور اُس 60 ہزار میں سے اللہ کو لائک کرنے والے کتنے ہیں؟ تجھے حیا نہیں آتی۔ اگر وہ 60 ہزار حرام خور ہے اور تو اس بات پہ فخر کرتا ہے کہ وہ مجھے لائک کرتا ہے۔ مجھے پسند کرتے ہیں؟ میرے اتنے مرید ہیں؟ میرے اتنے مقتدی ہیں؟ نہیں۔ اصل وہ ہیں جو اللہ رسول کو پسند کرتے ہیں۔ وہ ہے اصل جو تیرے پاس بیٹھنے کی وجہ سے حرام چھوڑ دیں۔ غیر محرم پہ نظر

پڑے تو ان کی نگاہ نیچی ہو جائے کہ میرے اللہ کا حکم ہے کہ غیر محرم عورتوں کو دیکھو تو نظریں نیچی کر لو۔ حرام کا مال سامنے ملتا ہو تو ہاتھ پیچھے آ جائیں۔

اب یہ جو میں نے بات کہی تھی وقت تھوڑا رہ گیا اس کے لیے تفصیل کی ضرورت تھی کہ عام لوگوں کے لیے استعمال کیا لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔ یہ بہت برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں اور جب علماء اور مشائخ کی باری آئی تو پھر فرمایا لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۔ یہ بڑے بُرے کرتوت ہیں یہ جو کرتے ہیں۔ اس میں دو لفظ آپ سمجھ لیں، باقی ساری بات آپ کو سمجھ آ جائے گی۔ ایک لفظ ہم استعمال کرتے ہیں فعل اور ایک استعمال کرتے ہیں عمل۔ ظاہر اً کوئی ان میں فرق نہیں ہے۔ فعل بھی کام کو کہتے ہیں اور عمل بھی کام کو کہتے ہیں۔ لیکن فعل عموم کے لیے ہوتا ہے۔ فعل وہ کام ہوتا ہے جس میں قصد ہو بھی اور نہ بھی ہو۔ ارادہ ہو بھی اور نہ بھی ہو۔ تو عام عوام کے لیے اللہ نے وہ لفظ استعمال کیا ہے کہ ان سے وہ برے افعال ہو جاتے ہیں۔ کبھی ان کا ارادہ ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ گناہ کا کبھی نہیں ارادہ ہوتا تو کر لیتے ہیں لیکن یہ جو علماء اور مشائخ ان کو روکتے نہیں ہیں۔ یہ ان سے بُرے اس لیے ہیں کہ یہ ارادہ تن ان کو نہیں روکتے کہ میرے پیسے میں کمی نہ آ جائے۔ میری شہرت میں کمی نہ آ جائے۔ یہ جو برا عمل کر رہے ہیں، اس لیے ظالم اتنا برا نہیں ہے، گنہگار اتنا برا نہیں ہے اور حرام کھانے والا اتنا برا نہیں ہے جتنے وہ مشائخ اور علماء بُرے ہیں جو اس برائی سے روکتے نہیں۔ اسی لیے صحابہ کا پسینہ چھوٹ جاتا تھا جب یہ حدیث کو وہ بیان کرتے تھے۔ مالک بن دینار نے بھی اس کی روایت کی ہے کہ جب پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے فرشتے کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو جا کے الٹا کر دو اور اس کے اوپر پتھروں کی بارش کرو۔ تو فرشتوں نے کہا کہ یا اللہ اس بستی میں تیرا ایک نیک بندہ بھی رہتا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ فرشتے کسی ریاکار کی عبادت کی گواہی نہیں دیتے یعنی جس کو فرشتے نیک کہہ رہے ہیں اس کا مطلب ہے اس کی عبادت میں ریاکاری نہیں تھی۔ وہ خالص اللہ کی عبادت کرتا تھا اور میرا اللہ فرمائے کہ سب سے پہلے اس کو الٹا کر کے اس پہ پتھروں کی بارش کرو اور باقی ساری بستی اس کے اوپر الٹی کر دو۔ یا اللہ وہ کیوں وہ تو ہر وقت تیری عبادت میں لگا رہتا ہے، مخلص بندہ ہے؟ فرمایا میرا دین باہر گلیوں میں رسوا ہو رہا تھا اور وہ اندر بیٹھ کے اللہ اللہ کر رہا تھا۔ اس نے باہر نکل کے لوگوں کو منع کیوں نہیں کیا؟ اس کے سامنے دین کے خلاف

بغاوت ہو رہی تھی اور وہ اندر بیٹھا رہا؟ علامہ اقبال نے ایک مصرعے میں اس کو بڑا خوبصورت بیان کیا ہے۔ اس حدیث کو کہ نکل کر خانقاہوں سے ادا کار سمِ شبیری۔ امام حسین آرام سے مدینے بیٹھ سکتے تھے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی کے دین کو خطرہ ہو اور آپ اندر بیٹھے رہیں؟ آپ کو یہ خطرہ ہو کہ میرے ماننے والے جو ہیں، ان میں کمی آجائے گی؟ یہ ان سے پیسے مجھے کیسے ملیں گے؟ مولوی کے مدرسے کا چندہ بند ہو جائے گا؟

ہاں ایک بات علماء نے ضرور لکھی ہے، مفسرین نے بھی لکھی ہے، میں نے جتنا مطالعہ کیا ہے کہ زیادہ مجرم وہ علماء اور مشائخ ہیں جن کو یہ پتہ ہو کہ میری بات لوگ سنتے ہیں اور اس پہ عمل کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ لوگوں کو یہ بات نہ بتائیں۔ وہ زیادہ مجرم ہیں۔ مثلاً میں یہاں بیٹھا ہوں، آپ میری بات سن رہے ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کفار مکہ نبی پاک کی بات سنتے ہی نہیں تھے۔ رولا ڈال دیتے تھے۔ اگر کسی بندے کی بات کوئی سنتا ہی نہیں ہے۔ اُلٹا اس کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ اس کو تکلیف لوگ دیتے ہیں۔ عمل تو وہ کرتا رہے گا۔ عمل کرتا رہے گا لیکن وہ اس شدت والی آیت میں اس کا شمار نہیں ہو گا۔ اس میں ان لوگوں کا زیادہ شمار ہو گا جن کی لوگ بات سنتے ہیں اور مانتے ہیں۔ ان سے عقیدت رکھتے ہیں اور پھر بھی وہ گناہ سے، حرام خوری سے لوگوں کو روکتے نہیں۔ مجھے سب سے زیادہ تاریخ میں جو بڑیا واقعہ نظر آیا ہے وہ سرکار امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ کا تھا۔ خلقِ قرآن کے معاملے میں بڑے بڑے علماء زیر زمین چلے گئے۔ بادشاہ کوڑے مرواتا ہے۔ بڑے دربار میں لٹا لیتا ہے۔ چیخیں نکل جاتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل سرکار کے بازو توڑ دیے گئے لیکن جو بات آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ وہ واقعات تو لمبا ہے۔ آپ کا بیٹا عبد اللہ کہتا ہے کہ ابا جی جب تہجد کے لیے اُٹھتے تھے۔ ایک ڈاکو تھا، اس دور کا۔ اس کے لیے بڑی دعا کیا کرتے تھے۔ اس ڈاکو، چور کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ تو میں نے ایک دن پوچھا، میں نے کہا ابا جی آپ، یہ تو بڑا بدنامِ زمانہ آدمی ہے، اس کے لیے دعا کرتے ہیں؟ تو کہا کہ جب بادشاہ کے سپاہی مجھے پکڑ کے لے جا رہے تھے۔ تو چوری کے الزام میں اس کا ایک ہاتھ بھی کٹا ہوا تھا۔ تو ایک روایت میں ہے کہ وہ جیل میں ملا اور ایک یہ ہے کہ راستے میں ملا۔ بہر حال اس کی ملاقات ہوئی امام احمد بن حنبل سے۔ تو کہنے لگا کہ امام صاحب، مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ بڑا دعویٰ ہے ناں ہمیں؟ اس نے کہا مجھے پتہ چلا ہے آپ اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں؟ میں

نے کہاہاں اللہ سے محبت کرتا ہوں تو اسی لیے اتنی بڑی بات پہ سٹینڈ لیا ہوا ہے ناں۔ بادشاہ کے کوڑوں کے بھی فکر نہیں کرتا۔ اس نے کہا پھر میری ایک بات سنو۔ میں ابلیس کا یار ہوں۔ کہتے ہیں اس ڈاکو نے کہا کہ میں ابلیس کا یار ہوں۔ ابلیس سے میری محبت ہے۔ بادشاہ نے کئی دفعہ مجھے جیل میں ڈالا ہے۔ میرا ہاتھ کاٹ دیا ہے لیکن جب بھی مجھے موقع ملتا ہے میں اپنے یار سے وفا کرتا ہوں۔ جب بھی موقع ملتا ہے ناں جیل سے باہر آتا ہوں تو اپنے یار سے وفا کرتا ہوں۔ تو امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں کہ اباجی یہ بات کہہ کے رو پڑے۔ کہنے لگے بیٹا اس نے ایک جملہ کہا اس نے کہا تو اللہ کا یار ہے، میں شیطان کا یار ہوں۔ اگر تیرے قدم ڈگمگا گئے تو مجھے تیرے اوپر بڑا دکھ ہوگا کہ اللہ کے یار کے بھی قدم ڈگ مگا جاتے ہیں۔ تو بیٹا اس استقامت پر مجھے کھڑا کرنے کے لیے اسے ڈاکو کا وہ جملہ بھی میرے سامنے رہتا تھا کہ اگر آج میں اس ڈاکو جتنی بھی استقامت نہ دکھا سکا تو پھر میری خدا پرستی سے اس کی بت پرستی ہی اچھی ہے۔ پھر کوئی ضرورت نہیں مجھے کہنے کی کہ میں خدا پرست ہوں۔ پھر اس کی بت پرستی اچھی ہے۔

اس لیے یہ باتیں ذہن میں آئیں گی کہ یہ بندہ ناراض ہو جائے گا؟ اس سے مجھے فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ یہ میری کل کو سفارش کر دے گا؟ اللہ فرماتا ہے جب یہ حرکتیں کرو گے اور لوگوں کو برائی سے نہیں روکو گے تو پھر معاشرے برباد ہو جائیں گے۔ اکثریت نے تو گناہ کی طرف جانا ہے، وہ اقلیت بھی انہی باتوں کی طرف چلی جائے گی تو پھر معاشرے ٹھیک نہیں رہتے۔ اس لیے فرمایا کہ ان کے عمل بھی برے ہیں لیکن ان کے یہ جو اپنے آپ کو نیک کہتے ہیں ان کے کرتوت ان سے بھی برے ہیں۔ جو روکتے نہیں ہیں اور دل میں بھی برائی کو برا نہیں جانتے اور بروں کو بڑی تعریفیں کرتے ہیں کہ میری فلاں کے ساتھ سلام دعا ہے اور فلاں کے ساتھ میرا بڑا تعلق ہے؟ نہیں۔ اگر آپ کا کسی 10 ہزار بندے سے بھی تعلق ہے اور وہ 10 ہزار اللہ کا باغی ہے تو مت کہا کریں کہ وہ میرا ماننے والا ہے۔ اس بات پہ فخر کریں کہ کوئی میرا ایک بھی ساتھی ہو لیکن وہ اللہ کا ماننے والا ہو۔ وہ رسول اللہ کا ماننے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

غلو اور اس کی وجہ سے عذاب

قرآن: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ-لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ سورة المائدہ:77-79

ترجمہ:- تم فرماؤ، اے کتاب والو! اپنے دین میں ناحق غلو (زیادتی) نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات پر نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہو چکے ہیں اور بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کر چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹک چکے ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر سے لعنت کی گئی۔ یہ لعنت اس وجہ سے تھی کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ سرکشی کرتے رہتے تھے۔ جو بری بات کرتے آپس میں ایک دوسرے کو نہ روکتے ضرور بہت ہی برے کام کرتے تھے۔

خاکہ:-

1۔ ہمیشہ سچائی ہی غالب آتی ہے۔

2۔ "غلو" کا معنیٰ اور مفہوم۔

3۔ "غلو" محبت کی وجہ سے یا نفرت کی وجہ سے۔ 4۔ جہالت کی تعریف کیا ہے؟

5۔ غوث پاک کا عاجزی کا انداز

6۔ حضرت یوشع بن نونؑ کے چالیس ہزار لوگوں کو سزا۔

7۔ "غلو" کرنے کی سزا۔

8۔ اس دین کی بقا اور احیاء کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے۔

پچھلی گفتگو اکثریت کے حوالے سے کہ انسانوں کی اکثریت گناہ کی طرف جاتی ہے، ظلم کی طرف جاتی ہے، حرام خوری کی طرف جاتی ہے۔ حلال کھانے والے تھوڑے ہوتے ہیں۔ نیکی کرنے والے کم ہوتے ہیں۔ اور پچھلے جمعہ میں نے تفصیلاً یہ بات عرض کی تھی کہ آدم علیہ السلام سے لے کے عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کرام کا جتنا سلسلہ رہا، بہت کم لوگ نبیوں کی تعلیم کے ساتھ جڑے رہے۔ لیکن بالآخر وہ جو تھوڑے تھے وہی غالب آئے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ نہیں دیکھا گیا کہ اکثریت جو ہے وہ نبیوں کے خلاف ہے۔ نبی کے ساتھ اگر 70 بندے ہیں تو وہی غالب آئے۔ اگر چھ ہیں تو وہی غالب آئے۔ 12 ہیں تو وہی غالب آئے۔ تو بالآخر غالب حق نے ہی آنا ہوتا ہے، سچائی نے ہی آنا ہوتا ہے۔ کربلا میں ایک طرف ہزاروں کی تعداد ہے اور دوسری طرف 72 ہیں تو غالب تو 72 نے ہی آنا ہے۔ آگے یہ سلسلہ آج تک جو ہے وہ چلتا رہا ہے۔

یہ اس آیت میں، یہ جو آج تلاوت کی ہے، اہل کتاب کا چونکہ ذکر ہے۔ اللہ فرما رہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کو حکم دو قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وہ اپنے دین میں غلو نہ کریں۔ یہ بڑا جامع لفظ ہے جو قرآن کریم نے استعمال کیا ہے۔ نبی جو آتے ہیں وہ تمہاری ہمدردی کے لیے آتے ہیں۔ وہ تمہارے نقصان کے لیے نہیں آتے۔ نبی جو اصول اور قوانین بیان کرتے ہیں وہ تمہاری دنیا و آخرت دونوں کی بہتری کے لیے بیان کرتے ہیں۔ اب یہ سارا معاملہ خراب کہاں ہوتا ہے؟ آج کی آیت میں یہ چیز اصل میں بیان کی گئی کہ وہ جو لوگ تمہاری ہمدردی چاہتے تھے، تمہارا فائدہ چاہتے تھے، فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ[1] کچھ نبیوں کو تم نے جھٹلا دیا کہ ان کا پیغام صحیح نہیں ہے اور کچھ کو تم نے قتل کر دیا۔ بنی اسرائیل کو یہ بات کہی جا رہی ہے کہ وہ جو تمہارے ہمدرد ہیں، جو تمہاری خیر خواہی چاہتے ہیں؛ کچھ کو تم نے جھٹلا دیا اور کچھ کو قتل کر دیا۔ ایک تو یہ رویہ ہے ان کا۔

غلو کا معنی پہلے سمجھ لیں۔ سادہ اس کا معنیٰ جو ہے وہ ذہن میں رہے۔ غلو کا معنی ہوتا ہے کسی بھی چیز کو حد سے زیادہ بیان کرنا یا حد سے کم کر دینا۔ یعنی دونوں پہلو اس میں آتے ہیں۔ جو حد اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کی بیان کر دی

---

[1] سورۃ المائدہ:70

ہے اگر اس حد سے آپ بڑھاتے ہیں چیز کو تو وہ بھی غلو ہے اور اگر آپ نفرت میں اس حد سے نیچے کسی کو گرا دیتے ہیں تو یہ بھی غلو ہے۔ یعنی نہ محبت میں حد کراس کرنی ہے، نہ نفرت میں حد کراس کرنی ہے۔ تو یہاں مخصوص ایک لفظ استعمال کیا ہے کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ۔ اب دین میں جو بنیادی چیز ہے وہ عقیدہ ہے۔ تین چیزیں میں اکثر آپ کو بیان کرتا ہوں؛ وہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ سب سے پہلے عقائد ہیں، عبادات ہیں اور معاملات ہیں۔ یہ تین ہی چیزیں ہیں دین کی۔ کچھ لوگ اخلاقیات کو سائیڈ پہ رکھتے ہیں لیکن معاملات اصل میں اخلاقیات ہی ہوتے ہیں۔ وہ اخلاقیات کا دائرہ علیحدہ نہیں ہوتا۔ میرے کسی بھی بندے کے ساتھ جو معاملات ہیں، وہ ماں باپ کے ساتھ ہیں، بہن بھائیوں کے ساتھ ہیں، ہمسایوں کے ساتھ ہیں، استاد سے ہیں، شاگرد سے ہیں، تو اخلاقیات انہی کے اندر آتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ اس کو تھوڑا سا علیحدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے ان کو تینوں درجوں میں ہی رکھنا ہے۔

اب عقیدہ جو ہے میں ایک صرف مثال یہاں سے دینے لگا ہوں۔ عقیدہ یہ تھا کہ اللہ خالق ہے اور جتنی مخلوقات ہیں، اللہ کی تخلیق ہے، تمام مخلوقات میں جو سب سے افضل مخلوق ہے وہ اللہ کے نبی ہوتے ہیں۔ یہ بنیادی عقیدہ ہے ہمارا اور ہر دور کے مسلمانوں کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ اب اس عقیدے میں جو غلو کیا، یہاں بھی دونوں درجوں کا قران ذکر کر رہا ہے فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَ فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ۔ اب ایک تو وہ لوگ تھے کہ جو نفرت میں حد کراس کر دی کہ نبیوں کو جھٹلا دیا یا ان کو قتل کر دیا۔ اب محبت میں غلو یہاں کیا۔ یہ پچھلی آیات جو آپ نے بڑی تفصیل سے عقیدہ توحید پہ یہ پڑھی تھیں۔ (جلد اول)۔ وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ[1] عیسائیوں نے کہہ دیا کہ عیسی اللہ کا بیٹا ہے یعنی وہ مخلوق سے نکال کر خالق تک ملا دیا۔ اُدھر کہہ دیا یہودیوں نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ یہودیوں نے چونکہ زیادہ انبیاء کو قتل کیا ہے۔ شہید کیا ہے۔ تو چونکہ سارے اہل کتاب کو مخاطب کیا جا رہا ہے قران کریم میں کہ ادھر تم نے یا تو نبیوں کو شہید کر دیا، قتل کر دیا۔ نفرت میں بھی حد سے گر گئے غلو کیا اور اگر ایک

[1] سورۃ التوبہ:30

درجے میں تم نے محبت کی تو اس میں غلو یہ کیا کہ ان کو مخلوق سے نکال کر خالق تک ملا دیا۔ تو یہ جملہ اس لیے ہے کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ یعنی انسان کی گمراہی شروع ہی اس وقت ہوتی ہے جب وہ غلو کرتا ہے یا محبت میں یا نفرت میں۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امت کو جملہ ہی کمال کا دیا۔ جب پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری زندگی کا جو بہترین کام ہے، جو سب سے اچھے کام ہیں وہ کیا ہیں؟ فرمایا خیر الامور اوسطھا۔ یہ تین لفظ تو ذہن میں رکھا کریں۔ بہترین کام، خیر والے کام ہوتے ہی وہ ہیں جو درمیانے درجے کے ہوں۔ جو حد سے بڑھ جائیں وہ بھی خیر والے نہیں ہوتے۔ جو حد سے نیچے گر جائیں وہ بھی خیر والے نہیں ہوتے۔ تو جہالت کی بھی ڈیفینیشن پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے بعد جو علم الکلام والوں نے، فلسفے والوں نے، نفسیات والوں نے جو جہالت کی ڈیفینیشن لکھی ہے وہ بھی یہی ہے کہ جاہل وہی ہوتا ہے جو درمیانہ راستہ اختیار نہیں کرتا۔ اب دنیا کی ہر کتاب میں جہالت کی یہی ڈیفینیشن آپ کو ملے گی کہ جو بندہ درمیانہ راستہ اختیار نہیں کرتا وہ جاہل ہوتا ہے۔ نہ ہاتھ کو گردن کے ساتھ باندھنا ہے؛ نہ کھلا چھوڑنا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ دوائی کی بھی ضرورت پڑی تو پیسے خرچ نہیں کرنے۔ یہ قرآن کریم کی آیت ہے جو میں آپ کو سنا رہا ہوں۔ نہ ہاتھ کو گلے کے ساتھ باندھنا ہے نہ کھلا چھوڑنا ہے۔ نہ فضول خرچی کرنی ہے نہ کنجوسی کرنی ہے۔ اسلام میں یہ دونوں چیزیں نہیں۔

پھر وہ جملہ کمال کا بڑی دفعہ میں نے آپ سے عرض کیا ہے کہ جب میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پورے حقوق بیان کر کے [1]، تیرے رب کا تیرے اوپر حق ہے، تیری بیوی کا تیرے اوپر حق ہے، تیرے ملاقاتیوں کا تیرے اوپر حق ہے، تیرے جسم کا تیرے اوپر حق ہے تو یہ سارے حقوق بیان کر کے سرکار نے فرمایا کہ یہ ہیں بہترین کام اور بہترین زندگی کہ ہر حقدار کو اس کا حق دے۔ جب آپ ہر حقدار کا خیال کرتے ہیں تو وہ اسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ اگر آپ درمیانی راستے پہ چلتے ہیں۔ اگر درمیانی راہ آپ نے چھوڑ دی تو وہ غلو کی راہ ہے اور قرآن تو بنی اسرائیل کو، اہل کتاب کو منع کر رہا ہے کہ دین میں غلو نہ کرو۔

1 [صحیح البخاري/ کتاب الصوم/ حدیث:1968]،[صحیح البخاري/ کتاب النکاح/ حدیث:6134]

وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا۔ یہ جو پچھلی آیات میں آپ نے بات سیکھی تھی کہ وہ جو تھوڑا طبقہ ہے وہ جو اللہ والے ہیں، جو علماء ہیں۔ وہ لوگوں کو کیوں نہیں روکتے گناہ کے کاموں سے، ظلم سے، عدوان سے ؟ تو یہاں وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے بلکہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم خود بھی غلو نہ کرو اور یہ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں ان کے راستے پر بھی نہ چلو۔ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ یعنی وہ علماء اور مشائخ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو انہوں نے گمراہ کر دیا۔ اب قرآن یہاں پہ ڈائریکٹ بات کر رہا ہے کہ صرف اس بات سے تمہاری جان نہیں چھوٹے گی کہ میں تو فلاں کو مانتا تھا۔ اگر کوئی بھی غلو کرتا ہے تو تم نے اس کی اتباع نہیں کرنی۔ اس لیے کہ وہ گمراہ ہے۔ یعنی گمراہ کی ڈیفینیشن بھی قرآن نے بیان کر دی۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ پڑھتے ہیں ناں آپ۔ یا اللہ ان لوگوں کے راستے سے بچا جن پہ تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔ اب یہاں گمراہ کی ڈیفینیشن بھی بیان کر دی کہ جو غلو کرتے ہیں وہ گمراہ ہیں اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ تم نے ان کی اتباع نہیں کرنی۔ ان کے پیچھے نہیں چلنا۔

دنیا میں بھی آپ کا جھگڑا اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ میں کئی دفعہ اس بات کو دیکھتا ہوں۔ مثلاً آپ کا کسی سیاسی جماعت سے تعلق ہوتا ہے۔ تو آپ کی لڑائی کہاں ہوتی ہے جب آپ غلو کرتے ہیں۔ بھائی ہر انسان کے اندر کمی کمزوری تو ہے۔ غلطی تو ہے۔ نسیان بھی ہے خطا بھی ہے لیکن چونکہ میرا فلاں سیاسی جماعت سے تعلق ہے اس لیے میں نے کہنا ہے کہ اس سے تو غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ دوسرا اسٹینڈ کرتا ہے کہ نہیں میری سیاسی جماعت ٹھیک ہے۔ یعنی وہ غلو کے جب زمرے میں چیز آئے گی تو وہاں سے فساد شروع ہو جائے گا۔ وہاں سے لڑائی شروع ہو جائے گی۔ اپنے خاندان کی آپ بڑائی بیان کرنی شروع کر دیں۔ دوسرا آپ کے خاندان کو گھٹیا پیش کرنے کے لیے شروع کر دے۔ وہ حد سے گرا دے گا۔ آپ حد سے بڑھائیں گے۔ فساد شروع ہو جائے گا۔ یعنی یہ آپ کے جتنے معاشرتی مسائل ہیں ان کے پیچھے یہی غلو ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے کہ میرا فلاں ذات سے میرا تعلق ہے، فلاں قوم سے تعلق ہے۔ فلاں قوم بڑی ہے فلاں چھوٹی ہے۔ وہ غلو کریں گے۔ اس کو بڑھا کر بیان کریں گے اور دوسرے کو کم تر کر کے بیان کریں گے۔ پھر فساد شروع ہو جائے گا۔ تو قرآن کریم ایک بہترین اصول دے رہا ہے کہ تم نے یہ کام نہیں کرنا۔ غلو

والا کام نہیں کرنا۔ نہ حد سے بڑھانا ہے۔ نہ نفرت میں حد سے گرانا ہے۔ اگر تم نے یہ کام کر لیا تو پھر تمہیں اللہ کا قرب مل جائے گا۔ اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے گی اور ان لوگوں کے راستے پر بھی نہیں چلنا جو غلو کرتے ہیں۔

میں کئی دفعہ آپ سے یہ بات کرتا ہوں کہ جن کو آپ اللہ کے ولی کہتے ہیں، اولیاء اللہ کہتے ہیں، اللہ کے کے دوست کہتے ہیں، ان کی زندگیوں کا بھی اگر آپ مطالعہ کریں تو یہ بیلنس آپ کو وہاں پہ نظر آئے گا۔ یہ توازن آپ کو نظر آئے گا۔ آج کل تو بڑی عجیب صورتحال ہے۔ آج کل تو لوگوں نے اپنے خلیفے چھوڑے ہوئے ہیں ناں۔ یعنی وہ میں ایک عرس پہ گیا تو اس دربار کے جو سجادہ نشین تھے وہ انہوں نے مذاق میں جو بات کہی مجھے۔ دو تین سال ہوئے میرے ساتھ ان کا رابطہ ہوا اور پھر ظاہر ہے عرس پہ مجھے ہی بلاتے تھے۔ تو پچھلی دفعہ میں عمرے پہ جا رہا تھا تو ان کا عرس آ گیا۔ میں نے کہا کہ میں تو عمرے پہ جا رہا ہوں تو آپ کسی اور مولوی کا، عالم کا انتظام کر لیں۔ تو انہوں نے ایک جملہ کہا۔ انہوں نے کہا کہ میں 30، 40 سال سے مولویوں کو بلا رہا ہوں اور میں خود حیران ہوتا ہوں وہ میرے اباجی کی وہ کرامتیں بھی بیان کرتے ہیں جن کا میرے اباجی کو بھی نہیں پتہ بلکہ میں بیٹا ہوں مجھے بھی نہیں پتا۔ یعنی یہ صورتحال ہو گئی ہے۔ تو ہمیں بیٹھے ہوئے شرم آتی ہے کہ یار یہ باتیں تو میرے اباجی کے اندر تھی نہیں۔ مثلاً میرا ابا قرآن کا مفسر نہیں تھا اور مولوی یہاں بیٹھ کے کہہ رہا ہے کہ ان کو قرآن پہ بڑی دسترس تھی۔ یعنی یہ ظلم غلو کا ہوتا ہے۔ تو قرآن کہہ رہا ہے کہ ان کی اتباع نہیں کرنی۔ ان کے پیچھے نہیں چلنا کہ اپنی شہرت کے لیے یا مال سمیٹنے کے لیے آپ وہ کرامتیں بیان کریں جس کا اس بیچارے کو خود بھی نہیں پتہ کہ میرے اندر یہ کرامت ہے یا نہیں؟ یہ اگر غلو کا معنی آپ کی سمجھ میں آ جائے۔

اب اس کا نتیجہ اگلی آیت میں۔ اللہ فرماتا ہے لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔ اب یہ جن لوگوں نے یہ کام کیا کہ نبیوں کو جھٹلایا ان کو قتل کیا یا پھر محبت میں ان کو اللہ بنا دیا یا اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں پر جنہوں نے یہ کفر کیا، اللہ نے لعنت کروائی۔ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے یہ حرکت کی ان پہ اللہ نے لعنت کروائی۔ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ داؤد علیہ السلام کی زبان سے وَ عِيْسَى

ابْنِ مَرْیَمَؑ اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ان پہ لعنت کروائی۔ لعنت کا لغوی معنیٰ میں نے آپ کو عرض کر دیا تھا کہ جس کو اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جائے۔ لعنت کا مطلب ہوتا ہے کہ جس کو اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جائے۔ جب اللہ کا نبی لعنت کرتا ہے، وہ تفصیل میں تو نہیں میں جاؤں گا آج۔ صرف یہ بات، یعنی مفسرین نے یہ جو داؤد علیہ السلام کی زبان سے لعنت لکھی ہے وہ یہ ہے کہ جب داؤد علیہ السلام نے ان غلو کرنے والوں پہ لعنت کی تو وہ سارے کے سارے خنزیر بن گئے اور جب عیسیٰ ابن مریم نے لعنت کی تو وہ بندر بن گئے۔ یعنی اللہ کی رحمت جب دور ہوئی تو ان کی ظاہری شکلیں بدل دی گئیں۔ ذکر ویسے دو نبیوں کا کیا ہے کہ ہم نے لسان داؤد سے، داؤد علیہ السلام کی زبان سے اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ان پہ لعنت کروائی۔ زبان کا مطلب یہ ہے کہ زبور جو اللہ کی کتاب ہے اس میں بھی ان پہ لعنت کی گئی اور انجیل میں بھی ان پہ لعنت کی گئی اور اس سے پہلے جو موسیٰ پہ کتاب نازل ہوئی۔ تورات میں بھی لعنت کی گئی اور پھر قرآن میں بھی ان پہ لعنت کی گئی۔ یہ غلو یعنی اگر آپ کو سمجھ آ جائے کہ یہ غلو کتنا بڑا جرم ہے؟ ہم اس کو مذاق سمجھتے ہیں کہ میری بلے بلے ہو جائے۔ میرے سیاسی لیڈر دی بلے بلے ہو جائے۔ غلو اگر آپ پیغمبر کی ذات میں بھی غلو کریں گے تو بھی اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور نبیوں کی زبان سے ہوتی ہے۔ اس کو مذاق نہیں سمجھنا۔ آپس میں بھی تم نے یہ حرکت نہیں کرنی کہ اگر کسی بندے سے محبت ہے تو اس کی وہ تعریفیں بھی بیان کرنا جو اُس میں نہیں ہیں اور اگر کسی سے نفرت ہو گئی ہے تو اس کو لوگوں کی نظروں میں گرانے کے لیے اس کے فضول قسم کے عیب بیان کرنا شروع کر دینا؟ حد کو نہیں توڑنا، نہ محبت میں، نہ نفرت میں۔ تو یہ چاروں کتابوں میں ان لوگوں پہ نبیوں کی زبان سے اللہ نے لعنت کروائی اور پھر ان کو خنزیر بنا دیا، ان کو بندر بنا دیا، جنہوں نے نبیوں کی شان میں غلو کیا تھا، اپنے دین میں غلو کیا تھا۔ ان کو اللہ نے یہ سزا دی ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ یہ بہت بڑی نافرمانی تھی اللہ کی جو انہوں نے کی۔ یہ بہت بڑا ظلم تھا جو انہوں نے کیا۔ ہمارے بزرگوں نے تو ہماری اصلاح ہی بہت کی ہے۔ ہمارے بڑوں نے تو ہماری تربیت اس حوالے سے بہت کی ہے۔ انہوں نے تو اپنی ذات اس طرح پیش ہی نہیں کی۔ وہ میرے بابا فرید سرکار ہوں، میرے خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ ہوں، میرے غوث پاک سرکار ہوں۔ کیا غلو کوئی کرے گا کہ

جو خانہ کعبے کے غلام کو پکڑ کر بھی رو رو کر دعائیں کریں کہ مولا اگر میری عبادتیں تُو نے قبول نہیں کیں تو مجھے قیامت والے دن اندھا کر کے اٹھانا میں تیرے نبی کے سامنے شرمندہ نہ ہو جاؤں۔ یہ غوث پاک سرکار ہیں۔ کس حیثیت میں اللہ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے خلیفے نہیں دس دس، بیس بیس ہزار روپے دے کے چھوڑے ہوئے کہ جاؤ میری کرامتیں بیان کرو اور میری شہرت کرواؤ کہ بلے بلے غوث پاک کی کیا بات ہے۔ اتنا بڑا جرم ہے۔

اب اگلی آیت میں فرمایاکَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ اب یہ لعنت کا مرحلہ آیا کیوں؟ یہ جو پچھلی آیتیں آپ نے سمجھی تھیں۔ اسی کو دہرایا گیا ہے۔ پھر وہ منع نہیں کرتے تھے۔ پھر وہی بات آگئی ہےکَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ۔ ان منکرات سے، ان بری چیزوں سےفَعَلُوْهُ جو وہ برے کام کرتے تھے۔ ان کو منع نہیں کیا جاتا تھا۔ یعنی ایک تو یہ ہے کہ غلو کرنے والے ہیں۔ کسی بھی چیز کو حد سے بڑھانے والے یا حد سے گرانے والے اور دوسرا طبقہ ان کا، وہ بدبخت طبقہ جو ان کو منع نہیں کرتا تھا کہ کیوں یہ حرکت کرتے ہو۔ یعنی نبیوں کی زبان سے لعنت اِس لیے کروائی گئی ہے کہ ان میں سے لوگ اُن کو منع کرنے والے نہیں تھے۔ جو ہوتا ہے ہوتا رہے۔ ٹھیک ہے۔ جھوٹی سچی کرامتیں بیان کرو۔ اپنے فرقے کے جھوٹ بیان کرو۔ ان کو حد سے بڑھا کے بیان کرو۔ یہ تو کرم سمجھیں کہ نسبت آپ کو مل گئی پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ورنہ علاج یہی ہے یہ جو لکھا ہوا ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کا دور اور ہے؛ عیسیٰ علیہ السلام کا دور اور ہے؛ موسیٰ علیہ السلام اس سے بھی پہلے ہیں۔ ہر دور کا یہ عذاب ہے کہ اگر غلو کرو گے اور منع نہیں کیے جاؤ گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو جان نشین تھے وہ یوشع بن نون تھے۔ ان کو بعد میں نبوت بھی ملی۔ یوشع بن نون کو وحی کی اللہ نے کہ ہم تیری اُمت کے ایک لاکھ لوگوں کو عذاب میں مبتلا کریں گے۔ وہ کسی دن میں تفصیل سے عرض کروں گا۔ ان میں سے 40 ہزار نیکوکار ہوں گے۔ یوشع بن نون تو تڑپ گئے کہ مولا کریم 40 ہزار نیکوں کے لیے عذاب لکھ دیا گیا ہے؟ فرمایا ہاں! اس لیے کہ یہ جب دوسرے ظالموں کو دیکھتے تھے تو ان کو منع نہیں کرتے تھے۔ ان میں کوئی تغیر ہی نہیں آتا تھا کہ اللہ کے دین کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ کبھی غصہ ہی نہیں ان کو آتا تھا۔ یہ منع نہ کرنا اتنا بڑا جرم ہے۔ بندر بنا دیا۔ خنزیر بنا دیا۔ پھر آپ

سوچیں گے کہ آج ہم غلو کرتے ہیں لیکن ہمارے لیے یہ سزا کیوں نہیں۔ تو پھر آپ مدینہ شریف جائیں گے ناں تو قریب ہی مسجد اجابہ ہے۔ جہاں میرے پاک پیغمبر ﷺ رو رو کر یہ دعائیں کرتے تھے یا اللہ میری امت کی شکلیں نہ بدلنا۔ لیکن قرآن نے لکھ دیا کہ سزا یہی ہے۔

وہ بڑا مشہور واقعہ ہے ناں مولانا روم نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے کہ دن کے 12 بجے ملتان کی گلیوں میں اللہ کا ایک ولی دیا جلا کے گھوم رہا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ دن کے 12 بجے یہ دیا جلا کے کیا تلاش کر رہے ہیں؟ اس نے کہا کوئی انسان تلاش کر رہا ہوں۔ اُس بازار میں تو سارے انسان ہی ہیں۔ تو اُس نے اس کی انکھوں پہ ہاتھ رکھا تو تڑپ کے نیچے گر گیا کہ کوئی خنزیر نظر آ رہا تھا اور کوئی بندر نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا انسان تلاش کر رہا ہوں۔ جو غصے میں اپنے آپ پہ قابو رکھ سکے۔ ہاں یہ پوچھا گیا کہ تم کیسے انسان کو تلاش کر رہے ہو؟ اس نے کہا انسان وہ ہوتا ہے جو غصے میں اپنے آپ کے قابو میں رکھے اور شہوت میں وہ بے راہ روی کا شکار نہ ہو۔ جائز اور ناجائز کہ اصلاح کیے بغیر وہ ہر چیز کو حاصل کرنا چاہے تو سزا تو قرآن نے بیان کر دی ہے کہ اگر غلو کریں، نبیوں کو قتل کرنا، نبیوں کو جھٹلانا، حد سے گرانا یا پھر ان کو اللہ تک ملا دینا۔ یہ عقیدہ کا غلو ہے۔ اعمال کا تو بھی میں نے عرض ہی نہیں کیا۔ عبادات کا تو میں نے عرض ہی نہیں کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق کا وہ جملہ مجھے بڑا یاد آتا ہے اور پھر میں جب اس جملے کو پڑھتا ہوں اور اپنے دور کو دیکھتا ہوں تو پھر شرمندگی بھی محسوس ہوتی ہے۔ جب زکوۃ دینے والوں نے انکار کر دیا کہ نبی پاک کا تو وصال ہو گیا۔ سب سے پہلا جہاد حضرت ابو بکر صدیق نے ان زکوۃ کے جو منکرین کے خلاف کیا۔ وہ نمازیں پڑھتے تھے۔ جمعہ بھی آ کے مدینہ شریف پڑھتے تھے۔ تو صحابہ کرام نے مشورہ یہ دیا، اُدھر مسلمہ کذاب نے نبوت کا اعلان کر دیا۔ بہت سے مسائل کھڑے ہو گئے۔ تو صحابہ کرام نے کہا کہ اگر ہم اپنے اندرونی معاملات میں اُلجھ جائیں گے تو پھر یہ جو بیرونی طاقتیں ہیں، ایران ہے، روم ہے، اس وقت بڑی طاقتیں تھیں، وہ پھر ہم پہ حملہ آور ہو کے ہمیں نقصان پہنچائیں گے۔ تو وہ کبھی خطبہ سیرت کی کتابوں میں یا تاریخ کی کتابوں میں دیکھیں، حضرت ابو بکر صدیق غصے میں آ گئے۔ آپ نے فرمایا ہر وہ مسلمان جس نے میرے نبی کا کلمہ پڑھا ہے اگر اس نے ان قوانین اور اصولوں کی خلاف ورزی کی جو میرے نبی نے بیان کر دیے ہیں تو تم میں سے کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے۔ میں اکیلا ان کے خلاف جہاد

کروں گا اور پھر آپ اپنی خچر پہ بیٹھ کے جب نکلے تو پھر صحابہ نے آگے سے پکڑ لیا۔ کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے میرے نبی کے قوانین کے خلاف میرے سامنے لوگ کہیں ہم نے زکوۃ نہیں دینی اور میں اپنے گھر بیٹھا رہا ہوں؟ لیکن آج ہو سکتا ہے کہ شاید مجھے پتہ ہو کہ یہ میرا ساتھی دوست زکوٰۃ نہیں دیتا اور میں اس کو گلے مل رہا ہوں اور جملہ آپ کا اتنا سخت تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں ان کو قتل ضرور کروں گا جو نمازیں تو پڑھتے ہیں اور زکوۃ نہیں دیتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نمازیں پڑھ کے ابو بکر کو دھوکہ دے لیں گے۔ جس طرح نماز میرے پیغمبر نے فرض قرار دی ہے، ویسے زکوٰۃ بھی فرض قرار دی ہے۔ تو وہ معاشرہ اس لیے ڈومینیٹ کر گیا تھا کہ وہاں یہی بات تھی کہ ہم اب یہ نہیں کریں گے کہ ہمارے سامنے پیغمبر کے اصولوں کی خلاف ورزی ہو اور ہم خاموشی سے بیٹھے رہیں؟ یہ نہیں ہو گا۔

تو یہ قرآن کریم بیان کر رہا ہے غلو کرنے والوں کو سزا ہم نے ہر دور میں یہی دی کہ ان کی شکلیں بدل دیں اور جو گمراہی کی طرف ان کے علماء اور مشائخ لے کے گئے ان کو بھی برباد کیا۔ تمہارے لیے پیغمبر نے دعا کر دی ہے کہ ان کو دنیا میں رسوا نہیں کرنا۔ اس لیے بچے ہوئے ہو۔ سزا وہی ہے لیکن حکم پھر وہی ہے کہ تم نے یہ حرکت نہیں کرنی۔ دین میں غلو نہیں کرنا یعنی یہ نہیں کہنا کہ میرا مولوی یا پیر عرش سے بھی اوپر چلا گیا ہے۔ نہیں۔ ہر چیز کو اس کی حد میں رکھنا ہے۔ خالق، خالق کی حد میں رہے۔ مخلوق، مخلوق کی حد میں رہے۔ باپ، باپ کی حد میں رہے۔ بیٹا بیٹے کی حد میں رہے۔ استاد اور شاگرد اپنی حدود میں رہیں۔ جتنی حدود تعین کر دی گئی ہیں ان حدود سے باہر نہیں نکلنا۔ اگر کسی بندے سے نفرت بھی ہے تو اس کو گرانے کے لیے جھوٹ سچ نہیں کر دینا۔ نفرت میں بھی حد سے نہیں گرنا۔ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے بھی حد سے نہیں آگے بڑھنا۔ ہر حالت میں حد کا خیال کرنا ہے۔

پھر میں وہ شاید اگلے جمعے اللہ نے موقع دیا تو ان آیات سے پہلے ایک آیت ہے وہ میں عرض کر دوں گا۔ یہ ذہن میں کبھی نہ آئے کہ شاید میں نے اسلام کو بڑا زندہ کیا ہوا ہے اور بڑا کمال کر رہا ہوں۔ اس دین کی احیاء اور بقاء کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے۔ جیسے اس قرآن کی ذمہ داری اللہ نے لی ہوئی ہے ناں حفاظت کی۔ اسی طرح میرے پیغمبر کی عزت و ناموس کی ذمہ داری بھی اللہ نے لی ہوئی ہے۔ میں تو کئی دفعہ کہتا ہوں کہ یہ جو نعرے مارتے پھرتے

ہیں ناں؛ تحفظ ناموس رسالت کے لیے ہم باہر نکلے۔ کیا لوگوں کو گالیاں دینے والے تحفظ ناموس رسالت کریں گے؟ شراب پینے والے کریں گے؟ سود لینے والے کریں گے؟ اوہ! تحفظ ناموس رسالت کے لیے کسی بابا فرید کی ضرورت ہے۔ کسی سید علی ہجویری کی ضرورت ہے۔ یہ کرپٹ لوگ، ان کو کیا پتہ تحفظ ناموس رسالت کیا ہوتی ہے؟ یہ ذمہ داری اللہ نے اٹھائی ہوئی ہے اور اس آیت کو اب ذہن میں رکھیں جس میں ہم گفتگو کریں گے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ[1]۔ اے ایمان والو! اگر تم اس دین کو چھوڑ دو گے یہ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دین لے کے آئے ہیں۔ یہ اصول تمہیں اچھے نہیں لگتے۔ چھوڑ دو گے ان کو تو اللہ کا کیا بگاڑ لو گے؟ اللہ تمہاری جگہ پہ کوئی اور قوم لے آئے گا جو اللہ سے محبت کرنے والی ہو گی اور اللہ ان سے محبت کرنے والا ہو گا۔ یعنی اگر ہم دین کا مذاق اڑائیں گے، لغویات بیان کریں گے، غلو کریں گے، اس کا اللہ نے طریقہ یہ لکھا ہے کہ پھر ہم تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئیں گے۔ اللہ کو منافقوں کی ضرورت نہیں ہے کہ جو کہیں کہ ٹھیک ہے اللہ بھی راضی رہے اور ابلیس بھی راضی رہے۔ ایسے نہیں اس دین میں ہوتا۔ تو اگر میں یہ پیغام آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا کہ یہ بنیادی چیز تھی فساد کی اور اللہ سے دوری کی اور عذاب کی کہ جب لوگ دین میں غلو کرتے ہیں تو یہ سارے حالات پیدا ہوتے ہیں۔ عذاب بھی، لعنت بھی، شکلیں بدلنا بھی، یہ جو کچھ بھی ہے اس وقت ہوتا ہے جب لوگ دین میں غلو کرتے ہیں۔ حد کو کراس کرتے ہیں اور پھر ان کو منع کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ دو چیزیں قرآن کریم نے بیان کی کہ جتنی جتنی استطاعت ہے اتنا اتنا حصہ ڈالتے رہنا ہے۔ اللہ تعالی عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

---

[1] سورۃ المائدہ:54

دین سے ارتداد اختیار کروگے؟

قرآن: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ-اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ-يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ-ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ-وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ- سورة المائدہ:54

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم لے آئے گا جن سے اللہ محبت فرماتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ (اچھی سیرت) اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔

خاکہ:-

1. اللہ کی حفاظت میں ہیں حبیب خدا، قرآنِ کریم اور دینِ اسلام۔
2. ہمارے ذکر کرنے یا نہ کرنے سے اللہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ بے نیاز ہے۔
3. ان تمام عبادات کا فائدہ تو پر صورت ہمیں ہی ہے۔
4. مومنین کی نشانیاں۔
5. ارتداد کا معنی کیا ہے؟
6. طبعی اور عقلی محبت میں فرق۔
7. عبادت اور دین کی تبلیغ کا موقعہ ملنا، سب اللہ کا فضل ہے۔

پچھلے جمعہ ہماری گفتگو کا اختتام اس بات پہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی بھی ذمہ داری لی ہے۔ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی بھی ذمہ داری خود لی ہے اور اس دین کی حفاظت کی بھی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے۔ بڑے بڑے حادثات ہوئے۔ بڑے بڑے واقعات ہوئے۔ کئی دفعہ کعبہ کو گرانے کی کوشش کی گئی۔ اصحاب الفیل کا واقعہ تو قرآن کریم نے خود لکھا۔ اس کے بعد یزیدی دور میں واقعہ کربلا کے بعد کعبہ کا محاصرہ کیا گیا۔ سنگ باری کی گئی۔ پتھر پھینکے گئے۔ خانہ کعبہ کو آگ لگائی گئی۔ ہزاروں لوگ شہید کیے گئے۔ پھر بحرین کے کچھ لوگوں نے کعبہ پہ حملہ کیا۔ 700 لوگ طواف کر رہے تھے ان کوئی شہید کیا۔ کوئی 20، 30 ہزار ارد گرد کے لوگوں کو شہید کیا گیا۔ حجر اسود اٹھا کے لے گئے۔ کافی سال طواف حجرے اسود کے بغیر ہوتا رہا۔ یہ تاریخی میں چند واقعات ہیں جو آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ نہیں ہے کہ یہ معاملات بڑی آسانی کے ساتھ ہی چلتے رہے۔ بادشاہوں نے کوشش کی، اُمراء نے کوشش کی، مختلف مذاہب نے کوشش کی اس دین کو ختم کرنے کے لیے۔ آج جس آیہ مبارکہ پہ ہم نے گفتگو کرنی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بات واضح کر دی ہے کہ کوئی فرد ہو، کوئی قوم ہو، کوئی ادارہ ہو، یہ دین محتاج نہیں ہے کسی کا کہ کوئی فرد یہ کہے کہ میں اس کی حفاظت کر رہا ہوں اور اس کو لے کے آگے چل رہا ہوں یا کوئی قوم یہ دعویٰ کرے یا کوئی ادارہ یہ دعویٰ کرے کہ جی اساں دین نو بڑا سنبھالیا اے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ایک تو ہیں دین کے دشمن، کفار ہیں، منافقین ہیں، مشرکین ہیں۔ وہ اس دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ اُن کفار کو تو چھوڑو وہ تو ہیں ہی دشمن اگر یہ جو ایمان لائے ہیں، یہ جو مسلمان ہیں، یہ مومنین ہیں، اگر یہ بھی اس دین کو چھوڑ دیں تو پھر بھی اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً ان افراد کو، قوموں کو تو چھوڑو ناں؛ یہ جو کلمہ گو ہیں، یہ جو ایمان والے ہیں اگر یہ بھی اس دین کو چھوڑ دے اور کفار کے ساتھ مل جائیں تو کیا بگاڑ لیں گے۔ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اللہ تعالی تمہاری جگہ پہ کوئی اور قوم لے آئے گا جو اللہ سے محبت کرنے والی ہوگی اور اللہ ان سے محبت کرنے والا ہوگا۔ تو یہ کسی قوم کا، ادارے کا، کسی فرد کا یہ کام نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری اللہ نے لی ہے اگر تم بھی چھوڑنا چاہتے ہو تو چھوڑ کے چلے جاؤ گے تو دین کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ عالی بڑا کمال کا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ[1] اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالی کی حمد بیان نہ کرتی، تسبیح بیان نہ کرتی۔ اگر ساری کائنات کی تمام مخلوقات اللہ تعالی کی حمد اور تسبیح بیان کرنا چھوڑ دیں تو اللہ کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کی شان میں کوئی کمی واقعہ نہیں ہوتی اور اگر ساری مخلوقات اس کی حمد و ثنا بیان کریں تو اس کی شان میں اضافہ بھی نہیں ہوتا۔ اگر تمہارے ذہن میں یہ ہے ناں کہ شاید ہم اللہ کی عبادت کریں گے تو اللہ کی شان بڑھ جائے گی؟ یہ سب کچھ تمہارے اپنے مفاد میں ہے۔ یہ تمہارے فائدے کے لیے ہے۔ اس میں اللہ کا کوئی نفع نقصان نہیں ہے۔ ساری کائنات اس کی حمد بیان نہ کرے، تسبیح بیان نہ کرے، وہ پھر بھی اللہ خالق ہے۔ رب ہے۔ اس کی تو کسی صفت میں، کسی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

تو یہ اتنا بڑا یا جملہ ارشاد فرما دیا کہ کفار کو تو چھوڑو، دشمنوں کو تو چھوڑو، اگر ایمان والے بھی اس دین کو چھوڑ دیں گے تو اس دین کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ چھوڑ دو اس دین کو، چلے جاؤ تم بھی کافروں کے ساتھ مل جاؤ۔ کیا فرق پڑے گا؟ اگر تم اس دین پہ عمل کر رہے ہو تو یہ تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ یہ کوئی اللہ پر احسان تو نہیں ہے کہ تم کہتے پھرو میں نے بڑی نماز پڑھی ہے۔ میں نے یہ کام کیا ہے۔ یہ تمہارے اپنے فائدے کے لیے ہے۔ اگر تم ارتداد اختیار کرو گے، مرتد ہو جاؤ گے، چھوڑ دو گے اس دین کو تو کیا بگاڑ لو اللہ کا؟ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗٓ اللہ تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا۔ جو اللہ سے محبت کرنے والی ہو گی اور اللہ ان سے محبت کرنے والا ہو گا۔ اب یہ بڑی اہم چیز ہے کہ اس دین کی خدمت کے لیے جو بنیادی شرط ہے وہ اللہ سے محبت کرنا ہے۔ یہ نہیں اللہ نے فرمایا کہ اللہ ایک قوم لے آئے گا جو بڑی نمازی ہو گی۔ بڑی پرہیزگار ہو گی۔ پہلے ہی شرط یہ ہے کہ وہ قوم اللہ سے محبت کرنے والی ہے۔ جب تک آپ کو اللہ سے محبت نہیں ہے، وہ عقلی محبت ہو یا طبعی محبت ہو۔ عقلی محبت تو کہتے ہیں کہ تمام لوگ اللہ سے کرتے ہیں۔ ایک سپر طاقت کا تصور ذہن میں موجود ہے۔ نام اس کے مختلف لوگوں نے رکھے

[1] سورۃ بنی اسرائیل:44

ہوئے ہیں۔ طبعی محبت ہوتی ہے کہ جب آپ اللہ کے کسی صفت کو غور سے دیکھتے ہیں، اس کی ربوبیت کو دیکھتے ہیں، اس کی تخلیق کو دیکھتے ہیں، اس کے احسانات کو دیکھتے ہیں، اس کے غیض و غضب کو دیکھتے ہیں۔ تو وہ جو رجحان ہوتا ہے اس کو طبعی محبت کہتے ہیں۔ اب یہاں یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یا تو اللہ یہ شرط لگاتا کہ وہ قوم اللہ سے محبت کرنے والی ہوگی۔ ٹھیک ہے۔ یہاں پہ بات ختم نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ وہ قوم اللہ سے محبت کرنے والی ہو اور ساتھ یہ بھی ہے کہ اللہ بھی ان سے محبت کرنے والا ہوگا۔ اب یہ تو میرے اختیار میں ہے کہ میں اللہ سے محبت کروں لیکن اللہ مجھ سے محبت کرے یہ میرے اختیار نہیں۔ اب کیا کیا جائے؟ چونکہ شرط پوری اس وقت ہوگی جب اللہ بھی محبت کرے گا۔ صرف میری محبت کے دعویٰ سے یہ کام نہیں چلے گا۔ اس کا بھی قرآن کریم نے یہ جواب دیا کہ اللہ تجھ سے محبت کرے یہ بھی تیرے اختیار میں ہے۔ یہ سوال بھی اس دور میں اُٹھا تھا کہ یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ اللہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے؟ تو اس کا قرآن کریم نے یہ جواب دیا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [1] اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو یہ فرمادو، اگر تم یہ چاہتے ہو، اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ میری غلامی میں آجاؤ۔ میری فرمانبرداری میں آجاؤ۔ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یعنی اللہ کی محبت مشروط ہے غلامیِ مصطفیٰ ﷺ کیساتھ۔ اگر نبی پاک کی غلامی نصیب ہے تو اللہ کی محبت ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بندہ یہ نہ کہے کہ میرے ساتھ اللہ محبت کرتا ہے۔ تو قرآن نے کہا کہ یہ بھی تیرے اختیار میں ہے۔ تو یہ ضروری ہے کہ جس بندے نے اس دین کی خدمت کرنی ہے، وہ قوم ہو، وہ فرد ہو، وہ ادارہ ہو، وہ اللہ سے محبت کرنے والے ہوں اور نبی پاک کی غلامی میں آجائیں تاکہ اللہ بھی ان سے محبت کرے۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کے سامنے وہ بڑے نرم دل ہوتے ہیں۔ یہ آج کل اصل میں بڑی پریشانی لوگوں کو ہوتی ہے ناں کہ کونسا فرقہ جو ہے وہ صحیح ہے؟ کونسی قوم صحیح ہے؟ بھائی یہ تو قرآن کریم واضح باتیں بتائی ہیں کہ جو قوم اس دین کی خدمت کرنے والی ہے، اللہ سے محبت کرنے والی ہے، اس کے رسول کی اتباع کرنے والی ہے،

---

[1] سورۃ آل عمران:31

اس کی یہ نشانی بتائی اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ایمان والوں کے سامنے وہ بڑے نرم دل ہوتے ہیں۔ یہ اَذِلَّةٍ جو ہے یہ اُردو میں بھی آپ لفظ ذلیل کا استعمال کرتے ہیں۔ ذلیل کا معنی ہی ہوتا ہے جو چیز بڑی نرم ہو۔ جس پہ آپ بہت جلدی قابو پالیں۔ جو چیز اکڑنے والی نہ ہو جب چاہیں اس پہ قابو پالیں۔ اس کو کہتے ہیں کہ یہ ذلیل ہو گیا ہے۔ اسی لیے ابدیت، ابد جسے کہتے ہیں اللہ کے سامنے ذلت کی آخری حد جب آپ اختیار کرتے ہیں تو آپ بندے بنتے ہیں کہ مولا کریم میں تیرا بندہ ہوں، تیرے سامنے عاجز ہوں، ہر وقت تیری گرفت میں، تیرے قابو میں ہوں۔ تو یہ جو گروہ ہے ناں دین کی خدمت کرنے والا، وہ جھگڑالو نہیں ہوتا۔ وہ ایمان والوں کے سامنے، مسلمانوں کے سامنے بڑا نرم دل ہوتا ہے۔ اب میں بھی اور آپ سارے دیکھ لیں کہ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں اس دین پہ چلنے والے؟ کتنے لوگ ہیں جو اللہ سے محبت کرنے والے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے؟ اگر میں کسی سے مناظرہ کرتا ہوں، کوئی شیعہ سنی کا مناظرہ ہو جاتا ہے، دیوبندی بریلوی کا مناظرہ ہو جاتا ہے، مناظرہ کرتے ہیں۔ کس لیے؟ ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے لیے۔ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کے لیے۔ غلبہ حاصل کرنے کے لیے۔ کوئی بندہ ملاوٹ والی چیز بیچ رہا ہے اپنے بھائی کے سامنے، وہ نرم نہیں ہے۔ کوئی گالی دے رہا ہے تو وہ نرم نہیں ہے۔ وہ کسی پہ ظلم کر رہا ہے تو وہ نرم نہیں ہے۔ مومنوں کے سامنے جو نرم ہو، اس سے اللہ محبت کرتا ہے۔ اس کے لیے میں ایک بڑا جملہ کہا کرتا ہوں کہ حضور داتا صاحب کی ساری تاریخ آپ دیکھیں۔ حضور خواجہ غریب نواز رحمہ اللہ کی دیکھیں۔ بابا فرید کی ہسٹری دیکھیں۔ ان اللہ کے ولیوں نے کبھی کسی سے مناظرے نہیں کیے۔ اخلاق سے اور پیار سے دین کی دعوت دی ہے۔ محبت کی ہے۔ کسی کو ذلیل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ مومن کے سامنے خود ذلیل یعنی نرم ہو جاتے ہیں اور مفسرین نے اس کی ایک بڑا جملہ کمال کا لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ پہ اس اَذِلَّةٍ کے معنی میں یہ جملہ بھی لکھا ہے تفسیر میں کہ اگر کبھی اپنا حق چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دیتے ہیں اور جھگڑا نہیں کرتے۔ اپنا حق ہے ناں لیکن اپنا حق بھی چھوڑ دیتے ہیں جھگڑے سے بچنے کے لیے۔ مسلمانوں سے جھگڑا نہیں کرتے۔ ایمان والوں سے جھگڑا نہیں کرتے۔ اپنے مکان ہیں، اپنی دکانیں ہیں، اپنے باغات ہیں، جو مہاجرین مکے میں چھوڑ کے گئے تھے، اپنا حق ہے اور آج فاتح بن کے مکے میں داخل ہوئے ہیں لیکن میرے پیغمبر ایک دفعہ ارشاد فرماتے ہیں تو انہوں نے

اپنے حق چھوڑ دیا۔ اپنے مکان واپس نہیں لیے۔ اپنی دکانیں واپس نہیں لیں۔ اپنے باغات واپس نہیں لیے اور اس کا اجر اتنا بڑا میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ فرمایا کل قیامت کے دن میں جنت کے درمیان میں کھڑا ہو کے اس کو اس کا حق دلاؤں گا۔ اس کو مکان دلاؤں گا جس نے جھگڑے سے بچنے کے لیے اپنا حق چھوڑ دیا۔ صرف اس لیے اپنا حق چھوڑا کہ میں کسی مسلمان سے جھگڑا نہ کروں۔ تو یہ نشانی بیان کی گئی ہے کہ وہ جو حق والا گروہ ہے، اللہ سے محبت کرنے والا گروہ ہے، وہ اس طرح سے دیکھا کرو کہ وہ مسلمانوں کے سامنے بڑا نرم ہوتا ہے۔ ایمان والوں کے سامنے بڑا نرم ہوتا ہے اور کبھی یہ آخری سٹیج آجائے اپنا حق چھوڑنے کی بھی تو حق چھوڑ دیتے ہیں لیکن مومنوں سے جھگڑا نہیں کرتے۔

اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ لیکن یہی مومن جب اللہ کے دشمنوں کے سامنے آتے ہیں تو پھر بڑے تگڑے ہو کے آتے ہیں۔ ہاں پھر ان کے سامنے یہ نرم ہو کے نہیں آتے۔ االلہ کے دشمنوں کے سامنے یہ بڑے سخت ہوتے ہیں۔ اس کو سورہ فتح میں بھی اللہ نے بیان فرمایا تھا ناں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ-وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ[1] یہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ساتھی ہیں، یہ میدان جنگ میں کافروں کے سامنے بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔ یہ نبی پاک کے غلاموں کی نشانی قرآن بار بار بیان کرتا ہے کہ آپس میں بڑے رحم دل ہیں اور اللہ کے اور اس کے رسول کے دشمنوں کے سامنے پھر یہ بڑے سخت ہو جاتے ہیں۔

آج یہ کام اُلٹ ہو گیا ہے۔ مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے۔ میں نے تھوڑی سی تحقیق پچھلے دنوں کی اور میں بڑا حیران ہوا۔ یہ جہاد کے نام پہ جتنی تنظیمیں ہماری 1980 کے بعد بنیں، انہوں نے کبھی کافروں کے خلاف لڑائی نہیں کی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کبھی وہ اسرائیل میں جا کے یہودیوں کے خلاف نہیں لڑے۔ کبھی کسی اللہ کے دشمن کے سامنے وہ نہیں کھڑے ہوئے۔ جب بھی مارا ہے انہوں نے مسلمانوں کو مارا ہے اور نام جہاد کا لیا۔ چونکہ اگلا جملہ یہی آرہا ہے يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ مسلمانوں کے سامنے، ایمان والوں کے سامنے بڑے نرم ہوتے

---

[1] سورۃ الفتح:29

ہیں۔ کفار کے سامنے بڑے سخت ہوں گے۔ اب یہ جو نیکیاں ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کی جو فرمانبرداری ہے اس کو وہ اپنی ذات تک نہیں رکھتے۔ یہ بڑی اہم بات ہے اس کو اپنی ذات تک نہیں رکھتے بلکہ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اگر میں سچ بول رہا ہوں، سچی زندگی گزار رہا ہوں تو میرے بچے بھی سچی زندگی گزاریں۔ میرے شاگرد بھی سچی زندگی گزاریں۔ میرے خاندان والے بھی اسی نیکی پہ عمل کریں۔ میرے ہمسائے، میرے محلے والے بھی۔ یعنی اس نیکی کو آگے بڑھانے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ یہ جو لفظ آپ جدوجہد استعمال کرتے ہیں، یہ جہاد بہت لمبی ٹرم ہے۔ قتال جو ہے تلوار لے کے، گن لے کے لڑنا یہ آخری سٹیج ہے۔ قتال میں سارا جہاد نہیں ہے۔ قتال، جہاد کی ایک قسم ہے چھوٹی سی۔ قتل کرنا یا میدان جنگ میں آنا۔ 13 سالہ مکی زندگی میں قتال پہ ممانعت تھی۔ تلوار نہیں اٹھائی۔ میرے پاس بولنے کی طاقت ہے تو اس سے نیکی کو پھیلاؤں۔ لکھ کر پھیلا سکتا ہوں تو وہ بھی جہاد ہے۔ زبان کا جہاد ہے۔ قلم کا جہاد ہے۔ علم کا جہاد ہے۔ یعنی جو بھی آپ نیکی پھیلانے کیلئے کرتے ہیں ہو جہاد ہے۔ تو وہ اس نیکی کو اپنے تک نہیں رکھتے۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ جہاں تک ان کا بس چلتا ہے اس نیکی کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ میں تو ٹھیک ہوں تو باقی دفعہ ہوں جو بھی کر رہے ہیں۔ ایسے نہیں کرنا۔

وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ پھر وہ لوگوں کی ملامتوں سے بھی نہیں ڈرتے۔ یہ نشانیاں ہیں جو قوم اس دین کی خدمت کرنے والی ہے ناں، اس قوم کی نشانیاں اللہ بیان فرما رہا ہے۔ اللہ سے محبت کرنے والے، اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ مومنوں کے سامنے بڑے نرم دل اور اللہ کے دشمنوں کے سامنے بڑے سخت۔ نیکی کو آگے پھیلانے والے، جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اور لوگوں کی ملامتوں سے نہیں ڈرتے۔ جب بھی آپ کوئی نیکی کا کام کرنا چاہتے ہیں ناں، بڑا کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے دو رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ ایک رکاوٹ تو بیرونی ہوتی ہے ناں، جن کے ساتھ آپ لڑ رہے ہیں اور ایک اپنے گھر سے رکاوٹ آتی ہے۔ اپنے اندر سے، اپنے قبیلے والوں سے۔ تینوں بڑا شوق چڑیا ہے تو بڑا نیکی نوں اگے پھیلان واسطے اگے ٹرپیا؟ تو یہ سب سے مشکل کام جو ہے اس کو دوسرے پارے میں

اللہ نے یوں بیان فرمایا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا[1]۔ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اپنے گھر والے مذاق اڑاتے ہیں۔ اوہ رہندا انہیں تُو متقی پرہیز گار۔ ایتھے دنیا تے اس طرح ہی چلدا۔ اوہ! جھوٹ چلتا ہے کاروبار میں۔ شادیوں پہ شراب چلتی ہے۔ تُو آ گیا ہمیں سمجھانے والا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا سامنا آپ کو گھر سے کرنا پڑے گا۔ تو قرآن نے کہا کہ ان کی پھر یہ بھی نشانی ہے کہ باہر بھی جہاد کرتے ہیں اور اگر اندر سے ملامتیں ہوں تو ان کا کوئی خوف نہیں کرتے کہ لوگ ہمیں کیا کہیں گے؟ بہن بھائی کیا کہیں گے؟ رشتہ دار کیا کہیں گے؟

کمال کا جملہ ہے آگے کہ کہیں یہ سارے کام کرتے ہوئے ذہن میں یہ خیال نہ آجائے کہ میں محبت کر رہا ہوں لوگوں سے۔ میں جہاد کر رہا ہوں۔ فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس پہ چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ یہ بھی تکبر نہ آجائے کہ میں نماز پڑھنے آیا ہوں؟ میں نے یہ بڑی نیکی کر دی؟ یہ ساری نشانیاں بیان کر کے فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یہ اللہ کا فضل ہے يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ جس پہ چاہتا ہے وہ اپنا فضل کر دیتا ہے۔ یہ بات اس لیے فرمائی ہے کہ نیکی کی توفیق ملے تو بندہ سجدہ ریز ہو جائے۔ یہ پہلی اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وہ مومنوں کے سامنے نرم ہو گا ہی تب، جب اللہ کا فضل سمجھے گا اگر وہ یہ سمجھے گا۔ اگر وہ سمجھے گا کہ یہ ساری میری محنت ہے تو اس کو کسی کے سامنے نرم ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر وہ نرم نہیں ہوتا۔ نرم اسی وقت ہو گا جب سمجھے گا کہ یہ میرے اوپر میرے اللہ کا فضل ہے۔ اس کی مہربانی ہے۔ اس نے مجھے توفیق دی۔ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ بڑی وسعت والا ہے، اللہ بڑا علیم ہے۔

تو یہ میں نے پچھلے جمعہ آپ سے وعدہ کیا تھا کہ یہ جتنے بھی حالات، قوموں کی شکلیں بدلیں، جو عذاب آئے، اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی زبان سے لعنتیں کروائیں، خنزیر بنا دیے، بندر بنا دیے، تو اس حوالے سے یہ بات بڑی ضروری تھی کہ کہیں تمہارے دل میں بھی یہ خیال نہ آجائے کہ ہم اس دین کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ بھائی جو لوگ منکر ہیں اگر تم بھی ان کے ساتھ مل جاؤ تو اس دین کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ نشانیاں بیان کر دیں میرے اللہ نے حق والوں کیں۔ حق والے مومنوں سے جھگڑا نہیں کرتے۔ اپنا حق بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دیتے ہیں۔ خیر

---

[1] سورۃ البقرۃ:212

خواہی رکھتے ہیں سب کے لیے۔ اگر خود نیکی کرتے ہیں تو کوشش ہوتی ہے کہ میرا دوسرا بھائی بھی نیک بن جائے۔ وہ بھی جہنم سے بچ جائے۔ اس کی بھی دنیا اور آخرت بہتر ہو جائے۔ مومن خود غرض نہیں ہوتے کہ وہ صرف اپنے فائدے کی سوچتے ہیں۔ جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور پھر لوگ جو ملامتیں کرتے ہیں، ان کی پرواہ نہیں کرتے۔ حضور سلطان العارفین کا ایک جملہ مجھے یاد آرہا ہے۔ وہ ایک رباعی میں انہوں نے کہا تھا کہ

جے کوئی سُٹے روڑا کوڑا تے وانگ اروڑی رہیے ہو
تے جے کوئی دیوے طعنے میہنے دے یار دے بھاروں سہیے ہو

تو یہ کیفیت جو ہے، یہ قرآن کا ہی ترجمہ انہوں نے کیا ہے۔ تو یہ طعنے دیں گے لوگ، اپنے دیں گے، گھر والے دیں گے۔ ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ بچے بھی کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم نے آپ کی سچائی اور دیانتداری سے کیا حاصل کیا؟ فلاں نے رشوت لے کے کوٹھی بنالی۔ فلاں نے سود لے کے اتنی پراپرٹی لے لی۔ ہم نے یہ سچائی اور دیانتداری سے کیا حاصل کیا؟ یہ بچے کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ وہ جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں پھر وہ ان ملامتوں سے نہیں ڈرتے۔ ان طعنوں سے نہیں ڈرتے۔ بلکہ وہ کام جو اللہ نے ان کے ذمے لگایا ہے وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اس کی رحمت ہے جو ان پہ اللہ نے کی۔

اگلی آیت جو ہے اس میں انشاء اللہ اگلے جمعہ گفتگو ہو گی اور اس میں یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ اب گھر والے بھی جب طعنے دیتے ہیں ناں، خاندان والے طعنے دیتے ہیں۔ تو اگلی آیت میں اللہ فرما رہا ہے کہ اللہ ان کو اکیلا، تنہا نہیں چھوڑ دیتا۔ جیسے میں نے پچھلے جمعہ اور اس سے پچھلے جمعہ بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بارہ بندے ہوں تو انہوں نے بھی غالب آنا ہے۔ نوح علیہ السلام کے ساتھ 80 ہوں تو انہوں نے ہی غالب آنا ہے۔ ہزاروں لاکھوں نے غالب نہیں آنا۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ[1] پھر اللہ ان کا ولی ہے اور لوگ طعنے دیتے ہیں اور وہ سکون میں ہوتے ہیں۔ لوگ مخالفت کرتے ہیں اور وہ سکون میں ہوتے ہیں۔ اس

[1] سورۃ المائدہ:55

لیے کہ اللہ ان کا دوست ہے ناں۔ وَ رَسُوْلُهٗ جب اللہ دوست ہے تو پھر اس کا رسول بھی ان کا دوست ہے۔ اللہ کا رسول بھی ان کا ولی ہے وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اور پھر ایمان والے بھی ان کے دوست ہیں۔ ہاں تو یہ جو شرک شرک بھی آپ سنتے رہتے ہیں ناں۔ نہیں، قرآن نے اس کی وضاحت کی ہے کہ نہیں یہ صرف اللہ کی مدد نہیں؛ اللہ کی بھی ہوتی ہے، اس کے رسول کی بھی ہوتی ہے اور ایمان والوں کی بھی ہوتی ہے۔ اس پہ بھی انشاء اللہ اگلے جمعہ گفتگو کریں گے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

مد د گار کون کون ہے؟

قرآن: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ۔ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

سورۃ المائدہ:55-56

ترجمہ:- تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔

خاکہ:-

1۔ ایمان والوں کی نشانیاں

2۔ اللہ بھی ولی ہے، اس کا رسول بھی اور مومنین بھی

3۔ ایمان والے نماز قائم کرنیوالے ہوتے ہیں۔

4۔ زکوٰۃ ادا کرنیوالے ہوتے ہیں۔

5۔ رکوع کرنیوالے ہوتے ہیں۔

6۔ علی سے بڑا ایمان والا کون ہے۔

7۔ ایمان والا گروہ اللہ کا گروہ ہے۔

8۔ ایمان والو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

9۔ حضرت عمر کے دور میں مکان سے خزانہ نکلنے کا واقعہ

10۔ خلاصہ

گزشتہ جمعہ ہم اللہ کے گروہ کی نشانیاں جو ہیں وہ دیکھ رہے تھے کہ وہ قوم جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ غالب آنے والی ہے۔اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ-يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍؕ-ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔اس کی نشانیاں پھر یہ بیان کی گئیں کہ وہ اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے، اللہ ان سے محبت کرنے والا ہو گا۔ یہ یک طرفہ نہیں ہو گا کہ وہ صرف اکیلے اللہ سے محبت کریں گے۔ اللہ بھی ان سے محبت کرے گا۔ مومنوں کے سامنے وہ بڑے عاجز ہیں۔ نرم ہوں گے۔ کافروں کے سامنے وہ سخت ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور وہ کسی کی ملامت کا کوئی خوف نہیں رکھیں گے۔ وہ چاہے ان کے اپنے ہوں یا غیر ہوں۔ گھر سے مخالفت ہو باہر سے ہو۔ وہ اس بات سے نہیں ڈریں گے کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ اللہ کی محبت میں وہ یہ چیزیں نہیں دیکھیں گے اور یہ سب کچھ کیوں ہے؟ یہ اللہ کا فضل ہے جس پہ وہ چاہتا ہے فرما دیتا ہے۔ تو یہ چیزیں ہم نے پچھلے جمعہ سیکھ لیں تھی۔

آج کی آیات میں اللہ فرماتا ہےاِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوااس میں تو کوئی شک ہے ہی نہیں کہ تمہارا رفیق، تمہارا دوست، تمہارا ولی، تمہارا مددگار اصل میں اللہ ہی ہے۔ اللہ تمہارا مددگار ہے۔ اللہ تمہارا دوست ہے۔ اللہ تمہارا ولی ہے۔وَ رَسُوْلُهٗ اور اللہ کا رسول بھی تمہارا مددگار ہے۔ وہ بھی تمہارے دوست ہیںوَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ بھی تمہارے ولی ہیں۔ یعنی اللہ بھی تمہارا ولی ہے۔ اس کا رسول بھی تمہارا ولی ہے اور ایمان والے بھی تمہارے ولی ہیں۔ یعنی وہ جو پچھلی آیت تھی ناں کہ تم نے لوگوں کی ملامت سے نہیں ڈرنا۔ اپنے آپ کو تنہا نہیں سمجھنا۔ جملے پہلے بھی ساری بات ہے جب اللہ دوست ہے تو رسول اور مومنین تو پھر ظاہر ہے اس کے دوست ہیں۔ پھر تو فکر کی بات ہی کوئی نہیں۔

اب ان کی آگے نشانی یہ ہے۔الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وہ نماز کا بڑا اہتمام کرنے والے ہیں۔ اللہ جن سے محبت کرتا ہے، اللہ جن کا ولی ہوتا ہے وہ نماز کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ سجدوں کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ میرے غوث پاک سرکار کا مجھے بڑا جملہ ایک یاد آتا ہے۔ شاید انہوں نے اس آیت کے حوالے سے لکھا ہو۔ آپ فرمایا کرتے تھے

کہ جتنا انسان اللہ کے قریب ہوتا ہے اتنا ہی اس کے سجدے بڑھ جاتے ہیں۔ اگر کوئی تمہیں ایسا بندہ ملے ناں جو کہے کہ میں اللہ سے پیار کرتا ہوں اور وہ سجدہ نہ کرنے والا ہو تو سمجھو اس کو اللہ کا قرب نہیں ملا۔ اللہ کے قرب کی نشانی یہ ہے کہ جتنا انسان اللہ کے قریب ہوتا ہے اس کے سجدوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ بھائی اتنا ہی اس نے اللہ کا شکر زیادہ کرنا ہے ناں۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ ناشکرا ہو۔ تو پہلی نشانی یہ دی ہے کہ وہ نماز کا اہتمام کرنے والے ہیں۔ نماز قائم کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ پڑھنی آپ نے مسجد میں ہے۔ نماز اب آپ پڑھنے کے لیے آئے ہیں۔ پڑھنی مسجد میں ہے۔ جب آپ نے نماز پڑھ کے مسجد سے باہر نکلنا ہے ناں تو قائم پھر ہونی ہے۔ ہاں مسجد میں اس نے قائم نہیں ہونا، مسجد میں پڑھی جانی ہے۔ اب آپ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کر کے گئے ہیں اور پتہ نہیں کتنی دفعہ آپ نے کہا ہے اللہ اکبر۔ تکبیر تحریمہ سے لے کے رکوع سجدہ بار بار یہی کہنا کہ اللہ تو ہی بڑا ہے۔ اللہ تو ہی بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی بڑا نہیں ہے اور پھر التحیات میں تو آپ نے اخیر کر دی ناں۔ جب آپ نے کہا التحیات للہ، میری زندگی اللہ کے لیے۔ اب یہ ساری باتیں آپ نے یہاں مسجد میں کر لیں۔ اب باہر نکلے تو اب اللہ کہتا ہے کہ ہم اس نماز کو قائم بھی کر۔ یہ نہ ہو کہ مسجد سے باہر آپ کوئی بڑا اور ہو جائے؟ مسجد میں تو اللہ بڑا ہو اور مسجد سے باہر کوئی اور ہو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مسجد سے باہر جب تُو اللہ کو بڑا سمجھے گا تو نماز قائم ہو گئی۔ اوہ بھائی! سٹینڈ کر ہی وہ سکتا ہے جس کا سر اللہ کی بارگاہ میں جھکتا ہے۔ دوسرا تو بزدل ہوتا ہے۔ وہ ظلم کے خلاف، شیطان کے خلاف کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اب تو دکان پہ بیٹھا ہے، ملاوٹ والی کوئی چیز، دو نمبر شے نہ اب لوگوں کو بیچ۔ نماز کو قائم رکھ۔ اب دفتر میں گیا ہے تو وقت سے پہلے چھٹی کر کے نہ آ۔ دیانت داری سے اپنا کام کر۔ نماز کو قائم رکھ۔ یہ نماز قائم باہر جا کے ہونی ہے۔ پڑھنی آپ نے مسجد میں ہے۔ قائم باہر جا کے کرنی ہے۔ تجھے رشوت مل رہی ہے، ہاتھ پیچھے کھینچ لے، نماز کو قائم رکھ۔ تو ہم پتہ نہیں قائم کیا سمجھتے ہیں؟ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ تو وہ اپنی نماز کا اہتمام بھی کرتے ہیں پھر اس پہ قائم بھی رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ پھر ایسے ہی لالچ میں اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں۔

وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اچھا یہ بڑی ویسے عجیب بات ہے۔ اکثر یعنی زیادہ جگہ پہ جہاں بھی نماز کا ذکر ہے ساتھ زکوۃ کا ذکر ہے۔ یعنی نماز قائم ہو ہی نہیں سکتی اگر آپ پیسے سے محبت کرتے ہیں۔ یہ جتنی بھی برائیاں ہیں ناں یہ دولت

سے محبت کی وجہ سے ہیں۔ تو جہاں نماز کے قائم کرنے کا ذکر ہے، ساتھ ہی زکوۃ دینے کا ذکر ہے کہ جب تو اللہ کا دیا ہوا خرچ کرے گا تو نماز نے قائم ہونا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نماز تو بندہ پڑھتا رہے اور کنجوس ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

اور یہاں تو عجیب بات اور بھی بتائی ہے۔ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ اس کی دو تفسیریں مفسرین نے کی ہیں۔ وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ تفسیر مظہری میں جس کو زیادہ مفسرین نے follow کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر تو اس کا اصلاحی مفہوم لے لیں، تو پیچھے ذکر آ گیا تھا یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ اب یہاں یہ ہے کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ تو جب نماز کا ذکر آ گیا تو پھر رکوع تو نماز کے اندر ہی موجود تھا۔ یہ رکوع کا علیحدہ ذکر کیوں کیا کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ رکوع کا ویسے لفظی معنی ہے جھکنا۔ یعنی اس کا ہم اگر لفظی ترجمہ کریں گے تو یہ ہے کہ وہ جھکنے والے ہیں۔ دوسری بھی قرآن کی جب آیت آپ پڑھتے ہیں کہ وہ جھکنے والوں کے ساتھ جھکتے ہیں۔ تو ایک تو اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ نماز چونکہ عیسائی بھی پڑھتے تھے۔ یہودی بھی پڑھتے تھے۔ تو کیسے پتہ چلتا کہ مسلمانوں کی نماز کون سی ہے اور یہودیوں، عیسائیوں کی نماز کون سی ہے؟ اس میں فرق کرنا ضروری تھا ناں کہ یہ مسلمانوں کی نماز ہے۔ یہ عیسائیوں، یہودیوں کی نماز ہے۔ تو پہلی جتنی بھی اُمتوں پہ نمازیں فرض ہوئی ان میں رکوع نہیں تھا۔ ہاں یہ مفسرین نے بات لکھی ہے کہ نماز کے اندر رُکوع جو ہے یہ صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ اس لیے رکوع کا ذکر کر کے یہ بات بیان کر دی گئی کہ ہم اس نماز کی بات کر رہے ہیں جو محمد رسول اللہ پہ نازل ہوئی ہے۔ یعنی وہ نماز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہوئی۔ یہ تو اس کے اصطلاحی مفہوم میں مفسرین نے بیان کی ہے۔ دوسرا اِس کا جو لفظی معنیٰ لیتے ہیں جُھکنے کا۔ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ جو حزب اللہ ہے۔ اللہ کا گروہ ہے جس کی نشانیاں پچھلے جمعہ سے دیکھ رہے ہیں، وہ اپنی عبادتوں پہ فخر کرنے والے نہیں ہوتے بلکہ وہ ان کا جو طرہ امتیاز ہوتا ہے، جو ان کی پہچان ہوتی ہے وہ تکبر اور فخر سے نہیں ہوتی بلکہ عاجزی سے ہوتی۔ یہ ان کی نشانی ہے۔ لیکن جب اس کو ملا کے پڑھتے ہیں وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ تو پھر اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں وہ حالت رکوع میں بھی زکوۃ دیتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس کے لیے جن تفسیروں کا میں نے ذکر کیا۔ اس میں ایک مکتبہ فکر دیوبند کی جو بڑی تفسیر ہے، معارف القرآن، مفتی شفیع صاحب کی۔ انہوں نے بھی اس واقعہ تو لکھا ہے کہ اس کا جو سبب نزول بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ میرے مولا علی سرکار نماز پڑھ رہے تھے۔ تو ایک سائل آگیا تھا۔ تو آپ رکوع کی حالت میں تھے تو آپ نے انگلی سے ویسے ہی وہ انگوٹھی جو تھی آپ نے گرادی تھی اس کے لیے۔ یہ نہیں کہ باقی مفسرین نے لکھا ہے۔ اہل دیوبند کی تفسیروں میں بھی یہ بات لکھی ہوئی ہے۔ اس میں آگے انہوں نے جو بات بیان کی ہے وہ بڑی کمال کی ہے۔ مفتی شفیع صاحب کہتے ہیں کہ جب اس آیت کے حوالے سے امام باقر سے پوچھا گیا۔ یہ جو پچھلی آیت آپ نے سیکھی ہے ناں کہ اللہ ان کا ولی ہے۔ رسول ان کا ولی ہے اور ایمان والے ان کے ولی ہیں۔ تو اس ایمان والے سے مراد بھی حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم ہیں۔ تو جب امام باقر رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ بات پوچھی گئی کہ لوگ اس کی یہ بھی تشریح بیان کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا جب اللہ نے کہہ دیا ہے کہ ایمان والے بھی ان کے دوست ہیں تو پھر علی سے بڑا ایمان والا کون ہے۔ تو اس حوالے سے ظاہر ہے مولا علی بھی ان کے دوست ہیں یعنی اللہ بھی دوست ہے رسول اللہ بھی دوست ہیں اور علی بھی ان کے دوست ہیں۔ یہ بھی ایک اس کا سبب نزول جو ہے وہ لکھا ہوا ہے۔

وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اب یہ فائنل بات کر دی گئی۔ جتنی بھی پچھلی آیات تھیں، پورے موضوع کو اب کلوز کر دیا گیا۔ تم میں سے وہ شخص جس کا اللہ ولی ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جس کے ولی ہیں اور ایمان والے جس کے ولی ہیں۔فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ وہ ہے اللہ کا گروہ۔ بات شروع ہوئی تھی ناں اللہ کے گروہ کی۔ وہ ہے اللہ کا گروہ جس کا اللہ ولی ہے، رسول جس کا ولی ہے اور ایمان والے جس کے ولی ہیں۔ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ اب یہ تسلی یہاں دے دی گئی کہ یہ تن تنہا بھی ہو گا تو گروہ اسی نے غالب رہنا ہے۔ یہ جو اللہ کا گروہ ہے ناں، اسی گروہ نے غالب رہنا ہے۔ جس کا اللہ ولی ہے، جس کا رسول ولی ہے، جس کا ایمان والے ولی ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہے اور اسی گروہ نے غالب رہنا ہے۔ اب یہاں ہے وہ بات جو میں سوال آپ کے سامنے اٹھاتا ہوں اور آپ کے سامنے یہ فکری بات رکھتا ہوں۔ یہاں بھی یہ بات فرمائی اور دوسری جگہ بھی یہ بات فرمائی کہ یہ اللہ نے گارنٹی ہے

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[1] تم ہی غالب رہو گے شرط یہ ہے کہ مومن بن کر رہو۔ اب یہاں بھی فرمایافَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ یہ اللہ کا گروہ ہے جس نے غالب رہنا ہے۔ ابو بکر صدیق کے خلاف اس دور میں جو ہم نے پیچھے پڑھا تھا کہ کتنے ارتداد کرنے والے گروہ آ گئے۔ تین لوگ تو آ گئے جنہوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ زکوٰۃ دینے سے لوگوں نے انکار کر دیا۔ بڑے بڑے قبائل جو فتح مکہ کے موقع پہ مسلمان ہوئے تھے ان میں نے اکثریت نے دین کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے فتح مکہ والے دن مغلوب ہو کے کلمہ پڑھا تھا۔ مرتد ہو گئے۔ یعنی اتنی بڑی سازشیں کہ صحابہ بھی گھبر اگئے تھے لیکن چونکہ اللہ کا وعدہ تھا کہ غالب اسی گروہ نے رہنا ہے۔ تو وہ جگہ یمامہ ہو، وہ منکرین زکوٰۃ کے خلاف جنگ ہو، اللہ تعالی نے غلبہ حضرت ابو بکر صدیق کو عطا کیا۔ اس گروپ کو عطا کیا۔ حضرت عمر فاروق کا دور آیا۔ اب بڑی دونوں سلطنتیں، اس دور کی سپر طاقتیں ایران بھی اور روم بھی۔ بڑے مقابلے ہیں۔ بڑی مخالفت ہے لیکن اللہ کا حکم غالب آیا۔ سر کار عثمان غنی کے دور میں بھی یہی صورتحال رہی۔ مولا علی کے خلاف تو ویسے ہی سازشیں بہت زیادہ ہوئیں اور پھر نہروان میں آخری معرکہ جو خارجیوں کے خلاف ہوا تو بالآخر غلبہ مولا علی کے گروہ کو رہا۔ چونکہ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ آگے اگر اس کو میں جب بیان کرتا ہوں تاریخ میں کہ وہ تو افواج کی صورت میں تھیں، یہ ساری مثالیں۔ میرے خواجہ معین الدین چشتی تن تنہا آئے ہیں اور پر تھوی راج بر صغیر کا بڑا بادشاہ ہے لیکن غالب اللہ کا گروہ رہا ہے۔ بابا فرید کے خلاف ملتان کے گورنر نے بغاوت کی۔ ساری حکومتیں ان کے خلاف لیکن اللہ کا حکم ہے کہ غالب اللہ کا گروہ رہے گا۔ حضور داتا علی ہجویری تن تنہا تھے۔ لاہور کے سارے لوگ ان کے خلاف لیکن غالب اللہ کے گروہ نے رہنا ہے۔ اب یہ قرآن نے جب بات بیان کر دی۔ اب سوال ہمارے لیے ہے کہ اگر آج ہم غالب نہیں ہیں تو پھر اپنے ایمان پہ غور کر۔ چونکہ اللہ نے گارنٹی دی ہے ایمان والوں کی کہ تم ہی غالب رہو گے لیکن شرط یہ ہے کہ مومن بن کر رہو۔ اللہ کا گروہ ہی غالب رہے گا۔

---

[1] سورة آل عمران:139

اگر ہم غالب نہیں ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ ہمارا دوست نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی ہمارے لیے نہیں ہے۔ ایمان والے، اللہ کے ولی ہمارے دوست نہیں ہیں۔ پچھلی آیتوں میں کیا حکم دیا گیا تھا؟ پچھلی آیات میں یہی حکم دیا گیا تھا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ[1] جہاں سے یہ بات شروع ہوئی تھی کہ اے ایمان والو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یہ آپس میں تو ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ لیکن تمہارے خلاف یہ سارے اکٹھے ہیں۔ آج بھی آپ دیکھیں گے، وہ ہندو ہوں، عیسائی ہوں، یہودی ہوں۔ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملہ ہی بڑیا ارشاد فرما دیا تھا اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ۔ ساری دنیا کا کفر جو ہے وہ ایک ملت ہے۔ وہ سارے اکٹھے ہیں۔ جب تمہاری باری آئے گی تو وہ اکٹھے ہو جائیں گے۔ اس کا تھوڑا سا بیک گراؤنڈ دیکھ لیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک آ کے یہودیوں سے ایک معاہدہ کر لیا تھا کہ ہم دونوں مسلمان اور یہودی ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ میثاق مدینہ بڑی مشہور دستاویز ہے۔ یہودی مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑیں گے۔ مسلمان یہودیوں کے خلاف نہیں لڑیں گے۔ اگر باہر سے کوئی ان پہ حملہ آور ہو گا تو اس کی بھی مدد نہیں کریں گے۔ اگر یہودیوں پہ حملہ ہو گا تو مسلمان ان کے ساتھ مل کے مقابلہ کریں گے۔ مسلمانوں پہ ہو گا تو یہودی ان کا ساتھ دیں گے۔ یعنی باہر سے جو حملہ ہو گا اس میں ہم دونوں کسی کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ اکٹھے ہو کے اس کے خلاف لڑیں گے۔ لیکن یہودیوں نے کیا کیا؟ انہوں نے مشرکین مکہ کو خط لکھ کے بلا لیا اور مسلمانوں کے خلاف سازش شروع کر دی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ اس قلعے میں، جہاں وہ بیٹھ کے مذاکرات کر رہے تھے، وہاں بھیج دیا۔ اب منافقین جو تھے، یہ عبد اللہ بن ابی وغیرہ، ان کا جو گروپ تھا، یہ اوپر سے تو کلمہ پڑھتے تھے، مسلمان تھے، نمازیں بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے۔ نبی پاک جب مسجد میں تشریف لاتے تو عبد اللہ بن ابی کھڑا ہو کے لوگوں سے کہتا ہے کہ اے لوگو! یہ اللہ کے سچے رسول ہیں، ان کا حکم مانو، ان کی اتباع کرو۔ باتیں تو صحیح کرتا تھا ناں۔ لیکن اللہ نے کیا

---

[1] سورۃ المائدہ: 51

فرمایا؟ اللہ نے سورۃ منافقون کی پہلی آیت میں فرمایا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ-وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗؕ-وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَۚ[1]۔اللہ کو تو پتہ ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں لیکن یہ منافق جھوٹ بولتے ہیں۔ منافقین نے سوچا کہ اب یہودی اور مکے کے مشرک تو اکٹھے ہو گئے ہیں اگر خدانخواستہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو پھر ہم کیا کریں گے؟ پھر یہودیوں کا غلبہ ہو جانا ہے اور وہ پھر ہمیں ماریں گے۔ اس لیے انہوں نے اُدھر بھی اپنے تعلق رکھے تھے اِدھر بھی رکھے تھے۔ قران پاک نے ان کا پھر یہ نقشہ کھینچا۔ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّاۚ[2] جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان والے ہیں۔ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَیٰطِیْنِهِمْۙ-قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْۙ جب وہ تنہائی میں شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ہم تو مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آج کل بھی ہمارے اندر یہ عادت ہے ناں۔ ایک بندے پاس بیٹھے تو اسے کہا کہ تیرے ساتھ ہیں اور دوسرے پاس بیٹھے تو اسے کہا کہ تیرے ساتھ ہیں۔ اب اللہ فرماتا ہے کہ جو اس قسم کی حرکت کرتے ہیں اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ[3]۔ پھر اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ وہ تو سمجھتے ہیں ناں کہ ہم نے لوگوں کو بے وقوف بنایا ہے۔ ہم نے سب کو راضی رکھا ہوا ہے۔ ایسے نہیں ہوتا۔ یہ تو نہیں ہے کہ میں ایمان والوں کے بھی ساتھ ہوں۔ یہ جو بات پیچھے میں نے کی ہے کہ اللہ کے گروہ کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ ایمان والے بھی ان کے دوست ہوتے ہیں۔ جب میں کسی پہ ظلم کرتا ہوں، کسی مسلمان پہ، کلمہ گو پہ تو کیا اس وقت میں اس کا دوست ہوتا ہوں؟ جب کسی کی غیبت کرتا ہوں، کسی کی برائی بیان کرتا ہوں تو میں اس کا دوست ہوتا ہوں؟ جب کسی کو ملاوٹ والی چیز بھیجتا ہوں تو میں اس کا دوست ہوتا ہوں؟ کسی کے پلاٹ پہ قبضہ کرتا ہوں تو میں اس کا دوست ہوتا ہوں؟

---

[1] سورۃ المنافقون:1

[2] سورۃ البقرۃ:14

[3] سورۃ البقرۃ:15

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کیس آگیا۔ ایک بندے نے مکان فروخت کیا۔ دوسرے نے خریدا۔ کچھ وقت گزر گیا تو جس نے خریدا تھا وہ ایک دن اپنے صحن میں کوئی کھدائی کر رہا تھا کسی ضرورت کی وجہ سے۔ نیچے سے خزانہ نکل آیا۔ اب اس نے جس سے مکان خریدا ہے اس کے پاس گیا۔ اس نے کہا بھائی میں نے مکان خریدا تھا۔ یہ خزانہ تو نہیں خریدا تھا۔ یہ تمہارا ہے۔ اس نے کہا نہیں، نہیں۔ میں نے مکان بیچ دیا۔ یہ خزانہ میرا نہیں ہے۔ اب یہ بھی تیرا ہی ہے۔ یہ تھے مسلمان۔ یہ تھے ایمان والے۔ یہ تھے اللہ اور اس کے رسول کا گروہ۔ اب اس بات پہ جھگڑا ہو رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ خزانہ تیرا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں تیرا ہے۔ یہ تھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر۔ میں تو یقین جانیے، وہ بات شاید رمضان شریف میں بھی میں نے آپ سے کہی تھی کہ عصر کا وقت ہوتا تھا تو جتنے بھی دکاندار مدینہ شریف کے ہوتے، وہ سارے نماز کے بعد اکٹھے بیٹھتے۔ آپس میں مشورہ کرتے کہ یار میرا ابھی گزارا ہو گیا، دیہاڑی لگ گئی ہے۔ سارے آپس میں مشورہ کرتے۔ پھر کہتے ہیں یار فلاں جو ہمارا دکاندار بھائی ہے اس کے پاس آج گاہک کم آئے ہیں۔ باقی سارے اپنی دکانیں بند کر لیتے کہ اس کی بھی دیہاڑی لگ جائے۔ یہ ہیں اللہ والے۔ ایمان والے۔ اور اگر سارا دن نظر رکھنی ہے مجھے چھوڑ کے تُو فلاں دکاندار کے پاس چلا گیا تھا؟ دکانداروں کو تو چھوڑو، میں نے مولویوں کو یہ کھالوں سے، چندے پہ لڑتے دیکھا ہے۔ اوئے تُو میرے مدرسے چندہ کیوں نہیں دِتا۔ بھائی دوسرے مدرسے قرآن نہیں پڑھایا جاندا؟ میں ایک فرقے کی بات کر رہا ہوں۔ ایک ہی فرقے والے ہوتے ہیں اور آپس میں چندے پہ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ قربانی کی کھال ایک کہتا مجھے دے دو دوسرا کہا مجھے دے دو۔ لیکن ایمان والے کہتے ہیں کہ نہیں میری خیر ہے، میرے دوسرے بھائی کو دے دو۔ یہ ہے اللہ کا گروہ جو غالب رہتا ہے۔ یہ چھینا جھپٹی والے غالب نہیں رہتے۔ سرکار عمر فاروق سامنے کیس آگیا۔ وہ دونوں خزانہ لینے سے انکاری تھے۔ مکان جس نے خریدا تھا وہ کہہ رہا تھا جی میں نے مکان خریدا ہے۔ میں نے خزانہ نہیں خریدا۔ وہ کہہ رہا تھا جی میں نے بیچ دیا مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔ اس کے مقدر کو نکل آیا ہے تو اس کا ہے۔ تو سرکار عمر فاروق کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ وہی لوگ ہیں نا جو ڈکیتیاں کیا کرتے تھے۔ لوگوں کے مال چھینا کرتے تھے۔ یہ رہزن تھے۔ یہ

ڈاکو تھے۔ یہ ہے محمد رسول اللہ کی دوستی کا اثر۔ سرکار عمر فاروق نے بھی فیصلہ بڑا عجیب کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا یار تم دونوں ہی انکار کرتے ہو تو پھر میرا فیصلہ یہ ہے کہ یہ خزانہ آدھا آدھا دونوں میں تقسیم کر دو۔

تو اس لیے یہ اللہ تعالی نے یہ نشانیاں بیان فرمادی ہیں کہ جب تک وہ گروہ جو اللہ سے محبت کرتا ہے پھر اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے وہ نماز کو قائم کرنے والے اور زکوۃ دینے والے، اللہ کی راہ میں مال کو اصل میں خرچ کرنے والے ہیں۔ اللہ بھی پھر ان کا دوست ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے دوست ہیں اور ایمان والے یعنی مولا علی سرکار اور اللہ کے سارے ولی بھی ان کے دوست ہوتے ہیں۔ پھر ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ کا گروہ غالب آنے والا ہے۔ وہ مغلوب ہونے والا نہیں ہے۔ تو اس بات پہ آج ہم نے تھوڑا سا غور کرنا تھا۔

اللہ تعالی عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

اللہ کے حلال کو حرام نہ کرو

قرآن: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْاؕ-اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ(87) وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا۪-وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ(88)

سورة المائده

ترجمہ:- اے ایمان والو حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔ اور کھاؤ جو کچھ تمہیں اللہ نے روزی دی حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ سے جس پر تمہیں ایمان ہے۔

خاکہ:-

1۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ 2۔ اللہ کی شریعت بدلنے والا مرتد ہو جاتا ہے۔

3۔ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو خود اپنے لیے حرام نہ کرو۔

4۔ تین لوگ جنہوں نے اپنے اوپر پابندیاں لگانے کا فیصلہ کیا

5۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا واقعہ 6۔ حضرت عثمان بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

7۔ اللہ خود بھی جمیل ہے اور خوبصورتی پسند کرتا ہے۔

8۔ اپنے اوپر چیزیں حرام کرنے کے تین درجے

9۔ قسم توڑنے پہ کفارہ ہے یا نہیں؟ 10۔ ایک صحابیہ کا نفل پڑھنے کا واقعہ

11۔ فضول نذریں ماننے کی ممانعت 12۔ نفلی روزہ اور اللہ کا شکر کرنا

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگوں، دوستوں عزیز بھائیو! اسلام علیکم

آج جو دو آیات تلاوت کی ہیں، اس میں ایک بنیادی حکم ایمان والوں کو دیا گیا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ جو چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں، پاک چیزیں جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں، ان کو اپنے اوپر حرام نہ کر لیا کرو۔ وَ لَا تَعْتَدُوْا اور حد سے نہ بڑھو۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ کئی دفعہ یہ بات میں نے آپ سے کی ہے کہ ہمارے سارے نیک اعمال اس لیے ہیں کہ ہم اللہ کو پسند آ جائیں۔ اللہ کی رضا ہمیں حاصل ہو جائے۔ اللہ کی محبت ہمیں مل جائے۔ تو جب اللہ ہی فرما دے کہ یہ کام جو کرنے والا ہے اس کو اللہ پسند ہی نہیں کرتا تو پھر اعمال کا فائدہ کوئی نہیں ہوتا۔ اعمال تو اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ عجز و انکساری، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کہ ہم اللہ کو پسند آ جائیں۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ حد کراس کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو پسند کرتا ہے جو حدوں میں رہتے ہیں۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو اللہ حلال کرے اور مخاطب یہاں یہ نہیں کہا کہ اے انسانوں۔ یہاں انسانوں کا مخاطب نہیں کیا گیا۔ یہ نہیں کہا گیا اے بنی اسرائیل، اے بنی آدم۔ یہ قرآن کریم کے مختلف انداز ہیں ناں پکارنے کے۔ یہاں فرمایا ہے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ایمان والوں کو مخاطب کیا ہے کہ تم نے یہ حرکت نہیں کرنی کہ جو چیز اللہ حلال کر دے تم اس کو اپنے اوپر حرام کر لو۔ اگر آپ کو یاد ہو تو رمضان المبارک میں ہم نے ایک چیز سیکھی تھی۔ یہ اصل میں اسی کا تسلسل ہے کہ روزے کا مقصد ہے تقویٰ حاصل کرنا اور کم از کم تقویٰ میں نے آپ کو عرض کیا تھا کہ کم از کم تقویٰ کیونکہ یہ قرآن کریم نے خود ہی ارشاد فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف جو متقی لوگ ہیں ان کے اعمال قبول کرتا ہے۔ تقویٰ اس لیے ضروری ہے کہ عمل اس کا قبول ہونا ہے جو متقی ہے۔ تقویٰ کے بغیر عمل قبول نہیں ہوتا۔ تو کم از کم تقوی میں نے آپ کو عرض کیا تھا کہ اللہ کے حلال کو حلال سمجھنا اور اللہ کے حرام کو حرام سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کے جو واجبات ہیں میرے اوپر ان پہ عمل کرنا۔ یہ کم از کم تقوی ہے۔ تو اگر وہ چیز آپ کے ذہن میں ہو گی تو یہ اس آیت کو سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے حلال کر دی ہیں ان کو تم نے اپنے اوپر حرام نہیں کرنا۔ وَ لَا تَعْتَدُوْا اور حد سے نہ بڑھو۔ اس کا مطلب ہے کہ جو ان کو حرام کرتا ہے وہ حد سے بڑھ رہا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا

یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے محبت نہیں کرتا۔ ان سے پیار نہیں کرتا۔

اب یہ چونکہ اس وقت تو صحابہ کرام ہیں۔ جب یہ آیت پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہو رہی ہے۔ اس ماحول کو اگر تھوڑا سا آپ دیکھیں تو یہ زیادہ تر عیسائیوں کے جو علماء اور راہب تھے، ان کے اندر یہ چیز پائی جاتی تھی کہ عیسائیوں کے علماء اور ان کے راہب مشائخ جو تھے وہ بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے کہ میں فلاں چیز نہیں کھاؤں گا۔ فلاں نہیں پیوں گا۔ میں نکاح نہیں کروں گا۔ کچھ نے اپنے آپ کو گرجے کے اندر بند کر لینا۔ کچھ نے اپنے آپ کو سفر میں لگائے رکھنا۔ تو اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا۔ یہ ماحول ہے اس دور کا اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ جو بندہ اپنے اوپر ایسی پابندیاں لگاتا ہے یہ بڑا نیک آدمی ہے۔ تو وہ ماحول ذہن میں ہو، جس ماحول میں یہ آیت نازل ہو رہی ہے۔ اب چونکہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات تھی کہ جو بندہ اپنے اوپر حلال چیزوں کی بھی پابندی لگالے وہ اللہ کا بڑا مقرب ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ایمان والو! تم نے یہ حرکت نہیں کرنی کہ جس چیز کو اللہ حلال کرے تم اپنے اوپر حرام کر لو؟ اس کا سادہ سا مطلب پتہ ہے کیا ہوتا ہے آپ اس کو ایسے ہی ہلکا نہ لیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کو اللہ حلال کرے اور میں اپنے اوپر اس کو حرام کر دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اللہ کی شریعت بدل رہا ہوں۔ یہ اتنا بڑا جرم ہوتا ہے اور اگر آپ کو یاد ہو تو میں نے اس وقت بھی یہ بات کہی تھی کہ پھر وہ بندہ جو اللہ کی شریعت کو بدلتا ہے وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اس کے درجے آگے چل کے ہم انشاء اللہ بیان کریں گے کہ وہ کون سا درجہ ہے جس میں پھر کوئی چیز آپ اپنے اوپر حرام کریں تو وہ انسان مرتد ہو جاتا ہے۔ کافر ہو جاتا ہے۔ دائرہ اسلام سے فارغ ہو جاتا ہے۔

امام بخاری ایک روایت لے کے آئے ہیں۔ تھوڑا سا اگر آپ اس کو سمجھ سکیں کہ یہ چیز چونکہ وہ ماحول ایسا تھا تو یہ چیزیں صحابہ کرام کے اندر بھی آنی شروع ہو گئی تھیں۔ جیسے ہمارے ہاں بہت سی ہندوؤں کی رسمیں ہیں جن کو ہم خوشی اور غمی میں استعمال کرتے ہیں اور سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ تو جس ماحول میں

انسان رہتا ہے اس کا اثر تو ہوتا ہے۔ تین لوگ امہات المومنین کے حجروں میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کیا ہیں۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کیسے گزرتے ہیں؟ مصنف عبد الرزاق جو امام بخاری کے استاذ ہیں، وہ بھی اس روایت کو لے کے آئے۔ تو ان کو جب بتایا گیا ان کو ایسے محسوس ہوا کہ جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی عبادت کرتے ہیں۔ ان تینوں میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ رات کو عبادت کیا کروں گا۔ ساری رات عبادت کیا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں نکاح نہیں کروں گا اور پھر آپس میں وہ یہ گفتگو کرنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم؟ اب جب اس بات کا پتہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو چلا تو آپ نے فرمایا۔ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ تم میں سب سے زیادہ متقی ہوں۔ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور اللہ کی نعمتیں کھاتا پیتا بھی ہوں۔ میں بھی نکاح بھی کرتا ہوں، اپنی بیویوں کو بھی وقت دیتا ہوں۔ یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ ہم ساری رات عبادت کریں گے؟ ہم سارا دن روزہ رکھیں گے؟ ہم نکاح نہیں کریں گے؟ یہ ساری چیزیں کیا ہیں؟ حلال ہیں ناں۔ یعنی حلال چیزوں کی پابندی اپنے اوپر لگانا یہ اس حوالے سے میں بات کر رہا ہوں۔

دوسرا جب مواخات مدینہ ہوئی۔ یہ دو دفعہ ہوئی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنایا۔ جو مکے سے ہجرت کر کے آئے تھے اور یہ جو مدینہ شریف کے انصار تھے۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کو ان کا بھائی بھائی بنایا۔ اس میں ایک جوڑی جو ہے وہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو دردہ رضی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ان دونوں کو بھی بھائی بھائی بنایا۔ حضرت سلمان جب ابو دردہ کے گھر گئے تو ان کی حالت کچھ ایسے ہی تھے۔ کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ میلے کچیلے تھے اور حالت بھی بڑی ابتر تھی۔ ان کی بیوی نے کہا کہ آپ کا بھائی جو ہے ناں، ابو دردہ۔ اس کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ بہر حال جب حضرت ابو دردہ تشریف لائے تو ان کی بیوی نے کھانا بنایا ان کے لیے۔ حضرت سلمان جب کھانا کھانے لگے تو آپ نے ابو دردہ سے کہا کہ تم بھی کھالو۔ انہوں نے کہا نہیں، نہیں۔ میں تو روزے سے ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جب تک تو نہیں کھائے گا میں تو اس وقت

تک کھانا نہیں کھاؤں گا۔ چلو افطاری کا وقت ہوا۔ انہوں نے بھی کھانا کھایا۔ اس روایت میں جب میں پڑھتا ہوں تو پھر مجھے یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاشرے میں ایک مہمان کا جو احترام ہے وہ کس قدر بتایا ہو گا۔ یعنی ابو دردہ کی خواہش نہیں ہے کھانا کھانے کے لیے لیکن اگر مہمان نے کہا تو انہوں نے کھا لیا۔ اب جب رات کو عشاء کے بعد سونے لگے تو ابو دردہ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ نوافل پڑھنے کے لیے۔ حضرت سلمان نے فرمایا سو جا۔ میری نیند نہ خراب کر۔ وہ سو گئے۔ جب انہوں نے سمجھا کہ شاید سلمان سو گیا ہے تو وہ پھر اٹھے نماز پڑھنے کے لیے۔ حضرت سلمان نے پھر منع کیا۔ آپ نے فرمایا سو جا۔ یہ کتنا مشکل وقت ہے کہ وہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں اور مہمان کہہ رہا ہے کہ نہیں سو جا۔ پھر حضرت سلمان نے فرمایا کہ جب رات کا تیسرا پہر ہو گا تو پھر دونوں اکٹھے اٹھ کے تہجد پڑھیں گے۔ حضرت ابو دردہ سو گئے لیکن دل میں تو یہ تھا کہ میں نے تو ساری رات نفل پڑھنے تھے۔ اس بندے نے آج مجھے نفل ہی نہیں پڑھنے دیے۔ تیسرے پہر اُٹھے۔ تہجد بڑھی تو حضرت سلمان نے فرمایا! ابو دردہ تیرے رب کا تیرے اوپر حق ہے اور تیرے نفس کا، تیرے جسم کا بھی تیرے اوپر حق ہے اور یہ جو تیری بیوی ہے اس کا بھی تیرے اوپر حق ہے۔ اب یہ بات جو تھی فجر کی نماز کے بعد ابو دردہ اصل میں شکایت لے کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے کہ یہ سلمان نے میرے ساتھ آج یہ کیا ہے۔ ان کا تو مطلب یہ تھا کہ میں کہوں گا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ میں تو ساری رات نفل پڑھنا چاہتا تھا تو اس نے مجھے پڑھنے نہیں دیے۔ کھانا بھی مجھے سختی سے کھلا دیا ہے۔ تو وہ سارا واقعہ رات والا جب پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو میری سرکار نے فرمایا ابو دردہ! سلمان نے سچ کہا۔ یعنی یہ وہ ماحول بھی آپ کے ذہن میں رہے کہ کس ماحول میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ چونکہ اس وقت یہی تھا کہ جیسے عیسائیوں کے راہب اپنے اوپر یہ پابندیاں لگاتے ہیں اور وہ اللہ کے بڑے مقرب ہو جاتے ہیں۔ شاید اسی طریقے سے اللہ کا قرب مل جائے۔

تیسری وہ جو روایت کہ امہات المومنین کے پاس چند لوگ آئے۔ ایک نے کہا کہ میں ساری زندگی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ ایک نے کہا میں بستر پہ نہیں سوؤں گا۔ میں نکاح نہیں کروں گا۔ اس وقت بھی پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حرکتیں نہیں کرنی کہ جو چیزیں اللہ حلال کر دے تم اپنے اوپر ان کو کیسے حرام کر

سکتے ہو؟ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے پاس ایک عورت بیٹھی تھی۔ خویلہ ان کا نام تھا۔ ان کی بھی حالت بڑی ابتر تھی۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گھر داخل ہوئے تو سرکار نے پوچھا کہ یہ خویلہ کی حالت اتنی ابتر کیوں ہے؟ اتنی بری حالت اس کی۔ تو عربوں کی ظاہر ہے پھر فصاحت و بلاغت تو ہے۔ اماں عائشہ صدیقہ نے دو جملوں میں کمال کی وہ بات بیان کی۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کا خاوند ساری رات نفل پڑے اور سارا دن روزہ رکھے وہ عورت تو پھر ایسے ہی ہوتی ہے جیسے اس کا کوئی خاوند ہے ہی نہیں۔ وہ بیوی تو پھر خاوند کے بغیر ہی ہے ناں۔ اس کی تو پھر یہی حالت ہونی ہے۔ صرف یہ دو جملے کہے۔ ان کے خاوند تھے عثمان بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کو بلایا اور یہ جملے اتنے سخت ہیں۔ سرکار نے فرمایا عثمان! کیا تم میرے طریقے، میری سنت سے اعراض کرتے ہو؟ چھوڑتے ہو نبی کی سنت کو؟ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو آپ کی سنت طلب کرتا ہوں۔ چاہتا ہوں۔ میں میری تو خواہش یہ ہے کہ میں آپ کی سنت پہ عمل کروں۔ تو پھر پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی باتیں تین جو ہیں وہ دہرائیں کہ تیرے رب کا بھی تیرے اوپر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تیرے اوپر حق ہے، تیرے نفس کا، تیرے جسم کا بھی تیرے اوپر حق ہے۔ اپنی بیوی کا حق ادا کر۔ یہ کوئی عبادت نہیں ہے کہ تم یہ سارے کام کاج چھوڑ کے کہو کہ ہم اللہ کو راضی کر لیں۔ مسند ابو یعلم اس روایت کو اس طریقے سے بیان کیا گیا ہے کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن عثمان بن حنظلہ کو راستے میں ملے اور آپ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ کیا میری سیرت میں تیرے لیے کوئی نمونہ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا میرے ماں باپ آپ پہ قربان۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے کا مفہوم کیا ہے؟ سرکار نے فرمایا کہ تم اپنے گھر والوں کے حق ادا نہیں کرتے؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار کے اس حکم کے بعد آپ کی بیوی حضرت خویلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب امہات المومنین کو ملنے کے لیے آئیں۔ وہ خویلہ جس کی حالت اتنی ابتر تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ اب وہ ایسے لگ رہی تھی کہ جیسے دلہن ہوتی ہے۔ تو امہات المومنین نے پوچھا کہ اب تیری یہ حالت کیسے ہو گئی؟ اس نے کہا اب میں خاوند والی ہو گئی ہوں۔ اب میرا بھی خاوند ہے۔

تو اس ماحول کو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عیسائیت، نصرانیت اور یہودیت سے ایسے نکالا تھا اور فرمایا لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ اسلام کے اندر رہبانیت نہیں ہے کہ تم سب کو چھوڑ چھاڑ کے کہو کہ میں دنیا کے بکھیڑوں سے نکل جاؤں اور میں علیحدہ ہو کے اللہ اللہ کروں ور حلال چیزیں بھی چھوڑ دوں؟ آگے چونکہ وہ حرام کا ذکر آنے والا ہے ناں تو پہلے حلال چیزوں کا ذکر ہے۔ یعنی اس کے حلال کو حلال سمجھنا حرام کو حرام سمجھنا ہے۔ لیکن اس موقع پہ جو آیت نازل ہوئی، وہ آیت ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَ جَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ[1]۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو فرماؤ جو زینت، جو خوبصورتی، اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے، کس نے حرام کر دیا ہے ان کے اوپر کہ یہ زینت اختیار نہ کریں؟ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ فرمایئے کس نے اِس زینت کو حرام کیا ہے؟ کیوں جی اپنے بدبو والے لباس میں رہتے ہیں؟ پھٹے پرانے لباس میں رہتے ہیں؟ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ[2] اللہ خود بھی جمیل ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ یہ اللہ نے بندوں کے لیے زینت پیدا کی ہے۔ بات تو صرف اتنی سی تھی کہ اس پہ تکبر نہیں کرنا۔ فخر نہیں کرنا۔ اکڑ کر نہیں چلنا۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَ جَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے زینت بنائی ہے اور وہ جو پاکیزہ رزق اللہ نے اپنے بندوں کے لیے بنایا ہے، انہوں نے اپنے اوپر حرام کیوں کر لیا؟ یہ کون ہوتے ہیں اپنے اوپر وہ چیز حرام کریں جو اللہ نے حلال کر دی؟

اب اس کے درجے جو ہیں وہ تین ہیں۔ ایک ہوتا ہے اعتقاد۔ عقیدے میں کوئی چیز بندہ لے آئے اور کہے یہ جو پانی ہے، حلال پانی جو ہے میں اس کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔ عقیدے میں لے آئے۔ اگر عقیدے میں وہ چیز آجاتی ہے کہ اللہ نے حلال کی ہو وہ اور وہ یہ عقیدہ رکھے کہ حرام ہے تو وہ بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کی شریعت کو بدلتا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہیں گے کہ عقیدے سے تو وہ اس کو حرام نہیں سمجھتا لیکن زبان سے کہہ دیتے ہیں

---

[1] سورۃ الاعراف:32

[2] صحیح مسلم / کتاب الإیمان / حدیث:265

کہ میں ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا۔ اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ عقیدے میں نہیں ہے، قول میں ہے۔ اس سے بندہ کافر نہیں ہوتا۔ گنہگار ہوتا ہے۔ میں فلاں چیز نہیں کھاؤں گا میں فلاں چیز اپنے اوپر حرام کر لیتا ہوں۔ تیسرا درجہ حرام کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ نہ عقیدے میں اس کو حرام سمجھتا ہے۔ نہ زبان سے اس کو حرام کہتا ہے۔ لیکن اپنے عمل سے کچھ چیزیں چھوڑ دیتا ہے۔ اگر اس نے اپنے عمل سے وہ چیزیں چھوڑی اور نیت یہ رکھی کہ مجھے اس کا ثواب ملے گا تو وہ بندہ بدعتی ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کو پسند نہیں ہے کہ اللہ حلال کرے کسی چیز کو اور اپنے عمل سے سمجھے کہ میں اس کو چھوڑ کے ثواب حاصل کروں۔ اگر عقیدہ سے کوئی بندہ حلال کو حرام کر دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ اس نے اللہ کی شریعت بدلی ہے۔ زبان سے کیا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ توبہ کرے۔ اللہ سے معافی مانگے۔ ایک چیز صرف باقی رہ جاتی ہے کہ کوئی حکیم کوئی طبیب آپ کا معالج آپ سے کہتا ہے کہ یہ چیز آپ کی صحت کے لیے اچھی نہیں ہے۔ اس سے پرہیز کریں۔ تو وہ پرہیز کے لیے جب آپ کسی چیز کو چھوڑتے ہیں تو اس میں آپ گنہگار نہیں ہوتے۔ حلال چیز کو بھی چھوڑتے ہیں تو اس میں آپ گنہگار نہیں ہوتے۔ یا آپ کی روحانی کوئی منزل ہے، آپ کے شیخ کسی چیز کو کہتے ہیں کہ یہ چیز کو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دو یعنی پرہیز کے لیے۔ بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ جسم ہو یا روح ہو۔ جسمانی روحانی بیماریوں سے بچنے کے لیے اگر کوئی پرہیز کے طور پہ چیز چھوڑتا ہے تو وہ جائز ہے۔

اب جو بندہ قولاً، زبان سے کہتا ہے کہ میں ساری زندگی ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا۔ میں فلاں چیز نہیں کھاؤں گا۔ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے کہ اس سے قسم جو ہے وہ واجب ہو جائے گی اور پھر اس کو کفارہ دینا پڑے گا کہ نہیں دینا؟ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے لیکن ہم چونکہ احناف مذہب کے ماننے والے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ یہی ہے کہ اس پہ قسم واجب ہو جاتی ہے اور اس کو کفارہ دینا پڑتا ہے۔ جو زبان سے کہتا ہے نا کہ میں فلاں چیز اپنے اوپر حرام کرتا ہوں تو پھر وہ قسم اس میں لاگو ہو گئی ہے۔ اب اس قسم کا وہ کفارہ دے گا۔ قسم کا کفارہ اگلی آیات میں آرہا ہے۔ اس کو پھر ہم تفصیل سے دیکھیں گے۔ حلال چیزوں میں کچھ چیزیں ایسی ہیں، مثلاً ایک بندے کے پاس لونڈی ہے وہ کہتا ہے کہ یہ لونڈی میں نے اپنے اوپر حرام کر لی۔ اب جب اس نے حرام کر لی تو اس کو آزاد کرنا اس کے اوپر لازم آگیا۔ تو اس سے وہ قسم جو ہے وہ نہیں لگے گی۔ نہ اس کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اور یہ کام

لاگو ہو جائے گا۔ آپ کی بیوی آپ کے اوپر حلال ہے۔ اگر کوئی بندہ یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی اپنے اوپر حرام کر لی تو طلاق ہو جائے گی۔ وہ فارغ ہو جائے گا۔ یعنی حلال چیزوں میں کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ جب آپ اپنے اوپر حرام کرتے ہیں تو اس کے اثرات بہت برے ہوتے ہیں۔ دور تک جاتے ہیں۔

اس لیے بنیادی ایک بات بیان کرتی ہے کہ جو پاکیزہ اور حلال چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں، اے ایمان والو! تم کیوں اپنے اوپر ان کو حرام کرتے ہو؟ وَ لَا تَعْتَدُوْا- حد سے نہ بڑھو۔اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس حوالے سے جو سب سے بڑیا روایت بیان کی جاتی ہے۔ وہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت بیٹھی تھی۔ سرکار تشریف لائے صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ تو سرکار نے پوچھا کہ یہ کون عورت تیرے پاس بیٹھی تھی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فلاں عورت تھی۔ اس کی نماز کی بڑی شہرت ہے کہ یہ شب و روز نوافل بڑے پڑھتی ہے۔ سجدے بڑے کرتی ہے۔ اماں عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ سرکار نے فرمایا چھوڑو اس کو۔ جب میں نے کہا ناں کہ اس کی نماز بھی بڑی شہرت ہے کہ بڑے لمبے رات کو نفل پڑھتی ہے تو سرکار نے فرمایا عائشہ چھوڑو اس کو۔ اتنی عبادت کرو جو ہمیشہ کر سکو۔ جس میں استقامت ہو۔ دائمیت ہو۔ دو نفل پڑھ لو لیکن روزانہ پڑھو اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! اللہ تو نہیں اُکتاتا بندے سے۔ بندہ ہی اُکتا جاتا ہے۔ جب بھی اُکتانا ہے بندے نے ہی اُکتانا۔ چونکہ فرمایا کہ سرکار گھر تشریف لائے ناں تو دو ستونوں میں رسی بندھی ہوئی تھی۔ تو سرکار نے فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ ہم نے کہا کہ یہ زینب کی رسی ہے۔ وہ جب تھک جاتی ہیں ناں، تو اس رسی کے سہارے کھڑے ہو کے نوافل پڑھتی ہے۔ تو سرکار نے فرمایا کھول دو اس رسی کو۔ جب تھک جاؤ تو بیٹھ جایا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنا آسانی سے کر سکتے ہو کرو۔ کھڑے ہو سکتے ہو جتنی دیر، کھڑے ہو کے پڑھو۔ قرآن پاک ، نیند آنے لگے تو بند کر دو۔ یعنی سختی سے کوئی کام نہ کرو۔ تو فرمایا کہ اللہ نے تو نہیں تم سے اکتانا۔ تم ہی اکتا جاتے ہو۔ اور اصل کام وہی ہے جو تم ہمیشہ کرتے ہو۔ تھوڑا کر لو لیکن روزانہ کرو۔ استقامت کے ساتھ کرو۔ بہترین طریقے سے کرو۔

اس دور میں جتنے صحابہ نے ایسی نذریں مانی ہوئی تھیں، سرکار نے ان کی نذریں چھڑوا دیں۔ ایک شخص کو دوست کے دونوں بیٹے بازوں سے پکڑ کے لے جا رہے تھے۔ سرکار نے فرمایا یہ ایسے کیوں کر رہے ہیں؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے نذر مانی تھی کہ میں پیدل حج کروں گا۔ اب یہ بوڑھا ہے۔ چل نہیں سکتا۔ اس لیے نذر پوری کر رہا۔ آپ نے فرمایا اس کو سواری پہ بٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ان طریقوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں دھوپ میں کھڑا رہوں گا۔ سرکار خطبہ دے رہے تھے۔ سرکار نے فرمایا یہ کیوں دھوپ میں کھڑا ہے؟ سرکار اس نے کہ یہ نذر مان لی ہے کہ میں دھوپ میں کھڑا ہوں گا۔ میں سائے میں کھڑا نہیں ہوں گا۔ میں بیٹھوں گا نہیں۔ میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔ روزہ میں افطار نہیں کروں گا۔ سرکار اس کو بلایا قریب۔ آپ نے فرمایا سائے میں بیٹھو۔ روزہ افطار کرو۔ اللہ کی دی ہوئی چیزیں کھاؤ۔ تمہیں نہیں پتا کہ میں سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں۔ میں اپنی بیویوں کے بھی حقوق ادا کرتا ہوں۔ میں روزہ بھی رکھتا ہوں۔ میں کھاتا پیتا بھی ہوں۔ کیا میری سیرت میں تمہارے لیے کوئی نمونہ نہیں ہے؟

تو یہ آج کل بھی ہمارے ہاں یہ بڑی باتیں چلتی ہیں۔ فلاں نے ایسا کر دیا۔ فلاں نے ایسا کر دیا۔ تو اللہ تعالی نے اس بات سے منع فرمایا ہے اور یہاں پہ میں پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جملہ اگر آپ کو سناؤں۔ ایک بندہ نفلی روزہ رکھتا ہے۔ نفلی روزہ رکھتا ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرا بندہ جس نے روزہ نہیں رکھا۔ وہ اللہ کی نعمتیں کھاتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نفلی روزہ رکھنے والے سے وہ شکر گزار بہتر ہے کہ جو اللہ کی حلال نعمتیں کھاتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے۔ اس کو اللہ نے فرمایا ہے کہ کبھی بھی اللہ کی شریعت کو توڑنے کی کوشش نہیں کرنی۔ جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں ان کو کبھی بھی اپنے اوپر حرام نہیں کرنا۔ وہ چاروں چیزیں میں نے بتا دی ہیں۔ قولاً وہ گنہگار ہو جاتا ہے۔ عملاً بھی اس کے اوپر پرہیز کرنا چاہیے۔ سوائے اگر کوئی طبیب حکیم اس کو کہتا ہے کہ یہ تیرے جسم کے لیے، تیری روح کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ تو اس وقت آپ حلال چیزوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کی توفیق دے۔ آمین

قسم کی اقسام (حصہ اول)

قرآن: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ-فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ-فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ-ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ-وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ-كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(89)

ترجمہ:- اللہ تمہیں تمہاری فضول قسموں پر نہیں پکڑے گا البتہ ان قسموں پر گرفت فرمائے گا جنہیں تم مضبوط کر لو تو ایسی قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو اس طرح کا درمیانے درجے کا کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا اُن دس کو کپڑے دینا ہے یا ایک مملوک (غلام یا لونڈی) آزاد کرنا ہے تو جو نہ پائے تو تین دن کے روزے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

خاکہ:-

1۔ گزشتہ جمعہ کا خلاصہ 2۔ آیت کا ترجمہ

3۔ آیت کا سبب نزول 4۔ یمین لغو کیا ہے؟

5۔ یمین غموس 6۔ یمین منعقدہ اور لفظ کافر کا معنیٰ

7۔ مخلوق نے صرف اللہ کی قسم صرف اٹھانی ہے۔

8۔ اللہ کسی بھی چیز کی قسم اٹھالیتا ہے۔

9۔ نبی کی عزت 10۔ اللہ کی قسم میں وسیلہ

11۔ مستقبل کی قسم

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگوں، دوستوں عزیز بھائیو! اسلام علیکم

گزشتہ جمعہ ہماری گفتگو کا اختتام ہوا تھا کہ اگر کوئی بندہ اپنے اوپر کسی حلال چیز کو حرام کر لیتا ہے تو وہ اس کا عمل قسم میں داخل ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ چونکہ اللہ کا حکم یہ تھایٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ۔ اے ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں، ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ تو اس کو ہم نے تفصیلاً دیکھ لیا تھا کہ اگر وہ عقیدے کے لحاظ سے کسی حلال کو حرام کر دیتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے قول سے کرتا ہے، اس کی نیت اور ارادہ اس میں شامل نہیں ہوتا تو پھر وہ گنہگار ٹھہرتا ہے۔ کافر اور مرتد نہیں ہوتا اور اگر وہ یہ کام اپنے صرف عمل سے کرتا ہے، قول اور نیت شامل نہیں ہوتی تو پھر صرف اس کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ ایسا نہ کرے۔ اگلی آیت میں، وہ چونکہ مسئلہ یہ تھا کہ اگر حلال کو اپنے اوپر اس نے حرام کر لیا ہے تو وہ چیز قسم میں اب داخل ہوتی ہے یا نہیں؟ اور آخر میں دو چیزیں میں نے بیان کی تھیں کہ اگر اس نے ارادہ سے کہہ دیا کہ میری بیوی آج کے بعد میرے اوپر حرام ہے۔ تو قول بھی اس کا آگیا اور اگر نیت اس کی ایک طلاق یا دو کی یا تین کی تھی تو اس سے اس کی بیوی اس پہ حرام ہو جائے گی۔ ان چیزوں سے بچنا چاہیے۔

آج اللہ تعالیٰ نے قسم کے متعلق اگلی آیت میں پھر اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے ذکر فرمایا۔ چونکہ یہ بھی ہمارا معاشرتی مسئلہ ہے۔ قسمیں ہم بڑی اٹھاتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہےلَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ۔ اللہ تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا۔ تمہیں نہیں پکڑے گابِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ جو فضول قسم کی قسمیں تم اٹھاتے ہو۔ اس پہ اللہ تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا۔ اس پہ تمہاری پکڑ نہیں کرے گا۔ لغو کا لفظ قرآن کریم بھی استعمال کرتا ہے؟ اگر آپ کسی چیز کو حد سے بڑھا دیں تو وہ بھی لغو ہے اور اگر اس کی حیثیت سے کم کریں تو یہ بھی لغو ہے۔ بے فائدہ قسم کی جو باتیں ہیں ان پہ اللہ تمہاری پکڑ نہیں کرے گا۔وَ لٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَۚ لیکن وہ ضرور پکڑے گا تمہیں جو قسمیں تم نے جان بوجھ کر عقد کی ہیں۔ باندھی ہیں۔ ان کا مواخذہ ضرور کرے گا۔ فَکَفَّارَتُہٗٓ پس اس کا کفارہ ہے اِطْعَامُ عَشَرَۃِ

مَسٰكِيْنَ 10 مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔مِنْ اَوْسَطِ درمیانے درجے کامَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ یہ ساری چیزیں قرآن کریم اس لیے کھول کے بیان کرتا ہے کہ یہ نہ ہو کہ جب تم نے اللہ کی راہ میں دینا ہو تو پھر ٹھیک ہے 10، 20، 40 روپے دے دیے۔ اس لیے اس کی تفصیل ساتھ بیان کی ہے کہ تم اپنے گھر میں کیسا کھاتے ہو؟ اپنے اہل و عیال کو کیا کھلانا پسند کرتے ہو؟ تو وہ کھانا جو ہے وہ آپ نے 10 مسکینوں کو کھلانا ہےاَوْ كِسْوَتُهُمْ یا پھر ان 10 مسکینوں کو لباس جو ہے وہ پہنا دو اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ یا پھر ایک غلام آزاد کر دو۔ یہ کفارہ، قسم کا بیان کیا جا رہا ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ اگر تم یہ نہ کر سکو۔ نہ 10 مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو۔ نہ ان کو کپڑے پہنا سکتے ہو۔ نہ غلام آزاد کر سکتے ہو تو پھر کیا کرو؟فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ- پھر تین روزے رکھو۔ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کااِذَا حَلَفْتُمْ-جب تم حلف اٹھالیتے ہووَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ- اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اب یہ آیت ظاہر آگے بھی چل رہی ہے لیکن آج ہم نے یہاں تک اس پہ گفتگو کرنی ہے۔

دو درجے اب اس میں آگئے ہیں۔ ایک وہ قسمیں ہیں جن کو اللہ نے لغو کہا ہے۔ فضول قسم کی باتیں۔ اس میں ہم نے پچھلے جمعہ ایک بات جو تھی وہ سیکھی تھی۔ اس کا سبب نزول بھی اس آیت کا وہی بیان کیا جاتا ہے کہ جب کچھ صحابہ نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا، رات کی نیند جو تھی وہ حرام کر لی پھر انہوں نے کہا کہ ہم نکاح نہیں کریں گے یعنی حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں تو اس آیت کا سبب نزول بھی یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ یہ حلال چیزیں تم نے اپنے اوپر حرام کی ہیں۔ ان قسموں کو توڑو اور ان کا کفارہ ادا کرو۔ ہاں یہ نہیں ہے کہ تم جیسے جی چاہے اپنے اوپر جو ہے پابندیاں جو ہیں وہ لگا دو اور اس میں ہم نے یہ بھی سیکھا تھا کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ میں سب سے زیادہ تم میں سے متقی ہوں۔ میں نماز بھی پڑھتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں۔ کھاتا پیتا بھی ہوں۔ میں بیویوں سے نکاح بھی کرتا ہوں تو کیا میری سیرت میں تمہارے لیے نمونہ نہیں ہے[1] کہ تم یہ باتیں کیوں کہتے ہیں کہ ہم ساری رات جاگیں

[1] مشکوۃ المصابیح / کتاب الایمان / حدیث:145

گے؟ ہم ہمیشہ روزہ رکھیں گے؟ تو یہ باتیں تم نے اپنے اوپر لازم کیوں کر لیں؟ اس کا سبب نزول اس آیت کا جو ہے وہ مفسرین کرام نے یہ بیان کیا ہے۔

اب اس کے دو حصے ہیں اس آیت کے۔ ایک قسم وہ ہے جو آپ ماضی یا حال پہ اٹھاتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں جو ہیں یہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک ہے یمین۔ یمین کا لفظ اب آپ نے یہ سیکھ لیا ہے کہ یہ یمین کا لفظ قرآن نے قسم کے لیے استعمال کیا ہے۔ یمینِ لغو۔ جو لغو قسم کی قسمیں ہیں ان پہ اللہ تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا۔ یہ لغو یہ ہیں کہ ماضی کی کوئی بات تھی اور میں نے اپنے گمان پہ وہ قسم اٹھالی یا حال کا کوئی معاملہ تھا۔ مجھے نہیں پتا کہ یہاں زید یا بکر آیا ہے یا نہیں آیا۔ مجھے کسی نے بتایا کہ فلاں آدمی جو ہے اُدھر مدرسے میں بیٹھا ہوا ہے۔ تو میں نے اس کے کہنے پہ قسم اٹھالی کہ میں قسم اٹھاتا ہوں کہ ہاں فلاں آدمی آیا ہوا ہے۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ اس قسم کی جو قسمیں ہیں ان پہ اللہ تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا۔ جو گمان کر لیا تم نے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا تعلق ماضی اور حال کے ساتھ ہے۔ وہ قسم آپ نے یہاں ماضی کے لیے اٹھائی ہو یا اپنے حال کے لیے اٹھائی ہو۔

دوسری ہے یمین غموس۔ غموس کا معنی ہوتا ہے غرق ہو جانا۔ برباد ہو جانا۔ اس کا تعلق بھی ماضی کے ساتھ ہے کہ ماضی میں میں نے کوئی غلط کام کیا تھا۔ میں نے شراب پی تھی، میں نے کوئی چوری ڈکیتی کی تھی، میں نے رشوت لی تھی، سود لیا تھا۔ اب میں قسم اٹھارہا ہوں کہ میں نے وہ نہیں کیا تھا۔ اس کو یمین غموس کہتے ہیں یعنی اس قسم نے تمہیں غرق کر دیا کہ تجھے پتہ بھی تھا۔ اب گمان کی بات نہیں۔ اب یقین کی بات ہے تجھے پتہ تھا کہ تو نے یہ فعل کیا ہے۔ یہ کام کیا ہے لیکن پھر بھی تو قسمیں اٹھارہا ہے کہ میں نے نہیں کیا۔ تو اس یمین کو یمین غموس کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ شخص برباد ہو گیا۔ غرق ہو گیا۔ جس نے ماضی میں کوئی کام کیا تھا یا حال میں کوئی کام کیا اور پھر وہ قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے نہیں کیا۔ تو اس کے لیے بھی کفارہ نہیں ہے۔ یمین غموس کے لیے بھی کفارہ نہیں ہے۔ اس کے لیے توبہ ہے کہ وہ انسان اپنے اس گناہ کی توبہ کرے۔ معافی مانگے۔ تاکہ وہ غلط ہونے سے بچ جائے۔ تو یہ یمین لغو اور یمین غموس کا آپ کو اچھی طرح پتہ ہونا چاہیے۔ جو گمان کی بنیاد پہ آپ قسم اٹھاتے ہیں۔ اس پہ اللہ فرماتا

ہے اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ کوئی پوچھ گچھ نہیں ہے۔ لیکن اگر یمین غموس ہے، تم نے جان بوجھ کر قسم اٹھائی ہے۔ تو اس قسم نے تمہارا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ اس کے لیے توبہ کرو۔ اللہ سے معافی مانگو اور آئندہ اس حرکت سے باز رہنے کا اللہ سے عہد کرو۔

وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ اب یہ ہے یمین منعقدہ۔ عقد کہتے ہیں نکاح کو۔ گرہ باندھ لینا۔ معاہدہ جو پختہ ہوتا ہے۔ آپ نکاح کے لیے لفظ عقد استعمال کرتے ہیں۔ عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ پختہ قسم کی قسم اٹھائی مستقبل کے لیے۔ یہ پہلی دو قسموں کا تعلق تھا ماضی اور حال کے لیے۔ اب یہ قسم آپ نے اٹھائی ہے مستقبل کے لیے۔ اب اگر یہ قسم آپ پوری نہیں کرتے تو پھر اس کے لیے کفارہ ہے۔ کفارہ کا لفظ کفر سے نکلا ہے۔ آپ اکثر یہ لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن اس کے لفظی معنیٰ کی طرف شاید غور نہیں کرتے۔ کافر کا عربی لغت میں معنیٰ ہے، "چھپانے والا"۔ کفر کا معنی بھی چھپانا ہوتا ہے۔ اسی سے لفظ کفارہ ہے کہ جو آپ کے گناہ کو چھپالے۔ آپ کہتے ہیں ناں کہ روزہ ٹوٹ گیا تو اس کا کفارہ ادا کرو۔ قسم ٹوٹ گئی یعنی وہ جو گناہ آپ نے کیا تھا۔ اس گناہ کو جو چھپانے والی چیز ہے اس کو کفارہ کہتے ہیں۔ ویسے ایک اور بات میں اگر آپ کو بتاؤں۔ یہ جو ہمارے کسان ہیں ناں اور یہ جو کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ فصلیں اُگاتے ہیں۔ عربی لغت میں ان کو بھی کافر کہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ بیج زمین میں چھپاتے ہیں۔ اس کا لغوی معنی چھپانا ہے اور کافر کو کافر اس لیے کہتے ہیں، یہ شاید پہلے بھی تفصیل سے کسی موقع پہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ یہ جو کچھ میں قرآن کریم سے پڑھ کے آپ کو بتا رہا ہوں یہ سب کچھ آپ کے اندر موجود ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ شاید یہ کوئی نئی چیز ہے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ قرآن کریم کا یہ وعدہ ہے کہ ہم نے ہر انسان کو ہدایت دے کے بھیجا ہے۔ اللہ نے ایسے نہیں کیا کہ اتنی بڑی مخلوق پیدا کی اور اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ[1] یہ سورہ دھر ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے سیدھا راستہ، ہدایت کا راستہ تمہیں دے کے بھیجا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کسی مدرسے میں نہیں گیا، کسی سکول میں نہیں گیا، اس کو کسی نے پڑھایا نہیں تو اس کو یہ نہیں پتہ کہ جھوٹ بری چیز

[1] سورۃ الدھر: 3

ہے۔ کوئی کہیں بھی نہیں گیا اس نے کہیں سے کچھ نہیں سیکھا لیکن اس کو پتہ ہے کہ جھوٹ بری چیز ہے۔ اس کو پتہ ہے بد دیانتی بری چیز ہے۔ اب قرآن کریم کا اگلا جملہ سنیے۔ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا اب تمہاری مرضی ہے کہ تم شکر کرو یا کفر کرو۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس ہدایت نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے کہ یہ جو ہم نبی بھی بھیجتے ہیں ناں، تو وہ کوئی تمہیں نئی ہدایت نہیں دیتے۔ اللہ نے جو ہدایت تمہیں دے کے بھیجا ہے صرف اس کو تازہ کرتے ہیں کہ یہ تیرے اندر ہدایت موجود ہے۔ امام غزالی یہاں پتہ کیا فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ تُو تو انسان ہے۔ اشرف المخلوقات ہے۔ بڑی خوبصورت مثال دی۔ فرماتے ہیں کہ آپ نے بطخ کا انڈا مرغی کے نیچے سینے کے لیے رکھ دیا۔ انڈا بطخ کا تھا اور آپ نے مرغی کے نیچے رکھ دیا۔ اب 21 دن مرغی نے اس کو جتنی بھی وہ حرارت چاہیے تھی وہ فراہم کی۔ 21 دن کے بعد اس انڈے سے بچہ بطخ کا ہی نکلا ہے۔ فطرت ہے۔ یہ تو نہیں ہے کہ مرغی کے نیچے تھا تو انڈے سے وہ بچہ مرغی کا نکل آئے گا؟ نہیں۔ بچہ بطخ کا ہی نکلا ہے۔ فطرت نہیں نہ بدلتی۔ یہ فطرت تھی اس انڈے کی۔ اگلی بڑھیا بات آپ نے فرمائی کہ اب وہ بطخ کا بچہ رہتا بھی دن رات مرغی کے ساتھ۔ اس کی تربیت، دانہ دنکا، یہ سب کچھ اس کو مرغی سکھا رہی ہے۔ ایک دن مرغی اپنے دوسرے بچوں کے ساتھ اس بطخ کے بچے کو بھی لے کے تالاب کے کنارے جا رہی تھی۔ تو بطخ کے بچے نے چھلانگ لگا دی پانی میں۔ بھائی نہ مرغی نے چھلانگ لگائی۔ نہ مرغی کے بچوں نے چھلانگ لگائی۔ اب اس کی تعلیم و تربیت کس نے کی تھی؟ مرغی نے کی تھی ناں۔ مرغی پانی میں چھلانگ نہیں لگاتی۔ اب بطخ کے بچے کو کس نے بتایا کہ تو نے پانی میں چھلانگ لگانی ہے؟ وہ کس مدرسے سے پڑھ کے آیا؟ کس سکول سے پڑھ کے آیا ہے؟ تو امام فرماتے ہیں کہ یہ وہ فطری ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ جانوروں کو بھی دے کے بھیجتا ہے۔ یعنی یہ وہ فطری ہدایت ہے جو اللہ نے جانوروں کو بھی دے کے بھیجا ہے تو تو انسان اشرف المخلوقات ہے تو کیسے کہہ سکتا ہے کہ میرے اندر ہدایت نہیں ہے۔ جس ہدایت کی تجھے ضرورت تھی وہ اللہ نے تجھے دے کے بھیجا ہے۔ اب اس کو کافر اس لیے کہتے ہیں؟ جہاں میں آپ کو لے کے آنا چاہتا تھا۔ اب ایک انسان مومن ہے، مسلمان ہے۔ ایک کافر ہے۔ کافر کو کافر کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کہ وہ جو اندر کی فطری ہدایت تھی، وہ جو حق اس کے اندر مچل رہا تھا، اس کو زبردستی اس نے چھپایا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اس کو حق کا پتہ نہیں تھا۔ اس کو توحید کا علم

نہیں تھا۔ وہ پاک پیغمبر کو پہچانتا نہیں تھا اور قرآن نے اگلا جملہ جو ارشاد فرمایا یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ[1] اے میرے پیغمبر یہ مشرکین مکہ، یہ کفار آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ یَعْرِفُوْنَهٗ یہ آپ کی معرفت رکھتے ہیں۔ پہچان رکھتے ہیں۔ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانا جاتا ہے۔ قرآن نے یہ مثال دی ہے۔ یہاں 10 ہزار بچہ بھی کھڑا ہو گا تو میں اپنے بچے کو پہچاننے میں غلطی نہیں کروں گا۔ یعنی جس طرح انسان اپنے بیٹے کو پہچاننے میں غلطی نہیں کرتا، اسی طرح ان کافروں کو پتہ ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ ان کو پتہ نہیں ہے۔ اب یہ کافر اس لیے ہے کہ جو اندر کے حق کو چھپاتے ہیں۔ ان کے اندر ایک گواہی دی ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تو کفارہ کا لفظ اگر میں نے کہا کہ تھوڑی سی وضاحت ہو جائے کہ کفارہ اس کو کہتے ہیں جس سے اس کے گناہ چھپ جائیں۔ اے محبوب اگر یہ حق کو باہر لے آتے، تجھے مان لیتے تو ان کے گناہوں کو بھی چھپالیا جاتا۔ بھائی یہ نہیں چھپانا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ تو دیکھو کفارے کے ذریعے سے چھپا دیتا ہے۔

اب یہاں سے ایک بات میرے ذہن سے نہ نکل جائے۔ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک مجمع میں بیٹھے میرے ابا جان حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ اپنے باپ کی قسم اٹھا رہے ہیں کہ مجھے میرے باپ کی قسم۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آواز دی۔ آپ نے فرمایا اللہ کے علاوہ کسی کی قسم نہ اٹھاؤ۔ قسم اٹھانی ہے تو یا اللہ کی اٹھاؤ، اس کی ذات کی یا اس کی صفات کی۔ غیر اللہ کی قسم نہیں اٹھانی۔ تیرے باپ کی قسم، میرے خاندان کی قسم، میرے سر کی قسم۔ نہیں۔ کیوں نہیں اٹھانی؟ اللہ کے علاوہ کسی کی قسم نہیں اٹھانی۔ اس لیے نہیں اٹھانی کہ جس کی آپ قسم اٹھاتے ہیں، اس کو عزت سب سے زیادہ دیتے ہیں۔ تو اس کائنات میں جو سب سے بڑی عزت والا ہے، جو اصل عزت والا ہے، اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا[2] ساری کی ساری عزتیں اللہ کے لیے ہیں۔ اب آگے اس نے عزتیں تقسیم کی۔ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ عزت اللہ کے لیے ہے اور

---

[1] سورۃ البقرۃ:146

[2] سورۃ یونس:65

اس کے رسول کے لیے اور اس پیغمبر پہ ایمان لانے والے مومنین کیلئے۔ عزت کو آگے اللہ نے تقسیم کیا ہے کہ ساری عزتیں اللہ کے لیے ہیں۔ آگے اس کے رسول کی جو عزت ہے وہ بھی اللہ کی وجہ سے ہے اور ایمان والوں کی جو عزت ہے وہ بھی اللہ کی وجہ سے ہے۔ تو جس کی آپ قسم اٹھاتے ہیں اس کو اصل میں عزت دیتے ہیں۔ اگلی بات اس سے بھی اہم ہے۔ جس کی آپ قسم اٹھاتے ہیں، اس کو گواہ بناتے ہیں۔ یہ ہے اصل بات۔ جب آپ کہتے ہیں ناں کہ مجھے اللہ کی قسم ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ میں اللہ کو گواہ کر کہہ رہا ہوں۔ تو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔ عمر خبر دار اللہ کے علاوہ کسی کی قسم نہ اٹھاؤ۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہر لمحے، ہر ساعت، ہر گھڑی اگر کوئی گواہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ اللہ کے علاوہ اور کوئی گواہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے غیر اللہ کی قسم نہیں اٹھانا۔

اب یہاں پہ ایک اور بھی سوال، اس دور میں بھی کھڑا ہوا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ شیطانی طاقتیں ہر دور میں کھڑی ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا جی نبی پاک منع کرتے ہیں غیر اللہ کی قسم نہ اٹھاؤ اور اللہ خود قرآن میں غیر اللہ کی قسمیں اٹھاتا ہے۔ کبھی طور کی قسمیں اٹھاتا ہے۔ کبھی درختوں کی، کبھی پہاڑوں کی، کبھی پتھروں کی، کبھی پیغمبر کے چہرے کی قسم اٹھاتا ہے۔ تو یہ کیا بات ہوئی کہ ہمیں منع کرتا ہے کہ غیر اللہ کی قسمیں نہیں اٹھانی اور قرآن بھرا پڑا ہے۔ کبھی کہتا ہے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ[1] مجھے اس شہر مکہ کی قسم وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ[2] جس میں میرا نبی چلتا پھرتا ہے۔ اگلی قسم تو اس سے بھی بَڑھیا ہے۔ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ[3] باپ کی بھی قسم، بیٹے کی بھی قسم۔ یہاں باپ سے مراد مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مکہ شہر کی قسم اٹھائی ہے تو باپ سے مراد ابراہیم علیہ السلام اور بیٹے سے مراد میرے اور آپ کے آقا مولا سرکار مدینہ ﷺ ہیں۔ جب انہوں نے اعتراض کیا کہ اللہ خود غیر اللہ کی قسمیں اٹھاتا ہے۔ تو ان سے کہا گیا کہ اللہ تمہارا پابند نہیں۔ وہ مالک ہے۔ بھائی اللہ تو اللہ ہے۔ مالک

---

[1] سورۃ البلد:1

[2] سورۃ البلد:2

[3] سورۃ البلد:3

ہے۔ وہ کوئی کسی کا پابند ہے کہ اس نے کس کی قسم اٹھانی ہے کس کی نہیں اٹھانی۔ تم بندے ہو، تم پابند ہو۔ اللہ کسی کا پابند نہیں ہے۔ اب وہ جب قسم اٹھاتا ہے تو وہ تمہیں بتانا چاہتا ہے کہ اللہ کی نگاہ میں اس کا کتنا احترام ہے اور تم نے کتنی عزت کرنی ہے۔ جب وہ مقام ابراہیم کے اس پتھر کی قسم اٹھائے گا جس پر ابراہیم کے قدم لگے ہیں تو تمہیں تو سر جھکانا ہی پڑے گا۔

آج تو دور ہی ویسے عجیب آ گیا۔ ہم جب پڑھتے تھے، اساتذہ پڑھاتے تھے۔ اس پہ بڑا فوکس کیا جاتا تھا کہ جب عزت اللہ کے لیے ہے، اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے۔ تو قرآن میں یہ کبھی کبھی آپ بھی کسی سے سنتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام روتے روتے جی وہ نابینا ہو گئے۔ اندھے ہو گئے۔ تو 12 ویں صدی سے پہلے جتنے لوگوں نے قرآن کی تفسیریں لکھی ہیں ناں۔ اب تو یہ گند پڑ گیا یہ پچھلے 100، 200 سال میں۔ جہالت عام ہو گئی۔ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے لفظ اندھا یا نابینا استعمال کرنا بھی گناہ ہے۔ اس لیے کہ یہ توہین کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اللہ نے اپنے نبیوں کو عزت دی ہے۔ اس لیے یہ پڑھایا جاتا تھا کہ کبھی کسی نبی کے لیے وہ لفظ استعمال نہیں کرنا جس سے توہین کا پہلو نکلے۔ یعقوب علیہ السلام کے لیے کبھی یہ لفظ اندھا یا نابینا کا استعمال نہیں کرنا۔ ان کی بینائی کمزور ہو گئی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے کبھی یہ لفظ نہ استعمال کرنا ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ یہ بھی توہین ہے۔ اللہ نے اپنے نبیوں کو عزت دی ہے۔ تو جب اللہ قسمیں اٹھاتا ہے، تو صرف جو بات میں نے آپ سے عرض کرنی تھی، اس وقت ذہن میں یہ رکھنا ہے کہ اللہ ان چیزوں کو عزت دے رہا ہے۔ ورنہ اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کسی کی قسم اٹھانے کی۔

جن کو پتہ ہے ان کی میں بات کرنے لگا ہوں۔ وہ پھر ڈائریکٹ اللہ کے بھی قسم نہیں اٹھاتے۔ جن کو پتہ ہے، جو علم والے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جن کو اللہ نے عزت دی ہے ناں، ان کو درمیان میں شامل کر لو۔ جن کو اللہ نے عزت دی ہے ناں، ان کو شامل کر لیں۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ خود فرمایا۔ آپ نے فرمایا عائشہ جب کبھی تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔

یہاں بھی یہ عقیدے کی بات جو ہے وہ ذہن میں رہے۔ نبی سمجھ کے اگر وہ بھی ناراض ہوں تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں۔ نبی کی حیثیت سے ناراض نہیں۔ خاوند اور بیوی کے اعتبار سے بات ہو رہی ہے۔ یہ فرق جو ہے یہ ذہن میں رہنا چاہیے۔ اماں عائشہ صدیقہ کا ایک تعلق جو ہے وہ نبوت کا اور اُمتی کا تعلق ہے اور ایک میاں بیوی کا تعلق ہے۔ تو اس میاں بیوی کے تعلق کی بات ہو رہی ہے۔ تو اماں عائشہ صدیقہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کس کام سے آپ کو پتہ چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو ناں تو پھر جب تم گفتگو کرتی ہو تو کہتی ہو مجھے ابراہیم کے رب کی قسم۔ قسم اللہ کی اٹھانی ہے لیکن کہتی ہو کہ مجھے ابراہیم کے رب کی قسم اور جب تمہیں میرے ساتھ محبت ہوتی ہے تو کہتی ہو مجھے محمد کے رب کی قسم۔ یعنی قسم اللہ ہی کی اٹھائی گئی لیکن درمیان میں نبوت کو شامل کیا گیا۔ یعنی یہ سلیقہ بتایا، ہماری ماں نے ہمیں کہ اللہ کی بھی قسم اٹھانی ہو تو اس کے محبوب کا بھی نام لے لیا کرو۔

تو یہ مستقبل میں جب آپ قسمیں اٹھاتے ہیں یہ گواہی کے لیے۔ اس کے پانچ درجے ہیں۔ واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام۔ کئی دفعہ تو ہمارے کچھ جاہل لوگ یہ بھی اٹھا لیتے ہیں ناں کہ میں فلاں گناہ کا کام کروں گا۔ ایسے ایسے لوگ! پتہ نہیں مجھے تو لوگ ہی بتاتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ بھی قسم اٹھائی کہ میرا بیٹا پیدا ہو گا تو میں اس کو شراب کی گھٹی (گڑتی) دوں گا۔ ایسی ایسی بے حیائی کی قسمیں بھی اٹھاتے ہیں۔ یا کبھی یہ کہہ دینا کہ میں فلاں نیکی کا کام نہیں کروں گا۔ تو یہ حرام قسمیں ہیں۔ مکروہ جو ہوتی ہیں، مباہ جو ہوتی ہیں، واجب جو ہوتی ہیں یا مستحب جو ہوتی ہیں۔ تو ان پہ انشاء اللہ تفصیل سے اگلے جمعہ عرض کریں گے اور پھر یہ جو کفارہ ہے اس پہ بھی تفصیل سے بات ہو گی۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

قسم کی اقسام (حصہ دوم)

قرآن: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَۚ-فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍؕ-فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍؕ-ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْؕ-وَ احْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْؕ-كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(89)

ترجمہ:- اللہ تمہیں تمہاری فضول قسموں پر نہیں پکڑے گا البتہ ان قسموں پر گرفت فرمائے گا جنہیں تم مضبوط کر لو تو ایسی قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو اس طرح کا درمیانے درجے کا کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا اُن دس کو کپڑے دینا ہے یا ایک مملوک (غلام یا لونڈی) آزاد کرنا ہے تو جو نہ پائے تو تین دن کے روزے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

خاکہ:-

1۔ پچھلے جمعہ کا جائزہ 2۔ کونسے کام ہیں کرنیوالے اور کونسے ہیں نہ کرنیوالے

3۔واجب کام کا درجہ 4۔واجب قسم کونسی ہے؟

5۔ مستحب قسم کونسی ہے؟ 6۔مکروہ اور حرام قسمیں

7۔قسم کا کفارہ 8۔ مسکین میں مسلمان اور ذمی کافر

9۔اوسط درجے کا کھانا اور لباس

10۔ حق لینے کیلئے قسم اٹھانی ہے یا نہیں؟

11۔ حق چھوڑنے کی مثال 12۔ حق لینے کی مثال

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگوں، دوستوں عزیز بھائیو! اسلام علیکم

ہماری گفتگو پچھلے جمعہ قسم کی اقسام تک پہنچی تھی کہ واجب قسم کیا ہوتی ہے؟ مستحب کیا ہے؟ مباح کیا ہے؟ مکروہ کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ قرآن کریم کی اس آیت کو آپ سمجھ رہے تھے کہ اللہ فرماتا ہے لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسم کی جو قسمیں ہیں ان پہ مؤاخذہ نہیں کرتا۔ ان پہ پوچھ گچھ نہیں کرتا۔ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ لیکن جو تم پختہ قسمیں اٹھاتے ہو ان پہ وہ ضرور پوچھ گچھ کرے گا۔ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ اس کا کفارہ ہے 10 مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ مِنْ اَوْسَطِ درمیانے درجے کا۔ درمیانے درجے دا کھانا۔ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ اَوْ كِسْوَتُهُمْ تو ہم اگر یہ نہیں کرسکتے تو دس مسکینوں کو لباس لے دو۔ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ یا پھر کسی غلام کو آزاد کروا دو۔ اگر تم یہ تینوں کام نہ کرسکو۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ پھر تین روزے رکھ لو۔

اب یہ بات اس لیے ضروری تھی۔ ہم جو بھی کوئی کام کرتے ہیں، میری زندگی کے جتنے بھی معاملات ہیں، عبادات ہیں، اخلاقیات ہیں۔ وہ کام چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ تو آج گفتگو سے پہلے یہ بنیادی چیز سمجھ لیں کہ میں کوئی بھی کام کرتا ہوں، وہ کام یا تو میرے واجب ہو گا۔ اس کی حیثیت واجب کی ہو گی۔ یہ میں لمبی تفصیل نہیں آپ کو بتانا چاہتا۔ وہ چیزیں جو آپ یاد رکھ سکیں اور اپنی زندگی ٹھیک کرسکیں۔ کام کی حیثیت یا تو واجب کی ہوتی ہے یا مستحب کی ہوتی ہے۔ یہ ہیں حلال کام۔ دوسری طرف جو حرام کام ہیں ان میں مکروہ ہے اور حرام ہے۔ یہ دونوں طرف کے آپ نے یاد رکھنے ہیں۔ بھلائی کا نیکی کا حلال کا جو کام کرتے ہیں جو وہ واجب ہوتا ہے یا مستحب ہوتا ہے اور جن کاموں سے اللہ نے منع کیا ہے۔ یعنی کام دو قسم کے ہیں ناں ایک وہ ہیں جن کے کرنے کا حکم ہے اور ایک وہ ہے جن کے چھوڑنے کا حکم ہے۔ اسی لیے مومن کی یہ نشانی قرآن بیان کرتا ہے ناں کہ ایک گروہ تو تمہارے اندر ہو

وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[1] جو امر بالمعروف کرے اور نہی عن المنکر کرے۔ یعنی نیکی کی بات کہے اور برائی سے روکے۔ مثلاً نماز پڑھ لینا، یہ کرنے کا حکم ہے۔ حلال کھانا، یہ کرنے کا حکم ہے۔ روزہ رکھنا ہے۔ یہ میں نے کرنا ہے۔ جھوٹ نہیں بولنا، یہ نہیں کرنا۔ شراب نہیں پینی۔ ماں باپ کی گستاخی نہیں کرنی۔ تو کام یا اپنے کام کرنا ہے یا نہیں کرنا۔ تو جو کام کرنے والے ہیں، اس کے صرف دو درجے آپ نے یاد رکھنے ہیں کہ یا وہ کام واجب ہو گا یا مستحب ہو گا۔ جو کام آپ نے نہیں کرنے وہ یا مکروہ ہو گا یا حرام ہو گا۔ یہ چار تو کم از کم ذہن میں رکھیں ناں اصطلاحیں۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیے ان کا۔ اس کے درمیان میں ایک لفظ آتا ہے مباح کا۔ یہ اصطلاحیں چونکہ ہمیں یاد نہیں رہتی۔ دنیا کا ہر کام، ہر چیز مباح ہے۔ جب تک اس پہ حرام کا حکم نہ آ جائے۔ یہ اصول جو ہے یہ یاد رکھنا ہے۔ یہ پھر جتنے یہ جو بیچارے دو دو کتابیں اردو کی پڑھ کے فتویٰ بازی کرتے ہیں ناں وہ پھر آپ کو کلیئر ہو جائے گا کہ یہ بیچارہ ان پڑھ آدمی ہے اُسے اصول کا پتہ نہیں ہے۔ جتنی بھی چیزیں ہیں، میرے سامنے جتنے بھی کام ہیں، وہ اصل میں مباح ہیں۔ مباح کا مطلب ہوتا ہے، سادہ لفظوں میں آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ اصطلاحی باتیں نہیں کر رہا کہ جس کے کرنے کا آپ کو نہ کوئی ثواب ہے اور نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں۔ اس کو مباح کہتے ہیں۔ یعنی جس کے کام کرنے کا آپ کو ثواب نہیں ملتا اور نہ کرنے سے آپ گنہگار نہیں ہوتے۔

واجب، یہ تقویٰ کی جب میں نے بات کی تھی تو اس وقت بھی میں نے آپ کو بتایا تھا کہ کم از کم تقویٰ یہ ہے کہ میں نے ہر واجب پہ عمل کرنا ہے۔ واجب کو میں چھوڑ نہیں سکتا۔ اللہ کے حلال کو حلال سمجھنا ہے۔ اللہ کے حرام کو حرام سمجھنا ہے۔ واجب وہ کام ہوتا ہے اگر میں کروں گا تو مجھے اجر ملے گا۔ ثواب ملے گا۔ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو گی اور اگر میں نہیں کرتا تو میں گنہگار ہوں۔ اس کی مجھے سزا ملے گی۔ واجب چھوٹنے سے یہ نہیں ہو گا کہ میں بچ جاؤں گا۔ اس کی سزا ہے۔ میں نے شاید ایک موقع پہ آپ سے عرض کیا تھا کہ کسی شخص نے میرے مولا علی سرکار سے اس دنیا کی ڈیفینیشن پوچھی تھی کہ اس دنیا کی کوئی تعریف بتائیں۔ تو آپ نے فرمایا تھا کہ میں اس دنیا کی کیا

[1] سورۃ آل عمران:104

تعریف کروں جس کے حلال کا حساب ہے اور جس کے حرام پہ عذاب ہے۔ یہ جملہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں سرکار مولا علی چونکہ باب العلم ہیں۔ ہم اکثر، کوئی بندہ رشوت لے رہا ہو، حرام خوری کر رہا ہو تو ہم اُسے یہ کہتے ہیں کہ تو نے حساب بھی دینا۔ اکثر ہم حرام کاموں پہ لوگوں سے کہتے ہیں، اوئے تو حساب بھی دینا۔ مولا علی فرمار ہے ہیں کہ اس کو یہ نہ کہو کہ تو نے حساب دینا ہے۔ اس کو کہو کہ تجھے عذاب ہونا ہے۔ حساب کا لفظ تو حلال والوں کو بتاؤ کہ حلال بھی استعمال کرنا ہے تو اس طرح کرو کہ تو نے حساب دینا ہے۔ تو لفظِ حساب حلال والوں کے لیے ہے۔ حرام والوں کے لیے عذاب ہے۔ اب یہ چاروں اصطلاحیں آپ کے ذہن میں ہونی چاہیے۔ واجب وہ کام ہے جو میں کروں گا تو مجھے اجر ملے گا، ثواب ملے گا۔ اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو گی۔ نہ کروں گا تو گنہگار ہوں۔ عذاب ملے گا۔ یہ واجب اتنا سا ذہن میں آپ نے رکھنا ہے۔ آگے ہے مستحب۔ میں جب یہ کام کرتا ہوں تو مجھے اجر ملتا ہے۔ ثواب ملتا ہے لیکن اگر نہیں کرتا تو عذاب نہیں ہوتا۔ جب بھی آپ کو یہ کوئی عالم بتائے ناں کہ یہ کام مستحب ہے۔ تو آپ کو ڈیفینیشن اس کی ذہن میں ہونی چاہیے کہ اس کے کرنے کا ثواب ہے اگر رہ جائے گا مجھ سے تو اس کا عذاب نہیں ہو گا۔ آگے وہ کام جو نہیں کرنے۔ مکروہ اور حرام۔ مکروہ کو آپ نے ایک مستحب کے حوالے سے دیکھنا کہ اگر میں مکروہ والا کام کرتا ہوں تو گنہگار ہوں۔ اگر نہیں کرتا تو پھر میں وہ ثواب کا مستحق نہیں بنتا۔ لیکن حرام وہ ہے کہ اگر کرتا ہوں تو عذاب ہو گا۔ نہیں کرتا تو ثواب ملے گا۔ یعنی حرام کو اگر میں چھوڑتا ہوں تو اس کا مجھے اجر ہے۔ تو یہ چاروں چیزیں جو ہیں یہ آپ کے ذہن میں ہونی چاہیے۔

تو ہم نے پچھلے جمعہ یہ بات عرض کی تھی کہ قسم کو بھی ہم نے انہی پانچ چیزوں پہ دیکھنا ہے کہ قسم واجب کب ہوتی ہے؟ پچھلی تفصیل ہم نے اس آیت کے حوالے سے دیکھ لی تھی۔ قسم آپ پہ واجب اس وقت ہوتی ہے جب کسی کی جان بچانی مقصود ہے۔ آپ کا کوئی مسلمان بھائی ہے اس کی جان کو خطرہ ہے تو اس کی زندگی بچانے کے لیے، اس کو ہلاکت سے بچانے کے لیے اب آپ پر قسم اٹھانی جو ہے وہ واجب ہو جاتی ہے۔ آپ اس سے اب فرار اختیار نہیں کر سکتے۔ ہم تو ان چیزوں کو بہت سادہ لیتے ہیں۔ ابو حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر پہ جا رہے تھے۔ تو وائل بن حجر بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ہمارے قافلے میں تھے۔ تو راستے میں کچھ لوگوں سے آمنا

سامنا ہو گیا۔ وہ وائل بن حجر کو قتل کرنا چاہتے تھے اور بات قسم پہ آگئی۔ باقی میرے دوست جو تھے وہ ان کی قسم نہیں اٹھا رہے تھے۔ تو میں نے آگے بڑھ کے قسم اُٹھائی اور میں نے کہا کہ یہ میر ابھائی ہے۔ تو میری قسم اٹھانے سے ان کی جان بچ گئی۔ ان کو چھوڑ کے چلے گئے کہ یہ تیر ابھائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے آ کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کا ذکر کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تو کوئی اس کے لیے قسم نہیں اٹھا رہا تھا۔ تو میں نے قسم اٹھائی اور ان کی زندگی بچ گئی۔ تو یہ میں نے کہیں کوئی جھوٹ تو نہیں بولا؟ میں نے قسم اٹھائی تھی کہ یہ میرا بھائی ہے۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کونسا جھوٹ بولا ہے، مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ بھائی یہ مسلمان تھا ناں۔ تو مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ تو نے کون سا جھوٹ بولا۔ تو اگر کسی کی جان بچانی ہو اور وہ آپ کی قسم کی وجہ سے بچتی ہے تو وہاں پھر آپ کے لیے قسم اٹھانی واجب ہو جاتی ہے۔ یہ مختصر سی ڈیفینیشن ذہن میں رکھنا۔

مستحب قسم کیا ہوتی ہے؟ یہ چونکہ ہمارے معاشرتی مسائل ہیں تو ان کو سمجھنا ضروری ہے۔ اگر آپ دو مسلمانوں کی صلح کروانا چاہتے ہیں اور صلح کے لیے قسم ضروری ہو گئی ہے۔ قسم کے بغیر صلح نہیں ہوتی تو وہ قسم اٹھانی مستحب ہے۔ کسی کے دل سے کینہ دور کرنا ہے، حسد دور کرنا ہے اور قسم کے بغیر وہ کام نہیں ہوتا تو وہ قسم اٹھانا بھی مستحب ہے۔ کسی کے شر کو دور کرنا ہے تو اس شر کو دور کرنے کے لیے آپ قسم اٹھاتے ہیں تو وہ قسم جو ہے وہ بھی مستحب ہے۔ اب آپ حیران ہوں گے کہ یہ کتنا اہم معاملہ ہے کہ ہم نے دو مسلمان بھائیوں کو قریب کرنا ہے، ان کے دل سے حسد بغض دور کرنا ہے۔ میں تو کئی دفعہ آپ کو یہ مثال بھی دیتا ہوں کہ کم از کم اس مثال سے ہی سمجھ لیا کریں کہ آپ پیاز اور لہسن کھا کے مسجد میں نہیں آسکتے۔ کوئی بدبودار چیز جس سے آپ کے منہ سے بدبو آتی ہو، وہ کھا کے آپ مسجد میں نہیں آسکتے۔ کیوں نہیں آسکتے؟ اس لیے کہ آپ جب جماعت میں اپنے بھائی کے ساتھ کھڑے ہوں گے صف میں، تو تیرے منہ سے نکلنے والی وہ گندی ہوا جو ہے اس سے بھی تیرے بھائی کو تکلیف نہ پہنچے۔ تو جو دین آپ کو اس درجے پہ لا کے کھڑا کرتا ہے۔ وہ کیسے برداشت کرے گا کہ تم کسی کے متعلق غیبت اور جھوٹ اور حسد سے کسی کو تکلیف پہنچاؤ۔ زبان سے کسی کو تکلیف پہنچاؤ؟ ہاتھ سے کسی کو تکلیف پہنچاؤ؟ شیخ سعدی علیہ

الرحمہ نے بڑا معروف واقعہ ہے، گلستان سعدی میں۔ ایک شخص بادشاہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ تو بادشاہ نے اپنے وزیر سے پوچھا۔ وہ شخص دور تھا ذرا۔ اُس نے کہا یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ تو وزیر نے کہا کہ بادشاہ سلامت وہ آپ کی بڑی تعریف کر رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ بادشاہ بڑا نیک آدمی ہے۔ غریبوں کا خیال کرتا ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ اس کا خاندانی بڑا اچھا ہے۔ اس کا ابا بھی بڑا اچھا تھا۔ تو بادشاہ نے خوش ہو کے اس کو کچھ پیسے دیے کہ جاؤ بھائی اس کو دے آؤ، یہ ہماری تعریف کر رہا ہے۔ ساتھ ہی دوسرا وزیر بیٹھا تھا اس نے اُٹھ کے کہا کہ ہم بادشاہ کا نمک کھاتے ہیں۔ بادشاہ کی وجہ سے ہماری عزت ہے۔ ہمیں اپنے بادشاہ کے سامنے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ بادشاہ نے کہا کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا بادشاہ سلامت وہ تو آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔ اور اس وزیر نے آپ سے جھوٹ بولا ہے کہ وہ آپ کی تعریف کر رہا ہے، آپ کو اچھا کہہ رہا ہے، آپ کے خاندان کو اچھا کہہ رہا ہے۔ تو ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولیں۔ بندہ بادشاہ کو گالیاں دے رہا ہے اور ہم کہیں کہ وہ تعریف کر رہا ہے۔ لیکن وہ ہمارے دور کے بادشاہ نہیں تھے۔ اچھے لوگ تھے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے اس حکایت میں کہ بادشاہ نے اس وزیر سے کہا کہ تُو بیٹھ جا۔ تیرے سچ سے مجھے اس کا جھوٹ اچھا لگا۔ تیرے سچ کے پیچھے نفرت تھی۔ تُو دو لوگوں کو دور کرنا چاہتا تھا اور اس کے جھوٹ میں ہم دو لوگوں کو قریب کر دیا۔ تو اس لیے مجھے تیرے سچ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے اس کا جھوٹ ہی بہتر ہے جس میں انسانوں کا فائدہ ہو۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے کسی کے دل کا کینہ دور کرنا ہے مثلاً آپ نے دو لوگوں کی صلح کروانی ہے۔ تو آپ نے جا کے یہ نہیں کہنا کہ وہ تو تجھے گالیاں دے رہا تھا۔ یار تُو ایسے ہی غصہ کر رہا ہے وہ تو تیری تعریف ہی بڑی کرتا ہے۔ وہ تو تجھے اچھا کہتا ہے۔ کینہ دور کرنے کے لیے، حسد دور کرنے کے لیے، شر سے بچنے کے لیے، دو بھائیوں کی صلح کروانے کے لیے۔ یقین جانیے، قرآن پاک پڑا ہے سامنے، اللہ کے دربار میں بیٹھا ہوں۔ مجھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جب یاد آتا ہے ناں کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو بڑے خوش تھے۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان بڑے خوش ہو۔ بھائی سارے 30 یا 32 لوگ اس وقت تک مسلمان ہوئے ہیں۔ بڑی ضرورت ہے کہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوں اور مسلمانوں کی وجہ سے سلطنت جو ہے وہ مضبوط ہو۔ تو عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں

ایک بندے کو کلمہ پڑھا کے آیا ہوں۔ مسلمان کیا ہے۔ اس لیے خوش ہوں۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پتہ ہے کیا جواب دیا؟ آپ نے فرمایا تیری خوشی دیکھ کہ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے دو مسلمانوں میں صلح کروا کے آیا ہے۔ اب دیکھیں میرے پاک پیغمبر جو معاشرہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ مسلمان بھائیوں میں صلح کروانی ہو، کسی کے دل کا حسد اور کینہ دور کرنا ہو اس کے لیے اگر آپ کو قسم بھی اٹھانی پڑے تو اٹھائیں۔ وہ قسم مستحب ہے۔ اس قسم کے اٹھانے کا آپ کو ثواب ملے گا۔ اللہ کی بارگاہ سے اجر ملے گا۔

مباح کاموں کے لیے اگر آپ قسم اٹھاتے ہیں تو وہ مباح ہے۔ وہ یمین لغو میں میں نے پچھلے جمعہ تفصیل سے بات آپ سے کر دی تھی۔ آگے ہے مکروہ قسم۔ کبھی آپ اس طرح کی قسم اٹھا لیتے ہیں کہ یہ میں فلاں کام مستحب کام نہیں کروں گا۔ تو وہ قسم مکروہ ہوتی ہے۔ اس کے اٹھانے کا آپ کو گناہ ہو گا۔ وہ قسم توڑنی ہے۔ اس کا کفارہ دینا ہے۔ یا کبھی آپ کوئی مکروہ کام کرنے کی قسم اٹھائیں یعنی مستحب کام نہ کرنے کی اٹھائیں یا مکروہ کام کرنے کی اٹھائیں تو وہ آپ کی قسم جو ہے وہ مکروہ ہے۔ اس کی قرآن کریم میں جو سب سے بڑی مثال ہمارے علماء نے، مفسرین نے بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ اکثر کیا کرتے ہیں کہ اپنے غصے کی وجہ سے کہتے ہیں کہ میں اپنے ہمسائے کے ساتھ جو اچھا سلوک کرتا تھا وہ اب نہیں کروں گا۔ کسی بات پہ غصہ آ گیا۔ اپنے بھائی کی کوئی خدمت کرتے تھے، کسی بات پہ غصہ آ گیا تو کہا کہ میں اپنے بھائی کی خدمت نہیں کروں گا۔ یہ اکثر ہمارے معاشرے میں ہوتا ہے ناں کہ ہم نیکی کا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ہمارے ذہن میں یہ ہو کہ اس نیکی کا اجر میں نے اللہ سے لینا ہے تو پھر کبھی ہم یہ حرکت نہ کریں۔ لیکن انسان ہے غصہ آ جاتا ہے۔ یہ ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ آپ کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اس کی مثال جو قرآن کریم سے دی گئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کا قسم اٹھا لی۔ اب اپنے خالہ زاد بھائی مسطح بن اثاثہ کے لیے کہ میں جو ہر روز اس کے گھر کھانا بھیجتا ہوں، اس کی کفالت کرتا ہوں، اب میں وہ نہیں کروں گا۔ اس کا کھانا بھی حضرت ابو بکر صدیق کے گھر سے جاتا تھا۔ اس کے کپڑوں کا، اس کی جتنی بھی ضروریات تھیں حضرت ابو بکر صدیق پوری کرتے تھے۔ لیکن واقعہ عفت میں یوں ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہ تہمت لگانے والوں میں وہ بھی شامل ہو گئے۔ بھائی اس وقت تو پھر بڑا غصہ آتا ہے ناں کہ آپ

کسی کی خدمت بھی دن رات کریں۔ اسی لیے عربی والے پتہ ہے کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ اقرب جو ہوتے ہیں، رشتہ دار جو ہوتے ہیں یہ الف والا اقرب ہو تو بڑی نعمت ہے اور اگر ع ان کے ساتھ لگا دی جائے "عقرب" تو اس کا معنی بچھو بنتا ہے۔ پھر یہ بہن بھائیوں سے بڑا بچھو بھی کوئی نہیں ہوتا۔ ان سے جو تکلیف پہنچتی ہے ناں وہ ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ ذرا تصور کریں کہ ایک بندے کے ہر روز کے سارے اخراجات کی ذمہ داری ابو بکر صدیق نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہے اور ان کی بیٹی پہ، کوئی چھوٹا گناہ بھی نہیں کر رہا، ان کی بیٹی پہ تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گیا۔ یہ سورہ نور میں واقعہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ وہ ہار گم ہو گیا تھا ناں، حضرت عائشہ صدیقہ کا۔ اب اس غصے میں آ کے حضرت ابو بکر صدیق نے قسم اٹھالی کہ میں آج کے بعد مسطح کی کفالت نہیں کروں گا۔ میں جو اس کی خدمت کرتا تھا، اس سے میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى[1] جن لوگوں پہ ہم نے اپنا فضل کیا ہے۔ قرآن میں آیت نازل ہو گئی۔ جن لوگوں پہ ہم نے اپنا فصل کیا ہے وہ یہ بات کہتے ہیں کہ ہم اپنے قریبیوں سے اچھا سلوک نہیں کریں گے۔ اب چونکہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، یہ اللہ کا حکم ہے۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اللہ کا حکم ہے۔ اب آپ نے وہ حکم پورا کرنا ہے۔ غصے میں آ کے اس نیکی سے پیچھے نہیں ہٹنا۔ یعنی یہ مستحب کام تھا۔ مستحب کام کو چھوڑنے کی کبھی قسم نہیں اٹھانی اور مکروہ کام کرنے کی قسم نہیں اٹھانی۔ آگے جب آپ بالکل جھوٹی قسم اُٹھاتے ہیں تو وہ قسم حرام ہے۔ اس کی توبہ بھی کرنی ہے۔ کفارہ بھی دینا ہے۔ جھوٹ پہ کبھی قسم نہیں اٹھانی۔ یہ قسم حرام ہے۔ حرام کام کریں گے تو گنہگار ہیں۔ عذاب بھی ہو گا اور اگر بچ جائیں گے حرام سے تو پھر اللہ تعالیٰ ثواب بھی دے گا۔ اجر ملے گا۔ تو یہ پانچ چیزیں تھیں جو پچھلے جمعہ رہ گئی تھی۔

قسم کے حوالے سے اب آگے ہے کفارہ۔ میں نے آپ کو کہا تھا کہ اس کا معنی ہوتا ہے ڈھانپ لینا، چھپا لینا۔ اس گناہ کو جو چھپانے والی چیز ہے وہ کفارہ ہے۔ اب آپ نے اُس قسم کو توڑا تو پھر کیا ہوا کہ آپ کو دس مسکینوں

---

[1] سورۃ نور:22

کو کھانا کھلانا ہے۔ بھوکے لوگ جو ہیں ان کو کھانا کھلا دینا ہے دو وقت کا اور یہ نہیں ہے کہ کوئی 10، 20 روپے والا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو فرمایا کہ درمیانے درجے کا اور پھر آگے یہ تفصیل دی مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اللہ کی راہ میں دینے کی باری آئے تو پھر کم از کم دینا۔ تو اس میں ہمارے فقہائے احناف جو ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ 10 مسکینوں کو اکٹھے بھی کھانا کھلا سکتے ہیں۔ دو وقت بلالیں اور ایک مسکین کو آپ 10 دن دو وقت کا کھانا بھی دے سکتے ہیں۔ یعنی ایک مسکین کو 10 دن کا کھانا اکٹھا نہیں کھلا دینا کہ ہم نے فرض ادا کر دیا۔ یا تو 10 کو اکٹھا بلائیں اور دو وقت کا کھانا کھلا دیں یا پھر ایک کو 10 دن کھلا دیں۔

ہمارے فقہ احناف کے نزدیک مسلمان کو بھی آپ کھلا سکتے ہیں۔ چونکہ لفظ مسکین آیا ہے اور ذمی کافر جو ہے اس کو بھی کھلا سکتے ہیں۔ ذمی اور حربی کافر کا بھی میں نے آپ کو بتایا تھا۔ کافر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذمی کافر ہوتا ہے جو اسلامک سٹیٹ میں ٹیکس دے کے رہتا ہے۔ ہمارے دین کے خلاف، ہمارے نبی کے خلاف، ہمارے شعائر اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا۔ اپنے مذہب پہ عمل کرتا ہے۔ ہماری مخالفت نہیں کرتا۔ اس کو ذمی کافر کہتے ہیں۔ اس کی جان, مال, عزت کا تحفظ ہمارے ذمے ایسے ہی ہے جیسے ایک مسلمان کا ہے۔ ایک حربی کافر ہوتا ہے۔ جو ہمارے خلاف سازش کرتا ہے۔ حرب جنگ کو کہتے ہیں۔ موقع ملے تو لڑائی پہ بھی اُتر آتا ہے۔ دین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو حربی کافر کے لیے یہ سہولتیں نہیں ہیں۔ یہ سہولتیں ذمی کافر کے لیے ہیں۔ تو آپ ذمی کافر کو بھی کھلا سکتے ہیں، مسلمان کو بھی کھلا سکتے ہیں۔

کچھ ہمارے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ اوسط کا درجہ کیا ہوتا ہے تاکہ عام لوگوں کو سمجھ آجائے۔ وہ کہتے ہیں کہ جتنا فطرانہ آپ کسی کو دیتے ہیں۔ اتنا اناج ایک وقت کا دے دیں۔ فطرانے کے ساتھ انہوں نے اس کو لنک کیا ہے یا پھر 10 مسکینوں کو لباس دے دیں۔ لباس میں ہماری فقہاء کے نزدیک دو چادریں ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ نہیں ستر ڈھانپا جاسکے لیکن کم از کم مرد ہے تو شلوار قمیض اور ایک ٹوپی اس کو دے دیں۔ عورت ہے تو اس کو چادر اور شلوار قمیض دے دیں۔ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ اب غلاموں کا تو دور نہیں رہا۔ وہ غلام آزاد کرنے والا تو معاملہ ہی نہیں ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ تو پھر اگر یہ تینوں کام نہ کر سکو تو پھر تین روزے جو ہیں۔ ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ تین روزے مسلسل رکھنے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے کتنی آسانیاں دی ہیں۔ یہ جب آپ نے جھوٹی قسم اٹھالی ہے یمینِ منعقدہ جو میں نے پچھلے جمعہ آپ سے تفصیل سے بات کی تھی کہ وہ مستقبل کے لیے آپ جھوٹی قسم اٹھاتے ہیں۔ اگر ماضی میں اٹھائی ہے جھوٹی قسم، اس کے لیے توبہ ہے۔ چونکہ گناہ کبیرہ ہے اور اگر مستقبل کے لیے آپ نے جھوٹی قسم اٹھائی ہے تو اس کا کفارہ بھی ہے اور توبہ بھی۔ یہ دونوں چیزیں جو ہیں یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کبھی صرف قوم توبہ سے چل جاتا ہے اور کبھی آپ کو ساتھ کفارہ بھی دیناپڑتا ہے۔ تو اگر آپ کا مستقبل کا معاملہ ہے تو پھر آپ کو یہ کفارہ بھی دیناہے اور توبہ بھی کرنی ہے۔ اس ے بغیر آپ کا چارہ نہیں ہے۔ امام شافی فرماتے ہیں کہ نہیں اگر ایک روزہ رکھ لیا تو پھر اس کے بعد وقفے وقفے سے بھی رکھے گا تو خیر ہے۔

ایک چیز قسم کے حوالے سے اور تھی کہ اگر میرا حق ہے کسی چیز پہ تو میں اپنے حق کے لیے قسم اٹھا سکتا ہوں یا نہیں اٹھا سکتا؟ اس میں ہمارے فقہاء کے ہاں دونوں چیزیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر تیرا کوئی مسلمان بھائی ہے تو اگر اس کے لیے تو اپنا حق چھوڑ دیتا ہے، قسم نہیں اٹھاتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ چیز پسندیدہ ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ نہیں اگر آپ کی اپنی چیز ہے تو اس کے لیے قسم اٹھا کے آپ نے اپنا حق لینا ہے۔ اچھا ایک بات اور میرے ذہن آئی۔ یہ قسم کب اٹھانی ہوتی ہے؟ جب گواہ موجود نہیں ہوتے۔ یہ بنیادی چیز ہے۔ اگر گواہ موجود ہو تو پھر قسم نہیں ہے۔ اگر کوئی اقبالِ جرم کرلے تو پھر گواہوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اصول سارے ذہن میں ہوں۔ اگر ایک بندہ عدالت میں کہہ دیتا ہے ناں کہ میں نے قتل کیا۔ اقبال جرم کر لیتا تو وہاں شہادتوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ شہادتوں کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب مجرم انکار کر رہا ہوتا ہے۔ اب اگر آپ کے پاس گواہ موجود نہیں تو پھر قسم کی نوبت آتی ہے۔ یہ درجے ہیں کسی بھی کام کے۔

اس کے لیے دو مثالیں دونوں طرف موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت مقداد نے کچھ پیسے لیے تھے۔ اب وہاں گواہ موجود نہیں تھے۔ تو مقدمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی عدالت میں چلا گیا۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ عثمان قسم اٹھائے تو میں جتنے بھی یہ کہہ رہے ہیں تو میں پیسے ان کو دے دوں گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ پیسے لینے تھے۔ ان کا حق تھا۔ انہوں نے قسم حضرت مقداد پہ لوٹا دی۔ انہوں نے کہا مقداد ہی قسم اٹھالیں۔ حضرت مقداد نے کہا کہ عثمان اٹھائے۔ حضرت عثمان نے اپنا حق معاف کر دیا اور کہا کہ میں قسم نہیں اٹھاؤں گا۔ کچھ دوستوں نے پوچھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آپ کا حق تھا تو آپ نے قسم کیوں نہیں اُٹھائی۔ آپ نے فرمایا کل کو کوئی مقداد پہ مصیبت آجاتی تو وہ کہیں یہ نہ کہتا کہ اس قسم کی وجہ سے آئی ہے۔ تو اپنے بھائی پر یہ بوجھ نہیں لادنا چاہتا۔ تو وہ جو کہتے ہیں ناں کہ اپنا حق چھوڑ دو۔

وہ یہ مثال دیتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ نہیں اپنے حق کے لیے قسم اٹھاؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے درمیان میں ایک درخت پہ جھگڑا ہو گیا۔ ابی بن کعب کہہ رہے تھے کہ یہ درخت میرا ہے اور حضرت عمر فاروق کہہ رہے تھے کہ یہ درخت میرا ہے۔ اب گواہ تو وہاں موجود نہیں تھے۔ بات قسم پہ آگئی اور عدالت تھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ حضرت عمر فاروق نے قسم اٹھائی کہ یہ درخت میرا ہے اور وہ ان کی ملکیت میں دے دیا گیا۔ جب عدالت سے باہر نکلے تو حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ ابی یہ درخت میں نے تجھے دیا۔ قسم اٹھا کے درخت کی ملکیت حاصل کی عدالت سے اور جب عدالت سے باہر نکلے تو کہا کہ یہ درخت میں نے تجھے دیا۔ تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ قسم اٹھانے سے پہلے بھی تو دے سکتے تھے؟ پہلے آپ نے قسم اٹھائی ہے۔ درخت کی ملکیت حاصل کی ہے عدالت سے۔ اب جب درخت آپ کو مل گیا تو آپ ابی بن کعب کو واپس کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ کام میں نے اس لیے کیا ہے کہ کل کو کوئی اپنا حق چھوڑ نہ دے۔ اس کو اپنے حق کے لیے قسم اٹھانی پڑے تو وہ قسم اٹھائے۔ اپنا حق لے اور پھر اپنے بھائی کو دے۔ تو یہ دونوں چیزیں جو ہیں قسم اٹھانے کے لیے۔ ضروری ضروری جو چیزیں تھیں اس لیے سے پرہیز کیا کریں کہ کہیں کوئی مکروہ قسم نہیں اٹھانی۔ کوئی حرام قسم نہیں اٹھانی۔ لغو یمین پہ اللہ مواخذہ ہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پہ مواخذہ ہے۔ اس کا کفارہ بھی ادا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایمان والوں کی نشانیاں

قرآن: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ(2) الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ(3) اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّاؕ-لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ(4) سورة الانفال

ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب اُن پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں۔ وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں۔ یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

خاکہ:-

1. موت جسم کو آتی ہے، روح کو نہیں آتی۔
2. کچھ ارواح علیین پہ چلی جاتی ہیں۔
3. مرید تو سارے ہی ہوتے ہیں لیکن راز دار کوئی کوئی ہوتا ہے۔
4. راز دار اسے بنایا جاتا ہے جو راز کو سمجھتا ہو اور راز کی حفاظت بھی کرتا ہو۔
5. خلیفہ کی اللہ کو نہیں ضرورت، تمہیں ضرورت ہے۔
6. جسکو نبی نے امیر بنادیا اس کی پھر علی نے بھی حیاء کی۔
7. حمد اللہ کی ہوتی ہے اور مدح اس کے بندوں کی ہوتی ہے۔
8. ولی آپ جسے کہتے ہیں، اس کے بنیادی تین معنی ہیں۔
9. ایمان جب مضبوط ہوتا ہے تو توکل صرف اللہ پہ ہوتا ہے۔
10. کوشش میرے اختیار میں ہے لیکن نتیجہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔

11. توکل اللہ پہ جو کرتے ہیں وہ نماز کو چھوٹا نہیں سمجھتے۔

12. ایمان والے اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔

13. ہر نمازی کا سلام صالحین تک پہنچایا جائے گا۔

14. سب سے بڑا ظالم تھا جس نے اللہ کا بار امانت اٹھایا۔

15. ایمان والوں کیلئے عزت والے رزق کا وعدہ ہے۔

آج یہ محفل کی تقریب حضور قبلہ عالم کے خلیفہ اول صوفی محمد اقبال صاحب کے گھر میں انعقاد پذیر ہے۔ یہ موضوع بڑا دلچسپ ہے اور تھوڑا گہرا بھی ہے۔ ایک جملہ بڑا خلیفہ کی اہمیت پہ لکھا گیا ہے کہ اللہ نے زمین پہ آبادی بعد میں بنائی اور خلیفہ پہلے بنایا۔ اگر کوئی سمجھ سکے خلیفہ کی اہمیت کہ اللہ نے کبھی بھی انسانوں کو امیر کے بغیر نہیں چھوڑا۔ ظاہر ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[1] یہ لمبی بات ہو سکتی ہے لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔ یہ جو آج ہم ذکر کیلئے بیٹھے ہیں، دور دراز سے پیر بھائی تشریف لائے، اعزاء و اقرباء تشریف لائے، دوست احباب تشریف لائے۔ یہ انسان کے ذہن میں سوال آتا ہے کہ ایک بندہ فوت ہو گیا ہے، چلا گیا ہے اس دنیا سے اس کا کنکشن ختم ہو گیا تو پھر یہ ذکر کا معاملہ اور ان کو بیٹھ کے یاد کرنا؟ چونکہ ہمارا تو عقیدہ یہ ہے کہ ہم ذکر اس کا کرتے ہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ مذکور موجود ہے۔ اوہ بھائی! جس کا ذکر ہو رہا ہے، اگر وہی موجود نہیں تو ہم ایسا ذکر نہیں کرتے۔ ایک دن لوگ ایسے ہی جھگڑ رہے تھے، میں بھی وہاں چلا گیا۔ کہنے لگے جی کہ مردے نہیں سنتے، تم قبروں پہ جاتے ہو۔ تو اس بات پہ اکثر جھگڑا رہتا اور ہمیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ[2] یہ یہودیوں سے خطاب ہے تیسرے پارے میں کہ آؤ ان کلمات پہ اکٹھے ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں۔ میں نے کہا بھائی مشترک بات جو تمہارے جھگڑے میں سے نکل سکتی ہے، میں بھی ان کیساتھ ہو گیا جو کہتے تھے کہ مُردے

---

[1] سورۃ البقرۃ:30

[2] سورۃ آل عمران:64

نہیں سنتے۔ میں نے کہا بھائی بات تو یہی ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ[1] اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا۔ کہنے لگے کہ دیکھا حافظ صاحب نے بھی بات صحیح کہی ہے قرآن پاک کی آیت پڑھ کر کی ہے۔ میں نے کہا آپ شاید ہماری محفلوں میں تشریف نہیں لاتے۔ موت جسم کو آتی ہے، روح کو نہیں آتی۔ ہم جب ایصال ثواب بھی کرتے ہیں تو روح کو ثواب پیش کرتے ہیں۔ ہم جنکو پکار رہے ہیں زندوں کو ہی پکار رہے ہیں مردوں کو نہیں پکار رہے۔ یہ مثال ذہن میں رکھنا جو قرآن کریم نے مثال دی ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا[2]۔ قرآن کریم نے بڑا یہ راز کھول کر بیان کیا ہے۔ ایک تو جب بندہ اس دنیا سے جاتا ہے تو اسکی روح اس دنیا سے چلی جاتی ہے۔ اور قرآن کہتا ہے کہ جب وہ سوتا ہے تو اس وقت بھی اس کی روح اس کے جسم سے آزاد ہو جاتی ہے۔ جب وہ بیدار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹا دیتا ہے۔ اس کو ذرا تھوڑا سا سمجھ لیں کہ جب روح میرے جسم میں ہوتی ہے تو وہ پابند ہے میرے اعضاء کی۔ میں نے اس کی تفسیر میں نہیں جانا، میں نے چند جملے عرض کرکے اپنے موضوع کیطرف آنا ہے۔ جب روح میرے جسم کے اندر ہے تو وہ مجبور ہے اس آنکھ سے دیکھنے کی، وہ اس کان سے سننے پر مجبور ہے، اس ہاتھ کی جہاں تک حد ہے وہاں تک محدود ہے۔ لیکن جونہی آپ سوتے ہیں، آپ کی روح آزاد ہو گئی۔ آپ اب دوستوں کو بتاتے ہیں کہ آج یار میں خواب میں مکہ شریف گیا ہوا تھا۔ کوئی بندہ انکار تو نہیں کر سکتا؟ میں خواب میں آسمانوں کی سیر کر رہا تھا۔ قرآن کریم نے دیکھئے سمجھایا کس لیول پہ آکر ہے کہ اگر نیند کی حالت میں تیری روح جسم سے آزاد ہو جائے تو پھر وہ اس آنکھ سے دیکھنے کی محتاج نہیں ہے۔ پھر وہ اس کان سے سننے کی محتاج نہیں ہے۔ تو یہ سارے معاملات ہیں جسم کے اندر قید ہونے کے۔ اس لیے وہ جو اعظم صاحب جملہ فرمایا کرتے ہیں کہ فیض وفات کے بعد بڑھ اسلیے جاتا ہے کہ روح آزاد ہو جاتی ہے۔ اب اس روح کیلئے یہ نہیں ہے کہ وہ سمبڑیال نہیں آسکتی، لاہور نہیں جاسکتی، فیصل آباد نہیں جاسکتی۔ اگر میری روح سونے کے دوران

---

[1] سورۃ النمل:80

[2] سورۃ الزمر:42

کائنات پھر آئے تو مان لیتے ہو۔ تو میں نے ان سے کہا کہ ہم زندوں کو ہی پکارتے ہیں اس لیے کہ روح کو موت نہیں آتی۔ امر ربی ہے ناں قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[1]۔ امر ربی کو موت نہیں آتی۔

اب یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ کچھ ارواح علیین پہ چلی جاتی ہیں، کچھ قبر کے اوپر رہتی ہیں۔ کچھ کو اجازت ہوتی ہے جہاں جی چاہے جائیں۔ اب یہ ایک علیحدہ ٹاپک ہے کہ کن کن کی روحیں کہاں کہاں تک جائیں۔ کچھ تو پہلے آسمان پہ جاتی ہیں تو کہا جاتا ہے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ[2] ان پر آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ اور کچھ وہ بھی ہیں کہ جب پاک پیغمبر ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ قرآن کہتا ہے کہ یہ شہید رزق کھاتے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں اللہ کے عرش کے نیچے ہیں وہ اور وہاں سے وہ پرندے جنت میں جاتے ہیں اور رزق کھاتے پیتے ہیں۔ یہ ہر کسی کا معیار علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ ذمہ داری علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ کے صحابہ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى[3] لیکن درجات علیحدہ علیحدہ ہیں۔

ایک صحابی ہے جو میرے پیغمبر ﷺ کا رازدار ہے۔ اس سے ابو بکر بھی پوچھتے ہیں۔ اس سے عمر بھی پوچھتے ہیں کہ ہمارے متعلق نبی پاک ﷺ کیا فرمایا کرتے تھے۔ سلمان فارسی بھی پوچھتے ہیں۔ اس لیے مرید تو سارے ہی ہوتے ہیں لیکن رازدار کوئی کوئی ہوتا ہے۔ یہاں حضرت صاحب قبلہ کے رازدار بیٹھے ہوئے ہیں، خلفاء بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، یہ میرے پاک پیغمبر ﷺ کے رازدار ہیں۔ حضرت عمرِ فاروق جنازہ پڑھانے لگتے تو پوچھتے کہ جنازے میں حذیفہ کھڑے ہیں؟ اگر لوگ کہتے کہ ہاں کھڑے ہیں تو آپ جنازہ پڑھاتے۔ اگر کہتے کہ حذیفہ نہیں ہیں تو آپ جنازہ نہ پڑھاتے۔ تو لوگ پوچھتے کہ امیر المومنین اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حذیفہ منافق کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ رازدارِ پیغمبر ہے ناں۔ ابوہریرہ بھی وہ جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس میں حذیفہ نہ ہوتے۔

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:85

[2] سورۃ الاعراف:40

[3] سورۃ الحدید:10

لیکن راز اُسے بتایا جاتا ہے جو راز کی حفاظت کر سکے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی میں وہ نام نہیں بتائے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتائے۔ اس لیے ہر کسی کو نہ خلیفہ بنایا جاتا ہے اور نہ رازدار۔ اور رازدار کی بات پہ کوئی تجزیہ بھی نہیں کر سکتا۔ کسی کی جرات نہیں ہے۔ ایک دن آپ تشریف لائے، صحابہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے آپ پوچھتے ہیں کہ کیا حال چال ہے؟ دن کیسا گزرا؟ تو عربوں کے ہاں کَیفَ صَبَحتَ کہ صبح کیسے کی؟ تو صحابہ نے پوچھا کہ حذیفہ صبح کیسے کی؟ تو کہنے لگے کہ کیا صبح کرنی ہے؟ وضو کے بغیر صلاۃ پڑھی ہے۔ فتنوں سے محبت کرتا ہوں اور حق سے کراہت کرتا ہوں لیکن وہ رکھتا ہوں جو اللہ بھی نہیں رکھتا۔ اب اگر کوئی اور بندہ یہ جملے کہتا تو صحابہ تو اس کی گردن اڑا دیتے۔ یہ ایسے ہی نہیں ہر کسی پہ اعتراض شروع کر دیتے۔ کوئی اٹھے اور غوث پاک پہ اعتراض کر دے، داتا صاحب پہ اعتراض شروع کر دے۔ بھائی جو اس معیار کا ہے وہ بات کرے۔ صحابہ پریشان ہیں، چاروں جملے ذہن میں نہیں آ رہے لیکن کسی کی جرات نہیں کہ کوئی کہے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اتنے میں سرکار مولا علی مشکل کشا آ گئے۔ فرمایا بڑے پریشان بیٹھے ہو۔ کہنے لگے کہ مولا یہ حذیفہ آج کیسی باتیں کر رہا ہے؟ یہ معیار ہوتا ہے رازدرِ پیغمبر کا۔ فرمایا کیا کہتا ہے؟ کہتا ہے کہ وضو کے بغیر صلاۃ پڑھی۔ اب صلاۃ کا معنی نماز بھی ہے، دعا بھی ہے اور درود بھی ہے۔ سرکار مولا علی نے فرمایا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ درود پڑھنے کیلئے وضو شرط نہیں ہے۔ اگر کوئی کر لے تو فضیلت ہے لیکن شرط نہیں ہے۔ یہ اچھی طرح مسئلہ سمجھ لیں کہ ابلیس آپ کو وسوسہ ڈالے گا کہ چلتا پھرتا درود نہ پڑھو کہ تمہارا وضو نہیں ہے۔ وہ تمہیں دور رکھے گا اس سے۔ تفسیر نعیمی میں مفتی احمد یار خان صاحب نے اس کی بڑی خوبصورت شرح کی ہے یہ جو مولا علی سرکار کا جملہ ہے۔ آپ سے جب پوچھا گیا کہ کیا کوئی بندہ بے وضو درود پڑھ سکتا ہے؟ تو مفتی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ اگر کوئی گندہ بندہ سمندر میں چھلانگ لگائے تو وہ انسان تو پاک ہو جاتا ہے لیکن سمندر پلید نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی پاک نہائے تو وہ اور پاک ہو جائے لیکن اسکو مجبوری نہ بنانا۔ اگر کوئی مزدوری کرتا ہے تو چلتا پھرتا درود پڑھا کرے۔ یہ شیطانی وسوسہ کو جھٹک دینا۔ وہ مقربین ہیں جن کیلئے حکم ہے، میرے اور تمہارے لیے نہیں ہے۔ مولا علی سرکار نے فرمایا کہ اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے کہ اگر اس نے وضو کے بغیر درود پڑھ لیا تو، ٹھیک کہا ہے اس نے۔ کہا مولا دوسرا جملہ نہیں سنا؟ کہتا ہے کہ فتنوں سے محبت کرتا ہوں۔ اب صحابہ کی تو ساری

زندگی فتنوں کو ختم کرنے میں لگی تھی۔ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ[1] بھائی قتال بھی اسی لیے ہے کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ جہاد بھی اسی لیے ہے۔ مولا علی سرکار مسکرائے، آپ نے فرمایا کہ حذیفہ نے سچ کہا ہے۔ قرآن کریم میں ہے اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ[2] مال اور اولاد فتنہ ہے۔ کیا زیادہ انسان اس فتنہ سے محبت نہیں کرتے۔ حذیفہ کہہ اپنے کو رہا تھا اور بتا تمہیں رہا تھا۔ کیا صبح کرنی ہے، دن رات فتنوں سے محبت کرتے ہیں، کیا صبح کرنی ہے؟ مولا یہ تیسری بات جو کرتا ہے، کہتا ہے حق سے کراہت کرتا ہوں۔ مولا علی پھر مسکرائے۔ اس کائنات کا سب سے بڑا حق تو موت ہے۔ تم موت سے کراہت نہیں کرتے؟ اب باتیں کرنا تو اور ہے حذیفہ جو تمہیں بتا رہا ہے، سچ بتا رہا ہے۔ رازدارِ پیغمبر ہے۔ اب حذیفہ کی باتوں کی تشریح کیلئے بھی تو مولا علی کی ضرورت ہے۔ آج ہر کوئی اٹھ کر صحابہ پہ بات شروع کر دیتا ہے۔ کہا حضور چوتھی بات جو کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ رکھتا ہوں جو اللہ بھی نہیں رکھتا۔ فرمایا یہ بھی سچ کہہ رہا ہے۔لم یلد ولم یولد۔ اللہ بیوی بچے نہیں رکھتا اور یہ بیوی بچے رکھتا ہے۔ اس لیے رازدار اسے بنایا جاتا ہے جو راز کو سمجھتا ہو اور راز کی حفاظت بھی کرتا ہو۔

غزوہ تبوک سے واپسی پہ جن منافقین نے سرکار پہ حملہ کرنے کی اور شہید کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت حضرت حذیفہ ہی نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ تھے۔ سرکار کو جان بوجھ کر کہا کہ اس راستے سے آئیں اور آگے وہ بیٹھے ہوئے تھے حملے کیلئے۔ جناب عمار یاسر تھے ساتھ اور جناب حذیفہ تھے۔ اب جب بجلی چمکی اور وہ سواریاں لیکر بھاگے تو فرمایا حذیفہ پہچانتے ہو۔ کہا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سواریاں تو پہچان لیں لیکن بندوں کو نہیں پہچان سکا۔ تو ان 12 منافقوں کے نام نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے حذیفہ کو بتائے تھے۔ اس لیے حضرت عمر فاروق، حضرت ابوہریرہ اور باقی صحابہ اس بات کا خیال رکھا کرتے تھے اور ایسے ہی نہیں حضرت حذیفہ آکر کہہ دیا کرتے تھے کہ مجھے پتہ ہے کہ کون

[1] سورۃ البقرۃ:193

[2] سورۃ الانفال:28

کون منافق ہے۔ ساری زندگی کسی کو بتایا نہیں۔ بڑا کوئی زور لگاتا تو اتنا بتادیتے کہ اب 4 مر گئے ہیں، اب 5 مر گئے ہیں، اب 8 مر گئے۔ اب اتنے رہ گئے ہیں۔ اتنی بات بتاتے بس۔

ویسے تو خلیفہ کی جو تعریف ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ اصل کی عدم موجودگی میں خلیفہ کام کرے یا پھر اصل جب اس دنیا سے چلا جائے تو پھر وہ بیٹھے گا۔ تو اللہ تو نہ غیر حاضر ہوتا ہے اور نہ اس کو موت ہے تو اس کو خلیفہ کی کیا ضرورت؟ بڑیا جواب اس کا ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ خلیفہ کی اللہ کو نہیں ضرورت، تمہیں ضرورت ہے۔ اس لیے خلیفہ کی اہمیت یہ ہوتی ہے کہ اصل جب پردہ کر جاتا ہے تو اس کو پتہ ہوتا ہے کہ پچھلوں کو خلیفہ کی ضرورت ہے۔ یہ سرکار مدینہ ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں بھی یہ کام کر کے دکھایا۔ 8 ہجری کو مکہ فتح ہوا اور اس سے اگلے سال پہلا حج تھا جو اسلامی مملکت کے اندر ہونا تھا۔ حج پہلے بھی ہوتا تھا، مکے کے مشرک حج کرتے تھے، وہ حج چھوڑتے نہیں تھے۔ لیکن یہ وہ پہلا حج تھا جس میں امیر مسلمانوں نے ہونا تھا۔ یہ میں اپنے نوجوان بچوں کے نالج کیلئے بات عرض کر دوں اس میں ایک بات تھی کہ یہ حج مسلمانوں نے بھی کرنا تھا اور مشرکوں نے بھی کرنا تھا۔ سب نے آنا تھا لیکن ظاہر ہے مکہ فتح ہو گیا تھا اور سلطنت اسلامی تھی تو امیر حج کسی مسلمان نے ہونا تھا۔ تو نبی پاک ﷺ نے اس حج میں شرکت نہیں کی۔ یہ جو اسلامی ریاست کا پہلا حج تھا اس میں نبی پاک ﷺ نے شرکت نہیں کی۔ اس میں امیر حج نبی پاک ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ اپنی موجودگی میں امیر بنایا۔ سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر حج کے طور پر گئے، خطبہ دیا۔ اب صحابہ کو یہ بتایا گیا کہ جس کو میں نے امیر بنایا ہے اس کی ایسے ہی اتباع کرنی ہے جیسے نبی کی کرنی ہے۔ یہ نہیں کوئی کہہ سکتا کہ میں ابو بکر سے افضل ہوں، بس امیر بنا دیا۔ صوفی اقبال صاحب کو مریدوں نے خلیفہ نہیں بنایا مرشد نے بنایا ہے۔ کوئی ووٹوں سے نہیں بنے۔

لیکن ادب اور احترام جو میں آپ کو بتانے لگا ہوں۔ سورۃ توبہ کی آیات نازل ہو گئیں۔ پہلے دورکوع آپ بھی گھر جا کر پڑھ لیں۔ تھوڑی تکلیف کر لیا کریں۔ اللہ نے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ[1] یہ مشرکین پلید ہیں انکو اللہ کے گھر کے قریب نہیں آنے دینا۔ ساتھ چار مہینے کی مہلت دی کہ اگر کوئی توبہ کرلیتا ہے، اسلام قبول کرلیتا ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو ان کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔ یہ سورۃ توبہ کے پہلے رکوع میں ہے۔ اب یہ آیات نازل ہو گئیں، قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ اب نبی پاک ﷺ نے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو یہ آیات دیکر بھیجا کہ جاؤ جاکر مشرکین سے جاکر کہو کہ آئندہ سال تم نے حرم کے قریب نہیں آنا۔ میرے ویسے حج کے موقع پہ دوسرے دوست تھے جو کہا کرتے تھے کہ یہ بریلوی تو مشرک ہوتے ہیں۔ میں نے ان سے بھی کہا تھا کہ خدا کا خوف کھائیں، مشرک حرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تو یہ جتنے بھی آپ کو حرم میں نظر آتے ہیں ناں، یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں جگہوں پہ حرمین شریفین کی وہ سڑکیں علیحدہ ہو جاتی ہیں کافروں کیلئے۔ ایک ہے بات کہ کافر اور مشرک تو نہیں آسکتا لیکن منافق آسکتا ہے۔ تم اپنی فکر کرو کہ کہیں تمہارے اوپر منافقت کا الزام تو نہیں؟ مولا علی سرکار منیٰ کے مقام پہ پہنچے۔ یہ واقعہ سے آپکو ادب بتانا مقصود ہے۔ سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا، بڑا خوبصورت سوال، کہا علی اب تمہیں امیر بنا دیا گیا ہے؟ کہا نہیں، امیر آپ ہی ہیں میں سفیر ہوں۔ آپ کو امارت سے معزول نہیں کیا گیا۔ اس قافلے کے امیر آپ ہی ہیں لیکن نبی کا سفیر میں ہوں۔ اب چونکہ آپ یہ اعلان کرتے تو مشرکین نے کہنا تھا کہ نبی کے خاندان کا کوئی بندہ آکر اس معاہدے کو توڑے۔ تو اس لیے امیر تو کوئی بھی بن سکتا ہے لیکن سفیر خاندان سے باہر نہیں بن سکتا۔ واپسی پہ بھی سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ بڑی باتیں کرتے ہیں یارسول اللہ ﷺ۔ کوئی کہتا ہے کہ دیکھو ابو بکر کو امیر تو بنا دیا اور بعد میں علی کو بھیج دیا اور علی نے یہ سورۃ توبہ کی آیات جاکر مشرکوں کے سامنے تلاوت کیں اور ان سے معاہدہ توڑا اور جو معاملات کرنے تھے۔ تو سرکار نے فرمایا ابو بکر تو صرف امیر ہی نہیں میرا یارِ غار بھی ہے۔ اسی لیے جسکو نبی نے امیر بنا دیا اس کی پھر علی نے بھی حیاء کی۔ پھر اعتراض نہیں ہوتا اس لیے کہ بڑے سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کرتے ہیں۔

---

[1] سورۃ التوبہ:28

یہ خوش قسمتی ہے حضرت صاحب کی مبارک روح، جہاں ذکر ہوتا ہے وہاں وہ موجود ہوتی ہے۔ یہ محفل چونکہ خاص ہوتی ہے یہ عام محفل نہیں ہوتی۔ اس میں باتیں بھی خاص ہوتی ہیں۔ ایک بات کہیں میں بھول نہ جاؤں، حمد اور مدح۔ آج ہم نے اپنے شیخ کی مدح میں چند جملے کہنے ہیں۔ حمد اللہ کی ہوتی ہے اور مدح اس کے بندوں کی ہوتی ہے۔ حمد کا آپ معنیٰ کر لیتے ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے۔ پھر کافی دیر بعد سمجھ آئی کہ تعریف اچھی بھی ہوتی ہے اور بُری بھی۔Famous بھی ہوتا ہے اورNotorious بھی ہوتا ہے۔ تعریف تو ہوتی ہے لیکن پھر کہا گیا سبحان اللہ عما یصفون۔ پھر کہا گیا کہ وہ تعریف جو اللہ کے لائق ہے۔ پھر اعلیٰ حضرت نے جب ترجمہ کیا تو انہوں نے لکھا کہ تمام خوبیاں اللہ کیلئے۔ تمام کمالات اللہ کیلئے۔ یہ بڑا اہم موضوع ہے۔ تمام خوبیاں اور کمالات اللہ کیلئے۔ تو پھر ہم اس کے بندوں کی تعریف کیوں کر رہے ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کیوں کر رہے ہیں؟ اسماعیل علیہ السلام کی؟ موسیٰ علیہ السلام کی؟ آصف بن برخیا کی کیوں کر رہے ہیں؟ صحابہ کی کیوں کر رہے ہیں؟ اہل بیت کی کیوں کر رہے ہیں؟ یہ تھوڑا سا فرق سمجھیں۔ حمد، وہ تمام کمالات جس کے ہیں اسکو اختیار بھی ہے۔ اللہ کے کمالات ہیں تو اللہ کو ان کمالات پہ اختیار بھی ہے۔ بندے کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی عطا ہے اس پہ اس کا اختیار نہیں ہے۔ وہ قادر ہے تو قدرت پہ اختیار رکھتا ہے۔ میں اگر کسی بات پہ قادر ہوں تو اس کی عطا سے ہوں۔ وہ علیم ہے تو علم پہ اختیار رکھتا ہے۔ میرے پاس اگر علم ہے تو اس کی عطا ہے اس پہ میرا اختیار نہیں ہے۔ تو جس کا اختیار ہو اس کی حمد ہوتی ہے اور جس کا کمال بغیر اختیار کے ہو اس کی مدح ہوتی ہے۔ یہی سے یہ دونوں گروہ تشکیل پاتے ہیں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۔ یہ دونوں گروہ اسی مقام سے تشکیل پاتے ہیں۔ جو اپنے کمالات کو اللہ کی عطا سمجھتے ہیں وہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ بن جاتے ہیں اس کے انعام یافتہ ہوتے ہیں، اس کے ولی ہوتے ہیں اور جو سمجھتے ہیں کہ ہمارے کمال ہمارے اختیار میں ہیں وہ زمین پہ فساد پیدا کرتے ہیں۔ ان پہ اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ اس لیے جب بھی کوئی بندہ دم کروا کر یا تعویز لیکر جاتا تھا اور آکر کہتا کہ مجھے شفا ہوئی، مجھے بیٹا مِلا یا بیٹی تو آپ فرماتے کہ اللہ کا فضل ہوا ہے۔ اس لیے یہ لائن جو ہے ناں وہ ذہن میں رکھنا کہ جس انسان کو یہ احساس ہو جائے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ میرے اللہ کا ہے، اس پہ میرا اختیار نہیں۔ اُسی کو پھر اختیار دیا جاتا ہے کہ تم انسان بناؤ۔ قادر نے قادر کو قادر بنایا۔

پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔ پھر میرے پاک پیغمبر صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہماری یہ رہنمائی فرماتے ہیں اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله[1] مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس لیے ہر وہ شخص فساد پیدا کرتا ہے جو کمالات کو اپنے اختیار میں سمجھتا ہے۔

یہ لفظ ولایت جو ہے ناں، ولی آپ جسے کہتے ہیں، اس کے بنیادی تین معنی ہیں۔ مفردات القرآن میں امام راغب نے اس پہ بڑی بحث کی ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا[2] اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۔ وہ جو میں نے پہلے جملہ کہا تھا ناں کہ پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے، وہ میں عرض کرنے لگا ہوں۔ ایک اس کا معنیٰ ہے محبت، اللہ ولی سے محبت کرتا ہے اور ولی اللہ سے محبت کرتا ہے۔ دوسرا معنیٰ، چونکہ یہ قرآن کا معاملہ ہے۔ دوسرا معنیٰ اس کا لکھا گیا ہے قرب۔ یعنی اللہ کا قرب نصیب ہو کسی کو۔ جب قرب نصیب ہوتا ہے تو پھر ولایت کا معنیٰ حاکم ہوتا ہے۔ پھر قرآن نے یہ بات کہی فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[3] تم پڑھتے رہو نمازیں، حج کرتے رہو، اگر تم نے میرے نبی کا حکم نہیں مانا تو تم مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ نہیں ہے کہ میں ولایت کے معاملے میں یہ کہوں کہ مرضی ہے میں مانوں یا نہ مانوں؟ جب ولایت مقامِ قرب پہ پہنچتی ہے تو پھر حاکم کے درجے پہ اس کو پہنچایا جاتا ہے۔ پھر وہ مشہور حدیث ہے، پھر حکم کیوں ضروری ہے؟ من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب، وما تقرب إلي عبدي بشيء احب إلي مما افترضت عليه، وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى احبه، فإذا احببته كنت سمعه الذي يسمع به، وبصره الذي يبصر به، ويده التي يبطش بها، ورجله التي يمشي بها، وإن سالني لاعطينه، ولئن استعاذني لاعيذنه، وما ترددت عن شيء انا فاعله ترددي عن نفس المؤمن يكره الموت، وانا اكره مساءته[4]۔ اب وہ اللہ کے کانوں سے سنتا ہے۔ اللہ کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اللہ کے

---

[1] سنن ترمذی:3127

[2] سورۃ البقرہ:257

[3] سورۃ النساء:65

[4] صحیح بخاری:6502

ہاتھوں سے پکڑ تا ہے۔ اس حدیث پہ کسی کا اعتراض بھی نہیں ہے۔ آخری جملہ تو ہلا کے رکھ دیتا ہے۔ ہم ایسے ہی کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کے ولیوں کے ہمارے گھروں میں قدم لگ جائیں۔ سرکار نے فرمایا پھر وہ اللہ کے قدموں سے چلتا ہے۔ اب کسی کی کیا جرات کہ وہ کہے کہ میں اللہ کے ولی کا حکم نہ مانوں۔ یہ تین درجے ہیں ولایت کے، یہ بھی پھر ایک علیحدہ موضوع بن جائے گا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُہُمْ میرا اللہ فرماتا ہے کہ جب ایمان والوں کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ تکبر نہیں رہتا، عاجزی آجاتی ہے۔ جسم نہیں، ان کے دل کانپ اُٹھتے ہیں۔ کیوں؟ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ یہ گوشت کا لوتھڑا اگر صحیح ہو گا تو تمہاری آنکھ بھی صحیح ہو گی، تمہارے کان بھی صحیح ہونگے، تمہارے ہاتھ بھی صحیح ہونگے، تمہارے پاؤں بھی صحیح ہونگے۔ لیکن اگر یہ لوتھڑا خراب ہوا تو تمہارا سارا جسم برباد ہو جائے گا[1]۔ اس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں کہ جیسے شیخ کے سامنے رہنا ویسے ہی بعد میں بھی رہنا تاکہ شیخ کا تصور دل میں رہے اور روح پاک رہے۔ یہ نہیں کہ پیروں کو کوئی نذر نیاز دی اور بات ختم؟ عرس پہ دیگ پکالی تھی اور کوئی چاول دے دیے تھے۔ نہیں یہ مقصد نہیں ہے۔

وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا اور جب قرآن کی آیات ان پہ تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اضافہ یہ نہیں ہے کہ پہلے چار فٹ کا تھا اور اب چھ فٹ کا ہو گیا۔ ایمان مضبوط ہو جاتا ہے۔ شک نہیں رہتا، یقین کی کیفیت میں آجاتا ہے۔ اور آیت ختم بھی اس بات پہ ہو رہی ہے وَ عَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ ایمان جب مضبوط ہوتا ہے تو توکل صرف اللہ پہ ہوتا ہے اور کسی پہ نہیں ہوتا۔ جس کا توکل کسی اور پہ ہے، اس کو کیا پتہ ایمان کیا ہے؟ دِل کانپے اور ایمان میں اضافہ ہو۔ اسکی ایک ہی نشانی ہے کہ اس کو اپنے رب پہ بھروسہ اور توکل ہو۔

---

[1] مسند الحمیدی:945

جو اللہ تعالیٰ نے صلاحیتیں دی ہیں، عقل کی، علم کی، مہارتیں دی ہیں وہ ساری استعمال کرنی ہیں لیکن نتیجہ اپنے اللہ پہ چھوڑنا ہے۔ نتیجہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں کشتی بنا سکتا ہوں۔ میرے اختیار میں کشتی بنانا ہے، اس نے ڈوبنا ہے یا کنارے لگنا ہے یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اب یہ نہیں ہے کہ کشتی کے بغیر چھلانگ لگا دینی ہے۔ جو کشتی کے بغیر ڈوب جائے گا وہ خود کشی کرے گا اور جو کشتی میں ڈوب جائے گا وہ شہید کہلائے گا۔ قرآن کی اس بات کی اگر کسی کو سمجھ آجائے کہ جو وسیلہ اختیار کر کے مرے وہی شہید ہوتا ہے۔ ایسے ہی تو نہیں پیغمبر ﷺ نے کہہ دیا تھا مثل اهل بيتي كمثل سفينة نوح[1]۔ یہ حکم بڑا سخت ہے، جو اپنے امیر کی اطاعت کے بغیر مر گیا، وہ جہالت کی موت مر گیا۔ اس کو مذاق نہ سمجھنا کہ میں اپنی مرضی کروں۔ سرکار نے بھی کشتی کی مثال دی، اگر کوئی کشتی میں بیٹھ کر دنیا سے چلا جائے تو وہ شہید ہے۔ ڈائیریکٹ چھلانگ لگا کر مرے گا تو خود کشی ہے، حرام کی موت مرے گا۔ بس اللہ فرماتا ہے کہ وسیلہ اختیار کرو۔ کشتی نے بھنور میں پھنسنا ہے یا اس نے کنارے لگنا ہے، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن پھر وہی، دونوں لوگوں کی لائن ڈرا کر کے آگے نکلتا ہوں۔ کشتی کنارے لگ جائے تو زورِ بازو کی باتیں، کامیابی کی باتیں۔ کشتی بھنور میں پھنس جائے تو اللہ کو یاد کیا جاتا ہے۔ کیا انسان ہے؟ بھنور میں پھنس جائے تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، اگر وہی کشتی کنارے لگ جائے تو زورِ بازو کی باتیں کرتے ہیں۔ محنت ہی بڑی کی ہے، ساری ساری رات جاگتا رہا ہوں۔ فرمایا نہیں۔ وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا[2] راتیں گزارتے ہیں لیکن سحری کے وقت یہ نہیں کہتے کہ محنت کی ہے۔ مولا یہ جو وضو بھی کیا ہے تو تیری مدد سے ہی کیا ہے۔ یہ جو قیام بھی کیا ہے تو تیری مدد سے ہی کیا ہے۔ اياک نعبد و اياک نستعين کی ایک تفسیر یہ بھی لکھی ہے۔ اس کی جو تیس بتیس تفسیریں مفسرین نے لکھی ہیں اس میں ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ نعبد کے ساتھ نستعین کیوں آیا ہے؟ اس لیے کہ انسانی ذہن میں کبھی کبھی یہ شیطانی وسوسہ بھی آجاتا ہے کہ میں نے عبادت کی۔ اگر یہ شیطانی وسوسہ آئے تو ساتھ ہی نستعین کہے کہ مولا جو عبادت کی ہے وہ تیری مدد سے کی ہے تاکہ اس شیطانی وسوسے کو جھٹک دیا جائے۔ اسی لیے میرے

---

[1] معجم الصغیر للطبرانی:868

[2] سورۃ الفرقان:64

حضرت صاحب قبلہ نے ساری زندگی بندے نہیں چھوڑے کہ جاؤ لوگوں کو کرامتیں بتاؤ۔ کاروبار نہیں بنایا۔ کیوں بھلا؟ اس لیے کہ توکل اللہ پہ تھا۔ جن کا اللہ پہ توکل ہوتا ہے وہ پھر انسانی سہارے نہیں لیتے۔ یہ اللہ فرمارہا ہے کہ جن کے ایمان مضبوط ہوتے ہیں، یقین کی کیفیت میں ہوتے ہیں، انکی ایک ہی نشانی ہے کہ وہ توکل اللہ پہ کرتے ہیں۔ اب یہاں وہ انسان جو کنارے پہ پہنچ کر کہتے ہیں، اوہ! بھنور میں تو سارے ہی اللہ کو یاد کرتے ہیں، جو کنارے پہ پہنچ کر کہتے ہیں کہ تیری مدد سے پہنچا ہوں وہی اللہ کے ولی ہوتے ہیں۔ وہی انعام یافتہ ہوتے ہیں۔ یہ اپنے کمال کو اپنا اختیار نہیں سمجھتے۔

اگلی دو نشانیاں، یہ تین نشانیاں ذہن میں رکھیں۔ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ نماز قائم کرتے ہیں۔ نماز کو ہلکا نہیں سمجھتے۔ کوئی نہیں گل تھوڑی دیر بعد پڑھ لیں گے۔ یہ نماز کو ہلکا سمجھنا ہوتا ہے، اہمیت نہ دینا۔ پورا اہتمام کرنا نماز کیلئے۔ یہ دونوں چیزیں مفسرین نے لکھی ہیں کہ نماز کو پورے اہتمام کیساتھ پڑھنا اور پڑھ کر جس جس کام پہ جانا پھر اس نماز کو قائم رکھنا۔ اب دوکان پہ بیٹھا ہے تو ملاوٹ والی چیزیں نہ بیچے، نماز کو قائم رکھے۔ اب جھوٹ نہ بولے، نماز کو قائم رکھے۔ اب کسی سے بدعہدی نہ کرے۔ بددیانتی نہ کرے، بے حیائی نہ کرے۔ نماز کو قائم رکھے۔ صبح گھر سے جب نکلیں تو آپ کے ذہن میں پورا شیڈول ہونا چاہیئے کہ میں نے ظہر کہاں پڑھنی ہے، عصر کہاں پڑھنی ہے۔ اس لیے کہ یہ کم از کم ہے اور یہ اہتمام گھر میں آپ کے بچوں کو بھی نظر آنا چاہیئے۔ اگر آپ کو نہیں پتہ کہ اہتمام کیا ہوتا ہے تو میرے حضرت صاحب قبلہ کو وضو کرتا ہوا دیکھ لیا کریں۔ ہر وضو کیساتھ کنگی کرتے ہوئے دیکھیں، پھر خوشبو لگا کر کہ میں نے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ اس کو اہتمام کہتے ہیں۔ ہم نے کہیں شادی پہ جانا ہو تو بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ بھائی یہ اللہ سے ملاقات ہے آپ کی۔ اس کے لیے پورا اہتمام کرنا۔ توکل اللہ پہ جو کرتے ہیں وہ نماز کو چھوٹا نہیں سمجھتے۔

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ بات پھر وہی ہے جہاں سے شروع ہوئی تھی کہ جو اللہ نے دیا ہے۔ رزق دیا ہے تو وہ خرچ کرو۔ وقت دیا ہے تو وہ خرچ کرو۔ علم دیا ہے تو وہ خرچ کرو۔ کسی کی دلجوئی کرسکتے

ہو قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًىؕ[1]۔ایک میٹھے بول سے کسی کا دل خوش کر سکتے ہو۔ جو اللہ نے دیا ہے۔ یہاں مجھے سرکار امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ بڑا کمال کا، غسل فرما رہے تھے، ابھی ایک تہبند باندھا ہے، قمیص ابھی پہنی ہے۔ کپڑے پورے نہیں پہنے۔ غلام کو آواز دی کہ میرا فلاں جو بہترین لباس ہے وہ فلاں بندے کو دے آؤ اس کو ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ امام آپ کپڑے پہن لیں، باہر آجائیں غسل خانہ سے۔ فرمایا نہیں، نیکی کا خیال جب دل میں آتا ہے تو مہمان ہوتا ہے اور اگر مہمان کی عزت نہ کی جائے تو اس گھر میں واپس نہیں آتا۔ اگر مہمان کا احترام نہ کیا جائے تو وہ اس گھر میں واپس نہیں آتا۔ اس لیے نیکی کا خیال جب آئے کر گزرو۔ مہمان کی توہین نہ کرو۔ جب یہ عقیدہ پختہ ہو جائے گا کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ میرے اللہ کا ہے تو پھر آپ نہ کسی کو احسان جتلاؤ گے اور نہ دل دکھائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ کہہ کر۔۔۔ کہ میرا دیا ہوا ہے ناں۔ جو اللہ نے تمہیں دیا ہوا ہے۔ اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کر ثواب تجھے دوں گا۔ خرچ تو اپنا نہیں کر رہا۔ خرچ تُو اللہ کا ہی کر رہا ہے لیکن ثواب پھر اُلٹا تجھے دوں گا۔ قرآن شروع بھی یہاں سے ہوا تھا۔ یہ جو آج کل کہتے ہیں کہ ہدایت نہیں ہدایت نہیں۔ بھائی تین ہی باتیں ہیں وہاں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ[2] کے آگے کیا تھا۔ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[3] قرآن تو شروع ہی اس بات سے ہوا تھا کہ ہدایت ملنی ہی اسے ہے جو ایمان بالغیب پہ یقین رکھتا ہے، نماز قائم کرتا ہے اور اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتا ہے۔ یاایھاالذین امنو اکثر آپ پڑھتے ہیں، سنتے ہیں۔ لیکن یہاں کیا کمال کا جملہ اللہ نے فرمایا۔ فرمایا جو توکل کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یہ ہیں حق والے مومن۔ اب صرف مومن نہیں کہا۔ درجہ

[1] سورۃ البقرۃ:263

[2] سورۃ البقرۃ:2

[3] سورۃ البقرۃ:3

بتایا ناں۔ ایمان والے تو بڑے ہوں گے لیکن حق والے کون ہوں گے؟ جو توکل کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اب سمجھ آئی لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ سوال میں نے اٹھایا تھا کہ پھر بندوں کی مدح کیوں بیان کر رہے ہو؟ میرا اللہ فرماتا ہے کہ اس لیے کر رہے ہو کہ ان کو درجے اللہ نے دیے ہیں۔ لَهُمْ دَرَجٰتٌ ان کیلئے درجے ہیں عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے رب کے پاس۔ کسی کی کیا جرات، یہ تو اپنی خوش قسمتی سمجھیں کہ آپ اللہ کے ولی کا ذکر کر رہے ہیں۔ میں نے جب سے سرکار کا وہ پیغام پڑھا ہے ناں، ہم میں اگر کوئی بھی حضرت صاحب کا ذکر نہ کرے۔ جب تک نماز پڑھی جاتی رہے گی السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک جتنے صالحین گزرنے ہیں، ہر نمازی کا سلام ان تک پہنچایا جائے گا۔

شاہد صاحب ایک جملہ کہہ رہے تھے کہ وہ بوجھ جو آسمانوں اور زمینوں نے نہیں اٹھایا وہ انسان اٹھائے پھر رہا ہے۔ یہاں اللہ نے کوئی ستائش نہیں کی، کوئی شاباش نہیں دی۔ فرمایا ظَلُوْمًا جَهُوْلًا[1]۔ ظالم نہیں، ظلوم، سب سے بڑا ظالم تھا جس نے یہ عہدہ اٹھایا۔ جاہل نہیں، جہول۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ[1] چاہیے تو یہ تھا ناں کہ اللہ تعالیٰ شاباش دیتا کہ جو بوجھ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے نہیں اُٹھایا۔ بڑی بات ہے کہ انسان نے اُٹھالیا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ تو بڑا ظالم ہے، بڑا جاہل ہے۔ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ وہ آسمان، زمین، پہاڑ، وہ سارے تو گھبرا گئے، معذرت کرلی کہ مولا ہم نہیں اُٹھاسکتے۔ اور تُو کیا سمجھتا رہا کہ یہ بے جان ہیں، نباتات ہیں، جمادات ہیں، ان کو عقل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی کوئی ستائش نہیں کی۔ یہاں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ امانت ہے ارادے کی کہ اگر تمہیں ارادہ دوں گا تو کہاں استعمال کروگے؟ اس کو اللہ کی عطا سمجھو گے یا اپنا اختیار سمجھو گے؟ اس لیے تو آپ مرید ہوتے ہیں ناں، مرید اللہ کی صفت ہے، ارادہ کرنے والا۔ مرید کوئی چھوٹا مقام ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ بہت بڑا ظالم تھا۔ یہاں جنس انسانی کی بات ہو رہی ہے۔ ہمارا عقیدہ کیا ہے کہ انسان تو

[1] سورۃ الاحزاب:72

انبیاء اکرام بھی ہیں۔ انبیاء سارے انسانوں میں سے ہی آئے، فرشتوں اور جنوں میں سے نہیں آئے۔ یہ جملہ ان کے لیے نہیں ہے۔ یہ جملہ انبیاء کیلئے نہیں ہے۔ یہ کوئی ایک جنس تھی انسانوں کی جن کو اللہ تعالیٰ سرزنش کر رہا ہے کہ یہ بڑے ظالم ہیں، یہ بڑے جاہل ہیں۔ اگر اس تاج کی اہمیت کو سمجھتے نہیں تھے تو پہن کیوں لیا تھا؟ اگر نبھا نہیں سکتے تھے تو کیوں اُٹھا لیا تھا؟ تم سے تو وہ جمادات بہتر ہیں جن کو پتہ تھا کہ ہم نہیں اُٹھا سکتے۔ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہی کرنی تھی تو کیا ضرورت تھی یہ تاج پہننے کی؟ اس لیے یہ کوئی شرف والی بات نہیں ہے۔ یہ میں نے جنس کی بات کی ہے۔ عمومی سطح پر اس کا معنیٰ اور ہو گا۔

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے رب کے نزدیک ان کے درجے ہیں۔ وَ مَغْفِرَةٌ اور بخشش ہے۔ یہ میں نے حضرت صاحب کے چالیسویں پہ بھی یہ بات کہی تھی کہ یہ جاہلوں والی بات نہیں کرنی کہ ان کو تو پڑھائی کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیے کہ میرے پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ 70 مرتبہ تو میں استغفار کرتا ہوں دن میں [1]۔ تم کون ہوتے ہو جو کہنے والے کہ ہمیں مغفرت کی ضرورت نہیں ہے؟ ایک روایت میں 100 مرتبہ ہے اور ایک میں 70 مرتبہ ہے۔ اور جنت البقیع میں نبی پاک ﷺ صحابہ کیلئے مغفرت کی دعا کرتے تھے۔ یہ تو بہت بڑا اعزاز ہے۔ اللہ نے انکے اعزاز میں پہلے فرمایا کہ ان کے رب کے نزدیک ان کے لیے درجے ہیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ ان کے لیے مغفرت کا عہدہ بھی ہے۔

آخری جملہ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ، پھر ہم انہیں عزت والا رزق دیتے ہیں۔ انکو کسی کا محتاج نہیں رہنے دیتے۔ میں جب یہ آیت پڑھتا ہوں۔ حضور صاحبزادہ صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں حضرت صاحب کے دسویں پہ بھی یہ بات کہی تھی کہ کیا قرآن پہ عمل کرنے والے ہمارے بڑے بزرگ، دادا مرشد سرکار نے وصیت بھی کی تو کیا کی؟ اگر کبھی زندگی میں مجبور ہو جائیں کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑ جائے تو دعا کرنا کہ تیرا ہاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑے۔ وہ ہاتھ جو اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے پھیلایا گیا؟ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا؟ یہاں اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ

---

[1] صحیح بخاری:6307

ہم ان کو رزق دیتے ہیں۔ فرمایا عزت والا رزق دیتے ہیں۔ وہ جو عزت والا رزق ان کو دیتے ہیں۔ یہاں پھر قرآن کہتا ہے وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْۤا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًاؕ[1]۔ شرط یہ ہے کہ زندگی ہجرت والی گزارے۔ ہجرت اس جسم کیلئے نہیں، ہجرت مقصد کیلئے کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھی بہن بھائی آگئے تھے ناں، یا ہمیں رکھ یا اللہ کو رکھ۔ مقصد کیلئے تو پھر بہن بھائی بھی چھوڑنے پڑتے ہیں۔ مقصد کیلئے تو پھر ماں باپ بھی چھوڑنے پڑتے ہیں۔ ہجرت کرے انسان، اللہ کیلئے زندگی گزارے۔ میرے اللہ نے فرمایا کہ پھر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ثُمَّ قُتِلُوْۤا اَوْ مَاتُوْا کہ وہ میدان جنگ میں شہید ہوا ہے یا بستر مرگ پہ ہی اس کو موت آگئی ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًاؕ اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق حسن کا وعدہ کیا ہے۔ اس لیے جب عزت والا رزق کسی کو ملتا ہے تو پھر وہ لنگر مند نہیں رہتا۔لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے رب کے ہاں انکے درجے ہیں۔ مغفرت ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے رزق کریم، عزت والا رزق عطا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[1] سورة الحج:58

وسیلہ کی اہمیت

قرآن: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔
(سورۃ المائدہ: 35)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

خاکہ:-

1. حضرت صاحب کا پیر شریف کو انتقال ہوا تھا۔
2. صرف ایمان اور تقویٰ کافی نہیں بلکہ وسیلے کی ضرورت ہے۔
3. خوشبو اُنہیں آتی ہے جن کے دل کی ناک کھلی ہو۔
4. وسیلہ اسے بنانا جو رسیو رکمال کا ہو۔
5. دنیادارِ غفلت ہے۔
6. سب سے بڑا وسیلہ پاک پیغمبر ﷺ کی ذات ہیں۔
7. ریاکاری شرک اصغر ہے۔
8. وسیلے کے بغیر کسی کو کوئی مقام نہیں ملتا۔
9. شادی والے گھر سے کوئی بھی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔

آج یہ ہمارے کالا چک اور میاں کوٹ والے پیر بھائیوں نے حضرت قبلہ کے لیے ذکر کی اس تقریب کا اہتمام کیا ہے۔

ویسے عام لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اپنے پیر و مرشد کے ذکر کیلئے یہ اتنا شوق کیساتھ اہتمام کیوں کیا جاتا ہے؟ اس حوالے سے میں نے یہ سورۃ مائدہ کی آیۃ مبارکہ تلاوت کی ہے۔ بات وہ نہیں کرنی جو میری ہو یا آپ کی ہو، بات وہ کرنی ہے جو میرے اللہ کی ہو۔ جو میرے پیارے رسول ﷺ کی ہو۔ تو میرے اللہ نے مجھے پیدا کیا تو میرے اللہ نے ہی مجھے کامیابی کا طریقہ بتایا۔ اس کے لیے جو پہلی بات ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ، پہلی چیز ایمان ہے۔ اتَّقُوا اللّٰہَ دوسری منزل کیا ہے؟ تقویٰ اختیار کرو۔ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ اور اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ اختیار کرو۔ وَ جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ اور اس کی راہ میں کوشش کرو، جہاد کرو۔ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اب اس آیت کی جو تفاسیر لکھی گئیں اور وسیلہ پہ جو گفتگو ہوئی۔ کچھ مفسرین نے لکھا کہ وسیلہ سے مراد نماز ہے کہ نماز پڑھو اور اللہ تک پہنچ جاؤ۔ کچھ نے کہا کہ اعمالِ صالح جو ہیں وہ وسیلہ ہیں۔ اعمال صالح کرو اور اللہ تک پہنچ جاؤ۔ لیکن اس میں جو بحث ہے وہ یہ ہے کہ جو بندہ ایمان والا ہے۔ اس میں پہلی شرط ایمان ہے اور پھر تقویٰ ہے۔ تو کیا جو ایمان والا ہے، جو متقی ہے، کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ بھائی نماز کے بغیر تو کوئی متقی ہو نہیں سکتا۔ جتنے بھی اعمالِ صالح تھے وہ تو تقویٰ میں ہی آ گئے۔ اگر اعمالِ صالح ہی وسیلہ تھے تو وہ تو تقویٰ میں ہی تھے۔ اور تقویٰ کی منزل تو پہلے تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تیسرے درجے پہ یہ بات ارشاد فرمائی کہ تم نے ایمان بھی قبول کیا اور اس کے بعد اعمالِ صالح بھی کیے۔ چوتھی چیز تھی اللہ کی راہ میں کوشش کرنا، اللہ تک پہنچنے کیلئے کوشش کرنا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ تو اس جہاد کیلئے صرف ایمان اور تقویٰ کافی نہیں بلکہ کسی کا وسیلہ بھی ضروری ہے۔ وہ جو اللہ کی راہ میں آپ نے جہاد کرنا ہے، اللہ کی راہ میں کوشش کرنی ہے، اس کیلئے آپ کو وسیلے کی ضرورت ہے۔

یہ جو میرا ظاہری جسم ہے ناں، اس میں یہ پانچ حواس خمسہ ہیں (five senses)۔ آنکھیں ہیں، کان ہیں، ناک ہے، زبان سے چکھتے ہیں، ہاتھ سے چھوتے ہیں۔ اسی طرح میرے دل کے اندر جو روح ہے اس کے بھی

ایسے ہی حواس ہیں۔ یہ بنیادی چیز سمجھنے والی ہے۔ روح کی بھی آنکھیں، کان ہیں، روح کی بھی ناک ہے۔ اس کے بھی ایسے ہی حواس ہیں۔ اب یہ جو میرے ظاہری حواس ہیں، ان کے ساتھ میں جہاد نہیں کر سکتا۔ ان کیساتھ میں کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا۔ اسی لیے قرآن کریم کی یہ آیت پہلے بھی میں نے کئی دفعہ عرض کی ہے کہ قرآن ان آنکھوں کے اندھا ہونے کو کوئی اتنا بڑا نہیں سمجھتا۔ کیا ارشاد فرمایا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ یہ جو بدبخت لوگ ہوتے ہیں، انکی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ[1] بلکہ ان کے سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ اب وہ جو دل کی آنکھ تھی جب وہ اندھی ہوتی ہے تو پھر انسان بدبخت ہوتا ہے۔ اس کی دل کی آنکھ نے دیکھ کر بتانا تھا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔ اب وہ جو دل کی آنکھ ہے، دل کے کان ہیں، دل کی ناک ہے۔ اب میں حج پہ بھی گیا 2016 میں تو ہم غزوہ احد کے جو شہداء ہیں، وہاں حاضری کیلئے گئے۔ ساتھ ساتھ سارے کھڑے ہیں، اب کچھ لوگ جو ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ ماشاء اللہ، بڑی پیاری شہداء کی قبروں سے خوشبو آرہی ہے۔ ہمارے ساتھ ہی کچھ لوگ کھڑے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں تو کوئی نہیں آرہی۔ جنت البقیع میں آپ جائیں، سیدہ پاک کی قبر پہ جائیں، امام حسن کی قبر پہ جائیں، لوگ وہاں پہنچتے ہی کہیں گے کہ بڑی پیاری خوشبو آرہی ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ بھائی ہمیں تو نہیں آرہی۔ تو جب ہم ہوٹل میں واپس آئے تو یہ بات چل نکلی کہ جگہ ایک ہے، انسانوں کے ناک وہی ہیں تو یہ کیا بات ہے کہ کچھ کو خوشبو آرہی ہے اور کچھ کو نہیں آرہی؟ تو وہ چونکہ مجھ سے پوچھ رہے تھے تو آپ کو تو پتہ ہے کہ ہم تو قرآن کریم کے طالبعلم ہیں، ہماری تو پہلی نظر ہی اُدھر اٹھتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا کرم فرماتا ہے کہ ایسی کوئی دلیل دے دیتا ہے۔ تو میں نے انکو کہا کہ یہ کونسی عجیب بات ہے، قرآن کریم نے اس کو بیان فرمایا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انکو پہچان لیا۔ جب ایسے مصافحہ کیا ناں تو قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ[2] چہرے پہ تو پردہ تھا ناں۔ جونہی ہاتھ ملایا تو کہا کہ کیا تُو یوسف ہے؟ بنیامین نے پہچانا تھا۔ سگے بھائی نے پہچانا تھا۔ جس کے دل میں طلب تھی یوسف کو پانے کی اس نے پہچانا تھا۔ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِیْ کہا میں یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا

---

[1] سورۃ الحج:46

[2] سورۃ یوسف:91

بھائی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے پتہ وہ کیا کہہ رہے تھے؟ وہ کہہ رہے بادشاہ اس نے چوری کی ہے ناں، تیرے بھائی نے بنیامین نے، اس وقت تو وہ بادشاہ سمجھ رہے تھے ناں۔ تو وہ کہہ رہے تھے کہ کوئی بات نہیں اس کا ایک بھائی تھا یوسف اُس نے بھی پہلے چوری کی تھی۔ اس نے کرلی تو کیا ہوا۔ تو یہ اس کا جواب ہے کہ اَنَا یُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِیْ۔ پھر شرمندہ ہوئے۔ مختصر ہے یہ واقعہ، میں آپ کو جہاں لیکر آنا چاہتا تھا۔ وہاں سے پھر قاصد چلا ناں یوسف علیہ السلام کی قمیض لیکر تو قرآن کیا کہتا ہے وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ[1]۔ 90 کوس کے فاصلے سے، مصر سے وہ چلا ہے اور کنعان میں یعقوب علیہ السلام بیٹھے ہیں۔ اب انکے گھر میں ان کے پوتے تھے، انکے گھر والے سارے لوگ بیٹھے تھے اور یعقوب علیہ السلام کیا فرمارہے ہیں؟ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ مجھے میرے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ بھائی یہ جو خوشبو ہوتی ہے ناں یہ اس ناک سے محسوس نہیں ہوتی، یہ دل کے ناک سے محسوس ہوتی ہے۔ بھائی یہ ناک جو ہے ناں یہ محدود ہے۔ چند فٹ تک خوشبو محسوس کرے گا لیکن جو یہاں بیٹھ کر مدینے کی خوشبو بھی محسوس کرتے ہیں ناں وہ دل کی ناک سے کرتے ہیں۔ وہ اس ناک سے نہیں کرتے۔ جو یہاں بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے مدینہ دیکھتے ہیں ناں وہ دل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے جملہ بڑا پیارا فرمایا۔ قرآن کریم ہے۔ کون سا میری بات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھا سٹھیا گیا ہے۔ جو میں بات کہنے لگا ہوں ناں تم نے کہنا ہے کہ بابے کو اب سمجھ نہیں آتی۔ اگر تم یہ نہ کہو کہ میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے میرے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ تو یہ دونوں باتیں بتائیں کہ جن کے دل کی ناک بند ہوتی ہے ناں وہ بجائے اس کے کہ مان لیں کہ خوشبو آرہی ہے وہ اُلٹا اعتراض شروع کر دیتے ہیں۔ تو اعتراض کون کرتے ہیں؟ جن کے دل کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ جن کے دل کے کان بند ہوتے ہیں۔ جن کی دل کی ناک بند ہوتی ہے۔ ان کے سامنے آپ قرآن بھی پڑھیں تو اثر نہیں ہوتا۔

[1] سورۃ یوسف:94

تو یہاں میں آپ کو اس لیے لیکر آیا ہوں کہ اگر تمہارے دل کی آنکھ بند ہو گئی ہے تو کوئی وسیلہ تلاش کر کہ تیرے دل کی آنکھ کھل جائے۔ تمہارے اس کان کو کھول دے۔ تمہاری اس ناک کو کھول دے جو اس خوشبو کو محسوس کرتی ہے۔ قرآن کریم نے اور بھی مثالیں دیں۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ کے دور میں ایسی باتیں تھیں۔ اب وہ سائنس والے پیمائش کر کے کوئی 1800 کلومیٹر کا فاصلہ بتاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی شریف میں منبر پہ بیٹھے ہیں اور ساریہ 1800 کلومیٹر دور۔ اچھا وہاں بھی بڑی عجیب بات ہے۔ میں جب پنجاب یونیورسٹی میں انسائیکلوپیڈیا دیکھ رہا تھا کہ یہ جب وائرلیس ایجاد ہوئی۔ آپ کے یہ جتنے فون ہیں، کیبل نیٹ ورک ہے، ان سب کی بنیاد وائرلیس ہے۔ پہلے وائرلیس ایجاد ہوئی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسی چیز کو دیکھا تھا کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا تو وہ آواز جو تھی وہ فضا میں پھیل گئی۔ ہوا میں یکساں پھیل گئی۔ اب وہ کہتے ہیں کہ کمال عمر کا نہیں ہے۔ انسائیکلوپیڈیا کے جو الفاظ ہیں وہ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ کمال ساریہ کا تھا کہ اتنے لوگوں میں سے اس ایک نے اس آواز کو سنا۔ باقیوں نے تو نہیں سنا، کسی ایک نے سنا۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی رسیور طاقتور ہو۔ آواز دینے والے کی کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میں یہاں بیٹھ کے یارسول اللہ ﷺ کہتا رہتا ہوں، میرا کوئی کمال نہیں۔ اس رسیور کا کمال ہے۔ اب وسیلہ پتہ کسے بنانا جو رسیور کمال کا ہو۔ جو تیرے دل کی آواز نہ بھی ہو تیرے زبان کی کو سن لے۔ وہ بڑا ابعد کا پھر کوئی موقع ہوتا ہے کہ میں دل میں ہی کوئی بات سوچوں اور وہاں پہنچ جائے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میں اگر رسیور بنالوں ناں جو اس آواز کو رسیو کرے۔ تو اس کائنات میں وسیلہ وہی لوگ بنے جو رسیور تھے۔ جو بھی جاتا ہے، جیسی آواز دیتا ہے، جو طلب لیکر جاتا۔

یہ دنیا جو ہے ناں اس کے متعلق اتنی باتیں کیوں ہیں؟ احادیث کی کتب میں آتا ہے کہ یہ مُردار ہے۔ اس کے متعلق ایسی باتیں کیوں کہیں جاتی ہیں؟ اس لیے کہ یہ دنیا دارِ غفلت ہے۔ باقی ساری چیزیں اسکے بعد ہیں۔ یہاں آکر انسان اپنی منزل سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ دنیا دار غفلت ہے۔ تیرا ایمان، تیرا تقویٰ اپنی جگہ، لیکن غفلت سے کسی وسیلے نے ہی نکالنا ہے۔ اصل منزل ہے کہ میری غفلت دور ہو جائے۔ کیونکہ قرآن کریم نے یہ جو بات کہی ہے

ناںوَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ[1] ہم نے سات آیتیں بھی نازل کیں اور قرآن بھی نازل کیا۔ یعنی یہ سات آیتیں اور قرآن برابر ہیں۔ یہ سورۃ فاتحہ اور قرآن برابر ہے لیکن بات تو وہی ہے جو میرے بابا فرید سرکار نے فرمائی تھی کہ مولوی صاحب آپ نے سورۃ فاتحہ تو پڑھی لیکن مٹی گُڑ نہیں بنی۔ اس لیے کہ سورۃ فاتحہ تو وہی تھی لیکن زبان فرید کی نہیں تھی۔ اب یہاں بھی کیابات ہے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ۔ دیتا اللہ ہی ہے۔ سب کچھ اللہ نے ہی عطا کرنا ہے۔ میں نے کئی دفعہ آپ کو یہ مثال بتائی ہے کہ اس زمین کے نیچے اللہ نے پانی رکھ دیا ہے لیکن میں وہ پانی کسی نلکے سے ہی حاصل کر سکتا ہوں۔ میں ہر جگہ سے وہ پانی لے نہیں سکتا۔ قرآن کہتا ہے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ۔ بھائی انعام تقسیم کرنے کیلئے اللہ نے کچھ بندوں کی ڈیوٹی لگائی ہے۔ نعمتیں دیتا ہے لیکن نعمتیں تقسیم کرنے کیلئے کچھ انسانوں کی ڈیوٹی لگائی ہے۔ وہی انسان اصل میں تمہارا وسیلہ ہیں جو تمہیں غافل نہ ہونے دیں۔ اس لیے جب میرے پاک پیغمبر ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اللہ کے ولی کون ہیں؟ عرض کی یارسول اللہ ﷺ بتایئےإِذَا رُؤُوا ذُکِرَ اللہ[2]۔ جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آجائے۔ یہ میں وسیلہ اصل میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جس سے تمہاری غفلت دور اور تمہیں اللہ کا قرب نصیب ہو جائے۔ اللہ کی معرفت مل جائے۔ انسان جتنے بھی گناہ کرتا ہے وہ غفلت میں کرتا ہے اور مرشد کا کام یہ ہوتا ہے کہ غافل نہ ہونے دے۔ اب کیا ہوتا ہے کہ ان کا ذکر بھی تمہیں غافل نہ ہونے دے۔ انکی یاد بھی تمہیں غافل نہ ہونے دے۔ اعظم صاحب کا وہ جملہ مجھے بڑا یاد آتا ہے۔ گوجرانوالہ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ کوئی بندہ کوئی بات کرے، مجھے حضرت صاحب کی بات یاد آجاتی ہے۔ انکی یاد بھی آپ کو غافل نہیں ہونے دیتی اور اگر آپ نے اللہ کی راہ میں آگے بڑھنا ہے، کوشش کرنی ہے تو پھر بھی اس وسیلے کیساتھ ہی آپ نے آگے بڑھنا ہے۔

[1] سورۃ الحجر:87

[2] أولياء الله الذين إذا رءوا ذكر الله۔ سلسلہ احادیث صحیحہ:3139

اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے ہمیں وسیلہ پاک پیغمبر ﷺ کی صورت میں عطا فرمایا۔ سب سے بڑا وسیلہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے وہ پاک پیغمبر ﷺ کی ذات پاک ہیں۔ ہمیں ایمان ملا ہے تو اس وسیلے سے ملا ہے۔ ہمیں قرآن ملا ہے تو اس وسیلے سے ملا ہے۔ ہمیں اللہ کی معرفت ملی ہے تو اس وسیلے سے ملی ہے۔ ایک بات آپ کو بتاؤں۔ اس دنیا میں اب بھی الہامی مذاہب ہیں۔ عیسائیت ہے، یہودیت ہے، وہ بھی اپنے آپ کو الہامی مذاہب کا ماننے والا کہتے ہیں۔ آسمانی کتابوں کا ماننے والا کہتے ہیں۔ وہ بھی اپنے نبیوں کو وسیلہ کہتے ہیں۔ لیکن اللہ کی توحید اگر باقی ہے تو میرے محمد ﷺ کے دین میں باقی ہے۔ باقی کسی مذہب میں توحید باقی نہیں رہی۔ لوگ یہ بھی سوال کرتے ہیں کہ انجیل میں اتنی تحریف ہوگئی، تورات میں ہوگئی لیکن قرآن میں نہیں ہوئی۔ یہ دین ہمیں پاک پیغمبر ﷺ کے وسیلے سے ہمیں ملا، آگے کسی کی جرات کیوں نہیں ہوئی؟ اس لیے کہ پیغمبر نے بھی جو وسیلہ دیا وہ مولا علی مشکل کشا کی صورت میں دیا۔ اس دین کا strong point ہی یہی ہے۔ ابھی شجرہ شریف پڑھا جائے گا تو یہ شجرہ جو ہے یہ ہمیں پاک پیغمبر ﷺ تک لیکر جاتا ہے اور یہاں زنجیر کی ہر کڑی مضبوط نظر آتی ہے۔ ہر وسیلہ جو ہے وہ مضبوط نظر آتا ہے۔ آج میں بھائی حسیب صاحب یہ بات عرض کر رہا تھا صبح کہ یہ چیز ہمیں وراثت میں ملی۔ حضور بادشاہ دوجہاں مخدوم علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہی مرید تھے حضور شمس الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہوں نے ایک دن سوال کیا تھا کہ اس دین کی بقا جو ہے وہ کن لوگوں کے حوالے سے ہے ہمارے سلسلہ میں۔ تو حضور صابر پیا سرکار نے فرمایا۔ چونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ میری تدفین وقت کا مجدد کرے گا۔ پھر اس کے بعد حضور شیخ عبدالقدوس گنگوئی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تدفین کی۔ انہی سے حضوُر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو فیض ملا۔ پھر وہ گیارھویں صدی کے مجدد بنے۔ تو حضور صابر پیا سرکار نے فرمایا کہ ہمارے سلسلے کی خصوصیت ہے کہ ہم اپنے نبی کی اور اپنے بڑوں کی روایات کو قائم رکھتے ہیں۔ اگر کبھی سچائی کیلئے تنہا بھی کھڑا ہونا پڑے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میرے صابر پیا سرکار نے حضوُر شمس الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا بیٹا ان روایات پہ قائم رہنا جو میرے نبی پاک کے ذریعے سے، مولا علی مشکل کُشا کے ذریعے سے، ہمارے شجرہ کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہیں۔ ان روایات پہ قائم رہ کر زمانہ حال میں لوگوں سے منوانا کہ اصل یہی ہے جو نبی نے کہا تھا۔ یہ وسیلے دیکھئے کتنے مضبوط وسیلے ہیں۔ زمانہ حال میں اگر سارے

بھی جھوٹ پہ کھڑے ہو جائیں تو اس سلسلہ کا جو مرد ہو گا وہ سچائی پہ کھڑا رہے گا اور زمانہ حال کے لوگوں سے منوائے گا کہ جو اللہ کے پیغمبر نے فرمایا تھا وہی سچ ہے۔ پھر اس دور کے لوگوں کو ماننا پڑے گا اور آنے والے زمانے کیلئے وہ روشنی چھوڑ جاتا ہے۔

الحمدللہ دادا مرشد سرکار نے حضور قبلہ صوفی محمد یوسف کی صورت میں، میں کئی دفعہ اس بات پہ غور کرتا ہوں کہ دادا مرشد کا نام ہی صادق ہے۔ وہ تو ہیں ہی صادق اور مستقبل کیلئے روشنی صوفی محمد یوسف کی صورت میں چھوڑ دی۔ ساری زندگی لوگ کہتے رہے کہ عرس پہ اشتہار چھپوائیں۔ کہا نہیں، نمائش میرے نبی کو پسند نہیں۔ میں چھوٹی سی مثال آپ کو دے رہا ہوں۔ ساری زندگی advertisement نہیں کی۔ کیوں؟ اس سچائی کیساتھ کھڑے رہے۔ اس روایت کیساتھ کھڑے رہے جو پاک پیغمبر ﷺ نے دی تھی۔ ریاکاری شرک اصغر ہے۔ یہ روشنی جو مولا علی کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہم ستر اہ گئے تھے، اُدھر ماشاء اللہ لوگوں نے، آج بھی بتاتے ہیں کہ حضرت صاحب قبلہ نے جو روشنی لگائی ہوئی ہے بھائی نبی احمد صاحب کی صورت میں۔ بھائی اقبال صاحب کی صورت میں، بھائی اعظم صاحب کی صورت میں۔ یہ ساری ان کی مستقبل کی روشنیاں ہیں۔ ہمارے سلسلے میں یہ چاروں کام ہیں، ایمان ہے، تقویٰ ہے، وسیلہ مضبوط ہے اور پھر زمانہ حال سے اس سچائی کو منوانے کیلئے جہاد بھی ہے۔ پھر اگے یہ حکم ہے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اب میرے اللہ نے گارنٹی دے دی کہ تم کامیاب ہو گئے۔ کہتا ہے کہ میری قسمت ذرا دیکھو میری نسبت ہے لاثانی۔

اس لیے اگر آپ کے پاس ایمان بھی ہے، تقویٰ بھی ہے لیکن وسیلہ نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی یقین جانیے وہ حدیث شریف کہ کوئی بندہ حجرِ اسود اور مقام ابراہیم، درمیان میں خانہ کعبہ کا دروازہ ہے، اس جگہ پہ کھڑے ہو کر نمازیں پڑھے لیکن اگر وہ نبی کے دیے ہوئے وسیلے علی کا مخالف ہے تو جہنمی ہے۔ اگر علی سے بغض رکھتا ہے تو جہنمی ہے۔ وسیلے کے بغیر کسی کو کوئی مقام نہیں ملتا۔ اس لیے مرشد کی یاد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مرشد کیساتھ وابستگی لیکن وہ جو بات میں نے اس دن کہی تھی کہ غفلت کیوں ہو جاتی ہے؟ امام احمد رضا فاضل

بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے۔ اس دن میں نے آپ کو اشارہ دیا تھا کہ جب بھی ذکر کرنا ہے تو اپنے دل کو اپنے شیخ کے دل کے نیچے محسوس کرنا ہے۔ اس کیفیت میں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و تجلیات تیرے شیخ کے دل پہ پڑیں گے اور اُدھر سے تیرے دل پہ آئیں گے۔ یہ اعلیٰ حضرت نے تحقیق لکھی ہے، میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ اب وہ انوار جو ہیں، اس سے تیرے دل کی آنکھ روشن ہو گی، تیرے کان روشن ہوں گے، تیری ناک خوشبو سونگھنے کے قابل ہو گی۔ وہ انوار و تجلیات جو آئیں گے وہ ملنے مرشد کے وسیلے سے ہیں۔ پہلے تو یہ کہا گیا تھا ناں کہ ہر گل میں، ہر شجر میں محمد کا نور ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ وہ انوار و تجلیات تجھے یہاں تک لے آئیں گے کہ ہر گل اور ہر شجر میں پھر تجھے اپنا شیخ نظر آئے گا۔ وہ انوار و تجلیات جس سے دل روشن ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی یہ آیت ذہن میں رکھنا کہ لوگ کہیں گے کہ پاگل ہو گیا۔ بڑے طعنے دیں گے۔ کیوں؟ وہ بچارے دیکھ ہی نہیں سکتے، وہ سن ہی نہیں سکتے، وہ سونگھ ہی نہیں سکتے۔ اس لیے قرآن کریم نے اسی سورۃ یوسف میں یہ جملہ کہا۔ کب تک وہ پاگل کہتے ہیں؟ جب تک دل کی آنکھ روشن نہیں ہوتی۔ جب دیکھ لیتے ہیں، جب تک دیکھا نہیں تھا تو عورتیں زلیخا سے کہتی تھیں کہ پاگل ہو گئی ہے، تیرے دماغ کام نہیں کرتا، ایک غلام پہ فریفتہ ہو گئی۔ جب حسن یوسف کو دیکھا تو کہا یہ تو بشر نہیں ہے یہ تو مَلَكٌ كَرِيْمٌ ہے۔ پھر اپنے ہاتھ کاٹنے شروع کر دیے اور زلیخا سے زیادہ پاگل ہو گئیں۔ پھر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھیں۔ اس لیے کام دونوں ہوں گے۔ یعقوب علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا کہ جب میں کہوں گا ناں کہ خوشبو آرہی ہے تو تم کہو گے کہ بڈھے کا دماغ ٹھیک نہیں رہا۔ لیکن اس میں بھی ایک لذت ہوتی ہے۔ جب لوگ طعنے دیتے ہیں ناں تو اس میں بھی ایک لذت ہوتی ہے۔ جب ملامتیں آتی ہیں تو اس میں بھی ایک لذت ہوتی ہے، اس میں سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔

یہ جو آیت ہم نے سیکھی ہے، ایمان، تقویٰ، وسیلہ اور جہاد اس پہ قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔

حضور ﷺ کی نسبت کا کمال

قرآن: وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰیؕ-قَالَ اَوَ لَمۡ تُؤۡمِنۡؕ-قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَۃً مِّنَ الطَّیۡرِ فَصُرۡہُنَّ اِلَیۡکَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنۡہُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُہُنَّ یَاۡتِیۡنَکَ سَعۡیًاؕ-وَ اعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۔ سورۃ البقرہ: 260

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے عرض کی: اے میرے رب! تو مجھے دکھادے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ فرمائے گا؟ اللہ نے فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ ابراہیم نے عرض کی: یقین کیوں نہیں مگر یہ (چاہتا ہوں) کہ میرے دل کو قرار آجائے۔ اللہ نے فرمایا: تو پرندوں میں سے کوئی چار پرندے پکڑ لو پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لو پھر ان سب کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں پکارو تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

خاکہ:-

1. ذکر رسول وہ حلال ہے جس میں حرام کا شائبہ نہیں۔
2. ذکر رسول واجب ہے۔
3. خلیل، اللہ سے اطمینان قلب مانگ رہے ہیں۔
4. حضور ﷺ کے غلاموں کا مقام ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ اے نفس مطمئنہ پلٹ آ اپنے رب کی طرف۔
5. جس دل میں محبت رسول ہوتی ہے اس کو جہنم کی آگ کیسے جلائے گی۔
6. سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں پیچھے محمد چھوڑ کر جا رہی ہوں، میرا نام کبھی ختم نہیں ہو گا۔
7. جب تک نبی کے حکم میں رہا ہے نماز میں ہی رہا ہے۔

بعد از حمد و صلاۃ نہایت ہی واجب الاحترام حضور صاحبزادہ محمد حسیب صاحب، حضرت صاحب قبلہ کے خلیفہ جناب صوفی محمد اقبال صاحب دیگر معزز علمائے اکرام، نعت خوانان شیریں لسان، سامعین و حاضرین، بزرگو دوستو عزیز بھائیو!

برخوردار شکیل نے مجھے اور آپ کو اس کام کیلئے اکٹھا کیا ہے جس میں حرام کا شائبہ نہیں۔ ذکر رسول وہ حلال ہے جس میں حرام کا شبہ نہیں۔ یہ ذکر واجب ہے۔ مستحب نہیں۔ یہ چاروں terms آپ کو یاد ہونی چاہئیں۔ ہم یہ سیکھنے سکھانے والے عمل سے دور رہتے ہیں۔ ایک مسلمان کو پتہ ہونا چاہئے کہ واجبات کیا ہیں؟ فرائض کیا ہیں؟ واجب اور فرائض میں علیحدہ علیحدہ نہیں کروں گا۔ واجب وہ چیز ہوتی ہے، وہ عمل ہوتا ہے، وہ حکم ہوتا ہے کہ اس پہ عمل کریں گے تو نیکی ملے گی۔ ثواب ملے گا لیکن اگر اس کو چھوڑ دیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ یہ عشاء کی نماز آپ نے پڑھی۔ یہ مسلمانوں پہ فرض ہے۔ پڑھیں گے تو نیکی ملے گی، چھوڑیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ اس کے نیچے مستحب کا درجہ ہے۔ کریں گے تو نیکی ملے گی لیکن اگر چھوٹ جائے تو گناہ نہیں۔ نفل آپ پڑھیں گے تو ثواب ہے لیکن اگر چھوٹ جائے تو گناہ نہیں۔ دوسری طرف حرام اور مکروہ۔ حرام وہ کام اور چیز ہوتی ہے جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔ اگر آپ اس سے باز رہیں گے تو نیکی ملے گی اور اگر کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ آپ کے سامنے شراب رکھ دی جائے۔ اگر آپ پئیں گے تو گناہ گار ہیں، چھوڑ دیں گے تو اللہ نیکی عطا کرے گا۔ اس کے نیچے مکروہ ہے۔ مکروہات سے بچتے رہیں گے تو ثواب ہے اور نہ چھوڑنے پر گناہ نہیں۔ مکروہ کی آگے دو قسمیں ہیں۔ تحریمی اور تنزیہی۔ ایک مکروہ حرام کے قریب ہوتا ہے۔ پانچویں چیز مباح ہے۔ جس کے نہ کرنے کا ثواب اور نہ چھوڑنے پر گناہ۔ ہر چیز مباح ہے جب تک اس پہ حرام کا حکم نہ آجائے۔ کائنات کی ہر چیز مباح ہے۔ مثلاً میں ٹشو پیپر سے اپنا منہ صاف کرلیتا ہوں تو ٹشو پیپر استعمال کرنے کا نہ مجھے ثواب ہے اور نہ چھوڑنے کا گناہ۔ ہمارے ہاں یہ جو فتویٰ بازی ہوتی ہے وہ اس لیے ہوتی ہے کہ بچارے لوگ پڑھے لکھے نہیں ہوتے۔ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ کام کس درجے کا ہے۔

تو ذکر رسول واجب ہے۔ یہ مستحب کے درجے کا نہیں ہے۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[1]۔ ذکر کرنا اور کرتے رہنا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔ استمرار ہے۔ جاری ہے۔ پیغمبر کا ذکر کرنا اور کرتے رہنا۔ یہ دونوں واجب ہیں۔ تو اس وقت آپ جس محفل میں بیٹھے ہیں یہ واجب کے درجے میں ہے۔ یہ ذکر کی محفل ہے اور ذکر بھی میرے پاک پیغمبر ﷺ کا۔ خالص نوری مخلوق۔ اب مصیبت یہ ہے کہ انسان بچارہ بھی کیا کرے۔ اب جب میں نور کہتا ہوں تو حسی نور کی طرف میرے خیالات چلے جاتے ہیں۔ چاند کی طرف، سورج کی طرف، ان روشنیوں کیطرف۔ قرآن ان کو اس حوالے سے نور نہیں کہتا جو نورِ ہدایت ہیں، جو نور ایمان ہیں۔ جس نور سے سورج روشن ہے۔ جس نور کی وجہ سے چاند روشن ہے۔ اس نور تک تو میرے تخیلات جا ہی نہیں سکتے۔ لیکن چونکہ عالم محسوسات میں رہ رہے ہیں۔ یہ five senses کے اندر جو چیزیں آئیں گے۔ ایک دفعہ بزرگوں سے بات ہو رہی تھی۔ میلاد اور معراج میں فرق یہی ہے۔ معراج میں پیغمبر اپنے گھر کی طرف گئے تھے اور میلاد میں خالص نور، بشری جامہ پہن کر ہم میں تشریف لائے تھے۔ مثال چونکہ ہم عالم محسوسات سے ہی دے سکتے ہیں۔ زمان و مکاں سے ہی دے سکتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب ہے نشر الطِّیب۔ اس کے پہلے باب میں ہی انہوں نے یہ بات لکھی ہے کہ جب پوچھا گیا کہ اللہ نے سب سے پہلے کون سی چیز پیدا کی؟ تو ارشاد ہوا۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ اب آپ مجھے یہ پوچھیں کہ آپ یہاں کب آئے تھے؟ آپ وقت پوچھ رہے ہیں ناں کہ کب آئے تھے۔ تو میں کہوں گا کہ میں عصر کے وقت آگیا تھا یا شام کے وقت آگیا تھا۔ تو common sense ہے، سب کی سمجھ میں آجائے گی بات۔ لیکن اگر میں کہوں کہ میں سب سے پہلے آیا تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی کہ میں صبح آیا تھا یا کس سے پہلے؟ تو پوچھنے والے نے تو پوچھا تو سرکار نے زمان و مکان کی بات نہیں کی۔ یہ جو ہمارے زمان و مکان ہیں، یہ بھی بحث لمبی ہے۔ زماں کسے کہتے ہیں؟ دہر کسے کہتے ہیں؟ سرمد کسے کہتے ہیں؟ یہ سارے الفاظ زمانے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ اگر آپ کا تعلق اس زماں سے ہے۔ تعلق تین قسم کے

[1] سورۃ الاحزاب:56

ہوتے ہیں۔ اصل میں کنفیوژن جہاں پیدا ہوتی ہے، سوچ جہاں محدود ہوتی ہے۔ اگر آپ اسی سورج کے دائرے میں رہ رہے ہیں تو آپ زمانی ہیں۔ میرا اور آپ کا تعلق زمانی ہے۔ اگر میرا تعلق اس سورج والی دنیا سے علیحدہ ہو تو پھر وہاں مکاں نہیں، وہاں لامکاں ہے۔ اگر میرا زمانی کا تعلق لامکانی سے ہو جائے تو وہ تعلق اور ہے اور کسی لامکانی کا تعلق کسی لامکانی سے ہو جائے تو وہ تعلق اور ہے۔ تو یہ فلسفہ کی بحثیں ہیں۔ یہ وقت اس وقت تک ہے جب سے یہ سورج ہے، یہ چاند ہے۔ تو سرکار تو اس وقت بھی تھے جب یہ سورج اور چاند تھے ہی نہیں۔ زمان تھا ہی نہیں۔ تو بزرگوں نے مثال جو دی وہ بڑی کمال کی تھی۔ میں نے کہا کہ پھر وہ اپنا گھر چھوڑ کر ہم میں خاکی لباس پہن کر تشریف لے آئے۔ بڑی سادہ سی مثال۔ کہنے لگے بیٹا کبھی جگ اور گلاس کو دیکھا ہے؟ میں نے ہاں جی دیکھا ہے۔ کہنے لگے کہ پانی جگ میں ہوتا ہے، گلاس خالی پاس پڑے ہوتے ہیں۔ اور جب تک جگ سر نیچا نہیں کرتا کسی گلاس کو فیض یاب کر نہیں سکتا۔ جب تک جگ اپنا آپ نیچا نہیں کرتا تو وہ گلاس کو فیض یاب کر نہیں سکتا۔ وہ اس دنیا میں آئے ہیں ہمیں فیض یاب کرنے کیلئے۔ اس لیے اپنا وہ گھر چھوڑا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ معراج میں تو کوئی تعجب نہیں، تعجب تو میلاد میں ہے۔

یہ جو میں نے تیسرے پارے سے آیات کا انتخاب کیا ہے۔ حبیب کے بعد جو مقام ہے وہ خلیل کا ہے۔ آدم سے خاتم تک جو مقام ہے وہ اللہ کے حبیب ﷺ کا ہے۔ اس کے بعد درجہ خلیل اللہ کا ہے۔ خلیل اللہ پوچھ رہے ہیں وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟-قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْؕ-اللہ نے فرمایا کہ میرے خلیل، کیا تیرا ایمان نہیں ہے کہ میں مردوں کو زندہ کر سکتا ہوں؟ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ یا اللہ کیوں نہیں۔ ایمان ہے، یقین ہے کہ تو ہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ بس اپنے دل کو اطمینان دینا چاہتا ہوں۔ یہ درمیان میں بات آگئی، عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو تین معجزات تو پہلے دیے وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ[1] ۔اور یہاں واحد متکلم کا صیغہ ہے کہ میں کوڑھوں کے کوڑھ دور کرتا ہوں، میں اندھوں کو بینا کرتا

[1] سورۃ آل عمران:49

ہوں اور مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں۔ لیکن قوم کو یہ سارے معجزات دیکھ کر بھی اطمینان نہ آیا۔ آگے اللہ نے اطمینان کیلئے ایک اور معجزہ دیا وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ-فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔ فرمایا تم یہ تو باتیں کرتے ہو، میں تو جانتا ہوں کہ تمہارے گھروں کے حالات کیا ہیں۔ یہ قرآن سنا رہا ہوں آپ کو، کیا کھا کر آئے ہو اور کیا چھوڑ کر آئے ہو۔ اچھا کوئی گھر کی خبر دے دے تو یہاں اطمینان ضرور آجاتا ہے۔ اب اُدھر یہ مقام ہے اور اِدھر ساری دنیا کا ایمان ایک طرف اور ابو بکر کا ایمان ایک طرف۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ جب پیغمبر پوچھتے ہیں کہ ابو بکر گھر کیا چھوڑ آئے ہو تو کہتے ہیں گھر میں اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ نبی پاک ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تو مسجد میں بیٹھا ہوں، میں تیرے گھر میں کیسے ہو سکتا ہوں۔ اوہ بھائی! گھروں کی خبر رکھنا یہ تو عیسیٰ کا معجزہ ہے۔ کئی لوگوں کو بڑی پریشانی ہوتی ہے کہ نبی کو گھر کی کیسے خبر؟ قرآن کہتا ہے کہ یہ تو عیسیٰ کا معجزہ ہے گھروں کی خبر رکھنا۔ تم محمد رسول اللہ ﷺ کی بات کرتے ہو؟ میرے آقا کو ہمارے ہر گھر کی خبر ہے۔ یہ عقیدہ کس کا ہے؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ میرا پیغمبر مسجد میں بھی بیٹھا ہو تو میرے گھر سے واقف ہے۔ ابو بکر کیلئے خدا اور اس کا رسول بس۔ اطمینان قلب۔ قرآن ہے میں کوئی اپنی طرف سے تو بات نہیں کر رہا۔ یا اللہ میں اپنے دل کو اطمینان دینے کیلئے پوچھ رہا ہوں۔ اللہ نے فرمایا قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا۔ چار پرندے لو، انکو ذبح کر کے ان کا گوشت آپس میں ملالو اور سامنے پہاڑی پر بکھیر دو اور انکے سر ہاتھ میں رکھیں۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ پھر آواز دے انکو۔ اب پہاڑی پہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں اور وہ مکس ہیں۔ اب جس جس پرندے کو آواز دی اس کا ایک ایک ذرہ اکٹھا ہوتا گیا اور ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں اپنی گردن کیساتھ آکر جڑتا گیا۔ اللہ نے دکھایا کہ ابراہیم میں مردوں کو ایسے زندہ کرتا ہوں۔ اس سے جو پچھلی آیت ہے اس میں بھی یہ ہے، حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ، اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا-قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا[1]۔ تو انہوں نے بھی یہی سوال کیا تھا کہ مولا یہ بستی برباد ہو گئی ہے اس کو کیسے زندہ کرے گا؟

[1] سورۃ البقرۃ:259

لیکن کیا میں آپ کو بتاؤں۔ اس ذکر کا آپ کو بتاؤں۔ وہاں خلیل کہہ رہے ہیں مولا اطمینان قلب کیلئے۔ یعنی دونوں چیزیں ہیں جو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا ہوں۔ ایمان اور چیز ہے اور اطمینان قلب اور چیز ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کیا فرمارہے ہیں کہ مولا ایمان ہے، یقین بھی ہے لیکن اطمینان چاہتا ہوں۔ اور یہاں میرے پیغمبر کا غلام دنیا سے جارہا ہو اور اللہ فرماتا ہے يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ[1]۔ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً[2]۔ کیا سمجھیں اللہ نے ہمیں کس امت میں پیدا فرمایا۔ یہ حضور کے غلاموں کا مقام ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ اے اطمینان والے نفسوں پلٹ آؤ اللہ کی طرف۔ پیغمبر نے اطمینان بھی دیا ہے اور اطمینان قلب بھی دیا ہے۔ دونوں چیزیں عطا کی ہیں۔ دکھایا ہے ناں کر کے۔ اطمینان ایسے نہیں ملتا۔ ایک دن دو بندے مدینے کیطرف چل پڑے۔ کہتے ہیں سنا ہے ایک پیغمبر آئے ہیں مدینہ میں۔ تو یہ غزوہ خندق کے دن تھے۔ خندق کھودی جارہی تھی غزوہ خندق کیلئے۔ تو دیکھا کہ پیغمبر اپنے غلاموں کیساتھ خندق پہ کام کررہے ہیں۔ تو ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یار سنا تھا کہ وہ نبی بڑے عزت اور مقام والا اور یہاں تو، کدال پکڑ کر خندق کھود رہے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ یار تھوڑی دیر بیٹھو، ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز ہمیں نظر آجائے۔ یہ تو نہیں کہ آتے آتے ہی چلے جانا کہ ہماری طرح کا ہی ہے؟ کچھ دیر بیٹھوگے تو پھر ہی پتہ چلے گا۔ اس نے کہا کہ نہیں نہیں۔ وہ چلا گیا لیکن ایک بیٹھا رہا۔ اتنے میں ایک صحابی نے آکر۔ آپ کو پتہ ہے کہ غزوہ تبوک پہ بھی اور غزوہ خندق پہ بھی وہ کیفیت، قرآن کریم نے بھی بیان کی۔ آدھی کھجور چوبیس گھنٹے کے بعد دی جاتی تھی۔ تبوک کا سفر بھی بڑا لمبا اور گرمی کا موسم تھا۔ صحابہ فرماتے ہم گھٹلی منہ میں ڈال کر چوستے رہتے تھے۔ سفر بھی بہت لمبا تھا۔ غزوہ خندق پہ بھی، اسی لیے وہ پتھر پیٹ پر باندھتے تھے ناں کہ کمر سیدھی رہے۔ کمر جھک نہ جائے۔ مسلمانوں نے تو سیکھا نہیں اس سے۔ آج کے لیڈروں کو تو بڑا گلہ ہے کہ عوام ہمیں رہنما نہیں مانتی۔ ہر جگہ یہی گلہ ہے۔ برطانیہ کی وزیراعظم مارگریٹ تھیچر، 15 سال وزیراعظم رہی۔ اس سے ایک دن کسی نے پوچھا کہ تو بڑی کامیاب لیڈر رہی ہے۔ 15 سال تو برطانیہ کی وزیراعظم رہی ہے۔ یہ ہنر تُو نے کہاں سے سیکھا لیڈرشپ کا۔ اس نے کہا لیڈر کا معیار کل بھی

---

[1] سورۃ الفجر:27

[2] سورۃ الفجر:28

وہی تھا آج بھی وہی ہے جو مدینے والے نے طے کر دیا۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ نے طے کر دیا۔ ایک جملہ صرف اس نے کہا اس صحافی کو۔ اس نے کہا کہ لیڈر وہ ہوتا ہے اگر غلاموں کے پیٹ پہ ایک پتھر ہو اور رہنما کے پیٹ پہ دو پتھر بندھے ہوں۔ اور اگر عوام بھوکی مر رہی ہو اور جو عیاشیاں کر رہا ہو وہ لیڈر نہیں ہوتا۔ جس کی زندگی میں فرق ہوتا ہے، عام بندے کی زندگی اور اس کی زندگی میں وہ لیڈر نہیں ہوتا۔ صحابی نے کپڑا دکھایا کہ یا رسول اللہ ﷺ اب تو کمر ٹیڑھی ہو رہی ہے، پیٹ پہ پتھر باندھا ہے کہ کمر تو سیدھی رہے۔ آقا نے فرمایا کہ میں تو دو باندھے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، غلام تو پھر غلام ہوتے ہیں۔ بھاگ کر گئے۔ جا کر بیوی سے پوچھا کہ گھر کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا ایک بکری ہے اور چار پانچ لوگوں کیلئے جو کا آٹا ہے۔ بکری ذبح کی اور کہا تم کھانا تیار کرو میں جا کر رسول اللہ ﷺ کو دعوت دیکر آتا ہوں۔ آکر کان میں کہا یا رسول اللہ ﷺ تشریف لے آیئے اور ساتھ دو چار غلام جو لانا چاہتے ہیں لے آیئے۔ اس وقت جو روایت ہے جس میں زیادہ صحابہ کا اتفاق ہے، ہمارے محدثین نے جس کو بیان کیا ہے 600 کے قریب صحابہ کرام تھے۔ کچھ نے زیادہ تعداد بھی لکھی ہے لیکن 600 پہ زیادہ کا اتفاق ہے۔ سرکار نے ایک غلام کو آواز دی اور فرمایا اس پہاڑی پہ کھڑے ہو کر اعلان کرو۔ وہ پہاڑی میں دیکھ کر آیا ہوں۔ فرمایا اعلان کرو کہ آج جابر کے گھر دعوت ہے۔ یہ دھیان اس آیت کی طرف رہے کہ اطمینان کیسے ملتا ہے۔ ابراہیم اطمینان مانگ رہے تھے اور یہاں صحابہ کو اطمینان نصیب ہو چکا تھا۔ یہ قرآن ہے ناں يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۔ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۔ یہ رضی اللہ سے بھی لوگوں کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے یہ رضی اللہ، اللہ نے نفس مطمئنہ کیلئے استعمال کیا ہے۔ حضرت جابر پھر دوڑتے ہوئے گھر گئے۔ کہنے لگے عجیب معاملہ ہو گیا، میں نے تو کان میں کہا تھا اور آقا نے تو اعلان فرما دیا۔ بھائی مومن عورتیں جو ہیں ناں وہ کبھی مومن مردوں سے آگے نکل جاتی ہیں۔ میں ایک جملہ کہہ دوں اگر آپ کے بھی ذہن میں ہو کہ عورتیں دوسرے درجے کی شہری ہوتی ہیں۔ یہ سوچ لیا کرو کہ جس معاشرے میں سیدہ خدیجہ الکبریٰ ہوں، جہاں سیدہ فاطمۃ الزہرا ہوں، جہاں مائی رابعہ بصری ہوں، وہاں تو کروڑوں مرد بھی ان عورتوں کے قدموں کی خاک کے برابر نہیں ہو سکتے۔ کہا سرکار نے یہ اعلان فرما دیا اور کھانا دو چار بندوں کا۔ مائی صاحبہ کا جواب بڑا کمال کا۔ آپ کی بیوی نے کہا جابر پھر تو کیوں پریشان ہوتا ہے۔ تو نے دعوت دی ہے؟ کہا نہیں۔ رسول اللہ نے

دعوت دی ہے۔ کہا جو دعوت دیتا ہے وہی ذمہ دار ہوتا ہے۔ تجھے کس بات کی پریشانی، پریشانی تو تب ہو اگر تو نے دعوت دی ہے۔ جس نے دعوت دی ہے پھر وہ لجپال بھی ہے۔ وہ دوسرے پارے والی آیت بھی ذہن میں رہے کہ میرے گھر کے کیا حالات ہیں میرا نبی جانتا ہے۔ یہ تو وہ نبی جانتا ہے مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ[1] جو نبی کہتا ہے کہ میں تو اس رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ یہ تو اس نبی کا مقام ہے۔ بس ایک حادثہ ہو گیا۔ عشق کا امتحان تو ہوتا ہی ہے پھر۔ محبوب سے نگاہ ذرا بھی اِدھر اُدھر ہونے لگے تو اس چیز کو مار دیتا ہے عشق۔ وہ اس چیز کو رہنے ہی نہیں دیتا، جلا دیتا ہے عشق۔ دونوں بچے چھت پہ چڑھے۔ حضرت جابر کے بیٹے اور ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ بتاؤں آج ابا جی نے بکری کیسے ذبح کی۔ بڑے نے چھوٹے کو لٹایا اور چھری پھیر دی، ذبح کر دیا۔ بچے تھے، جب اس نے خوٗن دیکھا تو چھت سے چھلانگ لگا دی، وہ بھی فوت ہو گیا۔ جابر کے دو بیٹے، دونوں ہی فوت ہو گئے۔ قربان جاؤں۔ یہ کہنا بڑا آسان ہوتا ہے۔ ماں ہے ناں۔ حدیث آپ پڑھتے ہیں لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ[2]۔ جب تک ماں باپ سے، اولاد سے، تمام لوگوں سے بڑھ کر اللہ کے نبی سے محبت نہیں کرتے، مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ پڑھتے ہو لیکن اب سنو بھی۔ یار وہ کیسی ماں ہے، دونوں بچوں کے لاشے کپڑے میں لپیٹ کر اندر رکھ دیے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ آج رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں، کہیں یہ خبر سن کر سرکار ہمارے گھر ہی نہ تشریف لائیں۔

یہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

بچے گئے ہیں تو کوئی بات نہیں، یہ جو اعزاز مل رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں۔ یہ کوئی چھوٹی بات ہے۔ تیاری ہو گئی، دستر خوان بچھ گئے۔ سرکار نے وہ روٹیاں بھی اپنے قریب رکھ لیں اوپر کپڑا ڈال لیا اور

---

[1] سورۃ الصف:6

[2] صحیح بخاری، کتاب الایمان، حدیث:15

ہنڈیا بھی اپنے قریب رکھ لی۔ بس اس کے کپڑے کے نیچے سے نکال نکال کر سب کو تقسیم کر دو۔ سالن بھی سرکار نے خوُد تقسیم کیا۔ اصول یہی ہے۔ ہم نے آج کل پتہ نہیں کیا بے صبری آگئی ہے۔ سب کے سامنے کھانا رکھ کر پھر سرکار اجازت دیتے۔ کھانا اکٹھا شروع کیا جاتا۔ نظم و نسق تو ہمارے دین میں پہلی بات ہے۔ اب جب کھانا رکھ دیا گیا۔ سب کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا، روٹیاں بھی آگئیں، سالن بھی آگیا۔ اب میرے آقا نے فرمایا جابر بچے کہاں ہیں۔ کوئی کمبخت کل کو یہ نہ کہہ دے کہ نبی کھانا کھا کر ہی چلے گئے پتہ ہی نہیں چلا۔ جابر بیٹے کہاں ہیں؟ یارسول اللہ ﷺ باہر کہیں کھیل رہے ہوں گے آپ کھانا کھائیں۔ حکم دیا۔ فرمایا باہر سے تلاش کر کے لاؤ۔ اب پتہ تو ہے کہ خود لاشے اندر رکھے ہوئے ہیں۔ بس اِدھر اُدھر پھر کے، یارسول اللہ ﷺ کہیں دور نکل گئے ہوں گے آپ کھانا کھائیں۔ اب سرکار تھوڑے سے جلال میں آئے۔ فرمایا جابر، جب تک بچے نہیں آئیں گے میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اب ضبط ٹوٹا اور جابر کی آنکھوں سے آنسو آگئے۔ حادثہ بتایا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ حادثہ ہو گیا تھا لیکن ہم اس خوُشی میں تھے کہ آج رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں تو ہم نے یہ بات چھپائی ہوئی تھی۔ کس سے چھپانی ہے جو گھروں کے حالات جانتے ہیں۔ لیکر آؤ۔ وہ اطمینان والی آیت ذہن میں رہے۔ جب لاشے سامنے رکھے گئے، سرکار نے اپنا دست اقدس پھیرا بچے زندہ ہو گئے۔ ابراہیم علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ پوچھتے نہیں ہیں۔ جابر کی لاشوں کو سامنے رکھ کر پوچھا نہیں ہے کہ مولا تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اس لیے جب صحابہ گفتگو فرما رہے تھے ناں کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں، موسیٰ کلیم اللہ ہیں، عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ اتنے میں آقا تشریف لائے۔ فرمایا کیا گفتگو کر رہے ہو؟ یارسول اللہ ﷺ انبیاء کے متعلق۔ فرمایا ہاں، ابراہیم خلیل اللہ ہیں، نوح نجی اللہ، آدم صفی اللہ ہیں، اسماعیل ذبیح اللہ ہیں لیکن یاد رکھنا انا حبیب اللہ۔ میں اللہ کا حبیب ہوں۔ یہ خلیل اور حبیب کا فرق ہے۔ خلیل پوچھتے ہیں یا اللہ تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے اور حبیب مردوں پہ ہاتھ رکھ کر مردے زندہ کر دیتا ہے۔ اب پتہ چلا اطمینان قلب صحابہ کو کیسے نصیب ہوا۔ ایسے ہی قرآن نے نہیں تھا کہا کہ اے نفس مطمئنہ پلٹ آ اپنے رب کی طرف۔ اور پچھلی آیت حضرت عزیر والی۔ لیکن یہ through proper

channel ہے معاملہ، اس کو ذہن میں رکھنا۔ درمیان سے اگر کوئی زنجیر کی کڑی نکل گئی تو پھر رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ پھر رابطہ نہیں رہتا۔

مجھے بڑا یاد آتا ہے، مدینہ شریف میں ایک عورت آگئی، کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ کوئی تحفہ عطا فرمائیں میری بیٹی کی شادی ہے۔ آقا نے فرمایا اچھا کل ایک خالی بوتل لیکر آنا۔ تو اگلے دن وہ خالی بوتل لیکر آئی تو صحابہ فرماتے ہیں کہ ایسے کو ہنی مبارک شیشی کے منہ پہ رکھ کے ایک لکڑی کیساتھ پسینے کے چند قطرے اس شیشی میں ڈال دیے۔ فرمایا یہ اس دلہن کو لگا دینا۔ جب اس دلہن کو وہ پسینہ عطا ہو گیا تو جدھر کو وہ بارات جارہی تھی رسول اللہ ﷺ کی خوشبو آرہی تھی۔ میں نے آج اس کی تفصیل میں نہیں جانا، بس آپ کو وہ تسلسل بتانا ہے کہ جس کو فیض حاصل ہو جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کو ایک بیٹا دیا تو اس میں بھی وہ خوشبو آتی تھی۔ پھر اللہ نے جب اس کے بیٹے کو بیٹا دیا تو اس میں سے بھی خوشبو آتی تھی۔ وہ کڑی پھر ٹوٹنے نہ پائے درمیان میں سے۔ کھانا کھالیا، صحابہ نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ لیا۔ بچے پھر بچے ہوتے ہیں۔ سرکار نے پوچھا بھائی تمہیں کیا چاہیے؟ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ بکری بڑی پیاری تھی۔ جو اباجی نے ذبح کر دی۔ سرکار نے فرمایا اچھا یار یہ ہڈیاں اکٹھی کر کے دو۔ وہ ہڈیاں اکٹھی کر کے لائے اوپر ایک کپڑا رکھ کر دست اقدس رکھا تو بکری بھی زندہ ہو گئی۔ سرکار نے 600 بندوں کو کھانا بھی کھلا دیا اور بکری بھی واپس کر دی۔ اب حضرت جابر کی زوجہ محترمہ کا بیان سنیے۔ وہ فرماتی ہیں کہ وہ جس کپڑے پہ آقا کے ہاتھ لگے تھے میں نے پھر ساری زندگی اس کو پانی سے نہیں دھویا۔ وہ جس کو آپ پونا کہتے ہیں۔ اگر کبھی وہ میلا ہو جاتا تھا تو میں اس کو تنور میں ڈالتی تھی۔ میل جل جاتی تھی لیکن وہ کپڑا نہیں جلتا تھا۔ اس لیے جس دل میں محبت رسول ہو اس کو تو شک ہونا ہی نہیں چاہیے کہ جہنم جلا دے گی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ[1]۔ جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو دوڑ کر آیا کرو۔ فرمانبرداری میں رہو، اتباع

---

[1] سورۃ الانفال:24

میں رہو۔ جب رسول اللہ بلائیں تو دوڑ کر آیا کرو۔ کیا ملے گا لِمَا يُحْيِيكُمْ تا کہ میرا رسول تمہیں زندگی عطا کرے۔ تو اطمینان ہوتا ہی اس زندگی میں ہے جو زندگی رسول اللہ عطا کرتے ہیں۔ جو حضور کی غلامی سے زندگی ملتی ہے۔

ایک دفعہ میں چونڈہ میں تھا تو حضور کے والدین پہ گفتگو کرنا تھی۔ انہوں نے کہا یہاں کچھ بدبخت ہیں جو نبی پاک کے والدین کے متعلق بڑی بے ہودہ گفتگو کرتے ہیں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ کم از کم سیرت ابن اسحاق کو پڑھیں۔ یہ پہلی سیرت کی کتاب ہے۔ اس کو بعد میں سیرت ابن ہشام میں شامل کر لیا گیا۔ کم از کم کچھ تو مطالعہ کرو۔ 6 سال کا بچہ، اور راستے میں، تین لوگوں کا قافلہ، ام ایمن ہیں، سیدہ آمنہ ہیں اور پاک پیغمبر ﷺ۔ اور یہ حضور کا پہلا سفر ہے۔ سیدہ آمنہ آپ کو لیکر آئیں تھی حضرت عبداللہ کی قبر پہ کہ باپ کی قبر دکھالاؤں بیٹے کو۔ واپسی پہ مقام ابواء پہ آپ کا وصال ہو گیا۔ تو اس وقت جو گفتگو کی وہ آکر اُم ایمن نے بتائی کہ یہ گفتگو کی سیدہ آمنہ نے اپنے بیٹے سے۔ اس کا ایک جملہ میں نے ان سے کہا۔ میں نے کہا آپ تو کہتے ہو کہ چالیس سال بعد نبوت کا اعلان کیا تو پھر لوگوں کو ایمان ملا۔ سیدہ آمنہ کا یہ جملہ ہر سیرت کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ آپ اس دنیا سے جا رہی ہیں اور بیٹے محمد ﷺ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کہہ رہی ہیں کہ بیٹا میں دنیا سے جا رہی ہوں لیکن خوش ہوں کہ میرا نام کبھی ختم نہیں ہو گا۔ میں پیچھے محمد چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ تمہیں تو کلمہ پڑھ کر بھی وہ یقین نہیں ہے جو محمد کی ماں کو چھ سال کی عمر میں یقین تھا۔ ویسے یہ بھی عجیب بات ہے کہ امام الانبیاء نے پہلا سفر بھی کیا تو قبر کی زیارت کیلئے کیا۔ کہتے ہیں ناں قبروں پہ کیا لینے جاتے ہو۔ میرے پیغمبر کا پہلا سفر اپنے باپ حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کیلئے تھا اور آخری سفر اپنی ماں سیدہ آمنہ کی قبر کی زیارت کیلئے تھا۔

آیت نازل ہوئی، صحابی نماز پڑھ رہے تھے، آقا نے آواز دی۔ نماز توڑ کر آ گئے۔ بات ہم نے شروع کی تھی ناں کہ نماز واجب ہے۔ لیکن جب سرکار کا حکم آجائے تو پھر نماز کو توڑ کر نبی کے پاس آنا واجب ہے۔ نص قطعی ہے ناں، قرآن ہے۔ پھر نماز کو توڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہونا پھر زندگی ان کو ملتی ہے۔ ہاں زندگی ان کو ملتی ہے جو آقا کی ایسے اتباع کرتے ہیں۔ چھوڑ دی نماز۔ سرکار نے فرمایا یہ پیسے لو اور بازار سے سودا لیکر آؤ۔ سودا لیکر

آئے۔ فرمایا ہمارے گھر دے آؤ۔ اب فقہ پتہ کیا کہتی ہے؟ فقہ یہ کہتی ہے کہ اگر آپ کسی سے بول پڑیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر امام کسی سے بات کرے گا تو امام کی بھی گئی اور سارے مقتدیوں کی بھی گئی۔ اگر آپ کا یہ سینہ قبلے سے پلٹ جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اب وہ بندہ بازار بھی گیا ہے۔ دوکان پہ کسی سے بات بھی کی ہوگی۔ سینہ بھی قبلے سے پلٹ گیا۔ لیکن آقا پوچھتے ہیں کیا کر رہا تھا؟ یارسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا جہاں سے چھوڑ کر آیا تھا وہیں سے جا کر پڑھ۔ جب تک تو اپنے نبی کے حکم میں رہا ہے نماز ہی میں رہا ہے۔ یہ اطمینان قلب بڑی نعمت ہوتی ہے۔ لیکن یہ سرکار کی نسبت سے ملتی ہے۔ پھر جو زندگی نبی پاک ﷺ کے در اقدس سے ملتی ہے اس زندگی کو پھر یہ موت نہیں مار سکتی۔ وہ جو میں نے بات کہی تھی ناں کہ ایک زمانی کا جب لامکانی سے تعلق ہوتا ہے۔ پھر وہ تعلق سرمدی ہوتا ہے۔ پھر وہ دہر سے آگے نکل جاتا ہے۔

توکوشش کیا کریں کہ اس ذکر سے دل کو زندگی بھی ملے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معرفت بھی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ اس گھر کو آباد رکھے۔ اس ذکر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

اللہ کا ولی علم و حلم والا ہوتا ہے

قرآن: وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا(7) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا(8) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا(9) وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (10) سورة الشمس

ترجمہ: اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیز گاری کی سمجھ اس کے دل میں ڈالی۔ بیشک جس نے نفس کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اور بیشک جس نے نفس کو گناہوں میں چھپا دیا وہ ناکام ہو گیا۔

خاکہ:-

1. اس زندگی کی آخری منزل موت ہے۔
2. جن کی نظر موت پہ ہوتی ہے وہ ہر لمحے ڈرتے رہتے ہیں۔
3. بیٹا کروڑوں بھی خرچ کر لو تو دنیا کو راضی نہیں کر سکتے کیوں نہ بندہ اللہ کو رضی کر لے جس نے ہو جانا ہے۔
4. اللہ کا ولی آپ کی جہالت دور کرتا ہے۔
5. علم سے جہالت دور نہیں ہوتی جب تک علم عقل کے تابع نہیں ہوتا۔
6. اگر عقل بھی ہو، علم بھی ہو لیکن اگر حلم نہیں تو جاہل ہے۔
7. پاک پیغمبر ﷺ کے حلم کا واقعہ
8. مرشد کی بارگاہ سے آپ کو یقین کا نور ملتا ہے۔ 9۔ نچوڑ

بعد از حمد وصلاۃ نہایت ہی واجب الاحترام صدر محفل حضور صاحبزادہ محمد حسیب صاحب، حضور صاحبزادہ محمد آفتاب صاحب، حضرت صاحب قبلہ کے خلفاء صوفی محمد اقبال صاحب، علامہ فضل کریم صاحب، بھائی نبی احمد صاحب، اس مسجد کے خطیب اور امام مولانا لیاقت علی صاحب، وجید والی سے اس مسجد کے پہلے خطیب، رندھاوا سے تشریف لائے جناب مولانا محمد اسلم صاحب، دابڑیاں والا سے امجد صاحب تشریف لائے، دیگر معزز علمائے کرام، بزرگوں، دوستو، عزیز بھائیو!

ایک بنیادی چیز یہ ہے کہ یہ زندگی آپ کی ہو، میری ہو، اس زندگی کا اختتام موت ہے۔ یہ جو میں زندگی کا سفر طے کر رہا ہوں اس کی آخری منزل موت ہے۔ یعنی صوفی محمد یوسف صاحب کی بھی آخری منزل یہی تھی۔ میری اور آپ کی بھی زندگی کی آخری منزل یہی ہے۔ لیکن یہ جو سفر ہے زندگی کا اس میں رکاوٹیں بہت زیادہ ہیں۔ پتہ کتنی رکاوٹیں ہیں؟ اتنی رکاوٹیں ہیں کہ آج ماں باپ گلہ کرتے ہیں کہ میری اولاد دھوکے باز ہے میرے ساتھ وفا نہیں کرتی۔ اب اس زندگی کا سفر کی رکاوٹوں کا اندازہ کریں۔ اولاد ماں باپ سے گلہ کرتی ہے کہ ماں باپ میرے ساتھ دھوکہ کر رہے ہیں میرے ساتھ وفا نہیں کر رہے۔ بیوی خاوند سے سے گلہ کر رہی ہے اور خاوند بیوی سے گلہ کر رہا ہے۔ نوکر مالک سے گلہ کر رہا ہے اور مالک نوکروں سے۔ ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ میرے ساتھ دھوکہ ہو رہا ہے۔ یہ ہے میری زندگی۔ یہ میں نے چھوٹا سا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔ ایک دفعہ مجھ سے کسی نے یہ سوال کیا تھا کہ جب یہ بہن بھائیوں کا، دوستوں کا، مزدوروں کا، اللہ کا ولی گلہ نہیں کرتا۔ آپ نے حضرت صاحب قبلہ زندگی میں دیکھا ہوگا کہ بڑی بڑی آزمائشیں آتی تھیں، بڑا بڑا لوگ ان کے متعلق کہتے تھے۔ تو میں نے ان سے ایک جملہ کہا کہ دیکھئے آپ جن سے گلہ کرتے ہیں۔ یہ حاصل ہے زندگی کا جو میں آپ سے کہنے لگا ہوں۔ آپ جس جس سے بھی گلہ کرتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آپ زندگی ان کے لیے گزار رہے ہوتے ہیں۔ جن سے آپ کو گلہ ہوتا ہے آپ زندگی ان کیلئے گزار رہے ہوتے ہیں۔ ولی زندگی اللہ کیلئے گزارتا ہے، اس لیے ان سے گلہ نہیں کرتا۔ تو یہ جملہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ یہ جو زندگی کے سفر کی رکاوٹیں ہیں۔ ہر رکاوٹ پہ آپ کو مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرشد یہ نہیں ہے کہ آپ کو بخار چڑھے گا تو جا کر تعویذ لے آئیں۔ اولاد نہیں ہوتی تو دم کروالیں، کاروبار نہیں چلتا۔ نہیں۔ یہ جو

میری زندگی کی آخری منزل جسے موت کہتے ہیں، وہاں تک میرا سفر آسانی سے گزر جائے۔ تو جن کی نظر موت پر ہے ان کو مرشد کی ضرورت ہے۔

آپ نے اکثر لفظ توبہ سنا ہو گا۔ توبہ بھی راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے ہے۔ زہد و تقویٰ بھی راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے ہے۔ اگر آپ کی توجہ ہے، ایک بڑی ہستی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ۔ ان کا چھوٹا سا تعارف آپ کو کرواؤں۔ یہ جن کی آپ گیارھویں کا ختم دلواتے ہیں، حضور شیخ عبد القادر جیلانی، جن کو پیرانِ پیر کہتے ہیں۔ حضور غوث پاک کے امام ہیں امام احمد بن حنبل۔ میں اس ہستی کی بات کرنے لگا ہوں۔ آپ کے بیٹے عبد اللہ نے یہ بات لکھی کہ جب آخری وقت آیا تو بیماری بھی بڑی شدید تھی۔ کچھ بادشاہ وقت کی طرف سے تکالیف بہت تھیں۔ چار بادشاہوں نے کوڑے مارے۔ اندازہ کریں۔ مامون الرشید نے، واصف بلانے، متعصم بلانے، متوکل بلانے۔ چار بادشاہ مارتے رہے۔ اتنا تشدد برداشت کرتے رہے۔ آپ کا بیٹا لکھتا ہے کہ چونکہ تکلیف بہت زیادہ تھی تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ اس بے ہوشی میں آپ فرماتے، ابھی نہیں، ابھی نہیں۔ تو جو قریب شاگرد بیٹھے ہوئے تھے وہ سمجھتے کہ امام صاحب کا ابھی اس دنیا سے جانے کا جی نہیں چاہتا۔ تو جب موت کا فرشتہ نظر آتا ہے تو یہ اسکو کہتے ہیں کہ ابھی نہیں میں نے دنیا سے جانا۔ بھائی عام میری اور آپ کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ ہم نہیں دنیا سے جانا چاہتے۔ یہاں ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ بات کی تشریح وہ کرے جس کی وہ بات ہے۔ بھائی یہ کلام اللہ کا کلام ہے ناں تو یہ اللہ بتائے کہ اس کی تشریح کیا ہے؟ یا اس کا رسول بتائے کہ اس کی تشریح کیا ہے؟ اگر کوئی کہے گا کہ یہ قرآن کی تشریح میری ہے تو وہ تو جہنم میں چلا جائے گا۔ تو یہ اصول ہر جگہ ہوتا ہے۔ میرے حضرت صاحب کی بات، یا وہ تشریح کریں یا ان کے خلفاء تشریح کریں۔ بھائی کسی دوسرے کو تشریح کا حق نہیں ہے۔ بھائی وہ جو عام لوگ ہیں انہوں نے یہ سمجھا امام احمد بن حنبل ابھی دنیا سے جانا نہیں چاہتے۔ بے ہوش ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ابھی نہیں، ابھی نہیں۔ تو صاحبزادے نے پھر پوچھ لیا۔ اب دیکھئے اگر عبد اللہ اس کی وضاحت نہ کرتے تو کتابوں میں ابھی تک یہی لکھا ہوا ہوتا کہ امام احمد بن حنبل مرنے سے ڈرتے تھے۔ بھائی جن جن لوگوں نے سنا تھا انہوں نے یہی لکھنا تھا۔ تو جب آپ کو ہوش آیا تو جناب عبد اللہ نے پوچھا کہ اباجی جب آپ بے ہوش ہوتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ ابھی

نہیں، ابھی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب بے ہوشی کی حالت میں جاتا ہوں تو ابلیس میری انگشت شہادت کو کاٹتا ہے اور کہتا ہے کہ احمد تو میرے وسوسے سے بچ گیا۔ تو میرے فریب سے بچ گیا۔ تو میرے سے بچ کر اللہ کی بارگاہ میں جا رہا ہے۔ پھر مجھے کاٹتا ہے اور کہتا ہے ناں کہ تُو بچ گیا تو میں کہتا ہوں کہ ابھی نہیں۔ ابھی میری کچھ سانسیں باقی ہیں۔ جب تک میری آخری سانس نہ نکل جائے میں تیرے وسوسے سے نہیں بچا۔ ذرا تصور کریں، یہ حضور غوث پاک کے امام کی بات کر رہا ہوں۔ جن کی نظر موت پہ ہوتی ہے وہ ہر لمحے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ہم فریب نفس میں نہ آجائیں۔ کہیں ہم ابلیس کے وسوسے میں نہ آجائیں۔ اس لیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایمان کا دارومدار خاتمہ ایمان پہ ہے[1]۔ تو مرشد کی ضرورت ہر اس انسان کو ہے جس کی نظر اپنی موت پہ ہے۔ پھر اس راستے میں بڑی رکاوٹیں آئیں گی۔

دیکھئے جو بات میں نے ابتدا میں کہی۔ حضرت صاحب قبلہ کیساتھ اکثر جب میرا جانا ہوتا تھا تو ایک ایسی دعوت پہ گئے کہ وہاں 60 گوشت کی ڈشیں تھیں۔ دبئی اور مسقط سے انہوں نے پکانے والے بلوائے ہوئے تھے۔ مثلاً یہ بڑا گوشت ہے تو اس کی 10 ڈشیں ہیں۔ چھوٹے گوشت کی 10، مرغی کے گوشت کی 10، ہرن کے گوشت کی ڈشیں ہیں۔ بڑے بڑے وزیر اور بھی جینٹری آئی ہوئی تھی۔ حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا، وہ جملہ مجھے آج بھی یاد ہے، اس دور میں کروڑ بڑی بات تھی، آج تو کروڑ عام ہے، میرا ابھی بچپن تھا، فرمانے لگے بیٹا یہ کروڑوں اور خرچ کر دیں دنیا کو راضی نہیں کر سکتے۔ اور یقین جانیے جب لوگ وہاں سے جا رہے تھے تو کئی گلے کر رہے تھے کہ یار کیا اس نے پکایا ہمیں تو ملا ہی کچھ نہیں۔ میرے سامنے تو حضرت صاحب کا جملہ رہتا ہے کہ بیٹا یہ کروڑوں اور خرچ کر دے دنیا کو راضی نہیں کر سکتا، کیوں نہ بندہ اللہ کو راضی کرلے جس نے ہو جانا ہے۔ تُو تو ساری زندگی اپنی بیوی پہ خرچ کرتا ہے اور وہ بھی راضی نہیں ہوتی۔ تیری اولاد راضی نہیں ہوتی۔ تیرے دوست راضی نہیں ہوتے۔ تو کیوں نہ انسان اللہ کو راضی کرلے، جس نے ہو جانا ہے۔ اس لیے مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی گزارنے کیلئے مرشد

---

[1] بخاری و مسلم

کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں تو ظاہر ہے اس حوالے سے بھی خوش قسمت ہوں، جب یہ برخوردار محمد فاروق، بھائی شفاقت صاحب، بھائی زاہد صاحب، فیاض صاحب اور دوسرے بچے جب اللہ رسول کا ذکر کرتے ہیں تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں بے وارث نہیں ہوں۔ یہ جتنے بھی ہیں اس مشن میں آ گئے، بھائی امجد صاحب ہیں، یہ سارے میرے وارث ہیں۔ جس جس نے اس مشن کو جاری رکھنا ہے۔ اب دیکھئے زندگی گزارنے کا ایک اصول حضرت صاحب قبلہ نے ہمیں بتا دیا، ہماری زندگی آسانی سے گزر گئی۔ ہمیں پتہ ہے کہ جو جی چاہے کر لیں، دنیا نے راضی نہیں ہونا۔

مرشد کے حوالے سے ایک اہم بات جو ہے وہ میں آپ سے عرض کرنے لگا ہوں۔ یہ پہلے میں نے کبھی آپ سے عرض نہیں کی۔ پاک پیغمبر ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ قرآن کہتا ہے یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ حضور تشریف لائے ہیں تاکہ تمہاری جہالت دور کر دیں۔ تو اللہ کا ولی جو ہوتا ہے ناں وہ بھی آپ کی جہالت دور کرتا ہے۔ انسان کی جہالت دور ہو جائے ناں تو پھر وہ روشنی میں آ جاتا ہے۔ یہ بحث اب تھوڑی سی مشکل ہو گی لیکن اگر سمجھ آ جائے گی تو زندگی گزارنے کیلئے کافی ہے۔ عربی زبان میں جہل کا لفظ ہے وہ تین مقامات پہ آتا ہے۔ یہ جو جہالت کا لفظ ہے ناں یہ تین مقامات پہ آتا ہے۔ سب سے پہلے جہل کا لفظ عقل کے مقابلے میں آتا ہے۔ یا عقل ہو گی یا جہالت ہو گی۔ عقل کے مقابلے میں جہالت کا لفظ آتا ہے۔ یہ عربی زبان کا اصول ہے، آپ کی اردو زبان کا مجھے نہیں پتہ کہ یہاں کیا سلسلہ چلتا ہے۔ اب عقل کیا ہے؟ یہ میں نے پہلے آپ کو بتایا ہوا ہے کہ یہ لفظ عُقال سے نکلا ہے۔ عُقال عربی زبان میں اس رسّی کو کہتے ہیں جو اونٹ کے نکیل میں ہوتی ہے اور دوسری طرف مالک کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اس رسی کو عربی زبان میں عقال کہتے ہیں۔ اب یہاں سے عقل کی تعریف جو عربی زبان میں آتی ہے، ایمان والوں کی بات ہو رہی ہے، اس کو مخصوص کر دیا گیا ہے، ایمان والا جو اپنی خواہشوں کے گلے میں رسی ڈال کے اپنے نبی کے ہاتھ میں دے دے۔ آپ چونکہ گاؤں والے ہیں، آپ کو تو پتہ ہے کہ جو جانور رسّہ توڑ کر بھاگ جاتا ہے وہ کتنا نقصان کرتا ہے۔ اور صرف رسی گلے میں ڈالنے سے جانور قابو میں نہیں آتا جب تک رسی مالک کے ہاتھ میں نہ ہو۔ وہ جانور جو رسی توڑا لے گا وہ فصلیں خراب کرے گا، کسی کو مارے گا بھی، نقصان دہ ہو گا۔ ہر وہ شخص جسکی

خواہشات کے گلے میں رسی، ایمان والی ہو، تو پھر وہ پاک پیغمبر ﷺ کے سامنے وہ رسی پیش کر دے کہ اب میں جدھر بھی جاؤں گا آپ کے حکم کے مطابق جاؤں گا، وہ عقل والا ہے۔ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ یہ جو میں نے آیات تلاوت کی ہیں اس حوالے سے کی ہیں۔ وہ برباد ہو گیا جس نے اپنی خواہشات کو کھلا چھوڑ دیا۔ یہ قرآن پاک ہے۔ ایک یہ لفظ جہل عقل کے مقابلے میں آتا ہے۔ اگر تو مرشد کا پٹکا گلے میں ہے، وہ مرشد جو نبی پاک ﷺ کا غلام ہے تو عقل والا ہے۔ بے مرشد ہے تو جاہل ہے۔ میں نے سمبڑیال صوفی اقبال صاحب کے ہاں یہ بات کہی تھی کہ آپ کے پاس ڈونگے میں سالن آجائے تو جو اپنی پلیٹ بھر لے اور دوسروں کا خیال نہ کرے تو وہ بے مرشد ہے۔ جس کو یہ ہی نہیں پتہ کہ میرے بعد بھی کسی نے سالن ڈالنا ہے۔ جو واش روم میں جائے اور صفائی نہ کر کے آئے وہ بھی بے مرشد ہے۔ جاہل ہے ناں۔ تو جہل کا لفظ عقل کے مقابلے میں آتا ہے۔

دوسرا جہل کا لفظ علم کے مقابلے میں آتا ہے۔ یہ عربی زبان کے تین درجے ہیں۔ اگر علم ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو پھر جہالت ہے۔ لیکن میں بڑی عجیب بات بتانے لگا ہوں۔ یہ آپ جملہ استعمال کرتے ہیں، آپ کا جملہ ہی سنانے لگا ہوں۔ اگر علم ہو اور عقل نہ ہو تو کہتے ہیں یہ پڑھا لکھا جاہل ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ علم سے جہالت دور نہیں ہوتی جب تک علم عقل کے تابع نہیں ہوتا۔ کیوں شاہد صاحب ساری زندگی یہی سمجھتے رہے کہ علم کے مقابلے میں جہالت ہے؟ علم ہو، عقل نہ ہو، آپ لوگ ہی کہتے ہو کہ پڑھا لکھا جاہل ہے۔ قرآن کریم نے تو اس سے آگے جا کر بات کی۔ سورۃ جمعہ میں، جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے علماء جنہوں نے تورات یاد کی ہوئی تھی۔ آسمانی کتاب یاد کی ہوئی تھی، اپنے آپ کو اہل علم کہتے تھے۔ تو جب انہوں نے عقل سے کام نہ لیا۔ تو قرآن نے کہا مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا[1]۔ یہ جو تورات اٹھائے پھرتے ہیں، آسمانی کتاب ہے، اللہ کا کلام ہے اور اللہ فرما رہا ہے کہ یہ جو تورات اٹھائے پھرتے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے گدھے پہ تورات رکھی ہوئی ہے۔ کبھی اہل علم لوگوں میں جب یہ بات ہوتی ہے تو ہم تو طالب علم ہیں۔ ایک دفعہ کسی نے یہ بھی کہا کہ آپ جب کہتے ہیں کہ

[1] سورۃ الجمعہ:5

طالب علم ہیں۔ تو میں کہتا ہوں ہاں حقیقت یہی ہے کہ جب نبی پاک ﷺ یہ دعا کریں رب زدنی علما، یا اللہ میرے علم میں اضافہ فرما تو باقی کسی کی کیا اوقات ہے کہ وہ عالم بن کر رہے۔ تو کبھی عالم بن کر نہ رہنا۔ میرے مولا علی سرکار کا عظیم جملہ، آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک انسان زانُوے تَلَمُّذ تہ کرتا ہے عالم ہوتا ہے، جب کہتا ہے میں عالم ہوں تب جاہل ہوتا ہے۔ تو جہل کا لفظ یا عقل کے مقابلے میں آئے گا یا علم کے مقابلے میں آئے گا۔

لیکن جہاں ہمارا تصوف شروع ہوتا ہے، فقر کی زندگی، وہ مرحلہ اس سے آگے کا ہے۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ اگر عقل بھی ہو، علم بھی ہو، اگر حلم نہیں ہے تو جاہل ہے۔ حلیمی نہیں ہے تو پھر بھی جاہل ہے۔ میں سادہ سے تشریح عرض کردوں حلم کی۔ اگر کوئی میرے خلاف بات کرتا ہے تو میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا تو میں جاہل ہوں۔ اس لیے کہ میرے پاس صبر نہیں ہے، حلم نہیں ہے۔ اگر کوئی مجھے گالیاں دیتا ہے، میں صبر نہیں کر سکتا تو میرے اندر حلم نہیں ہے۔ میں نے مرشد سے سیکھا ہی نہیں ہے۔ آپ تو اس علاقے والے ہیں، بڑی بڑی لوگ تہمتیں لگایا کرتے تھے، بڑے بڑے جھوٹ حضرت صاحب قبلہ کیساتھ منسوب کیا کرتے تھے لیکن مسکرا دیتے تھے۔ تو یہ ملکہ اپنے اندر پیدا کرنی ہے۔ یہ برداشت کی طاقت آئے گی تو گھر میں بھی آپ کیلئے آسانیاں ہو جائیں گی اور اگر حلم نہ ہوا تو جہالت ہوگی اور جہالت میں پھر آپ کو پتہ ہی ہے کہ نقصان ہوتا ہے۔ میں اس فروری، 2022 کا آپ کو ایک واقعہ سناؤں۔ اِدھر ننگل شریف میں چونکہ مہمان خانہ بن رہا تھا تو میں شام کے بعد گھر سے نکلا۔ یہ جو بچے 20، 22 سال کے ہیں، یہ مجھے نہیں جانتے۔ میں نے چونکہ 2004 میں پسرور میں مکان بنا لیا تھا تو اس وقت جو چھوٹے تھے وہ مجھے نہیں جانتے۔ تو ایک بچے نے ہاتھ دیا میں نے گاڑی کھڑی کی۔ وہ پسرور تک بیٹھ گیا میرے ساتھ۔ اس نے پوچھنا شروع کر دیا میرے ساتھ، میں نے کہا کہ میں ادھر ننگل شریف آیا ہوا تھا۔ اس کو شاید میرا علم نہیں تھا، بعد میں اس نے بتایا کہ میں میاں کوٹ کا رہنے والا ہوں۔ مجھے کہتا کہ اچھا اچھا آپ وہ ہو جو دربار کی مخالفت کرتے ہو؟ تو میں نے مسکرا دیا، ہنس دیا، میں نے کہا اس بچے کو پتہ نہیں بچارے کو۔ تو جب تک آپ کے اندر مرشد کا یہ فیض نہیں ہوگا تو آپ تو لوگوں سے لڑتے رہیں گے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ پھر ملا۔ اس کو کوئی بندہ ملا تھا جو میرے پاس آیا دربار کے پیسے لیکر، میں نے ادھر بھیج دیے۔ وہ مجھے کہتا کہ میں تو بڑا شرمندہ ہوں، مجھے تو اب پتہ چلا ہے کہ آپ نے تو لاکھوں

روپیہ دربار بنانے کیلئے بھیجا ہے۔ یہ میں نے ایک مثال دی ہے کہ لوگ آپ کو گالیاں دیں گے، برا بھلا کہیں گے اور اگر آپ کے پاس صبر اور برداشت کی طاقت نہیں ہے تو بے مرشد ہیں۔ مرشد والے ایسے نہیں ہوتے۔

اس کی سب سے بڑی مثال میرے اور تمہارے آقا ﷺ کی ہے۔ یہ پہلی سیرت کی کتاب ہے، سیرت ابن ہشام۔ یہ واقعہ اس میں لکھا ہوا ہے اور آپ نے سنا ہوا ہے۔ میں نے صرف آپ کو یاددہانی کروانی ہے کہ مرشد فیض پاک پیغمبر ﷺ سے لیتے ہیں۔ یعنی بندہ تھوڑا سا تصور تو کرے کہ جب نبی پاک ﷺ نے اس بڑھیا کی گٹھری اٹھائی تو وہ سارا راستہ نبی پاک ﷺ کو گالیاں دیتی رہی۔ بیٹا ادھر ایک جادوگر آگیا ہے، بھائی بھائیوں سے لڑ رہے ہیں، باپ بیٹوں سے لڑ رہے ہیں، اس نے تو مکہ میں آکر انتشار ہی بڑا پھیلا دیا ہے۔ نبی پاک ﷺ سر جھکائے اس کا بوجھ اٹھائے جا رہے ہیں۔ یہ سنت ہے میرے پیغمبر ﷺ کی۔ حلم نور ہے۔ اب جس مقام پہ راستے جدا ہونے تھے۔ سرکار نے فرمایا کہ اماں جی آپ کا راستہ اِدھر کو، میں تو ادھر کو جانا ہے۔ اب بھی یہ نہیں کیا، گٹھری سر سے اتار کر پھینک نہیں دی کہ یہ تو مجھے گالیاں دے رہی ہے اور میں اس کا بوجھ اٹھا کر جاؤں؟ نہیں۔ جو اچھا برتیں انکے ساتھ تو سارے ہی اچھا برت لیتے ہیں۔ مزا تو تب ہے کہ جو آپ کیساتھ برائی کرے، اس کیساتھ آپ اچھائی کریں۔ یہ قرآن کی آیت آپ کو سنا رہا ہوں اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ[1]۔ اوہ! برائیوں کا مقابلہ نیکیوں کیساتھ کیا کرو۔ برائی کا مقابلہ برائی سے نہیں کرتے۔ اب اس نے خود ہی آواز دی۔ کہنے لگی بیٹا بات تو سن۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے اچھے خاندان کا بچہ ہے۔ تیری کوئی ماں بڑی نیک ہے۔ تیرا باپ دادا بڑا نیک ہے۔ بتا تو سہی کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ یہودن تھی عورت۔ میں کئی دفعہ یہ بات سوچتا ہوں کہ اس یہودن عورت نے گالیاں دیتے ہوئے سفر میرے پیغمبر ﷺ کیساتھ گزارا۔ اس تھوڑے سے وقت میں اس کو بھی پتہ چل گیا کہ میرے محمد ﷺ کا خاندان کتنا اعلیٰ ہے۔ اور کئی بدبخت آج بھی میرے پیغمبر ﷺ کے خاندان پہ بات کرتے ہیں۔ یہ تو یہودیوں سے بھی بدتر ہیں جن کو آج بھی پتہ نہیں چلا کہ میرے آقا کا خاندان کیسا ہے؟ سیرت ابن ہشام میں اس نے کہا کہ تیرا تو بڑا نیک

[1] سورۃ المؤمنون:96

خاندان ہے۔ چنگی ماں دا پتر وے۔ بیٹا تجھے ایک نصیحت کرنا چاہتی ہوں۔ اب تو کوئی دو چار کتابیں پڑھ لے تو کہتا ہے کہ تُو مجھے نصیحت کرے گا؟ میں کوئی تم سے کم پڑھا لکھا ہوں؟ میں حلم بتا رہاں ہوں۔ آج میں نے خصوصی طور پہ یہ لفظ حلم آپ تک پہنچانا ہے۔ حلم کیا ہوتا ہے؟ سرکار ہاتھ باندھ کر مائی کے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ میرے نوجوان بچوں کیلئے ہے، یہ کبھی ماں باپ سے نہ کہا کریں کہ اب آپ ہمیں سکھائیں گے۔ یہ میرے پیغمبر ﷺ کی سنت ہے، والدین جب کوئی نصیحت کریں تو ہاتھ باندھ کر بڑوں کی بات سننی ہے۔ بیٹا تو بہت اچھا ہے، تیرا خاندان بہت اچھا ہے۔ تجھے ایک نصیحت کرنا چاہتی ہوں۔ وہ جو مکہ کا جادوگر ہے ناں اس سے ذرا بچ کر رہنا۔ میری سرکار نے پھر بھی اپنا تعارف نہیں کروایا۔ ٹھیک ہے اماں، جیسی تو کہتی ہے ویسے کروں گا۔ اوہ یار! کسی بزرگ کی دلجوئی ایسے بھی کر دیا کرو۔ یا ہر وقت یہی بتاتے رہنا ہے کہ آپ تو جاہل ہو فلاں دور کے؟ اب اس نے پھر آواز دی، اس نے کہا کہ بیٹا میں نے تو نصیحت کر دی، تو بھی اپنا تعارف کروا۔ پھر میرے آقا نے آنکھیں جھکا کر، سیرت ابن ہشام میں یہی لکھا ہے، آنکھیں جھکا کر تا کہ مائی شرمندہ نہ ہو۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کی۔ کہا اماں جسے تُو جادوگر کہہ رہی ہے میں وہی محمد ہوں۔ اب اگلے تین جملے بڑے کمال کے ہیں۔ وہ مائی وجد میں آ گئی۔ اس نے کہا بیٹا اگر تُو محمد ہے تو ابو جہل جھوٹا ہے۔ اگر تُو محمد ہے تو عتبہ اور شیبہ جھوٹے ہیں۔ سچ اسی لیے مینارہ نور ہوتا ہے، اس کی روشنی کے سامنے جھوٹ چھپ نہیں سکتا۔ سچ کی طاقت ہی یہی ہوتی ہے۔ کتنے پروپیگنڈے کیے میرے پیغمبر کے خلاف لیکن ایک حلم کی کیفیت نے۔۔۔ اب یہ ہے وہ مرحلہ، جو میں اکثر جہاں بھی جاتا ہوں یہی بات کرتا ہوں کہ میرے نبی نے کافر مارے نہیں، بلکہ دلوں کے کفر مارے ہیں۔ اوہ بھائی! سرکار کوئی کافر مارنے نہیں کافروں کو مسلمان بنانے کیلئے آئے ہیں۔

تو یہ تینوں درجے یاد رکھنا۔ یا تو جہل، علم کے مقابلے میں آتا ہے یا عقل کے مقابلے میں آتا ہے۔ علم ہو اور عقل نہ ہو تو پھر بھی جاہل ہے۔ جس کو یہ ہی نہیں پتہ کہ یہ میرے ماں باپ ہیں، یہ بڑا ہے، یہ چھوٹا ہے، حدوں کی تمیز نہیں ہے، وہ علم والا نہیں ہوتا۔ یہ بات میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ جب آپ مرشد کی بارگاہ میں بیٹھتے ہیں تو یہ یقین کا نور آپ کے دل میں داخل ہوتا ہے۔ جب یقین کا نور آتا تو پھر یہ راستے کی رکاوٹیں دور کرنا آسان ہو جاتا

ہے۔ مثلاً اگر کسی کے گھر میں بچی پیدا ہو اور وہ اپنی بہو کو برا سمجھنا شروع کر دے تو یہ کفر اور شرک کے درجے پہ بات چلی جاتی ہے۔ یہ بہو کو مصور سمجھتے رہے؟ یہ بہو کو خالق سمجھتے رہے؟ یہ تصویر کس نے دی ہے؟ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ[1]۔ اللہ سے بغاوت، یہ کوئی معاشرتی مسئلہ نہیں ہے کہ بیٹی پیدا ہو گئی تو منہ سوجھ گئے، کالے ہو گئے۔ یہ اللہ سے بغاوت ہے۔ خدائے ذوالجلال کے سامنے، اگر موت پہ نظر ہے تو کس حیثیت سے جائیں گے کہ میں ساری زندگی تیرے حکموں سے بغاوت کرتا رہا ہوں؟ تیرے فیصلوں سے بغاوت کرتا رہا ہوں؟ اور جن کی موت پہ نظر نہیں، ان کو مرشد کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ داڑھی منڈوانا جو ہے یہ حرام کے درجے کا گناہ ہے۔ تو میں نے فیاض سے صرف ایک دن یہی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ حرام کے کام میں تعاون نہیں کرنا۔ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ[2]۔ حرام کے کام میں معاون نہیں بننا، اس لیے کسی کی داڑھی نہ مونڈنا۔ وہ حرام کر رہا ہے تو تم تو حصہ دار نہ بنو۔ اب آپ کے سامنے ہے ناں، اس نے آکر اعلان کر دیا کہ داڑھی نہیں مونڈنی۔ لیکن عام آدمی کیلئے یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ بھائی داڑھی مونڈنے کے پیسے ملتے ہیں ناں۔ ہو سکتا ہے کہ گھر والے کہیں کہ تو بھوکا مر جائے گا۔ دوست احباب کہیں کہ بھوکا مر جائے گا۔ لیکن مرشد کی بارگاہ میں بیٹھنے سے یقین کا وہ نور دل میں داخل ہوتا ہے کہ نہیں، مجھے یہ کمائی نہیں چاہیئے جس سے میرا اللہ ناراض ہوتا ہے۔ یہ ہے مرشد کا فیض۔ میرا برخوردار فاروق بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے ایک بڑی آزمائش آگئی۔ یہ مسئلہ آپ بھی سن لیں۔ یہ جو زندگی کی رکاوٹیں ہیں ناں، میں وہ مثالیں دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم کسی سے بچہ یا بچی لیکر پالو تو نام اس کے اصل والد کا ہی رکھنا ہے۔ جس نے بچی بچہ adopt کیا ہے وہ اپنا نام نہیں لکھوا سکتا۔ یہ سورۃ احزاب کی آیت میں نے فاروق کو پڑھوائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ[3]۔ نبی پاک ﷺ نے بھی ایک بیٹا پالا تھا، حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ۔ لوگوں نے زید بن محمد کہنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ نہیں زید بن حارث کہو۔ مَا کَانَ

---

[1] سورۃ آل عمران:6

[2] سورۃ المائدہ:2

[3] سورۃ الاحزاب:5

مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ[1]۔ محمد ﷺ کسی جوان کے باپ نہیں۔ تو اگر آپ بھی کسی سے بچہ لیکر پالیں تو قرآن کریم نے سختی سے منع کیا ہے کہ ولدیت اس کے اصل والد کی لکھی جائے گی۔ اور اگر آپ ولدیت اپنی لکھوائیں گے تو آپ اس کی ماں پہ زنا کی تہمت لگا رہے ہیں۔ یہ اتنا حساس معاملہ ہے۔ اگر آپ کہیں گے کہ میں باپ ہوں لیکن تُو باپ تو نہیں ہے۔ تو اس کی ماں پہ بدکاری کا الزام لگا رہا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے معاشرے میں یہ باتیں سیکھی نہیں جاتیں۔ فاروق نے بھی بچیadopt کرلی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے اس کو رکھو، اسکی پرورش کرو لیکن نام تم اپنا نہیں لکھوا سکتے۔ اب پریشر آیا، گھر والوں کی طرف سے بھی آیا۔ سب کی طرف سے آیا لیکن وہ پریشر اس نے کیوں برداشت کرلیا، اس لیے کہ مرشد نے وہ یقین کا جو نور دیا تھا وہ دل میں موجود تھا۔

اس لیے کوشش کریں کہ اگر میری زندگی کی آخری منزل موت ہے تو زندگی کی ہر رکاوٹ کے موقع پہ مجھے میرے مرشد کی ضرورت ہے۔ یہ تینوں چیزیں ذہن میں رکھنا، نبی پاک ﷺ بھی آئے ہیں جہالت دور کرنے کیلئے اور مرشد بھی اس لیے ہوتا ہے کہ جہالت دور ہو جائے۔ اور جو خود جھوٹا ہو وہ مرشد نہیں ہوتا۔ جو خود جاہل ہو وہ مرشد نہیں ہوتا، جو خود بے عقل ہو وہ مرشد نہیں ہوتا اور جس میں حلیمی نہ ہو، وہ مرشد نہیں ہوتا۔ مرشد کیلئے ضروری ہے کہ وہ عقل والا ہو، علم والا ہو اور حلم والا بھی ہو تا کہ یہ وہ نور لوگوں کے دلوں میں داخل کرے۔ امام احمد بن حنبل کا یہ جملہ ذہن میں رکھنا کہ جب تک آخری سانس بھی ایمان پہ نہ چلی جائے شیطان سے کبھی غافل نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

[1] سورۃ الاحزاب:40

اللہ کا جلوہ جس میں آ جائے

قرآن: فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًاۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ (29)

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (30) سورة القصص

ترجمہ: پھر جب موسیٰ نے اپنی مدت پوری کر دی اور اپنی بیوی کو لے کر چلے تو کوہِ طور کی طرف ایک آگ دیکھی۔ آپ نے اپنی گھر والی سے فرمایا: تم ٹھہرو، بیشک میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا تمہارے لیے کوئی آگ کی چنگاری لاؤں تاکہ تم گرمی حاصل کرو۔ پھر جب آگ کے پاس آئے تو برکت والی جگہ میں میدان کے دائیں کنارے سے ایک درخت سے انہیں ندا کی گئی: اے موسیٰ! بیشک میں ہی اللہ ہوں، سارے جہانوں کا پالنے والا ہوں۔

خاکہ:-

1. بڑی بابرکت ہے وہ آگ جس میں اللہ کا جلوہ ہے۔
2. اللہ جب کلام کرتا ہے تو وہ ہر جہت سے کرتا ہے۔
3. بھائی کسی جاننے والے سے پوچھا کرو۔
4. یہ پیغمبر کو پتہ ہے کہ ابلیس کو کیا جواب دینا ہے۔
5. برتن وسیلہ ہے، پیاس پانی سے بجھے گی۔
6. نماز کے اندر خشوع کامیابی دے گا۔
7. قال، حال اور مقام، یہ تین درجے ہیں۔
8. ایک ہے دل کی چاہت اور ایک ہے دل کی طلب

9. قال، حال اور مقام کی مثالیں
10. سورۃ مزمل سے حضور ﷺ کی زیارت
11. جھوٹ بہت تیز دوڑتا ہے لیکن اس کی بد قسمتی ہے کہ منزل تک نہیں پہنچتا۔
12. ایمان کی حالت کا ایک لمحہ 70 سال کے کفر پہ غالب آ جاتا ہے۔
13. مرشد خدا نہیں ہوتا لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتا۔
14. ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار ﷺ کی زیارت سے بڑا نیکی کا کام کوئی نہیں۔
15. پیر دید یعنی دید کبریا

آج میں نے یہ سورۃ قصص کی دو آیات تلاوت کی ہیں۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ یہ اصل میں تو پیچھے سے واقعہ ذرا لمبا ہے لیکن شروع میں یہاں سے کر رہا ہوں کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام سے معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے میں یہ بات تھی کہ آپ 8 سال ہمارے گھر کی خدمت کریں تو میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں گا۔ اگر 2 سال مزید کرتے تو یہ آپ کا احسان ہوتا۔ تو یہ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کی بکریوں کو پانی پلایا تھا، یہ بیسویں پارے میں تفصیل کیساتھ ذکر ہے۔ تو اللہ فرماتا ہے فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ کہ وہ جو مدت مقرر کی گئی تھی، جب وہ پوری ہو گئی۔ تو شعیب علیہ السلام نے اپنے وعدے کے مطابق اپنی بیٹی صفورا کی شادی موسیٰ علیہ السلام کیساتھ کر دی۔ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ تو وہ اپنی بیوی کو لیکر کوہ طور کی جانب جب روانہ ہوئے تو وہ رات بڑی سرد تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور بکریاں تتر بتر ہو گئی تھیں۔ تو بڑی عجیب سی صورت حال ہو گئی تو آپ نے وہاں ایک آگ کو دیکھا۔ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے یہاں آگ دیکھی ہے۔ تم یہاں ٹھہرو، میں تمہارے لیے وہ آگ لے آؤں کہ تم اپنے تھوڑے ہاتھ تاپ لو۔ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ یا پھر میں اس کی کوئی خبر لیکر آتا ہوں۔ فَلَمَّاۤ

آتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ۔ تو عجیب صورتحال یہ ہوگئی ہے کہ اس آگ کے پیچھے جب موسیٰ علیہ السلام چلے۔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ تو اس وادی کے دائیں طرف سے۔ آواز آئی۔ اور یہ بڑی بابرکت چیز ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ آگ درخت کے اندر چلی گئی اور اس نے آواز دی اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ بیشک میں ہی رب العالمین ہوں۔ وہ درخت جو ہے وہ بول پڑا۔ اس آگ میں سے یہ آواز آئی۔ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ تو وہ آگ برکت والی اس لیے ہے کہ اس میں جلوہ اللہ کا ہے۔ وہ درخت برکت والا اس لیے کہ اس میں جلوہ اللہ کا ہے۔ یہ بات ہے اللہ نے موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے کلام کیا تو اس ذریعے سے کیا۔

ایک دن ابلیس نے سرکار موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ جو آگ اور درخت نے آپ سے گفتگو کی تھی وہ آپ کا اللہ تھا؟ بھائی یہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟ یہ ایک خاص مقام ہے جہاں تک میں آپ کو لیکر آنا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے بھی کہا تھا کہ بھائی ہو سکتا ہے کہ کوئی شیطان آکر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات بتا دیتا ہو اور وہ آگے بیان کر دیتے ہوں؟ ضروری ہے کہ کوئی فرشتہ ہی آتا ہو۔ ہم نے کونسا کوئی دیکھا ہے سیڑھی لگا کر کوئی فرشتہ آسمانوں سے اترتا ہوا؟ تو یہ باتیں ہوتی ہیں اور ہر دور میں ہوتی ہیں۔ اور میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہی ہے کہ وہ فرشتوں کو بھی جانتے ہیں اور شیطانوں کو بھی جانتے ہیں۔ ان کو پتہ ہے کہ جبریل کون ہے اور ابلیس کون ہے۔ بہر حال یہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔ تو ابلیس نے پوچھا کہ موسیٰ تجھے کیسے پتہ چلا کہ یہ جو آگ ہے اس میں رب العالمین کا جلوہ ہے؟ اللہ تجھ سے کلام کر رہا ہے؟ ایک بات میں آپ کو بتادوں، یہ چونکہ عقائد کا مسئلہ ہے۔ اللہ جب بات کرتا ہے تو آواز میں نہیں کرتا۔ یہ ایک خاص عقیدہ ہے۔ اللہ جب گفتگو کرتا ہے تو الفاظ میں نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ الفاظ کی بھی جہت ہوتی ہے اور آواز کی بھی جہت ہوتی ہے۔ اور جہت محدود ہوتی ہے۔ اب میں گفتگو کر رہا ہوں تو ایک جہت سے کر رہا ہوں۔ بائیں سے دائیں سے، پیچھے سے میں گفتگو نہیں کر رہا۔ تو جس کی جہت ہو وہ خدا نہیں ہوتا۔ جو محدود ہو وہ خدا نہیں ہوتا۔ یہ شاید کسی جمعہ پہ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ جو قرآن کے الفاظ ہیں، یہ ہمارے مطابق نازل ہوئے ہیں۔ جو اس کا کلام ہے ناں لوح محفوظ پہ، اس کا مقام و مرتبہ

اور ہے۔ یہ تو ہماری استطاعت دیکھتے ہوئے ان الفاظ کا انتخاب کیا گیا۔ تو یہ میں تھوڑی سی تمہید اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے تو ایک جملے میں بات کر دی۔ فرمایا ابلیس، مجھے اس طرح پتہ چلا کہ جب میرے اللہ نے مجھ سے کلام کیا تو ہر جہت سے کیا۔ اللہ نے جب مجھ سے کلام کیا تو ہر جہت سے کیا۔ جب اللہ نے مجھ سے کلام کیا تو میرے جسم کے ہر عضو نے سنا۔

اسی لیے قرآن کہتا ہے کہ تم نے بھی بات پوچھنی ہو ناں فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ [1]۔ بھائی کسی جاننے والے سے پوچھا کرو۔ اچھا کئی دفعہ لوگ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہم دین کا دفاع کر رہے ہیں۔ مناظرے کر رہے ہیں، لوگوں سے بحثیں کر رہے ہیں۔ دین سے جی ہمیں محبت ہے، جہاد کر رہے ہیں۔ لوگوں سے لڑ رہے ہیں۔ کیوں؟ دین کا دفاع کر رہے ہیں۔ اوہ بھائی! دین نے تمہیں اپنا دفاع کرنے کا اختیار بھی دیا ہے کہ نہیں؟ پہلے یہ تو دیکھ تجھے اختیار بھی ملا ہے کہ نہیں؟ قرآن نے کب کہا تھا کہ ہر کوئی دفاع کرے۔ قرآن نے کہا تھا فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ۔ ہر کوئی دفاع کیلئے نہ اُٹھے۔ جس کو پتہ ہے توحید خداوندی کیا ہے، وہی ابلیس کو جواب دے سکتا ہے کہ میرے اللہ نے جب مجھ سے کلام کیا تو ہر جہت سے کیا۔ کسی ایک جہت سے نہیں کیا۔ میں آپ سے کلام کر رہا ہوں، آپ سن رہے ہیں کانوں کے ذریعے۔ میری آنکھیں نہیں سنتیں، میرے بال نہیں سنتے، میرے ہاتھ نہیں سنتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دوسرے جملے میں اس کے سارے علم کو غارت کر دیا۔ فرمایا جب میرے اللہ نے کلام کیا تو میرے جسم کے ہر عضو نے سنا۔ بھائی یہاں اگر بجلی خراب ہو جائے اور ایک بندہ آ کر کہے کہ میرے دل میں بڑا شوق ہے، مسجد کی محبت کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ تو میں آ کر بجلی ٹھیک کر دوں؟ تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر روکیں گے کہ اگر تو نے بجلی ٹھیک کرنے کا کام سیکھا ہوا ہے تو پھر اپنا کام پورا کرو ورنہ مسجد کی محبت میں ہلاک ہو جاؤ گے اور موت حرام کی ہو گی۔ جہاد نہیں ہو گا۔ تمہارا شوق اپنی جگہ، تمہاری مسجد سے محبت اپنی جگہ لیکن لوگوں کو ہلاکت سے روکنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ ہے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ۔ تو اسلام اپنے دفاع کا اختیار ہر کسی کو نہیں دیتا۔ کیوں؟ قرآن کہتا ہے

---

[1] سورۃ النحل:43

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ پاک پیغمبر ﷺ کس لیے تشریف لائے کہ وہ تمہیں جہالت سے نکالیں اور نور کی طرف لیکر آئیں۔ یہ بنیادی فلسفہ ہے قرآن کا۔ اسلام نور ہے۔ دین نور ہے۔ اللہ نور ہے۔ اس کا رسول کا نور ہے۔ ہدایت نور ہے۔ نور کا دفاع جہالت سے نہیں ہوتا۔ نور کا دفاع کوئی نور والا کرے۔ نہ کرو مناظرے لوگوں سے، تمہارے دفاع کی ضرورت نہیں ہے جب تک دین تمہیں اختیار نہیں دیتا۔ کوئی جھوٹ بولنے والا اس دین کا دفاع نہ کرے۔ اس لیے کہ جھوٹ جہالت ہے اور جہالت سے کبھی نور کا دفاع نہیں ہوتا۔ کوئی بددیانت اُٹھ کر اس دین کا دفاع نہ کرے۔ بچے کئی دفعہ اُٹھ کر سوال کرتے ہیں یہ سوشل میڈیا پہ پتہ نہیں کتنے ہنگامے برپا ہیں۔ ہر کوئی اُٹھ کر مناظرے کر رہا ہے کہ میں دین کا دفاع کر رہا ہوں۔ اوہ بھائی! دین نے تمہیں اختیار بھی دیا ہے کہ نہیں دیا؟ تم اپنی مرضی سے ہی دفاع کیلئے کھڑے ہو گئے ہو؟

اب اللہ کا جلوہ، اللہ نے کلام کیا اپنے رسول سے، اپنے پیغمبر سے۔ کلیم اللہ بنایا۔ اب کلیم سے ابلیس نے سوال کیا تو اللہ کے نور کا دفاع پیغمبر نے اپنے نور سے کیا۔ یہ پیغمبر کو پتہ ہے کہ ابلیس کو جواب کیا دینا ہے۔ اس نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ کسی اور نے کلام کیا ہو؟ کہا کہ اور کوئی کلام کرے تو ایک جہت سے کرتا ہے، اللہ کرے تو ہر جہت سے کرتا ہے۔ یہ کلام ہے ہی میرے اللہ کا۔ اور کوئی کلام کرے تو صرف کان سنتے ہیں۔ اللہ کلام کرے تو جسم کا ہر عضو سنتا ہے۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ ایک واسطے کیساتھ بات کی۔ کیا ہم اس درخت کو اللہ کہتے ہیں؟ قرآن کے الفاظ کیا ہیں؟ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ بیشک میں اللہ ہوں۔ آواز آئی ہے اس درخت سے کہ بیشک میں اللہ ہوں۔ کون اللہ؟ رب العالمین۔ جو عالمین کا رب ہے۔ اگر کسی بندے کے دل میں خدا کے جلوے کا شوق نہیں ہے تو اس کو مرشد کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا اس درخت کو ہم اللہ کہتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ ہیں کہ بیشک میں اللہ ہوں۔ رب العالمین۔ اپنے موسیٰ سے کلام کر رہا ہے اللہ۔ درخت سے آواز آ رہی ہے۔ بڑا بابرکت ہے وہ درخت، جس میں اللہ کی تجلی جلوہ گر ہو جائے۔ وہ آگ بڑی بابرکت ہے جس آگ میں اللہ کا جلوہ ہو۔ لیکن ہم اس درخت کو اللہ نہیں کہتے۔ ہم اس آگ کو اللہ نہیں کہتے۔ کیا کہتے ہیں کہ اس میں اللہ کی تجلی جلوہ گر ہے۔

اب یہ جو تجلیات کا سفر، جہاں سے میں نے بات شروع کی تھی۔ الفاظ جو ہیں ناں، یہ برتن کی مانند ہیں۔ یہ منزل نہیں ہیں۔ ان کی حقیقت ان کا معنیٰ ہے۔ الفاظ برتن کی مانند ہیں۔ برتن سے کسی کی پیاس نہیں بجھتی۔ برتن وسیلہ ہے پانی پینے کا۔ تو معنی جو ہے وہ پانی ہے برتن کے اندر۔ جس نے ساری زندگی الفاظ تک اپنا سلسلہ رکھا، اس کی پیاس نہیں بجھتی۔ اب معنی جو ہیں ان تک پہنچنے کیلئے ہے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ۔ پوچھ ان سے۔ اس کا معنیٰ تو مفسرین اہل علم ہی کرتے ہیں۔ لیکن لفظ جو ہے وہ ذکر کا ہے۔ جس میں اللہ کی یاد ہو ان سے پوچھا کرو۔ جس دل میں اللہ کا خوف ہو، اس سے پوچھا کرو۔

تفسیر ابن عباس جو پہلی تفسیر ہے، سعودی عرب والوں نے چھاپی۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ[1] اٹھارواں پارہ شروع ہو رہا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ایمان والے کامیاب ہو گئے۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ[2] ۔ جو اپنی نمازوں میں خشوع پیدا کرتے ہیں۔ خشیت الٰہی آجاتی ہے۔ جس نے پیغمبر سے علم سیکھا، مولا علی سے علم سیکھا، سرکار عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا۔ دیکھئے یہاں قرآن نے یہ نہیں کہا کہ نماز نجات دے گی۔ نماز کامیابی دے گی۔ نہیں۔ نماز کے اندر خشوع کامیابی دے گا۔ ورنہ تو پھر فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ[3] بھی ہے۔ پوچھا گیا سرکار کہ یہ خشیت الٰہی کیا ہے؟ کوئی نشانی ایک دو بتادیں۔ فرمایا جب اللہ اکبر کہنے کے بعد عاجزی آجائے تو اس کا مطلب ہے کہ خشوع مل گیا۔ اللہ اکبر، اس کو بڑا کہہ دیا ناں تو اب چھوٹا بن جا۔ دوسری نشانی سرکار عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، میں کسی مولوی کی بات نہیں کر رہا، یہ تفسیر ابن عباس سے عرض کر رہا ہوں۔ فرمایا اب اگر دھیان اِدھر اُدھر نہ جائے تو سمجھنا خشوع پیدا ہو گیا اور تیرے ہاتھ اور تیرے اعضاء اگر ہلتے نہیں ہیں، ساقط ہو جاتے ہیں تو سمجھنا خشوع مل گیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ نماز کو میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کہا ہے۔ الصلوٰۃ معراج المؤمنین۔ معراج کا واقعہ آپ نے قرآن میں بھی پڑھا، حدیث میں بھی پڑھا۔ معراج کیا ہے؟ معراج، مشاہدہ ہے۔ بھائی معراج کی رات کیا ہوا ہے؟ اللہ کا مشاہدہ

---

[1] سورۃ المومنون: 1

[2] سورۃ المومنون: 2

[3] سورۃ الماعون: 4

میرے پیغمبر ﷺ نے کیا۔ تو اگر نماز مشاہدے کی طرف لے جائے تو سمجھنا کامیاب ہو گیا۔ نماز میں کبھی مشاہدہ ہو جائے۔ لیکن ایک بات ہے، ہمارے صوفیا نے ایک بات بیان فرمائی ہے کہ مشاہدہ مجاہدے کے بغیر نہیں ہوتا۔ جب تک نہیں ہوتا، کھڑا رہ مجاہدہ کرتا رہ، اس لیے کہ اس کے مشاہدے کا ذریعہ نماز ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مشاہدہ نہیں ہوا تو مجاہدہ چھوڑ دوں؟ نہیں۔ تو نماز سے بھی پیاس اسکی بجھی گے جس کو خشیت ملے گی۔

تو الفاظ اور چیز ہیں اس کے معنیٰ اور ہیں۔ یہ تین مقام ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں مقام قال۔ قال کا اگلا درجہ ہے حال۔ اور اس سے اگلا درجہ ہے مقام۔ بھائی اگر یہ چیزیں آپ کی طلب نہیں ہیں ناں تو آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے مرشد کی۔ بے مقصد ہے پیری مریدی۔ وہ مشاہدہ جو مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے میرے پیغمبر ﷺ کے اندر جلوہ حق دیکھا تھا اور وہ جلوہ اس سلسلہ میں چلتا چلتا پیر محمد صوفی رحمۃ اللہ علیہ میں آیا۔ اس لیے کہ وہ جلوہ دکھاتا ہی کسی اور میں سے ہے۔ تجلی بھی گری تھی تو پہاڑ پہ گری تھی اور کہا تھا کہ موسیٰ اس پہاڑ کو دیکھ اگر مجھے دیکھنا۔

طلب، یہ میں نے پہلے بھی کسی موقع پہ عرض کیا تھا کہ طلب ہی توفیق ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی دل کی دو کیفیتیں ہیں۔ ایک ہے دل کی چاہت اور ایک ہے دل کی طلب۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ یہ چیزیں کتابوں سے چونکہ آپ کو نہیں ملیں گی۔ یہ وہ علم ہے جو سینہ بہ سینہ ہمارے تک پہنچا ہے۔ اس لیے وہ ہم نے آگے آپ تک منتقل کرنا ہوتا ہے۔ چاہت، ہر وہ ذائقہ جو میرے جسم کیلئے۔ اس کا اہتمام میں کروں، میرا کوئی دوست کرے، میرے گھر والے کریں۔ اس کو چاہت کہتے ہیں۔ ہر وہ ذائقہ جو میری روح کیلئے ہے اس کو طلب کہتے ہیں۔

قال، میں نے قرآن کے الفاظ پڑھے لیکن کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوئی۔ ساری زندگی قرآن پڑھتا رہا لیکن آنکھیں نم ہی نہیں ہوئیں۔ یہ قرآن خود کہہ رہا ناں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا[1]، ایمان والے تو جب اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو انکے دل کانپ جاتے ہیں اور جب آیتیں سنتے ہیں تو انکے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ کیفیت اگر نہیں آتی تو سمجھیں کہ آپ قال کے درجے میں ہیں۔ لیکن ثواب تو ملتا

---

[1] سورۃ الانفال:2

رہے گا، ایک حرف کی 10،10 نیکیاں ملتی رہیں گی لیکن ابھی آپ نے سفر طے نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں الرحمن الرحیم۔ میرے اوپر کوئی کیفیت نہیں۔ مقام قال ہے۔ کوئی کیفیت نہیں۔ لیکن کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں الرحمن الرحیم تو وجد میں آ جاتے ہیں۔ رحمٰن، میری ضرورت کے مطابق دینے والا۔ رحیم، میرے عمل کے مطابق دینے والا۔ مالک یوم الدین پڑھا، کوئی کیفیت نہیں۔ ساری زندگی سورۃ فاتحہ پڑھتے رہے۔ یہ میں پہلے دو جملے عرض کر دوں۔ قال کے بعد اگر کیفیت پیدا ہو جائے۔ یعنی لفظوں کے اندر معنیٰ نصیب ہو جائیں۔ معنی نصیب ہوئے، کیفیت آئی اور چلی گئی۔ یہ حال ہے اور یہ بڑی کمال کی جگہ ہے۔ ہاں یہ بڑے خاص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ کیفیت مل گئی لیکن چلی گئی، رُکی نہیں، یہ حال ہے۔ کیفیت آئی اور پھر رُک گئی، یہ مقام ہے۔ مرشد کے ہاتھوں کو بھوسہ دیا، کیفیت آئی اور چلی گئی لیکن اگر وہ رُکی رہی تو آپ کو مقام مل گیا۔ اس لیے ہمارے ہاں تصوف میں جو عشق حقیقی کا سفر ہے وہ مجاز سے ہوتا ہے۔ مجاز جو ہے وہ ضروری ہے۔ اب ہمارے مجاز کیا ہوتا ہے کہ کسی عورت سے عشق ہو گیا، محبت ہو گئی۔ اس کو ہم عشق مجازی کہتے ہیں۔ لیکن اولیاء اللہ کے ہاں یہ نہیں ہے۔ اللہ کے ولیوں کے ہاں عشق مجازی کی جو تعریف ہے، وہ کہتے ہیں کہ تیرے مرشد آئے، تم نے بھاگ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ یہ عشق مجازی ہے۔ ان کا جوتا اُٹھا کر سائیڈ پر رکھا۔ پھولوں کا ہار پہنا دیا۔ یہ عشق مجازی ہے۔ ان کے لیے اچھے کھانے کا انتظام کیا۔ بستر بچھا دیا۔ وضو کروایا۔ یہ ساری کیفیتیں مجاز ہیں۔ کیوں کہ دیکھ کر کیفیت آئی ہے۔ چلے گئے تو کیفیت بھی چلی گئی۔ اور عشق حقیقی یہ ہے کہ جب وہ چلے جائیں تو اب بھی ویسے ہی رہ جیسے ان کے سامنے تھا۔ اور یہ اگر حالت نہیں ہے تو پھر کوئی مقام نہیں۔ حال ہے لیکن مقام نہیں۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ کسی معذور کو دیکھا، کسی نابینا کو دیکھا تو کیفیت پیدا ہوئی۔ جو کچھ پاس تھا نکال کر دے دیا۔ کبھی آپ کو یہ جملے بھی سننے کو ملتے ہیں کہ آج ہمارے صاحب بڑے اچھے موڈ میں ہیں، جو مانگو گے دے دیں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ موڈ ہو گا تو دیں گے، نہیں ہو گا تو نہیں دیں گے۔ اللہ فرماتا ہے کہ نہیں، ایمان والے کسی موڈ میں بھی ہوں، وہ نماز میں بھی ہوں تو علی اس حالت میں بھی عطا کر دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ میرا اپنا ہے یا پرایا، میرا دوست ہے یا دشمن۔ جب کیفیت ٹھہر جاتی ہے تو پھر کوئی مقام جچتا ہی نہیں۔ پھر انسان کسی اور طرف دیکھتا ہی نہیں۔

سورۃ مزمل کی میرے آقا تلاوت کر رہے ہیں يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا[1]۔ یہ جملہ سورۃ مزمل کا۔ اب جب میرے پیغمبر ﷺ نے یہ جملہ ادا کیا تو صحابہ فرماتے ہیں۔ یہ جو مختلف روایات ملتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی داڑھی مبارک میں بیس بال تھے سفید۔ یہ جو حدیث کی مختلف روایات ملتی ہیں۔ لیکن پوچھ لیا، یارسول اللہ ﷺ آپ کے چہرے پہ بڑھاپا آگیا۔ بال تو کالے تھے۔ بڑھاپا آگیا۔ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا۔ وہ دن کیسا ہوگا، قیامت کا دن جب بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ اب پیغمبر ﷺ پہ کیفیت اور طاری ہوئی۔ ابو بکر پہ اور طاری ہوئی۔ عام صحابی پہ اور طاری ہوئی۔ لیکن اس جملے کے بعد وہ کیفیت میرے پیغمبر ﷺ کے چہرے پہ ٹھہر گئی۔ اسی لیے آج بھی جو لوگ میرے پاک پیغمبر ﷺ کی زیارت کے مشتاق ہیں وہ سورۃ مزمل کی تلاوت کرتے ہیں۔ چونکہ یہ جملے کی کیفیت میرے پاک پیغمبر ﷺ پہ ٹھہر گئی۔

اب مصیبت یہ ہے کہ میں تقریر کروں، الفاظ ساری زندگی آپ بھی سنتے رہے، میں بھی ادا کرتا رہا لیکن اگر معنوں تک نہیں پہنچ سکے تو منزل نہیں ملی۔ معنوں کی کیفیت اگر ٹھہری نہیں تو مقام نہیں ملا۔ ایک محقق نے بڑا عظیم جملہ کہا، مجاہدے کے حوالے سے جو ہم بات کر رہے تھے۔ اس نے کہا کہ جھوٹ بہت تیز دوڑتا ہے۔ صحابہ کرام بھی پریشان ہو جاتے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ یہ ابو جہل بڑی سازشیں کرتا ہے۔ یہ ابو لہب بڑی سازشیں کرتا ہے۔ سارے مکے کے مشرک اکٹھے ہو گئے ہیں۔ نمرود کا بھی یہی معاملہ ہے، فرعون کا بھی یہی معاملہ۔ انہوں نے کہا کہ جھوٹ بہت تیز بھاگتا ہے لیکن اس کی ایک ہی بدقسمتی ہے کہ یہ منزل تک نہیں پہنچتا۔ منزل پہ صرف سچ پہنچتا ہے۔ سچ اس کو ملتا ہے جس کو معنی نصیب ہو جائیں۔ جس کو کیفیت عطا ہوتی ہے۔ جو صاحب حال ہو جاتا ہے، یہ صاحب حال ہونا بھی کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ جب معتزلہ نے اور خارجیوں نے یہ اعتراض کیا کہ جو فاسق مومن ہے وہ بھی ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ یہ معتزلہ کا اعتراض تھا۔ سرکار امام حسن بصری سے مناظرہ کرنے آئے۔ اب کئی دفعہ لوگ کہتے ہیں ناں کہ میں نے مناظرہ کرنا تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ پتہ ہے مناظرہ کا معنیٰ کیا ہے؟ نہیں پتہ ہوتا۔

---

[1] سورۃ المزمل:19

ان کو یہ پتہ کہ بحث کرنے اور جھگڑنے کا نام مناظرہ ہے۔ مناظرہ ہے کہ دو نظریات ہیں، دونوں اپنے اپنے نظریات پیش کرتے ہیں لیکن دل میں صدق ہو کہ میں حق تک پہنچ جاؤں۔ دل میں سچائی دونوں کے ہو۔ نظریات میں اختلاف ہے لیکن دونوں اپنے اپنے نظریات پیش کر رہے ہیں کہ میں حق تک پہنچ جاؤں۔ اس کو مناظرہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ تو کوئی صاحب نظر ہی ہو سکتا ہے۔ اب امام حسن بصری نے ان سے ایک سوال کیا۔ یہ میرے مولا علی کے شاگرد ہیں۔ اب یہ میں جملہ کئی دفعہ کہتا ہوں کہ کتنے لوگ تھے اس دور میں لیکن کوفہ میں درس قرآن دینے کا اختیار صرف امام حسن بصری کو تھا۔ مولا علی نے کسی اور کو اس دین کی دفاع کی اجازت نہیں دی۔ جیسے آج ہر کوئی اُٹھ کر دین کے دفاع کیلئے۔ بھائی دین بھی تجھے اجازت دیتا ہے کہ نہیں دیتا؟ اور جو اپنے آپ چڑھ گیا تھا منبر پہ دین کے دفاع کیلئے۔ میرے مولا علی سرکار نے فرمایا کہ نیچے دفعہ ہو جا۔ ناسخ اور منسوخ کا علم جانتا؟ کہنے لگا کہ نہیں جانتا۔ فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ جو آیت تو حکم کے درجے میں سنائے وہ منسوخ ہو گئی ہو۔ چونکہ امام حسن بصری کو مولا علی نے دین کی دفاع کی اجازت دی تھی۔ فرمایا مجھے یہ بتاؤ کہ قرآن کہتا ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ[1] وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ[2]۔ ایک ذرے کے برابر بھی نیکی کرو گے تو اجر ملے گا اور ذرے کے برابر بھی گناہ کرو گے تو وہ بھی خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ مومن ہے، گناہگار ہے، غلطیاں ہو گئیں۔ اللہ اس کو ایمان کا اجر پہلے دے گا یا گناہوں کی سزا پہلے دے گا؟ تم جو کہتے ہو کہ یہ گناہگار بھی ہمیشہ جہنم میں رہے گا تو اس کو ایمان کا اجر بھی تو ملنا ہے ناں۔ یہ میں کیفیت کی بات کر رہا ہوں۔ کبھی ایمان کی کیفیت ایک لمحے کیلئے آجائے۔ یہ بڑے مقام کی بات ہے۔ کبھی اللہ اکبر کہہ کر سر معنوی طور پر عاجز ہو جائے اس کے سامنے۔ کبھی مالک یوم الدین کہتے ہوئے جسم کانپ جائے۔ ایک لمحے کی کیفیت ہی مل جائے۔ کبھی سورۃ مزمل پڑھتے ہوئے یہ جملہ جب آجائے کہ وہ کیا دن ہو گا جس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ کبھی تو کیفیت آئے۔ ایمان کی کیفیت آئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ایمان اجر بھی دے گا؟ ہاں جی دے گا، یہ تو قرآن نے کہا ہے۔ گناہوں کی سزا بھی دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے

---

[1] سورۃ الزلزال:7

[2] سورۃ الزلزال:8

اجر دے گا یا پہلے سزا دے گا؟ کیوں کہ تم تو کہتے ہو کہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ تو اس نے کہا کہ اس حوالے سے تو ہمارا یہی ہے کہ پہلے ایمان کا اجر دے دیگا اور پھر ہمیشہ کیلئے جہنم میں ڈال دے گا۔ یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہر کوئی اس دین کا دفاع نہیں کر سکتا۔ امام حسن بصری نے قرآن پڑھا، فرمایا تم نے قرآن کی آیت نہیں پڑھی؟ اللہ فرماتا ہے کہ جس کو میں ایک دفعہ جنت میں داخل کرلوں پھر نکالتا نہیں ہوں۔ اگر پہلے ایمان کا اجر دے گا تو جنت میں داخل کرے گا تو پھر تو نکالے گا ہی نہیں۔ اب دوسری ہی صورت بچتی ہے کہ سزا دے اور ہمیشہ کیلئے جنت میں لے جائے۔ اس لیے کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ پہلے دیکھو ہم نے تمہیں دین کے دفاع کا اختیار بھی دیا ہے کہ نہیں دیا۔ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ۔ آپ کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ سوال کرنا ہے تو کسی جاننے والے سے کریے اور جاہل خود بھی بتانے لگےوَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا[1] تو سلام کرکے کہو دفعہ ہو جا، میں نے تجھ سے کچھ نہیں سننا۔ اس لیے کہ نور کا دفاع جہالت سے نہیں ہوتا۔

تو یہ کیفیتیں، عشق حقیقی کسی کو نصیب ہو جائے، وہ قال سے حال میں آجائے۔ حال سے مقام میں آجائے۔ تو جب مقام میں آجاتا ہے تو پھر یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ نہ دائیں دیکھتا ہے اور نہ بائیں دیکھتا ہےالَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ پھر یہ جملہ میں نے تواسین میں پڑھا، منصور حلاج کی کتاب، علامہ اقبال بھی وحدت الوجود کے قائل اسی کتاب کو پڑھ کر ہوئے اور یہ کتاب انہوں نے جرمنی میں پڑھی تھی۔ جب منصور حلاج پہ فتویٰ لگا اور سزائے موت سنادی گئی، تو انہوں نے یہی آیت پڑھی کہ جب اس درخت سے یہ آواز آئیاِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ بیشک میں ہی اللہ ہوں۔ کون اللہ؟ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین۔ جو عالمین کا رب ہے۔ تو منصور نے پوچھا تھا علماء سے کہ تم نے درخت کو خدا مان لیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں مانتے۔ یہ جملہ سب کیلئے نہیں ہے۔ یہ صاحب حال لوگوں کیلئے کہہ رہا ہوں۔ آپ جب دادا مرشد کے آستانے پہ جاتے ہیں لاہور تو ساتھ ہی ان کے مرشد شاہ محمد حسین فرد عالم اور آگے انکے مرشد پیر شاہ رہبر رحمۃ اللہ علیہ، تو انکا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے نظام توحید۔ انکے مرشد کے نام پہ، انکے مرشد کا

---

[1] سورۃ الفرقان:63

نام تھا نظام الدین۔ اس آیت کی شرح میں حضرت صاحب قبلہ پہ ایک دفعہ بات ہوئی تو فرمانے لگے کہ مولانا محمد عمر اچھروی صاحب اور حزب الاحناف والے، سارے علماء وہاں موجود تھے حضرت شاہ محمد پیر شاہ رہبر کے در اقدس پہ۔ تو لاہور کے سارے جید علماء جب اس آیت پہ گفتگو کرنے لگے اور حضرت صاحب کے پاس آئے۔ یہ آپ کے سلسلہ کا فیض آپ کو بتا رہا ہوں۔ بڑے شیخ الحدیث بیٹھے تھے۔ تو آپ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ اچھروی صاحب وجد میں آ گئے، کپڑے پھاڑنے شروع کر دیے۔ حضرت شاہ محمد پیر شاہ رہبر نے فرمایا کہ اگر اس کا جلوہ دل میں ہو تو "انا" کہنے سے شرک نہیں ہوتا۔ جلوہ ہو اس کا تو اس نے "انا" کہا ہے ناں۔ تو "انا" کہنے سے وہ خدا نہیں ہوتا، جیسے یہ 'درخت' خدا ہوا اور نہ 'آگ' خدا ہوئی۔ لیکن اگر کسی کے دل میں اس کا جلوہ نہیں ہے تو وہ "انا" کہے تو مشرک ہو جائے گا۔ اب شیخ الحدیث تو وہ تھے، شیخ القرآن تو وہ تھے لیکن قرآن کا حکم یہ تھا کہ پوچھو ان سے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو جاننے والے ہیں۔ مرشد کے پاس صرف اس لیے جایا جاتا ہے کہ وہ روح کی طلب کے میں جلوہ حق کا مشاہدہ کروائے۔ تو جو بات میں کرنے لگا تھا کہ امام حسن بصری نے ان خارجیوں اور معتزلہ سے جو آخری جملہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے میرے پیغمبر ﷺ کی حدیث نہیں پڑھی؟ انہوں نے کہا پھر؟ صاحب ایمان دنیا سے چلا گیا، گناہگار تھا۔ اللہ نے جہنم میں کچھ دن رکھا، پاک کیا اور پھر جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل کر دیا۔ تو امام نے فرمایا کہ تم نے میرے پیغمبر ﷺ کی حدیث نہیں پڑھی کہ ایمان کی کیفیت کا ایک لمحہ 70 سال کے کفر پہ غالب آ جاتا ہے۔

تو آیت کا اختتام ہوا تھا اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اس لیے مرشد خدا نہیں ہوتا لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتا۔ ہاں جھوٹا مرشد نہیں ہوتا، بد دیانت مرشد نہیں ہوتا، حرام خور مرشد نہیں ہوتا۔ مرشد نور والا ہوتا ہے اور جہالت سے نور کا دفاع نہیں ہوتا۔ ہم جب لاہور ہوتے تھے تو ان دنوں احمد ندیم قاسمی صاحب حیات تھے۔ تو وہ جملہ جو میں نے ایک محقق کا عرض کیا کہ جھوٹ کی رفتار بہت ہوتی ہے۔ بہت تیز دوڑتا ہے جھوٹ لیکن اس کی بد قسمتی یہ ہے کہ منزل پہ نہیں پہنچتا جھوٹ۔ آپ گندم بوتے ہیں تو بہت سی جڑی بوٹیاں خود بخود اُگ آتی ہیں۔ ان کو کھاد بھی نہیں ڈالنی پڑتی لیکن آپ کی ساری محنت ان جھوٹی جڑی بوٹیوں کو ختم کرنے میں لگتی ہے۔ کبھی

آپ گوڈی کرتے ہیں، کبھی سپرے کرتے ہیں تا کہ میری اصل فصل بچ جائے۔ مجاہدہ کیا ہے؟ یہ جو وسوسے، یہ جو خواہشیں۔ بات درمیان میں آگئی، چونکہ دلائل الخیرات پڑھنے کا مجھے حکم ہے، 2007 میں حضرت صاحب نے مجھے دیا۔ تو پیر شریف کو، اقبال صاحب کو، نبی احمد صاحب کو تو پتہ ہے، جب یہ پڑھتے ہیں تو اس میں ایک روایت آتی ہے۔ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خواب آیا کہ میری جھولی میں تین چاند آئے ہیں۔ تو باقی امہات المومنین سے اس کا ذکر کیا۔ معروف حدیث ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ تعبیر تو اس کی یہ ہے کہ اللہ آپ کو تین بیٹے دے گا۔ بھائی عام تعبیر یہی تھی۔ آج بھی تعبیر بتانے والے یہی بتاتے ہیں کہ اگر کوئی خواب میں چاند دیکھے تو اللہ اس کو بیٹا عطا کرے گا۔ تو سب لوگوں نے بتایا۔ حضرت عائشہ کو لوگوں نے مبارکیں دینی شروع کر دی کہ آپ کے آنگن میں تین چاند اترے ہیں اللہ آپکو تین بیٹے عطا کرے گا۔ لیکن بات پھر قرآن کی، کسی جاننے والے سے پوچھو۔ اباجان سے ذکر کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پریشان ہوگئے، خاموش ہوگئے۔ اباجی ساری دنیا مجھے مبارک دے رہی ہے۔ فرمایا چند دن ٹھہر جاؤ، خواب کی تعبیر کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو خواب تو بچپن میں آیا تھا لیکن تعبیر آخری عمر میں ملی تھی۔ جو جانتے ہیں۔ اماں عائشہ صدیقہ کوئی کم جانتی ہیں۔ وَ فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ[1]۔ قرآن نے یہی کہا ہے۔ اوہ بھائی! صحابہ تو اماں عائشہ صدیقہ سے مسئلے پوچھتے ہیں۔ فقیہا ہیں اس امت کی لیکن کبھی ایسا بھی مقام آجاتا ہے۔ وَ فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا رکھا ہے۔ اپنا علم بھی تھا۔ امہات المومنین بھی، ظاہر ہے وحی اس گھر میں اترتی ہے، کوئی چھوٹی عالمہ تو نہیں تھیں وہ۔ لیکن ابو بکر صدیق اور علم والے ہیں، پریشان ہوئے، چند دن ٹھہر گئے۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ جونہی سرکار کو اس ہجرے میں دفن کیا گیا۔ جناب ابو بکر روتے ہوئے آئے۔ فرمایا عائشہ هذا واحد من اقمارک۔ ان تین چاندوں میں سے ایک چاند تیرے آنگن میں اتر گیا۔ اس لیے قرآن کہتا ہے کہ ہر کوئی دین کا دفاع کیلئے نہ آئے، جس کو اختیار دیا ہے وہی دفاع کرے۔ جو جاننے والے ہیں ان سے پوچھو۔

[1] سورۃ یوسف:76

کسی نے پوچھا تھا ابو بکر اس دنیا میں سب سے بڑا نیکی کا کام کونسا ہے۔ یہ میں نے تمہید اس لیے باندھی ہے کہ جہاں سے اماں عائشہ صدیقہ کا علم جواب دے جائے ناں وہاں سے ابو بکر کا علم شروع ہوتا ہے۔ حضور داتا صاحب نے کشف المحجوب میں ایک بڑا جملہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے دور میں کچھ منکرین حدیث آ گئے۔ کہنے لگے اگر حدیثیں اتنی ہی ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ہوتی تو سب سے زیادہ وقت تو ابو بکر نے نبی پاک ﷺ کے ساتھ گزارا تھا۔ بچپن سے لیکر، بچپن کے دوست ہیں ناں۔ یار غار بھی وہی ہیں اور یار مزار بھی وہی ہیں۔ تو حدیثیں اگر اتنی ہی ہوتی تو زیادہ حدیثیں ابو بکر صدیق روایت کرتے۔ انہوں نے تو 100 حدیث بھی روایت نہیں کی۔ جو بندہ ساری زندگی نبی پاک ﷺ کیساتھ رہا ہے، اس نے تو 100 حدیث بھی روایت نہیں کی۔ یہ چوتھی صدی کی بات ہے، کیسے کیسے فتنے اٹھتے تھے۔ عام بندہ تو تھڑک جاتا ہے۔ دلیل کتنی وزنی ہے کہ اگر حدیثیں ہزاروں اور لاکھوں ہوتی تو سب سے زیادہ ابو بکر روایت کرتے جو ہر وقت نبی پاک ﷺ کیساتھ رہے۔ وہ بندہ تو 100 حدیث بھی روایت نہیں کر رہا۔ تم نے یہ 7000 بخاری میں کیسے لکھ لیں؟ 40،000 مسند امام احمد میں کیسے لکھ لیں؟ لیکن وہ بھی داتا صاحب تھے، جنکو دفاع کا حق دیا تھا۔ مولا علی نے دیا تھا۔ ہندوستان میں اس لیے بھیجا تھا کہ اس دین کا دفاع تو نے کرنا ہے۔ ایک جملے میں، کشف المحجوب آپ پڑھیں، جہاں سے بات میں نے شروع کی تھی الفاظ اور معنیٰ کی۔ فرمایا بیان وہ زیادہ کرتا ہے جس کے پاس الفاظ ہوتے ہیں، جس کو معنیٰ نصیب ہو جائیں وہ الفاظ کے پیچھے نہیں پڑتا۔ حضور داتا صاحب نے فرمایا، ابو بکر کو معنیٰ نصیب ہو گئے تھے، وہ الفاظ بیان کیسے کرتے۔ ابو بکر سب سے بڑا اللہ کے قرب کا کام کونسا ہے؟ فرمایا النظر علی وجہ رسول اللہ۔ اوہ لوگوں حضور کے چہرے کی زیارت سے بڑا نیکی کا کام کوئی نہیں۔

کیا جب ہم کہتے ہیں، شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار تو کیا علی کو خدا سمجھتے ہیں؟ نہیں۔ جلوہ حق علی کے اندر موجود ہے جو رفلیکٹ ہو کر میرے پاک پیغمبر ﷺ سے علی کے اندر آیا۔ یہ بھی بڑی عجیب بات مورخین نے لکھی ہے کہ وہ علی جو اللہ کا شیر بن کر جنگوں میں لڑتا رہا۔ مسجد میں شہید کروا دیا گیا۔ کسی میدان جنگ میں شہادت کیوں نہ آئی؟ مسجد میں، سجدے کی حالت میں۔ ہمارے بزگوں نے بڑا جملہ لکھا ہے کیونکہ نصیر یہ اس دور

میں بھی حضرت علی کو خدا کہتے تھے۔ ہمارے سلسلہ چونکہ مولا علی سے فیض یاب ہے۔ وہی جلوہ حق مولا علی کے ذریعے سے ہمارے مرشد تک آیا۔ وہ جلوہ تو ایک ہی ہے ناں، وحدت کا۔ توحید کا۔ علی کو سجدے میں شہید اس لیے کروایا گیا کہ جلوہ تو حق کا تھا لیکن سجدے میں شہید ہوا ہے اس کا معبود کوئی اور ہے۔ کوئی علی کو خدا نہ کہے۔ علی کی موت سجدے میں آئی ہے۔ میدان جنگ میں نہیں آئی۔ وہ ساجد ہے کسی مسجود کا۔ وہ عبد ہے کسی معبود کا۔ اس لیے جب ہمارے مرشد کریم حضرت پیر محمد شاہ رہبر نے فرمایا کہ ایسے ہی نہ فتوے دیا کرو۔ اگر جلوہ حق کسی درخت میں آکر کہے اِنِّیٓ اَنَا اللّٰہُ تو وہ حق ہے اور اگر وہ جلوہ حق کسی دل میں آجائے اور "انا" کہے تو اس کو جائز ہے۔ اب وہ نہیں کہہ رہا، وہ کہنے والا کہہ رہا۔ تو اتنی سی مرشد کی بات ہے۔ آج پتہ نہیں کیا کیا میں نے آپ سے باتیں کر دیں۔ آج پتہ چلا کہ مولانا روم کو علامہ اقبال اپنا پیر کیوں مانتے ہیں۔ پیر دید یعنی دید کبریا۔ یہ مولانا روم نے کہا تھا۔ ہر کہ خواہد بشنی باخدا۔ کیا وہ پیر خدا ہوتا ہے؟ نہیں شیخ ہوتا ہی وہ ہے جو جلوہ حق رکھتا ہو۔ جس میں کیفیت رُک گئی ہو۔ تو پیر اور مرید میں فرق ہی یہ ہوتا ہے کہ مرید میں کیفیت آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ شیخ پہ کیفیت رُک جاتی ہے۔ اس لیے وہ ہر جہت سے فیض دیتا ہے۔ ہر طریقے سے فیض عطا کرتا ہے۔ پتہ نہیں میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

وسیلہ کا احترام شرک نہیں، عبادت ہے

قرآن: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
سورة آل عمران: 110

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

خاکہ:-

1۔ مقصد ایک ہی ہے کہ اللہ کا قرب حاصل ہو جائے۔
2۔ یہ قرآن کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ 3۔ مولا علی سرکار، فخر اولین و آخرین
4۔ ایک گروہ تو ہو جو بھلائی کی دعوت دے۔
5۔ جس کو وسیلہ بناتا ہے اس کے احترام کا تقاضہ کرتا ہے۔
6۔ جس نے نبی کے بعد علی کے ہاتھ پہ بیعت کی۔
7۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ جو میرے نبی کے در کا سوالی ہو اور اسے اللہ کا قرب نہ ملے۔
8۔ جس کو قربِ الٰہی مل جائے پھر عزت اسی کی ہے۔ 9۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ
10۔ اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر خدا یاد آجائے۔
11۔ میری جس بہن بیٹی کو اللہ کا قرب نصیب ہے وہ بے حیائی کا لباس نہیں پہنتی
12۔ والدین کو وسیلہ بنایا ہے پھر ان کے احترام کا حکم بھی دیا ہے۔
13۔ جس کو اللہ کا قرب ملتا ہے وہ ایک خاص روشنی میں سفر کرتا ہے۔
14۔ جس کو نور ملتا ہے وہ غریبوں مسکینوں کو پاس بٹھاتا ہے۔
15۔ اللہ تعالیٰ نے امت کو بہترین کہا ہے کسی فرقے کو نہیں کہا۔

بھائی شکیل نے، انکے والد محترم اور اہل خانہ نے حضرت صاحب قبلہ کے ذکر کی اس بابرکت محفل کا اہتمام کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اور ہم نے تو آپ کو یہ بات ازبر، یاد کروائی ہوئی ہے کہ ہمارا تو ہر کام، محفل ہو، لنگر پکانا ہو، کھانا ہو، ذکر کی محفل ہو، میلاد کی محفل ہو، نام کوئی بھی ہو، درس قرآن ہو، مقصد ایک ہی ہے کہ اللہ کا قرب حاصل ہو جائے۔ ہم تو کھانا پکاتے بھی اللہ کیلئے ہیں اور کھاتے بھی اللہ کیلئے ہیں۔ تو قرب الٰہی کیلئے یہ سارا کام کیا جاتا ہے۔

دو شاعروں کی یہاں پہ بات ہوئی۔ قرآن ویسے کہتا ہے وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ[1]۔ قرآن شاعروں کو اچھا نہیں کہتا اور اسی لیے قرآن نے یہ بات بھی کہی وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ[2]۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ کیونکہ شعراء جو ہیں وہ افراط و تفریط میں چلے جاتے ہیں۔ حقیقت سے دور چلے جاتے ہیں۔ میں جب وضو کر رہا تھا تو برخوردار پڑھ رہا تھا، کیوں آنکھ ملائی تھی، کیوں بات بڑھائی تھی۔ یہ بھی تو کوئی شاعر ہی ہے جس نے یہ بات کہی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہا کرو یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا[3]۔ اب قرآن کہے کہ مطالبہ کرو پیغمبر ﷺ سے کہ نظر کرم فرماؤ اور ہم اس کو نعت کہیں کہ کیوں آنکھ ملائی تھی؟ اس سے بڑی کوئی گستاخی ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نظر کرم فرما رہے ہوں اور ہم پوچھیں کہ کیوں آنکھ ملائی تھی؟ یا تو کم از کم اس کو نعت ہی نہ کہیں۔ کسی دنیاوی محبوب سے کرلیں یہ بات۔ یہ تو قرآن کی نص کے خلاف ہے بات۔ پتہ نہیں جہالت نے ہمیں کہاں تک لے جانا ہے۔ بہر حال قرآن اسی لیے شاعروں کی مذمت کرتا ہے کہ یہ آداب کا خیال نہیں رکھتے اور جو رکھتے ہیں وہ حسان بن ثابت ہوتے ہیں، عبد اللہ ابن رواحہ ہوتے ہیں۔ اور یہ جو پڑھا انہوں نے صائم چشتی کا کلام، یہ عین قرآن کریم کے مطابق تھا۔

---

[1] سورۃ الشعراء:225

[2] سورۃ الحاقہ:41

[3] سورۃ البقرۃ:104

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ[1]۔ کئی دفعہ ہمارے کچھ دوست قبلہ اول مسجد اقصیٰ کو کہہ دیتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ نہیں اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ اس زمین پہ جو اللہ کا پہلا گھر بنایا گیا وہ مکہ میں ہے۔ مسجد اقصیٰ اس زمین پہ اللہ کا پہلا گھر نہیں ہے۔ قبلہ اول جو ہے وہ مکہ مکرمہ میں ہی ہے۔ بکہ، بکا سے نکلا ہے۔ بکا کا معنی ہے رونا۔ تو یہ رونے دھونے کی جگہ ہے۔ گناہوں کو معاف کروانے کی جگہ ہے۔ اور ساتھ فرمایاوَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یہ جو اللہ کا گھر ہے یہ عالمین کے لیے ہدایت ہے۔ عالمین کی بات کی ہے بھائی۔ اللہ بھی رب العالمین ہے۔ نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی رحمت اللعالمین ہیں اور جس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں وہ ھدی للعالمین ہے۔ یہ قرآن کریم کا بھی اسلوب کیا ہے اور اس قرآن نے جس کعبہ کو ھدی للعالمین کہا تھا اس نے علی کی پیدائش پہ سرنگوں ہو کہ بتایا تھا کہ جو کعبہ عالمین کی ہدایت کا باعث ہے وہ بھی علی کیطرف دیکھتا ہے۔ اسی لیے مولا علی سرکار کو فخر اولین و آخرین کہتے ہیں۔ تو یہ خانہ کعبہ نے پیدائش کے وقت ہی بتا دیا تھا۔ مولود کعبہ اسی لیے آپ کو کہا جاتا ہے۔ بہرحال یہ تو ایک علیحدہ موضع ہے۔ ایسے ہی نہ کہیں کہ شاہد صاحب نے کوئی شاعرانہ بات کر دی ہے۔ یہ شاعرانہ بات نہیں تھی۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔

بات میں کر رہا تھا کہ ہم ہر کام اللہ کے قرب کیلئے کرتے ہیں۔ مقصد اللہ تک پہنچنا ہے۔ اللہ کی معرفت حاصل کرنی ہے۔ پہلے یہ کام انبیاء کرتے تھے۔ اب یہ کام امت محمدی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سپرد ہے۔ یہ بڑا اعزاز ہے کہ جو کام انبیاء کے سپرد تھا۔ اب کہا کہ ساری امت تو نہیں کر سکتی۔ وَ لْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ[2]۔ ایک گروہ تو ہو جو خیر کی دعوت دے۔ اوہ بھائی! تم سارے جو ہو وہ اپنے کام کاج میں لگے رہتے ہو، ایک گروہ تو ہو۔

یہ جو جملہ اکثر میں آپ سے کہتا ہوں کہ عطا صرف اللہ کرتا ہے، باقی جہاں سے جو کچھ ملے وہ وسیلہ ہے۔ عقیدہ ہمارا بہت صاف ہے۔ اللہ کے سوا عطا کرنے والا کوئی نہیں۔ اگر آپ کو پاک پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے درِ اقدس سے

---

[1] سورۃ آل عمران:96

[2] سورۃ آل عمران:104

بھی کچھ ملتا ہے تو حضور کیا ہیں؟ وسیلہ ہیں۔ یہ بات میں نے آپ کو یاد کروائی ہوئی ہے۔ کیوں کہ یہ عقیدہ کی بات ہے۔ اصول دین کی بات ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کو وسیلہ بناتا ہے پھر اس کے احترام کا تقاضہ کرتا ہے۔ پھر اللہ کہتا ہے کہ جس کو میں نے وسیلہ بنایا ہے اس کا احترام کر۔ اب دیکھئے قرآن کریم نے مختلف مقامات پہ یہ بات کہی کہ زندگی بھی اللہ دیتا ہے اور موت بھی اللہ دیتا ہے۔ پیدا کرنے والی اللہ کی ذات ہے۔ لیکن اس پیدا کرنے کے عمل میں اللہ نے والدین کو وسیلہ بنایا۔ جب ماں باپ کو پیدائش میں وسیلہ بنایا تو پھر ان کے احترام کا بھی حکم دیا۔ یہ تو نہیں ہے کہ وسیلہ وہ بنائے اور احترام کسی اور پہ چھوڑ دے۔ تو وسیلہ کا احترام شرک نہیں ہوتا، عبادت ہوتی ہے۔ پاک پیغمبر ﷺ اللہ تک پہنچنے کا سب سے بڑا وسیلہ ہیں۔ بھائی یہ قرآن کریم کہہ رہا ہے، میں نہیں کہہ رہا۔ بس یہ تین چار آیات سیکھ لیں۔ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ[1]۔ اگر بیعت پیغمبر کے ہاتھ پہ کی ہے تو نہیں، اللہ کے ہاتھ پہ کی ہے۔ بھائی حضور کو وسیلہ اللہ نے بنایا ہے۔ اب اس وسیلے سے تمہارا تعلق اچھا ہو یا برا ہو، یہ جملہ بھی ذہن میں رکھنا، اللہ دونوں تعلقات کو اپنی نسبت سے دیکھتا ہے۔ اگر پیغمبر کی عزت کی تو کہا میری کی۔ پیغمبر کی بیعت کی تو کہا میری کی۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [2]۔ پیغمبر کی اطاعت کی تو میری کی اور اگر نبی کو اذیت دی تو بھی اللہ کو دی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا[3]۔ عربوں نے یہ سوال کیا تھا، اہل عرب چونکہ جانتے تھے اس جملے کو کہ اللہ کو کوئی کیسے اذیت پہنچا سکتا ہے؟ چونکہ اللہ تک تو کسی کی پہنچ ہی نہیں۔ تو جب کسی کی پہنچ ہی نہیں تو اللہ کو اذیت کیسے کوئی دے سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ جس نے میرے وسیلے کو اذیت دی اس نے مجھے ہی اذیت دی۔ اس لیے میں نے کہا کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ تعلق تمہارا اس وسیلہ سے جو بھی ہو، اچھا ہو گا تو اللہ کا قرب ملے گا، برا ہو گا تو اللہ کا عذاب ملے گا۔ بڑی بات کی کس کو دھوکا دیتے ہو؟ 20 آیات پہلے پارے میں ہی منافقین کی بیان کر دیں اور فرمایا یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ۔ وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مولا تجھے تو کوئی

[1] سورۃ الفتح:10

[2] سورۃ النساء:80

[3] سورۃ الاحزاب:57

دھوکہ دے ہی نہیں سکتا۔ کہاجو میرے محمد ﷺ کو دھوکہ دے اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ کیا سمجھیں کہ وسیلہ کوئی ایسی ہی شے ؟ ایسے ہی اللہ نے فرمادیا تھایٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ[1]۔ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تک پہنچنے کیلئے وسیلہ پکڑو۔ اگلے دن ایک مولوی صاحب اس کی تشریح کررہے تھے۔ ویسے تو مفسرین نے لکھاہے، میں نے پڑھا بھی ہے کہ اللہ تک وسیلہ نیک اعمال ہیں۔ تو یہ بیان کررہے تھے کہ یہ جو اللہ نے فرمایاہے کہ اللہ تک پہنچنے کیلئے وسیلہ پکڑو تو اس سے مراد نیک اعمال ہیں کہ آپ نے اللہ تک پہنچنا ہے تو نماز پڑھو، روزہ رکھو۔ آیت کیابتارہی ہےیٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا۔ جو مومن ہے وہ نیک اعمال نہیں کرتا ہوگا؟ چلو یہاں بھی چھوڑو۔ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ۔ تقویٰ نیک اعمال کے بغیر ہی آگیا۔ اوہ! نیک اعمال کا ذکر تو قرآن نے پہلے ہی کردیاہے۔ جب مومن بھی بن جاؤ، متقی بھی بن جاؤ تو تب وسیلہ کی ضرورت ہے۔ جس کو وہ وسیلہ بناتاہے اس کے احترام کا تقاضا کرتاہے۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا حکم دیتاہے۔ حکم اور شے ہے اور تقاضا اور ہے۔ حکم عدولی بھی بہت بڑا گناہ ہے لیکن جہاں تقاضا اللہ کردے تو وہاں نیک اعمال ضائع ہوجاتے ہیں اگر وسیلہ کا احترام نہ کرو تو۔ پھر کچھ نہیں بچتا۔

آیات تو بہت ہیں لیکن یہ کم ازکم چار آپ کے ذہن میں رہنی چاہئیں۔ اطاعت والی، یہ دو اچھے تعلق ہیں ناں، اطاعت والا اور بیعت والا۔ اور کیا سمجھے کہ جس نے پیغمبر کے ہاتھ پہ بیعت کی، اللہ نے فرمایا کہ میری بیعت کی۔ تو جس نے علی کے ہاتھ پہ بیعت کی۔ ہیں؟ بھائی جس نے نبی کے بعد علی کے ہاتھ پہ بیعت کی اور جس نے نہیں کی اس کو ساری امت نے خارجی کہا۔ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہوگئے۔ میں کسی ایک فرقے کی بات نہیں کررہا۔ یہ بیعت بھی بہترین ہے اور انکار دائرہ اسلام سے خارج کردیتاہے۔ اب اگر مولا علی اپنی جگہ پہ امام حسن بصری کو بٹھادیں تو جس نے امام حسن بصری کی بیعت کی اس نے بھی اللہ ہی کی بیعت کی اور جس نے انکو اذیت دی اس نے بھی اللہ کو ہی اذیت دی۔

---

[1] سورۃ المائدہ:35

ایک بحث بڑی تفسیروں میں لکھی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انعام یافتہ لوگوں پہ چلنے کا حکم کیوں دیا ہے؟ اب دیکھئے کہ معیار کیا ہے؟ صراط الذین انعمت علیھم۔ یہ بات یاد رکھنا قربِ الٰہی کے حوالے سے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی میرے نبی کے در کا سوالی ہو اور اس کو اللہ کا قرب نہ ملے۔وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ[1]۔ جو میرا بندہ ہو گا محبوب! تیرے در کا سوالی ہو گا۔ اب یہ ممکن نہیں ہے کہ تیرے در کا سوالی ہو اور اس کے لیے یہ خوشخبری ہے فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ یہ خوشخبری ہے ہی اس کے لیے جو نبی کے در کا سوالی ہے۔ اللہ کا قرب کیا ہے؟ حضور کے در کا سوالی ہونا۔ سورۃ بقرۃ کو کبھی اس نظر سے بھی پڑھ لیں۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِۙ-فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ۔ آگے پھر فرمایاوَ لْیُؤْمِنُوْا۔ ان کا حکم اس لیے دیا۔ جب آپ کہتے ہیں صراط الذین انعمت علیھم۔ تو ظاہر ہے ان میں انبیاء بھی ہیں، صدیقین بھی ہیں، شہدا اور صالحین اللہ کے ولی بھی ہیں۔ جب آپ صراط الذین انعمت کہتے ہیں تو اس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش نبی بھی آجاتے ہیں۔ صدیقین بھی آجاتے ہیں، شہداء بھی آجاتے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک سارے اولیاء بھی آجاتے ہیں۔ ان کے راستے پہ۔ یہ بات جو آج آپ کو خصوصی عرض کرنی ہے۔ یہ حضرت صاحب قبلہ کا فیض ہی سمجھیں۔ جس کو اللہ کا قرب ملتا ہے اس کی دو نشانیاں قرآن کریم نے بیان کیں۔ ویسے تو بہت زیادہ ہیں لیکن آج کا سبق اگر اتنا ہی یاد رہ جائے۔ ایک تو وہ اندھیرے سے نکل جاتا ہے۔ جس کو قرب ملتا ہے اس کو نور مل جاتا ہے۔ یہ قرآن کہہ رہا ہے۔ اس کو نور حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسرا اُس کو عزت حاصل ہو جاتی ہےوَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ[2]۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی کو قربِ الٰہی نصیب ہو اور وہ اندھیرے میں ہو۔ جس کو اللہ کا قرب ملے گا تو اگلی قرآن نے بات بڑی سخت کر دی۔ جو دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گاوَ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى[3]۔ جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اسے اللہ کا قرب مل جائے گا، روشنی مل جائے گی۔ ساتھ یہ بھی فرمایا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ

[1] سورۃ البقرۃ:186

[2] سورۃ المنٰفقون:8

[3] سورۃ بنی اسرائیل:72

وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ[1]۔ یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ یہ تو سینوں کے اندر دل ہیں جو اندھے ہو جاتے ہیں۔ تو جس کو اس دنیا میں نور نہیں نہ ملا تو اس کو قیامت والے دن بھی نہیں ملنا۔ یہاں تک میں آپ کو اس لیے لیکر آیا ہوں کہ اگر نور ملنا ہے تو وہ وسیلے سے ملنا ہے۔ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[2]۔ پیغمبر آئے ہی اس لیے ہیں کہ تمہیں جہالت سے نکال کر نور عطا کریں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ جس کو اللہ کا قرب حاصل ہو اور وہ اندھا رہے۔ اوہ! ان آنکھوں سے رہے بھی تو خیر ہے۔ وہ دل کا اندھا نہ ہو۔ اسی لیے بھائی صوفی اقبال صاحب کو حضرت صاحب کا وہ جملہ بڑا یاد ہے۔ سرکار کی جو پہلی دستار بندی خلافت کی ہوئی تھی وہ حضور داتا صاحب ہوئی تھی۔ بڑے اولیاء کرام تشریف فرما تھے۔ تو حضرت صاحب قبلہ فرماتے حضور دادا مرشد سے کہ حضور میں تو کوئی روایتی علوم سکول، کالج، مدرسے سے نہیں پڑھا ہوا۔ تو ذمہ داری بہت بڑی ہے۔ دادا مرشد نے ایک ہی جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا جو صاحب نظر ہو گا وہ اس دستار کو پہچان لے گا۔ تو یہ اندھوں کا کام ہی نہیں ہے۔ یہ آنکھ والوں کا کام ہے جن کو نور عطا ہوتا ہے۔

اچھا یہ بڑی عجیب بات ہے، آپ کہیں گے کہ دیکھئے جی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا ہوتا رہا، ابراہیم علیہ السلام کیساتھ کیا ہوتا رہا اور قرآن کہہ رہا ہے کہ جس کو قرب الٰہی مل جائے پھر عزت اسی کی ہے۔ اب یہی قرآن کہہ رہا ہے صراط الذین انعمت علیھم۔ اپنی سوچ سے، اپنی فکر سے یہ اندازہ لگا لینا کہ شاید کسی بادشاہ کے تخت پہ اس کے ساتھ بیٹھنے میں عزت ہے۔ ہمارے ہاں تو یہی معیار ہے ناں کہ کوئی بڑا رئیس ہو گا، امیر آدمی ہو گا تو اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھیں گے، اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھیں گے تو کہیں گے بڑی عزت والے ہیں قرآن کہتا ہے کہ نہیں۔ عزت کا معیار وہی ہے جو میرے ان انعام یافتہ لوگوں نے مقرر کیا۔ جو میرے ابراہیم نے مقرر کیا کہ نمرود کیساتھ تخت پر بیٹھنا عزت نہیں بلکہ اس کے مقابلے میں کھڑے ہونا عزت ہے۔ باطل کے سامنے قیام کرنا عزت

[1] سورۃ الحج:46

[2] سورۃ البقرہ:257

ہے۔ آج تک کسی نے کہا ہے کہ نمرود کی عزت تھی جو تخت پہ بیٹھا تھا، نہیں۔ عزت کے جو پیمانے میرے ان انعام یافتہ نے مقرر کر دیے وہی قیامت تک رہیں گے۔ موسیٰ نے یہ نہیں کہا کہ میں فرعون کیساتھ تخت پہ بیٹھوں میری کیا شان ہو۔ نہیں، فرعون کے سامنے کھڑے ہونے کا نام عزت ہے۔ یہ میں اس روشنی کی بات کر رہا ہوں جن کو اللہ کے قرب سے روشنی ملتی ہے۔

میں آج بھی کئی دفعہ یہ علماء سے سوال کرتا ہوں کہ ایک بندہ قرآن حدیث پڑھا ہوا ہے، اصول تفسیر، اصول فقہ بھی پڑھی ہے۔ اور اگر اس کے پاس یہ نور نہیں ہے، وہ آج بھی اس بات پہ فخر کرتا ہے کہ میری فلاں جج سے سلام دعا ہے۔ تو اس کو اللہ کا نہ قرب ملا اور نہ اللہ کا نور ملا۔ اور اگر کوئی پیر بھی یہ سمجھے کہ میرے آستانے پہ فلاں وزیر آتا ہے، فلاں بادشاہ آتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کو اللہ کا قرب نہیں ملا۔ اس کو ابھی نور ملا نہیں ہے۔ اگر اس کو نور ملا ہوتا، حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا وہ تاریخی جملہ، جب بادشاہ گیا ناں ملنے کیلئے تو اس نے کہا کہ حضور میرے لائق کوئی خدمت؟ فرمایا آج آیا ہے پھر نہ آنا۔ یہی خدمت ہے۔ میرے در پہ نہ آیا کر۔ اس نے کہا حضور میں تو حاضر ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ یہاں لوگ اللہ اللہ سیکھنے آتے ہیں، اللہ کے قرب کیلئے آتے ہیں۔ تُو آئے گا تو لوگوں کی نیت خراب ہو گی کہ اُدھر بادشاہ آتا ہے کوئی سفارش کروالیں گے۔ انکا دھیان اللہ کی طرف سے ہٹ کر تیری طرف ہو جائے گا۔ تیری یہی مہربانی ہے کہ تُو میرے در پہ نہ آیا کر۔ آج کل پیر بڑے فخر سے بتاتے ہیں کہ یہاں فلاں وزیر بھی آتا ہے، یہاں فلاں چودھری صاحب بھی آتے ہیں۔ تو سمجھ لیا کریں کہ اس بچارے کو اللہ کا قرب نصیب نہیں ہوا۔ مولا علی سرکار کی دعا، صحیفہ سجادیہ میں، مولا میرے لیے اتنی ہی عزت بڑی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔ یقین جانیے رات کو اُٹھ کر، تنہائی میں جب یہ جملہ کہتا ہوں تو کیا سکونِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ یہ میرے مولا علی سرکار کا جملہ ہے، میرے لیے اتنی ہی عزت بڑی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے۔

ایک اس کا یہ زاویہ ہے، یزید کی طرف سے آفر تو ہوئی تھی کہ تخت شئیر کر لیتے ہیں۔ دولت کی شئیر نگ کر لیتے ہیں۔ حصہ دار بنا لیتے ہیں۔ تو امام حسین نے کیا بتایا کہ یزید کیساتھ تخت شئیر کرنا عزت نہیں ہے۔ اس کو عزت نہیں کہتے۔ یزید کے ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کا نام عزت ہے۔ آج تک کسی نے کہا ہے کہ یزید کی بھی عزت تھی؟ اس لیے کہا ہے صراط الذین انعمت علیھم۔ عزت کے جو معیار انعام یافتہ لوگوں نے مقرر کر دیے ہیں ناں، وہی رہیں گے قیامت تک۔ آج جب لوگ بھی دیکھتے ہیں ناں کہ یہ مولوی اور پیر بھی سرمایہ داروں کے پیچھے بھاگتے ہیں، انکو پروٹوکول دیتے ہیں، انکی روٹی علیحدہ ہوتی۔ ہمارے حضرت صاحب آپ کو پتہ ہے کہ سب کیلئے ایک ہی لنگر ہوتا تھا۔

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو

اقبال نے کس درد سے یہ بات کہی تھی۔ اوہ! یہ تو اللہ کی راہ میں پردہ بن گئے ہیں۔ اسی لیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر خدا یاد آجائے [1]۔ اللہ کا قرب محسوس ہو۔ اللہ کا نور ملے اور جب اللہ کا نور ملتا ہے تو انسان کبھی جھوٹ کیساتھ کھڑا نہیں ہوتا۔ کبھی بددیانتی کیساتھ کھڑا نہیں ہوتا۔ کبھی ظلم کیساتھ کھڑا نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے بڑی پگڑی ہے، جُبہ پہنا ہوا ہے لیکن اگر وہ جھوٹا ہے اور جھوٹ کیساتھ کھڑا ہے تو اس کو اللہ کا قرب نہیں ملا۔ اس کو روشنی نہیں ملی اور قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ اس میں مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى [2]۔ اوہ بھائی! نیک کام مرد کر لیں یا عورتیں کر لیں۔ اشارہ کافی ہے ناں۔ اگر آسیہ فرعون کے گھر میں رہ کر اللہ کے قرب کو حاصل کر لے تو ایسا نور مل جاتا ہے کہ نہیں اس ظلم کیساتھ کھڑی ہوئی۔ ایسے دیوار کیساتھ ہاتھ لگا کر لکڑی کی میخیں ٹھوکی جاتی تھیں آسیہ کے ہاتھ میں۔ آجکل تو یہ بڑا آسان ہے، چار پانچ کھانے کھائے، پھولوں کے ہار پہنے، اس راستے میں جب طائف آتا ہے تو پھر پتہ چلتا ہے۔ اس راستے میں کبھی

---

[1] مسند اسحاق بن راھویہ، کتاب الزھد، حدیث: 931

[2] سورۃ النحل: 97

کربلا بھی آجاتا ہے۔ یہ دین کی تبلیغ تو بڑی آسان ہے۔ میخیں گاڑی جاتیں۔ ہاتھ اور پاؤں زخمی کر دیے جاتے۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تھا کہ اتنا تشدد بر داشت کرتی ہے۔ کہا موسیٰ اللہ سے پوچھ کر تو بتاؤ کہ اللہ تو مجھ سے راضی ہے؟ جن کو نور مل جاتا ہے میں انکی بات کر رہا ہوں۔ بات قرآن سے ہی ہو گی بھائی۔ یہ چونکہ قرآن کریم نے مثال دی۔ فرعون کے گھر میں رہ کر اس کو اللہ کا قرب مل گیا اور پھر یہ نور ملا۔ صرف نور ہی نہیں بلکہ یہ عزت ملی کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کائنات میں اللہ نے چار عورتوں کا انتخاب کیا۔ بہترین چار عورتیں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ، سیدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہرہ، سیدہ مریم اور آسیہ [1]۔ عزت کس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو قرب ملتا ہے اس کو نور بھی ملتا ہے اس کو عزت بھی ملتی ہے۔ یہ قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ یہ جو وسیلے ہیں انکے احترام کا حکم اس لیے دیتے ہیں کہ تمہیں نور بھی ملے تمہیں عزت بھی ملے۔

پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے اپنی بیٹی کی شادی کسی کی دولت اور منصب دیکھ کر دی، حالانکہ اس کو پتہ تھا کہ یہ شرابی ہے، بدکار ہے، اللہ کا نافرمان ہے، اس نے اپنی بیٹی کو قتل کر دیا۔ ظلم کیا ہے اس نے اور یہ ظلم آج کل ہم کرتے ہیں۔ اللہ پر یقین نہیں رہا۔ نور نہیں ملا۔ عورت ہو یا مرد ہو، یہ اس لیے میں نے کہا۔ آج جس میری ماں بہن بیٹی کو اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے وہ کبھی بے حیائی کا لباس نہیں پہنتی، وہ بے پردہ نہیں ہوتی۔ اس کو نور بھی ملے گا اس کو عزت بھی ملے گی۔ اگلے دن میں، ذاتی واقعہ، لاہور ائیر پورٹ پہ تھے، ہمارے ایک سیکورٹی ایجنسی والوں کا کورس تھا امریکہ میں 15 دن کا، اس میں IG پنجاب تھے اور آفیسر تھے، لڑکیاں بھی تھیں۔ تو ہم بھی ائیر پورٹ پہ کھڑے تھے اور بڑا وہ منظر دیکھا اور ہم نے ان سے پوچھا بھی، تو اس بچی نے جو بات بتائی۔ میں نے کہا یہ امریکہ سے جہاز آیا، یہ ڈیلیگیشن سارا، باقی ساری بچیاں کسی نے پینٹ شرٹ اور عجیب سا لباس جیسے آج کل ہماری بچیاں پہنتی ہیں اور اس نے صحیح اپنا لباس پہنا ہوا تھا، باپردہ تھی، وہ بھی انہیں میں سے تھی۔ اس پہ کوئی ان کے ماحول کا اثر نہیں تھا۔ اس نے بات جو ہمیں بتائی۔ ہم نے پوچھا کہ تمہارے اوپر امریکہ کا اثر نہیں ہوا۔ اس نے پہلا جملہ جو

[1] سلسلہ احادیث صحیحہ ترقیم البانی:1424

کہا، اس نے کہا یہ جو میری ساتھی پینٹ شرٹ پہن کر گئیں تھی انکو اُدھر کوئی عزت نہیں دیتا تھا۔ مجھے ہر روز پوچھا جاتا تھا کہ تم نے کیا کھانا ہے۔ میں سر پر دوپٹہ رکھتی تھی، حیاء والا لباس پہنتی تھی تو میرے امریکہ میں بھی استاد آنکھیں جھکا کر بات کرتے تھے۔ اس گئے گزرے دور میں بھی یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن کہے کہ کوئی میرے نبی کے در کا سوالی ہو اور اس کو عزت نہ ملے۔ اور ہمارے مولوی پیر ان دنیادار کتوں سے عزت کے طلبگار ہیں؟ اس لیے وہ میری ماں بہن بیٹی جو اللہ کا قرب حاصل کرلیتی ہے۔ پھر وہ کسی کنجری کو دیکھ کر اپنا لباس نہیں بناتی۔ اس کی نظر سیدہ فاطمۃ الزہرہ پہ ہوتی ہے، سرکار مدینہ ﷺ کے احکامات پہ ہوتی ہے۔

عمل ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کی شکل وصورت ایک ہی ہوتی ہے۔ اس کو پرفورم کرنے کا طریقہ بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ ایک جگہ ناں ایسے ہی ایک لڑائی کا سلسلہ تھا۔ تو میں تو جہاں بھی جاتا ہوں تو سمجھاتا ہی ہوں، کچھ مان بھی جاتے ہیں اور کچھ نہیں بھی مانتے، ان کی مرضی ہے۔ میں نے کہا دیکھو قرآن کریم نے ایک حکم دیا ہے کہ جب تم اپنے ماں باپ کو دیکھو۔جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ[1] تمہارے شانے جھکے ہوئے ہوں۔ یہ جو کندھے ہیں ناں، یہ جھکے ہوئے ہوں جیسے ایک غلام اپنے آقا کے سامنے جھکتا ہے۔ ایسے اپنے باپ کے سامنے جھکنا۔ یہ میں اپنے بچوں کو اس لیے کہتا رہتا ہوں کہ پیروں کے ہاتھ چومتے ہو، اپنے باپ کے بھی چوما کرو۔ یہ بہت بری بات ہے کہ پیروں کے ہاتھ چوموں اور باپ کے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک غلام کی طرح سر جھکا، شانے جھکا کر اپنے ماں باپ کے سامنے رہنا۔ میں نے کہا کہ ایک شخص بیٹھا ہے اس کا باپ آگیا۔ وہ قرآن کی اس آیت کے مطابق باپ کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ بھائی اللہ کا حکم ہے۔ پیدا تو اللہ نے کیا ہے لیکن ان کے وسیلے سے کیا ہے۔ اور نبی پاک کا احترام والدین سے زیادہ پتہ کیوں ہے؟ والدین تجھے اس زمین پر لانے کا سبب بنے ہیں۔ اور اس ساری کائنات کے والدین کی تخلیق کا باعث میرا پیغمبر ہے۔ اس لیے فرمایا کہ والدین سے بڑھ کر اللہ کے نبی کا احترام کرو۔ اب دیکھئے وہ بچہ والدین کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ اب اِدھر اقامت کہی جارہی تھی تو جب کہا گیاقد قامت الصلوٰۃ تو ایک بندہ نماز

[1] سورۃ بنی اسرائیل:24

کیلئے کھڑا ہو گیا۔ ظاہراً عمل تو ایک جیسا ہی ہے ناں، وہ بھی کھڑا ہوا اور وہ بھی کھڑا ہوا۔ وہ اللہ کی عبادت کیلئے کھڑا ہوا ہے اور یہ باپ کے احترام میں کھڑا ہوا ہے۔ اب اس میں تعظیم اور عبادت کی جو لائن ہے وہ کہاں لگی؟ مثلاً نماز میں عبادت اللہ کی اور السلام علیک ایھاالنبی کہہ کر تعظیم مصطفیٰ ﷺ کی کی۔ بھائی عبادت اللہ کی اور تعظیم اللہ کے رسول ﷺ کی۔ وہ کھڑا جو نماز کیلئے ہوا ہے اس کی بھی شکل صورت وہی ہے، ہیئت وہی ہے۔ جو باپ کیلئے کھڑا ہوا ہے اس کی بھی شکل و صورت وہی ہے۔ اب جو جاہل ہیں وہ کہہ دیتے ہیں باپ کیلئے کھڑا ہوا ہے اس نے شرک کر دیا۔ اوہ بھائی! نہیں، یہ جو باپ کیلئے کھڑا ہوا ہے یہ بھی اللہ کے حکم پہ ہی کھڑا ہوا ہے۔ یہ اللہ کا حکم تھا۔ اللہ کا حکم پورا کیا ہے۔ یہ لائن نیت نے لگائی۔ عبادت اور تعظیم میں ظاہری شکل و صورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق کہاں ہے؟ نیت میں۔ جو اللہ کیلئے کھڑا ہوا وہ عبادت میں چلا گیا اور جو باپ کیلئے کھڑا ہوا وہ تعظیم میں چلا گیا۔ تو اگر تعظیم بھی اللہ کے حکم پہ ہو گی تو وہ بھی پھر عبادت کے درجے پہ چلی جائے گی۔ اس لیے یہ جہالت کی جو باتیں ہیں ان سے پرہیز کریں اور نیت تو ہم نے نہیں کسی کی دیکھی۔ ہم نے کوئی ارادہ یا نیت کسی کی دیکھی ہے؟ اس لیے نبی پاک ﷺ نے فرمایا ظنوا بالمؤمنین خیرا۔ مومن ہوتا ہی وہ ہے جو اچھا گمان کرے۔

دوسرا پہلو میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ ایک تو یہ ہے کہ جس بندے کو اللہ کا قرب ملتا ہے۔ اس کو ایک خاص روشنی ملتی ہے اور اس روشنی میں سفر کرتے ہوئے کبھی یہ سوچتا بھی نہیں ہے کہ میں اس سے سلام دعا لے لوں، میں اس کیساتھ بیٹھوں۔ نہیں۔ حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے تھے ناں کہ بادشاہ کو تعظیمی سجدہ کرو۔ گوالیار جیل میں رکھا گیا۔ مارا گیا۔ ہڈیاں نظر آنی شروع ہو گئیں۔ حضور مجدد الف ثانی، ایسے ہی نام تو نہیں ہے ناں۔ تو ایک شخص نے پوچھ ہی لیا کہ سرکار یہ ہڈیاں نظر آ رہی ہیں، اتنا تشدد، اتنے کوڑے برسائے جاتے تھے، کیسے برداشت کر لیتے تھے؟ فرمایا انسان ہوں، کبھی کبھی گبھرا جاتا تھا لیکن جب سیدہ پاک کا وہ جملہ سامنے آتا کہ ہمارے اوپر مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ کسی دن پر پڑتی تو وہ دن رات ہو جاتا۔ تو اہل بیت اطہار کا وہ جملہ مجھے حوصلہ دیتا تھا۔ امام مالک کیساتھ بھی یہی ہوا تھا ناں۔ بادشاہ کی ایک عورت پہ نظر پڑ گئی اور کہا کہ میں نے اس سے نکاح کرنا ہے۔ مولویوں نے کہا کہ وہ تو کسی کی بیوی ہے جب تک وہ طلاق نہ دے۔ طلاق کی بات ہوئی تو اس کے خاوند نے انکار

کر دیا کہ میں نے تو نہیں طلاق دینی۔ عورت نے کہا کہ میں نے بھی نہیں طلاق لینی۔ بادشاہ نے مولویوں کو پیسے دیے ۔انہوں نے کہا کہ طلاق بالجبر ہو جاتی ہے۔ طلاق بالجبر پہ کوڑے کھائے ناں امام مالک نے۔ یہ میں نور والوں کی بات کر رہا ہوں۔ جن کو قرب الٰہی ملتا ہے ان کی بات کر رہا ہوں۔ مولویوں نے پیسے لے لیے فتویٰ دے دیا کہ طلاق بالجبر جائز ہے۔ بلا لیا اس کے خاوند کو، تلوار اس کی گردن پہ رکھ کر طلاق لے لی۔ بیوی بھی روتی رہی، اس نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہی وفادار رہوں گی، اس بادشاہ کا بھی تیہ پانچہ کروں گی۔ اب مولوی تو بِک گئے سارے۔ جب کبھی میں یہ روایت پڑھتا تھا ناں کہ جب جہنم کی آگ جلائی جائے گی ناں تو یہ عام انسانوں سے نہیں، یہ جو جھوٹے پیر اور مولوی ہیں ان سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ یہ پہلا ایندھن ہوں گے جہنم کا کہ چند ٹکوں کی خاطر تم دین بیچ دیتے تھے۔ جھوٹ سکھاتے تھے لوگوں کو، بد دیانتی سکھاتے تھے لوگوں کو۔ سرکار امام مالک کو جب پتہ چلا، اس دن جمعہ پڑھانے آئے تو سر پر کفن باندھ کر آئے۔ دستار جو تھی وہ کفن کی تھی۔ بادشاہ بھی آ گیا جمعہ پڑھنے کیلئے۔ سیکورٹی گارڈ باہر کھڑے ہو گئے۔ امام مالک نے جب خطبہ شروع کیا، فرمایا سنا ہے کہ بادشاہ نے تلوار گردن پہ رکھ کر طلاق لی ہے۔ میں اللہ کے نبی کا فرمان سناتا ہوں کہ یہ طلاق نہیں ہوئی۔ طلاق بالجبر نہیں ہوتی۔ اس نے اپنے گارڈ کو حکم دیا، پکڑ لیا انہوں نے، مارنا شروع کر دیا، بازو توڑ دیے، ٹانگیں توڑ دیں اور اوندھا منہ کر کے اونٹ پہ اور ایک جگہ پہ ہے کہ گدھے پہ۔ بازو آپ ہلا ہی نہیں سکتے تھے، بادشاہ نے کہا کہ اس کو مدینے کی گلیوں کا چکر لگاؤ، لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ ہے جس نے بادشاہ کا انکار کیا ہے۔ داڑھی بھی مونڈھ دی۔ جو کچھ وہ کر سکتے تھے۔ اب آپ کیا کہیں گے کہ ظاہراً یہ ذلت ہے۔ ہمارا تمہارا کیا معیار ہے کہ داڑھی مونڈھ کر گدھے پر بٹھا کر پھرایا جا رہا ہے تو یہ ذلت ہے؟ نہیں۔ آج بھی عزت کیساتھ امام مالک کا نام لیا جاتا ہے۔ چونکہ چہرے سے داڑھی مبارک تو انہوں نے مونڈھ دی تھی۔ چوک پر جا کر انہوں نے کہا کہ یہ ہے وہ شخص جس نے بادشاہ کی مخالفت کی ہے اور اسکا یہ حشر کر دیا گیا ہے۔ آئندہ کوئی جرات نہ کرے۔ امام مالک نے سر اُٹھایا اور فرمایا جو مجھے پہچانتے ہو وہ پہچان لو اور جو نہیں پہچانتے، میں بتاتا ہوں کہ میں انس بن مالک ہوں۔ بادشاہ سے اختلاف کی وجہ سے میرے بازو نہیں توڑے گئے؛ بادشاہ سے مخالفت کیوجہ سے مجھے نہیں پھرایا جا رہا، میری داڑھی نہیں مونڈھی گئی۔ پیغمبر ﷺ کی حدیث پہ پہرا دینے کیوجہ سے میرے ساتھ یہ

ہوا ہے۔ میں اپنے نبی کے فرمان کیساتھ کھڑا ہوں، جو جانتے ہیں وہ بھی سن لو اور جو نہیں جانتے وہ بھی سن لو بادشاہ نے طلاق غلط لی ہے۔ جن کو روشنی ملتی ہے پھر انکو عزت بھی عطا ہوتی ہے۔ امام مالک کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔

ہاں اس کا دوسرا پہلو کہیں رہ نہ جائے۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ حق کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔ نہ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ جھوٹے کا ساتھ دیتے ہیں۔ پڑھتے رہیں، دورہ حدیث بھی کیا ہو، کوئی دس ہزار کتابیں بھی پڑھی ہوں لیکن جس کے ذہن میں ابھی بھی یہ ہے کہ دولت مند کی عزت کرنی ہے اور غریب کی عزت نہیں، اس کو نہ اللہ کا قرب ملا، نہ نور ملا اور نہ عزت ملی۔ اور دوسری بات، یہ بھی قرآن کریم نے مختلف مقامات پہ اس کو بیان کیا ہے کہ جب کسی کو اللہ کا نور ملتا ہے، اللہ کا قرب ملتا ہے تو پھر وہ دنیادار کتوں کو نہیں بلکہ غریبوں اور مسکینوں کو اپنے ساتھ بٹھاتا ہے۔ اس نور کا ایک یہ بھی مظاہرہ ہوتا ہے۔ حضرت صاحب قبلہ اکثر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے شرق پور شریف والا کہ ایک چودھری صاحب آ گئے اور ساتھ میں ایک کمّی تھا جس نے حقہ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ، جیسے آج کل بھی کسی کی جرات نہیں ہوتی، ماڑے بندوں سے تو پیر سلام دعا ہی نہیں لیتے، فقیر تو پھر فقیر ہوتا ہے۔ دیکھا نہ جب کہ خود آ کر سلام لے رہا ہے اور اس کو پیچھے بٹھا دیا، غریب آدمی کی تذلیل کر رہا ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ فلاں چودھری صاحب آئے ہیں۔ جب وہ سلام لیکر بیٹھ گیا۔ جب کھانا لگا ناں تو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میاں صاحب "بیلیا" کیا کرتے تھے۔ بیلی کہا کرتے تھے۔ تو وہ غریب آدمی، چودھری کا کمی پیچھے بیٹھا تھا تو انہوں نے کہا اوہ بیلی ادھر آ۔ تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا۔ اب چودھری دیکھتا رہ گیا۔ اب اس کو کیا پتہ کہ فقیر کو روشنی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے در سے ملی ہے، وہاں سرداروں کو نہیں بلال کو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلایا کرتے تھے۔ وہ بچارہ ڈرنے لگا کہ چودھری جا کر مارے گا۔ سرکار نے ایک جملہ ارشاد فرمایا۔ میرے حضرت صاحب قبلہ پیر صوفی محمد یوسف اکثر سنایا کرتے تھے۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ بیلیا ڈر نہ اسی کمّی کمّی اکٹھے روٹی کھا لینے واں۔ تو چودھری کا کمی تے میں نبی پاک دا کمی۔ اسے روشنی کہتے ہیں اور جو غریبوں کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا ہے اس کو روشنی نہیں ملی۔ اس کو نور نہیں ملا، وہ جہالت میں ہے۔

بہر حال آیت جو میں نے عرض کی تھی کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ تم بہترین امت تھے۔ اس کے کئی معنیٰ کر دیتے ہیں کہ بہترین امت ہو۔ نہیں۔ یہ کان ماضی کا صیغہ ہے۔ کیوں اللہ نے یہ فرمایا؟ اوہ! جب تم نہیں تھے تو تب بھی تم بہترین تھے۔ یہ سورۃ فتح کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ-وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ[1]۔ یہ میں نے پہلے بھی مسئلہ بتایا تھا کہ جب قرآن مجید میں لفظ "محمد" پڑھا جائے تو پھر ﷺ نہیں پڑھنا۔ یہ کئی ہمارے ختم پڑھنے والے بھی محمد ﷺ پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ بلکہ ترجمہ بھی جب نیچے لکھنا ہے تو اس میں ﷺ نہیں لکھنا۔ کیوں کہ قرآن میں اضافہ نہیں ہو سکتا، قرآن ایک مکمل کتاب ہے۔ یہ ایسی مکمل کتاب ہے کہ اس میں لفظ اللہ کا بھی اضافہ نہیں ہو سکتا اور ابلیس کا لفظ نکالا نہیں جا سکتا۔ ایسی کامل اور اکمل کتاب ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ-وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰىہُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا٘-سِیْمَاہُمْ فِیْ وُجُوْہِہِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِؕ-ذٰلِكَ مَثَلُہُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ-وَ مَثَلُہُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ۔ قرآن کہتا ہے کہ جب ہم نے آپ کا ذکر قرآن اور انجیل میں کیا تھا تب تو آپ ہے ہی نہیں تھے۔ لیکن ہم نے تب بھی یہی کہا تھا کہ یہ امت بہترین امت ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ۔ تم بہترین امت تھے۔ جب ہم ان کتابوں میں تمہاری شانیں بیان کرتے تھے تو اس لیے تو نبی کہتے تھے کہ یا اللہ ہمیں بھی اس امت میں پیدا فرما۔ اب یہ نہ ترجمہ کرنا کہ تم بہترین امت ہو۔ کان ماضی کا صیغہ ہے۔ کُنْتُمْ۔ بس اتنا کو لفظ سمجھ آجائے کہ بہترین امت یا بہترین فرقہ؟ بہترین وھابی؟ بہترین دیوبندی؟ بہترین بریلوی؟ بہترین شیعہ؟ نہیں۔ بہترین تب بنو گے جب امت بنو گے۔ اگر امت نہیں تو پھر بہترین نہیں۔ اس لیے ہم بہترین نہیں رہے اس دنیا میں۔ کیوں کہ اللہ نے کسی فرقے کو بہترین نہیں کہا بلکہ امت کو بہترین کہا ہے۔ خانہ کعبہ اس لیے ھدی للعالمین ہے کہ وہاں امت جاتی ہے فرقے نہیں جاتے۔ ادھر کوئی دائیں طرف وہابی کھڑا ہو گا، مالکی کھڑا ہو گا، کہیں شیعہ دعا مانگ رہا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ وہاں امت کو بلاتا ہے اور ہمارے محلے کی مسجد میں سارے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ کیوں کہ اس کا منہ ابھی خانہ کعبہ کی طرف ہوا ہی نہیں۔ ویسے ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی مسجدوں کے منہ خانہ کعبہ کی طرف کیے ہیں۔ قطب نما compass پکڑ کر کہ کہیں اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔ اوہ

[1] سورۃ الفتح:29

بھائی! منہ خانہ کعبہ کی طرف تب ہونا ہے جب یہاں بھی امت نماز پڑھے گی۔ مدینے شریف بھی امت ہی جاتی ہے۔ اس گئے گزرے دور میں بھی ہمارے پاس دو جگہیں ہیں جہاں امت کی بات ہوتی ہے۔ اگر نبی پاک ﷺ کیساتھ بھی تعلق ہے تو امت بن کر رہنا پڑنا اور اگر اللہ کیساتھ تعلق ہے تو پھر بھی امت بن کر رہنا پڑنا۔ ہم تو یہی سبق دیتے ہیں۔ ہم تو سب کا کلمہ کی وجہ سے احترام کرتے ہیں۔ ہمارے اکٹھے ہونے کیلئے کلمہ ہی کافی ہے۔ لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ آپ کیساتھ بھی لوگ ایسا ہی سلوک کریں۔ مثلاً آپ تو سب کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں، اہل حدیث، دیوبند۔۔۔ ہماری تو تعلیم ہی امت کی ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ بھی تمہیں اپنا بھائی سمجھیں۔ اس لیے ابھی پیار سے انہیں دعوت ہی دینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین امت کو ہی کہا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے بھی فرمایا ہے ید اللہ علی الجماعۃ[1]۔ اللہ کا ہاتھ اکٹھ پر ہے۔ اگر فرقے بن کر رہو گے تو قرآن نے بڑا سخت حکم سنایا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ[2]۔ اے محبوب ﷺ جن لوگوں نے دین کو فرقے فرقے کر دیا۔ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ۔ فرقے کس میں بنائے؟ دین میں۔ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ اے اللہ کے رسول آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ جو دین کو پارہ پارہ کریں گے ان سے اللہ کے رسول کا کوئی تعلق نہیں۔ تو ان کو پھر روشنی کہاں سے ملنی ہے، ان کو اللہ کا قرب کہاں سے ملنا۔ اس لیے کوشش کیا کرو کہ ہم بہترین بن جائیں۔ بہترین تب ہی بنو گے جب امت بنو گے، پھر اللہ کی رحمت بھی ہو گی۔ ورنہ پھر یہ بھی قرآن نے کہا ہے کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ[3]۔ آپ کو پتہ ہے کہ یہ تحریک ہم نے 1994 میں شروع کی تھی کہ ہم نے نبی پاک ﷺ کی امت میں اتحاد کا کام کرنا ہے۔ یہ چیز میرے اندر پیدا کہاں سے ہوئی؟ یہ میں پہلی دفعہ آپ کو بتانے لگا ہوں۔ تب بوسنیا کی جنگ لگی ہوئی تھی اور وہاں کے مسلمانوں کو بہت مارا جا رہا تھا اور کوئی ان کی مدد کو نہیں پہنچا۔ مدد کو کیا پہنچنا جب ہم آپس میں ہی لڑتے رہتے ہیں۔ میں اس دن جمعہ میں اپنی مسجد میں یہ بات کہی تھی کہ کبھی ہم نے یہ بتایا ہے کہ ہندو کتنا

---

[1] مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، حدیث:173

[2] سورۃ الانعام:159

[3] سورۃ الانفال:46

مسلمانوں پہ ظلم کرتے ہیں؟ یہودی کتنا ظلم کر رہے ہیں۔ عیسائی ہمارے متعلق کیا سوچتے ہیں؟ ہم نے تو مسجدوں میں بس یہی بتایا ہے کہ شیعہ ہمارے دشمن ہیں، بریلوی ہمارے دشمن ہیں یا وھابی ہمارے دشمن ہیں۔ وہ جو دشمن ہیں انکا تو کسی کو بتایا ہی نہیں۔ بوسنیا کا پھر وہ اجتماعی قبریں، ہزار ہزار بندے کو دفن کر رہے تھے۔ مسلمانوں کا بہت برا حال کر دیا انہوں نے اور جو عورتیں بچیں، انکے ساتھ انہوں نے زیادتیاں کیں۔ انہوں نے پھر ایک خط لکھا تھا OIC کو۔ اس خط نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان عورتوں نے یہ جو اسلامی ملکوں کی تنظیم ہے اس کو خط لکھا تھا کہ اے مسلمانوں اگر تم ہماری مدد کو نہیں آسکتے، ہمارے مرد تو قتل کر دیے گئے ہیں، ہمارے ساتھ یہ عیسائی کافر زیادتی کرتے ہیں تو اگر تم ہماری مدد کو نہیں آسکتے تو ہمیں کوئی حمل گرانے والی گولیاں ہی بھیج دو، ہم کافروں کے بچے نہیں جنم دے سکتیں۔ یہ وہ واقعہ تھا کہ جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا کہ ہم کن کاموں میں پڑے ہیں کہ وھابیوں کو مار دو، دیوبندیوں کو مار دو اور کافر ہماری عورتوں کیساتھ زیادتیاں کر رہے ہیں۔ کشمیر میں کیا ہو رہا، شام میں کیا ہو رہا، عراق میں کیا ہو رہا اور ہمارے مولوی ابھی بھی نور بشر کے جھگڑے میں پڑے ہیں۔ کبھی کسی نے سوچا ہے کہ جب کافر مارتے ہیں تو کیا وہ دیکھتے ہیں کہ یہ وھابی ہے، یہ شیعہ ہے؟ وہ تو تمہیں مسلمان سمجھ کر مارتے ہیں۔ اور ہم دنیا میں ذلیل ہو رہے ہیں اور یہاں مولوی مسجد میں، اوہ! رگڑا لگا دیا، فلاں مولوی بلایا تھا۔ کس کو رگڑا لگا دیا؟ کلمہ پڑھنے والے کو؟ کمی بیشی تو ہر ایک میں ہوتی ہے۔ کس کو رگڑا لگا دیا؟ اور پھر اللہ کی رحمت آئے اس قوم پہ؟

آج کی یہ دو باتیں ذہن میں رکھنی ہیں کہ جو کام بھی کرنا ہے وہ اللہ کے قرب کیلئے کرنا ہے۔ جب اللہ کا قرب مل جائے گا تو روشنی عطا ہو گی اور پھر آپ کبھی بھی اللہ کی نافرمانی کیطرف نہیں جاؤ گے۔ اللہ کے وفادار رہو گے تو پھر اللہ آپ کو عزتیں عطا کرے گا۔ اور کوشش کرنی ہے کہ امت بن کر رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو

قرآن: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سُنتا جانتا ہے۔ سورۃ الحجرات:1

خاکہ:-

1. انسان ایک سماجی جانور ہے۔
2. تعلیم وہی قابل احترام ہوتی ہے جو اللہ تک پہنچنے کیلئے ہو۔
3. سائنس کا علم تب ہی فائدہ مند ہے جب وہ مذہب کے زیر سایہ ہو۔
4. نعت مختلف علاقوں میں مختلف انداز اپناتے ہوئے۔
5. جب حق واضح ہو جائے تو پھر یہ حق کی توہین ہے کہ تو کہے کہ میں دونوں طرف ہوں۔
6. جب تم ایمان لے آئے ہو تو اتنا سا کام ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھنا۔
7. جب یہ بات آتی ہے کہ میرے بعد، تو اس کا تعلق رتبے سے ہوتا ہے وقت سے نہیں۔
8. انتقال میں مجبوری ہوتی ہے اور وصال میں شوق ہوتا ہے۔
9. تکبر کرنے والا جنت میں نہیں جا سکتا۔
10. جب زمین پہ جھوٹ بولا جاتا ہے تو فرشتے آسمان پہ کہتے ہیں کہ بدبو آ رہی ہے۔
11. عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ جتنا دے اتنے کا حساب لے۔
12. نماز پڑھی ہے تو کہو مولا تیرے فضل سے پڑھی ہے۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء کے بعد اور پاک پیغمبر ﷺ پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام صاحبزادہ آفتاب صاحب، خلفائے عظام صوفی محمد اقبال صاحب، جناب علامہ فضل کریم صاحب علمائے کرام بزرگو، دوستو عزیز بھائیو!

بھائی نبی احمد صاحب نے حضرت صاحب قبلہ کے ذکر کے سلسلے میں اس بابرکت محفل کا اہتمام کیا اور ہم سب اس ذکر کی محفل میں اکٹھے ہیں۔ سورۃ حجرات کی پہلی آیہ مبارکہ موضوع گفتگو ہے۔ سائنس والے یہ کہتے ہیں کہ man is a social animal ۔ انسان بھی ایک حیوان ہے بس فرق یہ ہے کہ سماج بنا کر رہتا ہے، معاشرہ بنا کر رہتا ہے۔ باقی حیوانوں میں اور اس میں خاص فرق نہیں۔ بڑی تمہاری عظمت سائنس والے یہ بیان کریں گے تو کہیں گے کہ یہ حیوان ناطق ہے۔ یہ وہ حیوان ہے جو بول سکتا ہے۔ اپنا مافی ضمیر لوگوں کو بتا سکتا ہے۔ تو جس علم کیلئے ہم دن رات مر رہے ہیں ناں، اس علم نے تمہارا تعارف حیوان کروایا ہے، ڈنگر کروایا ہے، animal کروایا ہے۔ اور جس علم پر پاک پیغمبر ﷺ آپ کو لیکر آئے ہیں وہ قرآن تمہیں مسجود ملائک بناتا ہے۔ دیکھئے ہمارے ہاں یہ بڑا ہوتا ہے کہ بچے نے فلاں کالج میں پڑھنا ہے، فلاں یونیورسٹی میں پڑھنا ہے، اس کی دس دس ہزار ٹیوشن دے رہے ہیں۔ اور آخر میں وہ علم آپ کو حیوان کہتا ہے۔ اس کے ہاں تمہارا تعارف کوئی عزت والا نہیں ہے۔ یہ ایک بنیادی چیز ذہن میں رکھنا، کم از کم اس در اقدس سے وابستہ رہو جہاں تمہیں عزت تو ملتی ہو اور عزت بھی فرشتوں سے بڑھ کے۔ تمام مخلوقات سے بڑھ کر تمہیں عزت دی جاتی ہے۔ اس لیے علامہ اقبال نے فرمایا تھا تُو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن۔ کم از کم اپنی عزت کا تو خیال کر۔ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا چاہتا ہے جن لوگوں کے نزدیک تیری عزت ہی نہیں، تیرا وقار ہی نہیں؟

یہ جو تعلیمی کانفرنسیں ہوتی ہیں تو وہاں پہ ناں ایک بڑی بات، مقالہ پڑھنے والا، تقریر کرنے والا اسلام کا بڑا تعارف کرواتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ پہلی وحی آئی تھی "اقراء"۔ تو قرآن کریم نے تو شروع ہی پڑھنے سے کیا ہے تو پڑھائی کی بڑی اہمیت ہے کہ نبی پاک ﷺ پہ اللہ نے جو پہلی وحی نازل کی تو وہ "اقراء" کی۔ جب کوئی تعلیمی سیمینار

ہوتا ہے کہ یہاں سے وہ اپنے خطبے کا آغاز کرتے ہیں کہ اسلام میں تعلیم کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے، آج ویسے اس موضوع پہ میں نے نہیں گفتگو کرنی کہ ہر جہالت جہنم کی طرف لیکر جاتی ہے اور علم جنت کی طرف لیکر جاتا ہے۔ تو جہالت کو تو ظاہر ہے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ تو اس پہ سارے لوگ واہ جی واہ بڑی بات ہے کہ اللہ نے پہلا حکم ہی اقراء کیا۔ لیکن ہمارے اساتذہ نے جو تعلیم دی، ہم ان سے اگلی بات جو کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ جب تک جبریل اقراء کہتا رہا، میرے پیغمبر ﷺ نے تو پڑھا ہی نہیں۔ نبی پاک ﷺ نے صرف اقراء نہیں پڑھا۔ اس روایت میں بڑے اعتراضات بھی ہیں اور بھی بڑی چیزیں ہیں۔ سرکار نے کب پڑھنا شروع کیا؟ جب جبریل نے کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ [1]۔ اگر حضور صرف اقراء پڑھ لیتے تو آپ کا ہر علم جو ہے، یہ جتنی بھی تعلیم ہے یہ قابل احترام ٹھہرتی۔ لیکن نبی پاک ﷺ نے صرف اس پڑھنے کو قابل احترام ٹھہرایا جو اللہ کا نام سے پڑھا جائے۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ اپنے رب کے نام کیساتھ پڑھ۔ تو جو تعلیم خدائے ذوالجلال کے نام سے شروع ہو گی، اپنے اللہ تک پہنچنے کیلئے تعلیم ہو گی، وہی تعلیم ہے۔ باقی کوئی تعلیم، تعلیم نہیں، جہالت ہے۔ تو پڑھنے کا تو مقصد ہی یہی ہے کہ میں اپنے اللہ کے احکامات کا تابع ہو جاؤں۔ ان حدوں کو کراس نہ کرو جو حدیں میرے اللہ نے مقرر کی ہیں۔ بات کہیں میرے موضوع سے دور نہ نکل جائے، بس ایک بات آپ کو عرض کرتا ہوں۔

سائنس کا، سائیکالوجی کا، فلسفہ کا، یہ علوم نبی پاک ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے بھی تھے۔ یونان نے بڑے بڑے لوگ، افلاطون، ارسطو جیسے فلاسفر پیدا کیے۔ مصریوں نے بڑے بڑے سائنسدان پیدا کیے۔ یہ علمی تہذیبیں تھی پہلے۔ کوئی علم مذہبی نہیں ہوتا۔ یہ بات ذہن میں رہے۔ سائنس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ فزکس کا، کیمسٹری کا، میتھ کا کوئی مذہب نہیں۔ کیا عیسائی جب سودا سلف لینے جاتے ہیں تو کیا وہ حساب کتاب نہیں کرتے؟ ریاضی سے تو ظاہر ہے وہ بھی استفادہ کرتے ہیں۔ علم کا کوئی مذہب نہیں، بس علم جب مذہب کے نیچے آئے تو کارآمد ہوتا ہے۔ اگر اس کو لگام ڈال دی جائے تو پھر یہ کارآمد ہے۔ اس کی مثال میں یہ دیا کرتا ہوں کہ جب مکہ فتح ہوا تو

[1] سورۃ العلق: 1

خطبہ کیا ارشاد فرمایا گیا کہ تلوار تو تمہارے ہاتھوں میں ہے لیکن یہ تلوار کسی کمزور پہ نہیں چلانی، کسی بچے پہ نہیں چلانی، کسی عورت پہ نہیں چلانی، جو گھر کا دروازہ بند کر لے اس پہ نہیں چلانی، جو ہتھیار پھینک دے اس پہ نہیں چلانی۔ اس سائنس نے بندوق بنا دی، رائفل بنا دی، آپ کے ہاتھ میں تھما دی۔ سائنس کی تو کوئی غلطی نہیں۔ اگر یہی سائنس کا علم اللہ کی فرمانبرداری میں ہو گا تو گولی کسی مظلوم کو نہیں لگے گی۔ اب یہ گولی کسی بچے کو نہیں لگے گی، کسی عورت کو نہیں لگے گی۔ تو سائنس کا علم جب مذہب کے نیچے آتا ہے تو انسانیت بچ جاتی ہے۔ اور اگر یہی سائنس کا علم مذہب سے بے پرواہ ہوتا ہے تو پھر جاپان میں ایٹم بم چلتے ہیں۔ اور انسانیت تباہ برباد ہو جاتی ہے۔ اس لیے میری سرکار نے پہلا جملہ ہی پڑھا تھا تو اللہ کے نام سے ہی پڑھا تھا کہ وہ علم کبھی فائدہ نہیں دے سکتا جو اللہ کے تابع نہ ہو۔ سائنس تو سارے ہی پڑھ رہے ہیں۔ وہ سائنس انسانوں کی فلاح کیلئے استعمال ہو رہی ہے یا انسانوں کو تباہی کیلئے استعمال ہو رہی ہے۔

یہ سورۃ حجرات کی پہلی آیت میں خطاب ہے ایمان والوں کو؛ جنہوں نے کہا ہے کہ ہم نے اپنا دل اللہ رسول کو دے دیا۔ وہ خواجہ غلام فرید کی جو غزل پڑھ رہے تھے صاحبزادہ صاحب، یہ ہمارے برصغیر کا ایک معاملہ ہے کہ جب کبھی میں نعت پہ غور و فکر کیا کرتا تھا، علامہ صاحب نے بھی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی نعتیں، حضرت کعب بن زہیر کی نعتیں، تو جو عربی میں اس دور میں نعتیں لکھی گئیں، تو اس میں سرکار کا سراپا لکھا گیا۔ ظاہری حسن جمال لکھا گیا، معجزات لکھے گئے۔ جب وہ نعت ایران تک پہنچی پھر اس میں تھوڑی سی تبدیلی آئی۔ انہوں نے فراق جو تھا، ہجر جو تھا وہ بیان کرنا شروع کیا۔ اور مولانا جامی نے کہا،

نسیما جانب بطحا گزر کن
ز احوالم محمد ﷺ را گزر کن

جب یہی نعت ہمارے برصغیر میں پہنچی تو یہاں ہم جو اپنے مجازی محبوب کا تذکرہ کرتے تھے وہ ہم نے اللہ رسول کیساتھ تذکرے شروع کر دیئے۔ یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے۔ اس سے آپ نے پریشان نہیں ہونا۔ تو یہ فراق، یہ

ہجر، ظاہر ہے جتنا کوئی مدینے شریف سے دور ہوتا ہے اتنا اس کا تذکرہ کرتا ہے۔ لیکن ہمارے شیخ کی منزل یہ نہیں تھی۔ ان کی منزل کا ایک شعر میں عرض کروں، اگر آپ جذب کر پائیں۔ ان کا ارشاد عالی یہ تھا۔

میں قربتوں میں شاداں تھا
میں فرقتوں میں بھی مطمئن ہوں

اگر محبوب نے قریب بٹھایا ہے تو بھی خوش تھا اور اگر فراق دیا ہے تو بھی مطمئن ہوں۔ یہ کیفیت کبھی میں نے ان کی ویسے بیان نہیں کی لیکن یہ نبی احمد صاحب کا ایک چونکہ ان کیساتھ تعلق ہے۔

میں قربتوں میں شاداں تھا
میں فرقتوں میں بھی مطمئن ہوں
ہے وہ بھی انعام آپ ہی کا
ہے یہ بھی تحفہ جناب ہی کا

اگر قریب کیا تھا تو آپ کا انعام تھا اور اگر فراق دیا ہے تو یہ تحفہ بھی آپ ہی کا ہے۔ تو یہ جو فراق اور ہجر آپ سنتے ہیں، آپ کے شیخ اس منزل پہ نہیں تھے۔ تو یہ شعر خصوصی طور پہ آپ کے ذہن میں رہنا چاہئے۔ یہ مقام رضا ہے، یہ سب کو حاصل نہیں ہوتا۔

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑا دے
تیرے نام پہ مٹا ہوں، مجھے کیا غرض نشاں سے

بات یہ ظاہر ہے کیفیت کی جو عرض کر رہا تھا۔ یہ تمہید باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ اے ایمان والو! یہ جو کہتے ہو کہ ہم نے اپنا دل اللہ رسول کو دے دیا۔ دل اور دماغ میں فرق صرف اتنا ہے کہ دل میں منافقت نہیں ہوتی۔ دل یا حق کیساتھ ہے یا باطل کیساتھ ہے۔ یہ منافقت عقل میں ہوتی ہے۔ اور جب فتنے پیدا ہو جائیں تو اس وقت مصلحت

کا حکم ہے، خاموشی کا حکم ہے۔ فتنہ کہتے ہیں عربی زبان میں آزمائش کو۔ کبھی ایسی آزمائش آجائے کہ آپ حق اور باطل میں فرق نہ کر سکیں تو اس وقت خاموشی کا حکم ہے۔ جب حق واضح ہو جائے، سچائی واضح ہو جائے۔ تب ہے وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ [1]۔ اب حق کو باطل کیساتھ نہیں ملانا۔ یہ نہیں کہنا کہ میں دونوں طرف ہوں۔ کیوں؟ اب حق کی اس سے بڑی توہین ہے ہی کوئی نہیں کہ اب تو کہے کہ میں باطل کے بھی ساتھ ہوں۔ جب تجھے حق کا پتہ چل گیا ہے تو پھر یہ حق کی توہین ہے کہ تو کہے کہ میں دونوں طرف ہوں۔ وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔ کبھی حق کو باطل کیساتھ ملانا۔ تو یہ عقل کی بات ذہن میں آئی کہ یہ منافقتیں عقل کی ہوتی ہیں کہ پتہ بھی ہوتا ہے کہ یہ منافق ہے، جھوٹ بول رہا ہے، بد دیانت ہے لیکن عقل مکار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔ عشق بچارہ نہ ملا، نہ واعظ نہ حکیم۔ اسی لیے سرکار عالی مقام کیلئے علامہ اقبال نے یہی بات کہی تھی کہ حسینی فکر تو چودہ سو سال ہو گئے ایک ہی ہے۔ یہ یزیدی فکر اپنے چہرے بدلتی رہتی ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا،

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

یہ یزیدی اپنے روپ بدلتے رہتے ہیں۔ حق والوں کا تو روپ بھائی ایک ہی ہوتا ہے۔ اس میں شرک نہیں نہ ہوتا۔

باطل دوئی پسند ہے
حق لا شریک ہے

تو اللہ کا حکم یہ ہے کہ اگر تم نے دل اللہ رسول کو دے دیا ہے، ایمان لے آئے ہو، اب بس تم نے اتنا سا کام کرنا ہے کہ اللہ رسول سے آگے نہیں بڑھنا۔ یہ کام کبھی نہیں کرنا کہ اللہ رسول کے فیصلوں کے آگے بڑھنا، حکم کے آگے بڑھنا، نہیں ایسے بھی ہو سکتا ہے، ایسے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ جرم نہیں کرنا۔ آیت کا سبب نزول میں آپ کو

[1] سورۃ البقرۃ:42

عرض کر دوں۔ ایک قبیلے کا سردار لگانا تھا۔ تو اس میں مشورہ دے دیا گیا حضرت عمرِ فاروق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی جانب سے کہ فلاں بندے کو اس قبیلے کا سردار لگا دیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے ایک دوسرا نام دے دیا۔ اب حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے کہا کہ یہ میری ضد میں دوسرا نام دیا گیا۔ بس یہ جملے اللہ کو پسند نہیں آئے کہ تمہیں میرے پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ یعنی اگر کسی بات کا فیصلہ میرے پیغمبر نے ابھی نہیں کیا تو تم نے فیصلہ کیوں سنا دیا کہ فلاں کو ہونا چاہیئے یا فلاں کو ہونا چاہیئے۔ میرے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ رسول سے آگے نہ بڑھو۔ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ نہ اللہ سے آگے بڑھو اور نہ رسول سے آگے بڑھو۔ تو وہ اللہ سے آگے تو نہیں بڑھے تھے۔ یہی بیان فرمایا تھا کہ رسول سے آگے بڑھنا اصل میں اللہ سے آگے بڑھنا ہے۔ یعنی پیغمبر کے اور اللہ کے فیصلے کو دو سمجھتے ہو؟ تو یہ حرکت نہیں کرنی۔ وہ فیصلہ کر دیں تو سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ اسلام نام ہی اسی کا ہے۔ اسلام کہتے ہی اسے ہیں۔

آگے ہے وَ اتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ کیلئے تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کیلئے رُک جاؤ۔ یہ حکم قیامت تک ہے۔ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ یہ حکم قیامت تک ہے۔ بات یہ پتہ نہیں مجھے کرنی چاہیئے یا نہیں؟ آپ اس کو جذب کر پائیں یا نہیں؟ جب نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں من کنت مولا فهذا علی مولا۔ جس کا میں مولا اس کا علی مولا ہے۔ یا حضور کبھی یہ فرما دیں کہ میرے بعد اس کا حکم ماننا، اس کی اتباع کرنا، اس کو خلیفہ بنا لینا۔ یہ اصل میں بڑی باریک سی بات ہے۔ سرکار فرمائیں کہ جس کا میں مولا اس کا علی مولا؛ یعنی میرے بعد علی مولا ہے۔ میرے بعد فلاں کی اتباع کرنا، تو اس کو ہمارے محدثین نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق زماں سے نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق وقت سے نہیں ہے کہ میں وصال کر جاؤں گا، دنیا سے چلا جاؤں گا تو اس کا حکم ماننا۔ اس کا تعلق وقت سے نہیں ہوتا رتبے سے ہوتا ہے۔ اس کا تعلق کبھی بھی زماں سے، وقت سے نہیں ہوتا۔ اب جب آپ کے شیخ کہیں ناں کہ میرے بعد نبی احمد صاحب کا حکم ماننا تو اس کا تعلق وقت سے نہیں تھا کہ میرے فوت ہونے کے بعد ماننا۔ اس کا تعلق رتبہ سے تھا کہ

پہلے میرا حکم ہے پھر اس کا حکم ہے۔ پاک پیغمبر ﷺ کیلئے یہ نہ سوچنا کہ حضور چلے گئے ہیں تو تب یہ بات ہے۔ ہم یہ سوچتے رہتے کہ وہ چلے جائیں گے تو پھر یہ بات ہو گی۔ ان کا حکم تو چلتے رہنا ہے۔ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ رسول کا حکم تو قیامت تک چلنا ہے۔ اس کیلئے تو زمان و مکان کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں۔ جب یہ بات آتی ہے میرے بعد تو اس کا تعلق رتبے سے ہوتا ہے وقت سے نہیں ہوتا۔

پتہ نہیں یہ بات اتنی گہری چلی جائے گی کہ وہاں سے ہم موتی لیکر واپس آ بھی سکیں گے کہ نہیں؟ میرے لیے اور تمہارے لیے لفظ ہے انتقال۔ ہماری موت کو انتقال کہتے ہیں۔ عالمِ دنیا سے عالمِ برزخ کی طرف منتقل کر دیے گئے۔ ہم خود نہیں جانا چاہتے تھے۔ ابراہیم ذوق نے کہا تھا، لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے۔ زندگی ہمیں اس دنیا میں لے آئی تو آ گئے، موت آگے لے چلی تو چلے گئے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

بھائی ہم اپنی مرضی سے تو منتقل ہوتے ہی نہیں۔ اس لیے میری اور تمہاری موت انتقال ہے۔ فرشتے اٹھاتے ہیں اور دوسرے جہاں منتقل کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ جو اللہ رسول کے حکم سے آگے نہیں نہ بڑھتے، انکی موت کو انتقال نہیں کہتے، وصال کہتے ہیں۔ انتقال میں مجبوری ہوتی ہے، وصال میں شوق ہوتا ہے۔ کیا میرا تمہارا مرنا اور اللہ کے ولی کا اس دنیا سے جانا ایک جیسا ہو گیا؟ یہ تو ہر روز وصال کیلئے تڑپتا تھا۔ تم رات کا انتظار کرتے تھے کہ سوئیں گے۔ وہ رات کا انتظار کرتا تھا کہ یہ سو جائیں اور میں ملاقات کروں۔ وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا[1]۔ تو جو ساری زندگی اس کے وصال کیلئے تڑپتا ہے تو پھر موت کے وقت تو اس کے وصال کی شان اور ہی ہوتی ہے۔

---

[1] سورۃ الفرقان:64

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومنِ صالح ملا

فرش سے ماتم اٹھے وہ طیّب و طاہر گیا

اور قرآن نے انتقال اور وصال، دونوں کا نقشہ کھینچا ہے۔اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ[1]۔جس نے زندگی نافرمانی میں گزاری، تکبر میں گزاری۔ کبھی ساری زندگی شوق ہی پیدا نہیں ہوا کہ میں اپنے اللہ سے ملوں۔ اللہ سے ملاقات کا کبھی شوق ہی پیدا نہیں ہوا۔ اللہ کیلئے کبھی وقت نکالا ہی نہیں۔ تکبر میں زندگی گزاری۔ اللہ رسول کے حکموں سے آگے بڑھتا رہا۔ بدتمیزی کرتا رہا، بدمعاشی کرتا رہا۔ اس کو منتقل کیا جاتا ہے۔ یہ آٹھواں پارہ سنا رہا ہوں۔لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ اس کی روح کو جب منتقل کیا جاتا ہے تو فرشتے آسمان کا دروازہ بھی نہیں کھولتے۔ پہلے آسمان کا بھی نہیں۔ یہ بدبودار ہے، لے جاؤ اسے۔ یہ اس قابل نہیں ہے کہ اللہ کا دیدار حاصل کر سکے۔ اور جن کی راتیں سجدے اور قیام میں گزرتی ہیں، جو اس کے وصال میں تڑپتے ہیں۔ ان کو ہر آسمان پہ مرحبا مرحبا کہا جاتا ہے۔ پھر وہ روح جاکر اپنے رب کو سجدہ کرتی ہے۔ آپ تو اِدھر تجہیز و تکفین میں لگے ہوتے ہیں ناں اُدھر معاملہ اور ہوتا ہے۔ روح فرشتے لیکر جاتے ہیں، ساری زندگی تہجد پڑھتا رہا ہے میرے وصال کی خاطر، آ سجدہ کر۔ جب روح اللہ کے عرش کے سامنے سجدہ کرتی ہے پھر کہا جاتا ہے، یہاں ویسے بڑھ محتاط الفاظ ہمارے محققین، محدثین، مفسرین نے استعمال کیے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح تھی، ساری زندگی اس نے اللہ کی فرمانبرداری میں گزاری، راتیں رو رو کر سجدے اور قیام میں گزاریں، آج اللہ کے سامنے سجدے کا موقع ملا اور اب اللہ فرشتوں سے کہتا ہے کہ اب اس کو وہ پاکیزگی ملی ہے کہ میرے محبوب کی زیارت کر سکے۔ اُدھر وصال پہلے ہوتا ہے اور قبر میں وصال رسول اللہ ﷺ سے بعد میں ہوتا ہے۔ تو انتقال اور وصال میں بڑا فرق ہے۔ انکا قبر میں وصال ہوتا ہے اور ہمیں قبر میں منتقل کر کے آجاتے ہیں۔

---

[1] سورۃ الاعراف:40

اگلا جملہ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ اس کو ہماری فقہ کی زبان میں محال کہتے ہیں، جو کام ہو نہ سکے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ متکبرین، اللہ رسول کے آگے کون بڑھے گا؟ جو متکبر ہے؛ اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے، کیا جملہ فرمایا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ سوئی کا ناکہ جو ہے ناں یہاں سے اونٹ گزر جائے، یہ محال ہے۔ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ نہیں گزر سکتا۔ لیکن میرا اللہ فرماتا ہے کہ یہ محال بھی ہو سکتا لیکن تکبر کرنے والا جنت میں نہیں جا سکتا۔ اللہ کے ولی کے پاس بیٹھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ میں انتقال سے وصال کی طرف آجاؤں۔ میرا تکبر ختم ہو جائے تاکہ میں جنت میں جا سکوں، میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔

جب جھوٹ بولا جاتا ہے تو فرشتے آسمانوں پہ باتیں کرتے ہیں کہ بدبو آرہی ہے۔ زمین پہ جھوٹ بولا جاتا ہے اور آسمان پہ فرشتے کہتے ہیں بدبو آرہی ہے۔ اس لیے بڑے بڑے گناہوں کا قرآن میں ذکر کیا لیکن ان پہ لعنت نہیں کی۔ لیکن جھوٹ پہ لعنت کی ہے۔ فرشتوں کو بھی بدبو آتی ہے۔ تو اگر کسی جھوٹے کے پاس بیٹھو گے تو بدبو ہی لیکر اٹھو گے ناں۔ اسی لیے فرمایا كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [1]۔ سچوں کے پاس بیٹھو تاکہ خوشبو پیدا ہو۔ اگر آج بھی کوئی سود لیتا ہے تو وہ اللہ رسول سے آگے بڑھتا ہے، روک دیا گیا ناں۔ کوئی جھوٹ بولتا ہے تو وہ اللہ رسول سے آگے بڑھتا ہے۔ کوئی رشوت لیتا ہے، غیبت کھاتا ہے، تکبر کرتا ہے۔ تو یہ سارے وہ لوگ ہیں جو اللہ رسول سے آگے بڑھتے ہیں۔ میرے تمہارے آقا و مولا سرکار مدینہ ﷺ کی پہچان کیا ہے؟ لوگ کہتے تھے صادق جا رہا ہے۔ امین جا رہا ہے۔ آج میرا ملک پاکستان حج کرنیوالوں میں دوسرے نمبر پہ اور عمرہ کرنیوالوں میں پہلے نمبر پہ اور صادق اور امین کی فہرست میں 140 نمبر پہ۔ اگر 140 لوگ میرے آگے کھڑے ہوں گے تو میں دنیا کو دین کا کیا پیغام دوں گا؟ اس سال کا تو نہیں پتہ، میں رپورٹ نہیں دیکھ سکا لیکن دو سال پہلے صادق اور امین کی فہرست میں پہلے نمبر پہ بھلا کون تھا؟

[1] سورۃ التوبہ:119

جاپان تھا۔ ہمارا نمبر پہلے 100 میں نہیں ہے۔ یہ کیوں نہیں ہے؟ اس لیے کہ ہم آگے بڑھ گئے اللہ رسول سے۔ اگر پیچھے ہوتے تو صادق بھی ہوتے اور امین بھی۔ ہم نے اتباع نہیں کی۔

قیامت والے دن آپ سے پوچھا جائے گا کہ تم اللہ رسول سے آگے بڑھے تھے کہ نہیں بڑھے تھے؟ ہو سکتا ہے کہ کوئی بندہ کہہ دے کہ میں نے تو رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ میں نے تو حضور کو دیکھا ہی نہیں۔ یہ میں اپنے علماء کیلئے اور خلفاء کیلئے خصوصی بات عرض کر دوں۔ ایک بندہ جنگل میں پیدا ہوتا ہے، اس کو مدرسہ، کوئی اہل علم، کوئی اللہ کا ولی نہیں ملتا اور اسی طرح جنگل میں زندگی گزار کر چلا جاتا ہے۔ میں صوفی محمد یوسف کے گھر پیدا ہوا ہوں، میرے ماں باپ نے مجھے اللہ کے احکامات سکھائے۔ میں نے باپ کو تہجد پڑھتے دیکھا ہے۔ ماں کو تہجد پڑھتے دیکھا۔ لوگوں کی خدمت کرتے دیکھا ہے۔ تو کیا اس جنگل والے سے بھی وہی حساب ہو گا اور میرا بھی وہی حساب ہو گا؟ تم نے اللہ کے عدل کو کیا سمجھا؟ ایسا نہیں ہو گا۔ میرے اوپر ایک فقیہ بیٹھا ہے۔ کیا میرا اور اس فقیہ کا حساب ایک جیسا ہو گا؟ اس کے اوپر ایک مجتہد بیٹھا ہے۔ کیا آپ کا اور ایک مجتہد کا حساب ایک جیسا ہو گا؟ وہ عادل ہے۔ عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ جتنا دے اتنے کا حساب لے۔ یہ جتنے حضرت صاحب کے قریب بیٹھنے والے ہیں ان کا حساب اور ہے۔ لیکن پوچھا سب سے جائے گا کہ تم نے رسول اللہ کو تو نہیں دیکھا تھا لیکن تم نے صوفی محمد یوسف کو تو دیکھا تھا کہ وہ کیسے اللہ رسول کے حکموں کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ تو نے غریب نواز کو تو نہیں دیکھا تھا، بابا فرید کو تو نہیں دیکھا تھا لیکن تم نے صوفی محمد یوسف کو تو دیکھا تھا۔ تجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ حرام کا پیسہ نہیں لیتے تھے۔ اگر حرام کے پیسے سے میلاد کی محفل کسی نے رکھی ہوتی تھی تو وہ دعوت کینسل کر دیتے تھے۔ ان کی سیرت و کردار۔ اللہ نے کب کہا تھا کہ صرف انبیاء۔ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ[1]۔ جس جس کو تو نے دیکھا تھا، تجھ سے حساب اسی کا لیا جائے گا۔ آپ کو پتہ ہے حضرت صاحب نے 16 سال پولیس میں ملازمت کی

---

[1] سورۃ النساء: 69

ہے۔ کسی تھانے میں ڈیوٹی نہیں لگوائی۔ اپنا پولیس لائن میں رہتے تھے۔ آپ کیلئے تو بڑی آسانیاں ہیں۔ ڈھول شریف سے، یہ چونڈہ سے دوست احباب بیٹھے ہیں، ان کے آباؤ اجداد بتایا کرتے تھے کہ تہجد ادھر آکر پڑھتے تھے چونڈہ میں اور صبح کی نماز بڈیانہ میں جاکر اور پھر یہ نہیں ہے کہ ڈیوٹی سے لیٹ ہونا۔ پہلے پہنچنا ہے ڈیوٹی پہ۔ رزق حرام نہیں کمانا۔ کیونکہ رزق حرام والا تو ولی ہو نہیں سکتا۔ ولی کی نشانی یہ ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ اس کے ہاتھ میں جو لقمہ ہے وہ رزق حلال ہے۔ اس کے قریب سود خور نہیں بیٹھے ہوتے، رشوت خور نہیں بیٹھے ہوتے، بے نمازی نہیں بیٹھے ہوتے، جھوٹے نہیں بیٹھے ہوتے۔ یہ سارا گلشن جو آپ کو نظر آرہا ہے یہ کیا بتارہا ہے۔ پھر جب resign کیا، حضرت صاحب قبلہ نے، دادا مرشد کے صاحبزادے تشریف فرما ہیں، امتحان ایسے بھی ہو جاتے ہیں، کوئی روزگار نہیں، نہ کوئی زمین ہے، آمدن کا کوئی ذریعہ ہی نہیں اور مرشد نے کہہ دیا کہ ملازمت بھی چھوڑ دو۔ اب حکم تو یہی ہے کہ آگے نہیں بڑھنا۔ resign لکھ دیا۔ اس دور کا SP جب حضرت صاحب نے نوکری چھوڑی، اس کا نام تھا عبداللہ خاں۔ یہ پرانے بزرگوں کو پتہ ہے کہ یہ جہلم کے علاقے میں محمد خاں ڈاکو ہوا کرتا تھا اور اسے کوئی گورنمنٹ پکڑ نہیں سکتی تھی۔ یہ ایس پی عبداللہ خان کا نام اس لیے ہے کہ اس نے اس ڈاکو کو پکڑا تھا صدر ایوب کے دور میں۔ تو جب حضرت صاحب resignation لیکر گئے تو اس نے کہا کہ آپ نے 16 سال نوکری کی ہے، آگے کوئی اور ذریعہ معاش بھی نہیں تو میں آپ کیلئے ایک میڈیکل بورڈ بنا دیتا ہوں تو وہ ڈاکٹر لکھ دیں گے تو آپ کی کوئی پنشن بن جائے گی۔ کچھ اکٹھے پیسے مل جائیں گے مکان بنالینا۔ لیکن جو اللہ رسول سے آگے نہیں نہ بڑھتے وہ اسباب نہیں دیکھتے وہ مسبب کو دیکھتے ہیں۔ وہ جن کی نظر اسباب پہ رہے ان کو کیا پتہ کہ مسبب کتنا طاقتور ہے؟ حضرت صاحب قبلہ کا تاریخی جملہ آپ کیلئے۔ وہ ایس پی بڑی دیر تک سرکار سے رابطے میں رہا۔ فخر محسوس کیا کرتا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا کہ کیا میں بیمار ہوں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ میں جھوٹ بول کر پنشن لگواؤں؟ آپ کے بچوں کا چھوٹے بہن بھائیوں کے بچوں کا کیا بنے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارا خالق اللہ ہے تو رب بھی اللہ ہے۔ ہم جھوٹ بول کر پیسے نہیں لیتے۔ جھوٹ بول کر پنشن نہیں لگواتے۔ جھوٹ بول کر مکان نہیں بناتے۔ یہ

اللہ نے پوچھنا ہے ناں کہ تم تو صوفی محمد یوسف کے پاس بیٹھا کرتے تھے تم نے حرام کیسے کما لیا؟ تم نے جھوٹ کیسے بول لیا؟ تم نے اللہ رسول کی حدوں کو کیسے توڑ لیا؟ نبی احمد صاحب کے راستے میں کوئی چیز حائل ہوئی؟ بہنوں کا حق دیا ناں۔ یہ ہماری جٹ برادری کے پاس بڑا ہے، بہنوں کا حق دیتے ہوئے بڑا کرتے ہیں لیکن موت یاد نہیں ہے ناں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب میں میدان محشر کیلئے نکلوں گا ناں تو کسی کی گردن پہ کوئی مکان ہو گا، کسی کی گردن پہ کوئی اونٹ ہو گا، کوئی زمین کا ٹکڑا ہو گا اور وہ نیچے چیخ رہا ہو گا، یا رسول اللہ ﷺ میری جان چھڑائیں، مجھ سے یہ بوجھ اٹھایا نہیں جا رہا۔ تو سرکار فرمائیں گے کہ دنیا میں تو نے بڑے شوق سے یہ حرام کمایا تھا۔ آج سمجھتے ہو کہ میں نے بہن بھائیوں کا حق کھا لیا، نہیں، یہ سارا بوجھ تیرے اوپر لادا جائے گا۔ یہ ستراہ والے کہہ سکتے ہیں کہ کبھی رزق حرام کمایا ہو نبی احمد صاحب نے؟ اگر ہم سے تو یہ پوچھا جائے گا تو ستراہ والوں سے تو کم از کم یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے نبی احمد کو نہیں دیکھا تھا؟ تم نے نہیں دیکھا تھا کہ کیسے اللہ رسول کے حکم کے پیچھے چلنا ہے، آگے نہیں بڑھنا۔ آج بھی اگر کوئی بے حیائی میں آگے بڑھتا ہے، رزق حرام میں آگے بڑھتا ہے، ظلم میں آگے بڑھتا ہے، میں تو کئی دفعہ اپنے بچوں کو کہتا ہوں کہ وہ تو بندوق ہے ناں اگر اس علم والے کے ہاتھ میں ہو گی جس کو خدا کا خوف ہے تو کبھی بھی کسی مظلوم پہ گولی نہیں چلائے گا۔ اگر یہ موبائل فون، جو کہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو خراب کر دیا گیا، اگر یہ بھی اللہ کو ماننے والوں کے ہاتھ میں ہو گا تو پھر بے حیائی نہیں ہو گی۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ جو علم اللہ رب العزت کے نام سے شروع ہوتا ہے اس علم کے راستے میں پھر بے حیائی نہیں ہوتی۔ وہاں بدتمیزی نہیں ہوتی۔ وہاں بے غیرتی نہیں ہوتی۔ وہاں تکبر نہیں ہوتا۔

ایک بات جو حضرت صاحب قبلہ نے مجھے خصوصی طور پر ارشاد فرمائی۔ وہ آپ کا فیض ہے، آپ تک پہنچانا ضروری ہے۔ فرمانے لگے بیٹا نماز اللہ کا حکم ہے۔ کربلا میں جب سیدہ زینب نے پوچھا تھا اپنے بھائی سے کہ سب سے زیادہ محبت، کوئی حکم فرمائیں۔ تو فرمانے لگے کہ میں نے جو اپنے نانا جان سے سیکھا ہے وہ دو ہی محبتیں ہیں ایک نماز سے اور دوسرا قرآن سے۔ تو اگر نانا کے نقشِ قدم پہ چلنا ہے تو نماز سے محبت کرنی ہے اور قرآن سے محبت کرنی

ہے۔ یہ دونوں چیزیں آپ کو کربلا میں نظر آئیں گی۔ جلتے ہوئے خیموں پہ بھی سیدہ زینب کی نماز قضاء نہیں ہوئی۔ تہجد بھی قضا نہیں ہوئی۔ فرمانے لگے ایک دن، ادھر پسرور میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے کہ نماز اس کا حکم ہے۔ اس کے محبوب کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ نماز پڑھنی ہے، قران کریم کی تلاوت کرنی ہے، روزے رکھنے ہیں، اس کے حکموں پہ عمل کرنا ہے۔ لیکن ان پہ کبھی فخر نہیں کرنا۔ تکبر نہیں کرنا کہ میں نمازی ہوں۔ اگر وضو بھی کرلو تو کہنا مولا تیری توفیق کیساتھ کیا ہے۔ اس پیر صوفی محمد یوسف کے پاس بیٹھنے والا متکبر کیسے ہو سکتا ہے؟ نماز پڑھی ہے تو کہو مولا تیرے فضل سے۔ رکوع اور سجود کیے ہیں تو تیری مہربانی سے۔ اور پھر وہ جو مثال، خلفاء کو پتہ ہے اس مثال کا۔ فرمانے لگے بیٹا ایک عورت بڑا بناؤ سنگار کر کے، زیورات پہن کر، میک اپ کر کے بیٹھی ہوئی ہو اور اس کا مالک اس کے قریب سے گزر جائے اس کو پوچھے ہی نہ تو اسکا بناؤ سنگار کدھر گیا؟ اور اگر کوئی پھٹے پرانے کپڑوں میں باہر صفائی کر رہی ہو اور مالک آکر کہے کہ تیرا کیا حال ہے۔ یہ نماز روزے کے بناؤ سنگار پہ تکبر نہ کرنا۔ بس مالک کی نگاہ ہو جائے وہ پوچھ لے کہ تیرا کیا حال ہے۔ اور یہ جملہ، زندگی موت کا پتہ نہیں ہوتا، یہ جملہ سرکار کا حضرت صاحب قبلہ کا، فرمانے لگے بیٹا اگر اللہ قیامت والے دن یہ فرمادے کہ میں نے تیری کوئی نماز قبول نہیں کی تو میرے اور ایک بے نمازی میں کیا فرق رہ جائے گا؟ کیسے کوئی تکبر کر سکتا ہے؟ اگر عبادت پہ شیخ تکبر نہ کرنے دے تو وہ مال متاع پہ کیسے کرنے دے گا؟ وہ منصب پہ کیسے کرنے دے گا؟ اس لیے یہ ذکر جو ہے وہ ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پوچھنا ہے کہ تیرے درمیان میرا جو بندہ تھا تو نے اس کو تو دیکھا تھا کہ وہ کیسے میری حدوں کا خیال کرتا تھا۔ تو یہ قیامت تک جو بھی حدیں توڑے گا، اللہ رسول سے آگے بڑھے گا تو اللہ فرماتا ہے کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا گزرنا جیسا محال کام تو ہو سکتا لیکن وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ بدبودار جھوٹ جو ہے، یہ کبھی تمہیں جنت میں نہیں جانے دے گا۔ اسلیے کوشش کریں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچوں کیساتھ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

مومنین کی صفات

قرآن: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ(1) الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ(2) وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ(3) وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ(4) سورة المومنون

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے۔ جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں۔

خاکہ:-

1. بات جب اللہ اور اس کے رسول کی ہو تو پھر تاثیر تو ہو گی۔
2. ایمان والا ترقی کے پیچھے نہیں بھاگتا بلکہ فلاح کے پیچھے بھاگتا ہے۔
3. جو محمد ﷺ کے دامن میں آجائے وہی تو فلاح پا گیا۔
4. جس دامن میں علی سمٹ جائے اسے محمد ﷺ کہتے ہیں۔
5. مومن ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی کامیابی کا نہ سوچے بلکہ دوسروں کی کامیابی کا بھی سوچے۔
6. ایمان والے صرف نماز نہیں بلکہ محبت والی نماز پڑھتے ہیں۔
7. ایمان والے بے مقصد باتوں سے دور رہتے ہیں۔
8. ایمان والے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اس کی بہت سی اقسام ہیں۔
9. عرس عربی زبان میں شادی کو کہتے ہیں۔
10. زین العابدین، جتنے بھی عبادت گزار ہیں انکی زینت۔
11. یہ اپنی بری عادت نہیں چھوڑتا تو میں اپنی اچھی عادت کیوں چھوڑوں؟
12. برائی کا جواب برائی سے نہیں دینا۔
13. دو باتیں یاد رکھنی ہیں لغو باتیں نہیں کرنی اور نماز محبت سے پڑھنی ہے۔

اللہ رب العزت کی حمد وثناء کے بعد اور پاک پیغمبر ﷺ پہ ہدیہ درود سلام پیش کرنے کے بعد، نہایت ہی واجب الاحترام صدر محفل صاحبزادہ محمد حسیب صاحب، صاحبزادہ محمد آفتاب صاحب، خلفائے شیخ صوفی محمد اقبال صاحب، جناب نبی احمد صاحب، ہمارے رندھاوہ سے آئے ہوئے مولانا محمد اسلم صاحب، اس مسجد کے امام اور خطیب لیاقت صاحب، سابقہ خطیب بھی تشریف لائے وجید والی سے، جناب مسعود الحسن معصومی صاحب، دیگر علماء اور سامعین وحاضرین، بزرگو دوستو عزیز بھائیو!

ماشاء اللہ میزبانی تو یہ کالا چک اور میاں کوٹ والوں کی ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ اہل علاقہ سے، رندھاوہ سے، ٹاوریاں سے، بن باجوہ سے، ننگل شریف، تمام علاقے کے جو گاؤں ہیں وہاں سے نمائندگی موجود ہے۔ یہ حضرت صاحب قبلہ کی محبت ہے جو انہوں نے آپ سے کی اور آپ اس محبت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ میزبان جو ہیں وہ بھی مبارک باد کے مستحق ہیں، جنہوں نے اتنی خوبصورت محفل کا اور مہمانوں کا انتخاب کیا۔ برخوردار شفاقت نے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ یہ جہاں کہیں بھی یہ بات ہوتی ہے تو اس کیلئے میں یہی جملہ کہتا ہوں کہ میری بات ہو تو کوئی بات ہو، جب بات ہی خالق کی ہوتی ہے۔ جب بات ہی اس کے محبوب کی ہوتی ہے تو پھر اس بات میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ میری بات ہو گی تو صفر ہو گی۔

وہ جو مجھ میں مل جائیں تو ہو جاؤں لا محدود
وہ جو مجھ سے نکل جائیں تو صفر ہو جاؤں

بھائی میری بات ہو گی تو اس کا تو کوئی وزن نہیں لیکن جب بات خالق کی ہوتی ہے تو اس بات کا وزن بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس کیلئے ایک بات ضروری ہے کہ بندہ باادب بھی ہو اور عرفانی ذوق بھی رکھتا ہو۔ بھائی بے ادبوں سے خالق کی کیا بات کرنی ہے؟ بے ادبوں سے اس کے محبوب کی بات کرنی ہے؟ بھائی ہمارے ہاں یہ ضروری ہے کہ اگر آپ نے خالق کی اور اس کے محبوب کی بات کرنی ہے تو بندہ ادب والا بھی ہو اور عرفانی ذوق بھی رکھتا ہو۔

سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات تلاوت کی ہیں، یہ اٹھارویں پارے کا آغاز ہے۔ ارشاد ہوا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ بے شک فلاح پا گئے ایمان والے۔ ترقی نہیں۔ بھائی آج کل یہ بھی مصیبت ہے کہ لوگ ترقی کو کامیابی

سمجھتے ہیں۔ بھائی قرآن کی جو اصطلاح ہے وہ فلاح ہے۔ اذان میں بھی حی علی الصلوٰۃ ہے۔ ہاں۔ یہاں بھی کیا ہے؟ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی[1]۔ یعنی قرآن جب بات کرتا ہے تو فلاح کی کرتا ہے۔ یہ تھوڑا سا فرق آپ سمجھ لیں۔ جسے آپ دنیا میں کریئر career کہتے ہیں ناں۔ اور اس میں آپ کا وژن اتنا سا ہوتا ہے کہ دولت مل جائے، فلاں منصب مل جائے۔ اس کو ترقی کہتے ہیں۔ یہ آج میرا موضوع نہیں ہے لیکن صرف ایک بات آپ کو بتادوں کہ ایمان والا ترقی کے پیچھے نہیں بھاگتا بلکہ فلاح کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اس کے رب کا تقاضہ ہی یہی ہے کہ وہ فلاح کی بات کرے۔ کامیابی کی بات کرے، اس لیے کہ ترقی تو نمرود نے بھی کی، پوری دنیا کا بادشاہ بنا لیکن فلاح نہیں پاسکا۔ ترقی تو فرعون نے بھی کی، فلاح نہیں پاسکا۔ ترقی تو یزید نے بھی کی، فلاح نہیں پاسکا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اس کے شان نزول تو کئی مفسرین نے لکھے۔ لیکن آج میں وہ شان نزول جو عام بیان نہیں کیا جاتا۔ اس پہ کچھ علماء کا سند کے اعتبار سے اختلاف ہو جاتا ہے۔ سرکار علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، آپ کی جب ولادت ہوئی تو آپ آنکھیں نہیں کھولتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے، تمام علماء اس کو بیان کرتے ہیں۔ تو جب آپ کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد نے، اس بی بی کا شاید آپ کو تعارف نہیں ہے۔ یہ عورتوں میں سے واحد عورت ہے کہ جن کی قبر مبارک جب کھودی گئی تو میرے پاک پیغمبر ﷺ پہلے قبر میں لیٹے تھے اور کہا تھا مولا کہ تُو جانتا ہے کہ یہ میری سگی ماں تو نہیں تھی، میری چچی تھی لیکن اپنے بچوں سے بچا کر خوراک میرے لیے رکھتی تھی۔ میں تھکا ہارا باہر سے آتا تھا تو میرے سکھ اور چین کا سارا انتظام کرتی تھی۔ تو وہ دعائیں کبھی آپ سنیں تو وہ بڑے کمال کے جملے ہیں جو نبی پاک ﷺ نے قبر میں لیٹ کر کہے۔ میں اُس بی بی کی بات کر رہا ہوں۔ تو انہوں نے جب پاک پیغمبر ﷺ کے ہاتھوں میں سرکار مولا علی کو رکھا تو کہا یا محمد ﷺ، بچہ آنکھیں نہیں کھول رہا۔ تو ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ماں نے کہا کہ بچہ آنکھیں نہیں کھول رہا تو سرکار مولا علی کی زبان سے یہ آیت جاری ہوئی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اس کا

[1] سورۃ الاعلیٰ:14

ذرا sequence دیکھیں۔ ماں کہہ رہی ہے یا محمد ﷺ، بچہ آنکھیں نہیں کھول رہا اور بچہ کہہ رہا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اماں جو محمد ﷺ کے دامن میں آجائے وہی تو فلاح پا گیا۔ اسی لیے میں نے کہا تھا یہ محفل بے ادبوں کیلئے نہیں ہے۔ یہ جملہ سن کر بھی جس کے منہ سے سبحان اللہ نہ نکلے، اس سے بڑا بے ادب اور کون ہو سکتا ہے۔ بے عرفان کیا ہو سکتا ہے؟ اماں ایک تو محمد ﷺ کے ہاتھوں میں دے رہی ہے، بھلا ان ہاتھوں میں جو آجائے وہ بھی ناکام رہتا ہے؟ سبحان اللہ۔ فلاح پا گئے جو پیغمبر کے دامن میں آگئے۔

ایک جگہ بڑے بڑے علماء گفتگو کر رہے تھے اور سرکار مولائے کائنات، ظاہر ہے جب ان کے علم پہ بات ہوتی ہے تو بڑے بڑے لوگوں کے سر نگوں ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک بزرگ انڈیا سے آئے تھے، انہوں نے ایک جملہ کہا۔ انہوں نے کہا کہ یہاں بڑے خطاب ہوئے اور لوگوں نے کہا کہ علی کے علم کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ بلکہ علی شریعتی نے بھی یہ جو عراق کے ہیں، انہوں نے کہا تھا کہ علی کی تو خاموشی بیان نہیں ہو سکی، اس کے کلام کو کوئی کیا بیان کرے گا؟ اوہ بھائی! جس ہستی کی خاموشی بیان نہیں ہو سکتی، اس کے کلام کو کوئی کیا بیان کرے گا؟ تو بڑی بڑی باتیں ہوئیں۔ تمام اہل علم نے اپنی اپنی باتیں کیں لیکن وہ جو لکھنؤ سے تشریف لائے ہوئے تھے بزرگ، انہوں نے ایک جملہ کہا۔ انہوں نے کہا ساری کائنات کے علم والے مل کے علی کے علم کو بیان نہیں کر سکتے لیکن جس دامن میں علی سمٹ جائے اسے محمد ﷺ کہتے ہیں۔ اماں محمد کے ہاتھوں میں دیکر کہنا کہ بیٹا دیکھتا نہیں ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ وہ مومن کون جو حضور کے دامن میں آجائے۔

اس کو اگر ہم گرامر میں دیکھیں تو فعل لازم اور فعل متعدی، پتہ نہیں اساتذہ کرام آج کل یہ پڑھاتے ہیں کہ نہیں۔ یہ جو اَفْلَحَ ہے ناں۔ یہ جو فعل لازم اور متعدی کی بحث ہوتی ہے تو اس میں اس کی تفسیر یہ بیان کی جاتی ہے۔ اَفْلَحَ کا یہ معنٰی نہیں ہے کہ وہ کامیاب ہو گیا۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو کر خود بھی کامیاب ہوا اور لوگوں کو بھی کامیاب کر دیا۔ تو مومن ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی کامیابی کا نہ سوچے، دوسروں کی کامیابی کا بھی سوچے۔ بھائی یہی حضرت صاحب قبلہ کا آپ سے تعلق ہے ناں، انہوں نے کوشش کی کہ میرا سارا علاقہ

کامیاب ہو جائے۔ ترقی والا کہتا ہے کہ صرف میں کامیاب ہو جاؤں۔ اور کوئی کامیاب دیکھے تو اسے حسد شروع کر دیتا ہے۔ لیکن فلاح والا کہتا ہے کہ میں اگر کامیاب ہوا ہوں تو دوسرے بھی کامیاب ہو جائیں۔ مجھے اللہ رسول کا قرب ملا ہے تو دوسروں کو بھی مل جائے۔ آگے یہ پانچ آیات کا ملتا ہے کہ یہ پانچوں آیات تلاوت کی سرکار مولا علی نے۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ صرف نماز کی بات نہیں کی۔ نماز کی کیفیت کی بھی بات کی۔ جو نبی کے دامن میں آگیا اب وہ صرف نماز نہیں پڑھتا۔ اب وہ محبت میں نماز پڑھتا ہے۔ خشیت اور خوف الٰہی میں نماز پڑھتا ہے۔ صرف یہ نہیں کہا کہ وہ نمازی ہے۔ نماز کی کیفیت بیان کی۔ اس لیے لوگ مرنے کو تو کامیابی نہیں سمجھتے۔ کوئی ہے ایسا انسان جو مرنے کو کامیابی سمجھتا ہے۔ یہ علی کی شان ہے ناں کہ اُدھر تلوار سر پر پڑی اور کہا فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَہ۔ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ یہ نماز کی کیفیت کی بات کر رہا ہوں۔ بس حضرت صاحب قبلہ کا ایک جملہ آپ کو بیان کرنا ہے۔ بزرگان دین نے اس کو بیان کیا ہے، بس سینہ بہ سینہ یہ بات چلتی آرہی ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے ناں خیالوں والی نماز، ادھر اُدھر توجہ۔ خشیت اور خوف اور عشق و محبت والی نہیں پڑھی جاتی۔ تو بزرگ کہا کرتے تھے کہ دادا مرشد فرماتے تھے کہ جب تو وضو کر کے اسکی بارگاہ میں کھڑا ہو جاتا ہے تو اللہ کی بارگاہ میں شکر ادا کر کہ اس نے تجھے توفیق دی کہ تُو اس کی بارگاہ میں کھڑا ہوا۔ بس ایک جملہ ذہن میں رکھنا کہ خیالوں والی بھی پڑھتا رہے گا اور کہتے رہنا کہ تیری توفیق سے پڑھی ہے اور کبھی محبت والا سجدہ نصیب ہو جائے تو پھر ضرور کہنا ہے کہ یہ تُو نے پڑھوائی ہے۔ یہ میں نے نہیں پڑھی۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ بے ہودہ، بے فائدہ، بے مقصد باتوں سے دور رہتے ہیں۔ ایک کام کرنے والا ہے اور ایک کام چھوڑنے والا ہے۔ کون مومن فلاح پاتے ہیں؟ نماز محبت الٰہی میں پڑھتے ہیں۔ خشیت میں پڑھتے ہیں۔ عشق میں پڑھتے ہیں اور بے مقصد باتوں سے دور رہتے ہیں۔ جس بات سے واسطہ ہی نہیں ہے اس کے پیچھے نہیں پڑتے۔ ہمارے اندر جو کثافتیں پیدا ہوتی ہیں ناں، جو زیادہ گناہ پیدا ہوتے ہیں، یہ بندہ کدھر سے آیا، کدھر چلا، یہ گاڑی کیسے خریدی اس نے، یہ مکان کیسے بنایا؟ قرآن کہتا ہے کہ وہ مومن ہوتا ہی نہیں جو بے مقصد

باتوں میں وقت ضائع کرتا ہو۔ وہ فلاح پا ہی نہیں سکتا۔ اپنی زندگی کو ضائع نہ کرو بے مقصد باتوں میں۔ میں نے آج خطبہ جمعہ میں بھی یہی بات کی تھی ناں کہ طہارت اور نجاست اکٹھے رہ نہیں سکتے۔ یہ نہیں ہے کہ میرے کپڑے پہ کوئی پاخانہ اور پیشاب بھی لگا ہوا اور یہ کپڑا پاک بھی ہے۔ نہیں۔ یا یہ پلید ہے اور یا پاک ہے۔ سچ اور جھوٹ اکٹھے رہ نہیں سکتے۔ حق اور باطل اکٹھے رہ نہیں سکتے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نماز بھی پڑھتا ہے اور لغو باتیں بھی کرتا ہے۔ اگر اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے تو پھر بے ہودہ باتیں نہیں کرتا۔ پھر جھوٹ نہیں بولتا۔ کسی پہ الزام نہیں لگاتا۔ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ۔اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا[1]۔ قرآن کہتا ہے کہ ایمان والا نہ کسی کی بدگمانی کرتا ہے اور نہ کسی کی جاسوسی کرتا ہے۔ یہ سورۃ حجرات ہے۔ اچھا کچھ کام کرنے والے ہوتے ہیں، کہنے والے نہیں ہوتے۔ مثلاً میرے کپڑوں کو گوبر لگ گیا تو کیا میں اعلان کرتا پھروں کہ حضرات میرے کپڑوں کو گوبر لگ گیا۔ اوہ بھائی! یہ بیان کرنے والا کام نہیں یہ کرنے والا کام ہے۔ نجاست دور کر لے۔ اگر تجھے مرشد کا حکم یاد نہیں ہے تو اس کو یاد کر کے اس پہ عمل کر لے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نجاست اور طہارت اکٹھے رہیں۔ حق اور باطل اکٹھے رہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ قرآن کہہ رہا ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ خود بھی فلاح پاتے ہیں اور دوسروں کی فلاح کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے لوگوں کو کہتے ہیں کہ نماز محبت سے پڑھو اور بے فائدہ باتوں سے دور رہو۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔ جب یہ زکوٰۃ کی آیت آتی ہے ناں تو آپ کے ذہن میں فوری یہ اڑھائی فیصد والی زکوٰۃ آجاتی ہے کہ 100 روپے میں سے اڑھائی روپے زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کی کم از کم گیارہ بارہ قسمیں ہیں۔ اچھا زکوٰۃ کا معنیٰ بھی نشوونما ہے۔ گروتھ ہے۔ ایک اس کا معنیٰ تذکیہ اور ایک معنیٰ گروتھ ہے۔ یہ مال کی زکوٰۃ ہے اڑھائی فیصد۔ اگر آپ نے عشر دینا ہے تو وہ نہری اور بارانی کا 10٪، بیسواں حصہ۔ لیکن کچھ زکوٰۃ ہیں جن کا آپ کو پتہ نہیں۔ آپ کی ایک مسکراہٹ جو تیرے ماں باپ کو خوش کر دے، وہ بھی زکوٰۃ ہے۔ اور کبھی اپنے روپے کی بھی زکوٰۃ دیا کرو۔

[1] سورۃ الحجرات:12

میں نے جب پہلی دفعہ یہ روایت پڑھی تھی ناں کہ تکلیف میں بھی ہوں، چوٹ لگی ہے، بخار ہے، انتہائی تکلیف ہے لیکن اسی اثناء میں تیرا باپ تیرے سامنے آجائے تو اس کے سامنے ہائے نہ کرنا۔ اس کو اپنی درد کی بات نہ بتانا۔ دیکھئے آپ گاڑی لیکر سڑک پہ نکلتے ہیں، یہ دنیا کی حکومتیں جگہ جگہ آپ سے ٹیکس لیتی ہیں کہ ہم نے یہ سڑکیں بنائی ہیں۔ ٹول پلازے بنے ہوئے ہیں اور جس خالق نے یہ زمین بنائی ہے۔ یہ تو پتہ نہیں کہ حکومت کرنے کے حق دار بھی ہیں کہ نہیں؟ جس حاکم اعلیٰ نے اس زمین کو بنایا ہے، اس نے بھی ایک ٹیکس رکھا ہے۔ معمولی سا ٹیکس رکھا ہے۔ پتہ کیا ہے؟ جب تم چل رہے ہوتے ہو ناں تو کوئی ایسی چیز دیکھو جو دوسرے انسانوں کو تکلیف دے رہی ہو تو اس کو ہٹا دینا۔ اس خالقِ کائنات نے تمہارے چلنے کی یہ زکوٰۃ رکھی ہے۔ شاید آپ کو اس بات کی سمجھ نہیں آئی۔ دو چیزیں ہیں۔ یا تو اللہ فرماتا کہ راستے پہ کانٹے نہیں بچھانے، راستہ گندہ نہیں کرنا۔ راستے پر پتھر نہیں پھینکنے۔ اللہ یہ نہیں کہہ رہا کہ راستے خراب نہ کرو۔ اللہ فرما رہا ہے کہ جنہوں نے خراب کیے ہیں تم صاف کر دو۔ یعنی مومن خود تو راستہ خراب نہیں کرتا بلکہ جنہوں نے خراب کیا ہے وہ بھی صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر وہ چیز جو انسانوں کو نقصان پہنچاتی ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْن۔ ایمان والے تو وہ رکاوٹیں آنے ہی نہیں دیتے۔ ایمان والے جو ہوتے ہیں، جو چیز بھی نقصان پہنچاتی ہے کسی دوسرے انسان کو وہ راستے سے ہٹاتے ہیں، وہ راستے میں کانٹے بچھاتے نہیں، وہ راستے تنگ نہیں کرتے۔ نماز کے بعد جو افضل عمل ہے۔ وہ پتہ کیا ہے؟ کسی مومن کے دل کو خوش کر دینا۔ قرآن بھی کہتا ہے قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى[1]۔ تیرا ایک میٹھا بول جو کسی کا دل خوش کر دے۔ یہ تمہاری گفتگو کی زکوٰۃ ہے۔

آپ نے یہ محفل کو عرس کا نام دیا ہے۔ عرس عربی زبان میں شادی کو کہتے ہیں۔ اور یہ پتہ ہے کہاں سے لیا گیا۔ یہ بھی نبی پاک ﷺ کی حدیث سے لیا گیا ہے کہ جب فرشتے سوال جواب کرتے ہیں تو بندہ مومن کامیاب

[1] سورۃ البقرۃ:263

ہو جاتا ہے تو فرشتے پھر کہتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ[1]۔ ہاں یہ روایت کے الفاظ ہیں۔ ایسے سو جا جیسے دلہن سوتی ہے۔ اسی عروس سے یہ لفظ عرس نکلا ہے۔ بھائی یہ بڑی عجیب بات ہے ناں کہ بندہ تو فوت ہوا ہے اور ہم اس کو عرس کہہ رہے ہیں۔ بھائی حضرت صاحب کی یاد منا رہے ہیں کہ ان کا وصال ہوا ہے۔ ہم اس کو عرس کہتے ہیں۔ بھائی فرشتے بھی اللہ کا یہی حکم سناتے ہیں۔ وہ بھی شادی کی بات کرتے ہیں۔ اگر آپ کو یہ عرس کا معنیٰ سمجھ آجائے۔ اوہ بھائی! ہم تو برسی پہ بھی عرس مناتے ہیں، خوشیاں کرتے ہیں اور خوشیاں تقسیم کرتے ہیں۔ عرس کا بھی معنیٰ یہی ہے کہ حضرت صاحب نے ساری زندگی لوگوں میں خوشیاں تقسیم کی ہیں اور وصال کے بعد بھی لوگوں میں خوشیاں ہی تقسیم کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ منہ سوجھے ہوئے، نفرتیں ہیں، جو بندہ پاس بیٹھتا ہے وہ بھی وحشت میں چلا جاتا ہے، اُنسیت آتی نہیں ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْن ایمان والا خود بھی خوش رہتا ہے اور خوشیاں تقسیم بھی کرتا ہے۔

سرکار امام زین العابدین، آپ کا نام تو علی ہے۔ علی بن حسین۔ زین العابدین، جتنے بھی عبادت گزار ہیں، انکی زینت۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی بندہ آکر کہتا ناں کہ امام آپ کا فلاں عقیدت مند جو تھا، پہلے وہ پیدل چلتا تھا، اب اس کو گھوڑا مل گیا۔ امام مدینے میں بیٹھے ہیں۔ مرید بصرہ اور کوفہ میں ہے، کسی نے آکر خبر دی۔ وہ آپ کے غلام پیدل سے سواری پہ آگئے تو امام مدینے میں دو شکرانے کے نفل نیت کر لیتے ہیں۔ یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے فلاں بندے کو سواری عطا کر دی۔ نعمتیں کسی کو ملتی تھی، شکرانے کے نفل آپ پڑھتے رہے۔ حسد کرنے والوں کو کیا پتہ ہو کہ مومن کیا ہوتا ہے؟ مومن اپنی بھی فلاح چاہتا ہے اور دوسروں کی بھی فلاح چاہتا ہے۔ مومن خود غرض نہیں ہوتا۔ وہ پاک پیغمبر ﷺ کے دامن سے وابستہ ہوتا ہے۔

یہ تربیت تو بہت بچپن میں انہوں نے میری فرما دی تھی۔ بہت بچپن میں اور یہ بات ازبر مجھے کروا دی تھی۔ دو باتیں ساری زندگی، اتنی repeat کیں، آپ کو تو غصہ آجاتا ہے ناں کہ ابّے نے کل بھی یہی بات سنائی تھی،

[1] سنن ترمذی:1071

اوہ مجھے پتہ ہے کہ کیا بات سنانی ہے۔ ہیں؟ یہ بھی گستاخی ہے، جہالت ہے۔ تو ایک سو ایک مرتبہ بھی سنانے لگے تو اس توجہ سے سننا کہ میں پہلی مرتبہ ہی سن رہا ہوں۔ یہ نہیں کہنا کہ ہر روز اباجی ایک ہی بات کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو کیا پتہ کہ مومن کیا ہوتا ہے؟ یہ بات بار بار سناتے تھے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ دریا کے کنارے بیٹھے وضو فرما رہے تھے تو ایک بچھو آرہا تھا بہہ کر۔ تو مومن تو وہ ہوتا ہے جو اپنی بھی فلاح چاہے اور دوسروں کو بھی فلاح چاہے۔ تو اللہ کے ولی نے اس بچھو کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکالنے لگے کہ یہ پانی میں بہہ جائے گا۔ جب ہاتھ میں اٹھایا تو اس نے ڈس لیا۔ یہ ابھی میں پرائمری میں پڑھتا تھا جب اباجی مجھے یہ بات سنایا کرتے تھے۔ اور آخر وقت تک یہ بات سناتے رہے۔ تو جب اس نے ڈسا تو آپ نے ہاتھ جھٹکا تو پھر وہ پانی میں گر گیا۔ پھر اس کو پکڑا، اس نے پھر ڈنگ مارا۔ حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے بیٹا ساتھ جو غلام تھا، جو خادم تھا اس نے کہا، حضور چھوڑیں اس کو بدبخت ہے، آپ اس کو بچانا چاہتے ہیں، یہ آپ کو ڈنگ مارتا ہے۔ حضرت صاحب قبلہ یہ بات سناتے ہوئے ایک خاص کیفیت میں آجاتے اور فرماتے بیٹا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اپنے غلام سے کہ اس کو ایک بری عادت ہے ڈنگ مارنے کی۔ میں اس کی جان بچانا چاہتا ہوں لیکن یہ اپنی بری عادت نہیں چھوڑتا، تو میں اپنی اچھی عادت کیوں چھوڑوں۔ یہ بری نہیں چھوڑتا تو میں اپنی اچھی کیوں چھوڑوں؟ قرآن میں تو میں نے بہت بعد میں پڑھا اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَن[1]۔ میرے اللہ نے فرمایا برائیوں کا مقابلہ نیکیوں سے کیا کرو۔ اب سمجھ آتی ہے کہ وہ کہانیوں میں بھی قرآن ہی ہمیں سمجھاتے تھے۔ اس لیے نماز کے بعد سب سے اہم کام کسی انسان کا دل خوش کرنا ہے۔ تو آپ نے اپنی وجاہت کی اپنے کلام کی زکوٰۃ ادا کر دی۔ اگر اللہ نے تمہیں معاشرے میں کوئی عزت دی ہے۔ سرکار امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول، اگر اللہ نے تجھے کوئی عزت دی ہے، کوئی مقام دیا ہے تو کسی غریب کی سفارش کر دیا کر۔ وہ جو اللہ نے تجھے عزت عطا کی ہے یہ اس کی زکوٰۃ ہے۔ کسی غریب کی سفارش کرنا کہ اس کا کام ہو جائے

[1] سورۃ حم سجدہ:34

اس کو قرآن کی اصطلاح میں شفاعت کہتے ہیں۔مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَاۚ وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَاؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا[1] ۔ہم بھی کہتے ہیں ناں کہ نبی پاک کی شفاعت ملے گی۔

ایک تو یہ فرماتے تھے کہ بیٹا کبھی بھی برائی کا جواب برائی سے نہیں دینا۔بھائی افلح کا معنیٰ بتایا ناں کہ مومن ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی بھی فلاح چاہے اور دوسروں کی بھی۔اور دوسری بات وہ فرماتے تھے۔یہ بھی بات انہوں نے بڑی دفعہ فرمائی۔شاید آپ میں سے بھی جو قریب بیٹھنے والے، اعظم صاحب کو تو بہت پتہ ہوگا۔ہاں یہ اکثر وہ فرماتے تھے کہ جب تم نیکی کے، اللہ کے راستے پر چلتے ہو تو شیطانی طاقتیں تمہیں غصہ دلانے کی کوشش کرتی ہیں کہ تم اصل راستے سے ہٹ جاؤ۔اس کے لیے وہ جو مثال دیتے تھے وہ ہلاکو خاں کے پوتے کی۔کچھ نے چنگیز خان کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے، تاریخ نے اس کو بعد میں یہی کہا ہے کہ وہ ہلاکو کا پوتا تھا کہ وہ جنگل سے جارہا تھا۔وہاں سے ایک درویش بھی جارہا تھا کہ اس کے ذہن میں شیطانی خیال آیا کہ میں غصہ دلاؤں اس کو، بے عزت کروں اس کو۔کہنے لگا اے درویش یہ بتا کہ یہ تیری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی پونچھ اچھی ہے؟ کتنا جذباتی کرنے والا جملہ۔مشتعل کرنے والا جملہ ہے۔حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے بیٹا اگر دین کا کام کرنا ہے تو پھر ایسے مواقع بھی آجائیں گے۔شیطانی طاقتیں چاہیں گی کہ تم مشتعل ہو کر اپنے راستے سے ہٹ جاؤ۔اب اس نے یہ سوچا تھا کہ میں نے جو بات کہہ دی ہے ناں یہ تو جذبات میں آجائے گا۔میرے سپاہی ساتھ کھڑے ہیں، یہ مجھ سے لڑے گا تو میں اسے مروادوں گا۔حضرت صاحب قبلہ فرمانے لگے بیٹا درویش نے کہا کہ اگر تو قیامت والے دن میرے مالک نے مجھے بخش دیا۔اگر یہ میری زندگی بامقصد گزر گئی اور مالک نے مجھے بخش دیا پھر تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں۔اور اگر میرے مالک نے کہہ دیا کہ تو ناکام ہوگیا۔میرا مالک مجھ سے راضی نہ ہوا اور قیامت والے دن مجھے جہنم میں پھینک دیا تو پھر تیرے کتے کی دم ہی اچھی ہے۔پھر میری داڑھی اچھی نہیں ہے۔داڑھی تو

[1] سورۃ النساء:85

تب اچھی ہے ناں اگر میرے رسول کو قبول ہو جائے۔ میرا اللہ اس داڑھی کو قبول فرمالے۔ یعنی اتنے غصہ کی حالت میں بھی بات مالک کی ہی کرنی ہے۔ کوئی جی چاہے تمہیں جتنا مرضی مشتعل کرے بات تونے اپنے مالک کی ہی کرنی ہے۔ تونے اپنے ٹریک سے نہیں ہٹنا۔ تونے ادھر ادھر نہیں دیکھنا۔ گھر جاکر اپنے چچا سے کہنے لگا کہ درویش کی بات مجھے کھا گئی۔ کچھ لوگوں نے تاریخ میں اس کا نام بندو خاں لکھا ہوا ہے۔ چچانے کہا یہ تو مسلمانوں سے متاثر ہو گیا۔ چچا نے کہا دنیا کی بادشاہی طاقت کے بلبوتے پر ہوتی ہے یہ باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ تو میری درویش سے کُشتی رکھوا دو، اگر وہ جیتا تو اس کی بات مان لینا۔ اور اگر میں جیتا تو ہمارے دین پر ہی رہ، مسلمان کے دین پہ چلنے کی کیا ضرورت ہے؟ کُشتی کا پیغام درویش کو پہنچ گیا۔ درویش بچارا کُشتیاں تو نہیں لڑتا تھا لیکن دین کی خاطر آفر قبول کرلی۔ ہوا کیا کہ جس دن کُشتی تھی درویش فوت ہو گیا۔ اللہ کے بھی فیصلے بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ لیکن فوت ہونے سے پہلے اپنے بیٹے سے کہہ گیا کہ نبی کے دین کا معاملہ ہے مجھے بعد میں دفنانا، پہلے کُشتی کر کے آؤ۔ میری تجہیز و تکفین بعد میں کرنا۔ میرے نبی کے دین کا معاملہ ہے پہلے جا اس سے کُشتی کر کے آ۔ یہ یقین کہ جب مالک کیلئے نکلے ہیں تو پھر ناکام نہیں ہوں گے۔ بھائی ہم کونسا اپنے لیے نکلے ہیں۔ بیٹا چلا گیا، کُشتی ہوئی، بیٹے کو کامیابی مل گئی اور ہلاکو خان کا پوتا مسلمان ہو گیا۔ علامہ اقبال نے فرمایا، پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔ یہ اس موقع پر اقبال نے فرمایا تھا۔

تو دو باتیں یاد رکھنی ہیں، جب آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن میں آگئے ہیں تو لغو باتیں نہیں کرنی اور نماز محبت سے پڑھنی ہے، خشیت الٰہی سے پڑھنی ہے۔ یہ کہنے ہی کی بات نہیں، تم تو علاقے والے ہو، تم نے تو دیکھا بھی ہے۔ جب چلنا ہوتا تھا تو حسیب صاحب کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر چلتے تھے لیکن اگر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوتا تھا تو بے آسرا کھڑے ہوتے تھے۔ ویسے چل نہیں سکتے تھے لیکن اس کی بارگاہ میں اس کے آسرے سے ہی کھڑے ہوتے تھے۔ ان کا مرید ہو اور وہ کہے کہ میرا نماز میں جی نہیں لگتا؟ تو پرہیز کرنا ہے لغو باتوں سے، بے فائدہ باتوں سے اور اگر کبھی تکلیف دے بھی تو تکلیف کا جواب اچھائی سے دینا ہے۔ یہ قرآن کا بھی حکم ہے اور حضرت صاحب کا بھی حکم ہے کہ بچھو اپنی بری عادت نہیں چھوڑتا تو آپ اپنی اچھی عادت نہ چھوڑیں۔ کسی کی عادتوں

کو دیکھ کر تم اپنی اچھی عادتوں کو چھوڑ دوگے ؟ سرکار امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جملہ جو انہوں نے سرکار امام زین العابدین کے متعلق ارشاد فرمایا، ایک بد بخت بنو امیہ کا بازار میں مل گیا اور اس نے بد تمیزی کی، برا بھلا کہا۔ امام خاموشی سے گھر آ گئے۔ بس رات کو سویا نہ گیا۔ پریشان رہا کہ میں نے برا بھلا کہا ہے، جھوٹا کہا ہے۔ صبح ابھی لوگ نماز سے فارغ ہی ہو رہے تھے تو آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ امام باہر تشریف لائے۔ ویسے بھی روتے رہتے تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد کسی نے مسکراتے تو دیکھا نہیں ان کو۔ تو روتے ہوئے باہر آئے۔ کہتا حضور معافی دے دیں۔ فرمایا کس بات کی۔ میں نے کل بازار میں آپ کو جھوٹا کہا تھا۔ آپ کو تکلیف دی تھی۔ تو سویا نہیں ہوں میں ساری رات۔ مجھے معاف کر دیں۔ جو دروازے پہ آجائے ناں، میری سرکار نے بھی فرمایا تھا کہ بیٹا جو آجائے اس کے لیے دروازے کھلے رکھنا۔ میں کبھی اس جملے پہ غور کرتا ہوں ناں تو سرکار کی ساری سیرت سمجھ میں آجاتی ہے۔ جو آجائے اس کے لیے دروازے کھلے رکھنے ہیں اور جس کو میرے حکم کی حیاء نہیں اس کے پیچھے جانے کی ضرورت نہیں۔ جو شیخ کو ہی چھوڑ جائے وہ تجھے چھوڑ جائے گا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ تو امام نے کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا۔ اس نے کہا حضور میں نے آپ کو کل بازار میں جھوٹا کہا تھا۔ تکلیف دی تھی آپ کو۔ مجھے معاف کر دیں۔ فرمایا تو نے مجھے جھوٹا کہا تھا۔ ہاں جھوٹا کہا تھا۔ فرمایا اگر تو نے سچ کہا تھا تو اللہ مجھے معاف کر دے۔ ایمان والا ہونا کوئی مذاق ہے؟ قد افلح المؤمنون۔ فرمایا اگر تو نے سچ کہا تھا تو اللہ مجھے معاف کرے اور اگر تو نے جھوٹ کہا تھا تو اللہ تجھے معاف کرے۔ تو مومن اپنی بھی فلاح چاہتا ہے اور باقی سب کی بھی۔ کتنے لوگ ہیں جنہیں پتہ ہے کہ حضرت صاحب تہجد کے وقت جب دعا کرتے تو جتنے گاؤں سے آپ آئیں ہیں سب کے لیے مغفرت کی دعا کرتے۔ سب بیماروں کیلئے دعا کرتے۔ سب کی خیر چاہتے۔ اس لیے کہ قرآن کہتا ہے کہ مومن ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی بھی فلاح چاہتا ہے اور دوسروں کی بھی فلاح چاہتا ہے۔

جسم اور روح کا ارتقاء اور زوال

قرآن:- وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ(28) فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ(29) سورة الحجر

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جو مٹی بدبودار سیاہ گارے کی ہے۔ تو جب میں اسے ٹھیک کرلوں اور میں اپنی طرف کی خاص معزز روح اس میں پھونک دوں تو اس کے لیے سجدے میں گر جانا۔

خاکہ:-

1. پہلے جتنے بھی ایمان والے ہیں، مولا ان کی مغفرت فرما۔
2. آیات کا ترجمہ
3. جسم میں جب بھی کوئی کمی آئے گی تو وہ کمی اسی زمین سے پوری کی جائے گی۔
4. روح آسمانوں سے آئی ہے، تو اس کمی کو پورا کرنے کیلئے اللہ نے اپنے محبوب کو بھیجا ہے۔
5. وما ارسلنک الا رحمت اللعالمین کی شرح
6. تعظیم روح کی کروائی، جسم کی نہیں۔
7. جسم اور روح کا ارتقاء مختلف ہے۔
8. جسم اور روح کی بیماریوں میں فرق
9. بدگمانی روح کی بیماری ہے۔
10. ہر لمحے تمہارا ایمان بدلتا رہتا ہے۔
11. اگر روحانی بیماری پیچھے موجود ہوناں تو آپ کی نیکیوں کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔
12. جب برائی کا موقع ملے تو پھر بچتا ہے کہ نہیں بچتا؟
13. اگر روح گندی ہو گئی تو اس کا جلوہ اس دل میں نظر نہیں آئے گا۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء کے بعد اور پاک پیغمبر ﷺ پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام صاحبزادہ محمد حسیب صاحب، حضرت صوفی محمد اقبال صاحب، صوفی نبی احمد صاحب، اس مسجد کے امام اور خطیب جناب سکندر صاحب، دیگر معزز سامعین! اسلام علیکم

یہ عبادت جو ذکر کی صورت میں ہم کرتے ہیں، اس کا ثواب بھائی امجد صاحب کے والد محترم کا سالانہ ختم شریف بھی یہی ہوتا ہے اور حضرت صاحب قبلہ کے ایصال ثواب کیلئے۔ چونکہ جولائی میں ہی امجد صاحب کے والد محترم اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس عبادت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین۔ جہاں بھی دعا کیلئے جائیں، ایک تو آپ نے مغفرت کی دعا کہ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ایک اللہ ان پہ اپنی رحمت کا نزول فرمائے۔ یہ ہمارے ہاں بڑی بدبختی ہے، جہالت ہے، میں نے حضرت صاحب کے دسویں یا چالیسویں پہ یہ بات کہی تھی کہ قرآن کریم کے ساتھ، یا دین کیساتھ وابستگی نہیں ہوتی تو کوئی لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے حضرت صاحب کو تو مغفرت کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ جاہلانہ جملہ ہے۔ صحابی کیلئے بھی آپ نے مغفرت کی دعا کرنی ہے۔ یہ جو مغفرت ہے، یہ سب سے بڑا اعزاز ہے۔ قرآن کریم نے تو اس کو بہت پیچھے تک، آدم علیہ السلام تک رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ[1] کہ پہلے جتنے بھی ایمان والے ہیں، مولا ان کی مغفرت فرما۔ تو اپنے شیخ کیلئے بھی مغفرت کی دعا کرنی ہے، اپنے آباؤ اجداد کیلئے بھی کرنی ہے۔ پھر دیکھئے ناں اگر آپ کے والد وقت کے غوث بھی کیوں نہ ہوں، وقت کے قطب کیوں ناں ہوں، نماز میں تو آپ نے یہی کہنا ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ۔ تو یہ جہالت ذہن سے نکال دیں۔ آپ کسی ولی کی بھی قبر پہ جائیں تو یہ دو دعائیں آپ نے ضرور کرنی ہیں، مولا انکی مغفرت بھی فرما اور ان پہ اپنی رحمت کا نزول بھی فرما۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ۔ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ[2]۔ تو یہ

---

[1] سورۃ الحشر:10

[2] سورۃ البقرۃ:157

قرآن کا اسلوب ہے۔ تو یہ ذکر ہم عبادت کیلئے کرتے ہیں۔ یہ ایسے ہی نہیں ہے کہ بس محفل میں آئے بلکہ یہ عبادت ہے اور اس عبادت کا جو ہمیں اللہ ثواب دے گا وہ ہم اپنی مرحومین کی ارواح کو پیش کریں گے۔

میں نے چودھویں پارے سے دو آیات تلاوت کی ہیں۔ ایک تو یہ سورۃ بقرہ میں اللہ نے ملائکہ سے کہا تھا کہ میں زمین پہ خلیفہ بنانے لگا ہوں۔ تو یہاں بھی آیت شروع یہاں سے ہوئی ہے۔ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ اور اگلی آیت تھی فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے دو مرحلے بیان فرمائیں ہیں۔ ایک تو پہلے فرمایا میں اس بشر کو کھنکھناتی مٹی، صلصال کہتے ہیں کھنکھناتی ہوئی مٹی کو۔ تو یہ جو ظاہری جسم ہے میرا، یہ مٹی کیساتھ بنایا گیا ہے۔ اور اس کے بعد ہے فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ جب میں اس کو برابر کر دوں۔ مساوی کر دوں۔ اس کی کانٹ چھانٹ کر کے خوبصورت بنا دوں۔ اب بھی نہیں سجدہ، اب بھی تعظیم کیلئے نہیں جھکنا۔ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اور پھر میں اپنی روح اس میں داخل کر دوں۔ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ تو پھر تم نے اس کے سامنے سجدے میں گر جانا ہے۔

دیکھئے یہ میرا جسم بنا ہے اس مٹی سے اور یہ بڑی ایک عجیب بات آج کی میڈیکل سائنس نے بتائی ہے کہ اس زمین کے اندر جتنے بھی اجزاء ہیں، ذرات ہی، سونے کی صورت میں، آئرن کی صورت میں، پارہ کی صورت میں، وہ تمام کے تمام پارٹیکلز انسان کے اندر موجود ہیں۔ یہ ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ[1]۔ تو سارے زمین کے جتنے بھی ذرات تھے، وہ تھوڑے تھوڑے لیکر میرا یہ جسم بنا دیا گیا۔ اب اس جسم کا جو ارتقاء ہے وہ پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں جو مراحل ہیں وہ قرآن کریم نے علیحدہ بتائے کہ چالیس دن نطفہ موجود رہتا، پھر چالیس دن کے بعد خون کی صورت اختیار کرتا ہے، پھر اس کے بعد وہ گوشت میں تبدیل ہوتا ہے۔ تو یہ چالیس جو عدد ہے، اس کا قرآن کریم نے ذکر کیا، درجہ بدرجہ تبدیلی آتی ہے۔ اب اس جسم میں جس بھی ذرے کی کمی واقع

---

[1] سورۃ التین:4

ہوتی ہے، مثلاً میرے جسم میں آئرن کی کمی واقع ہوگئی ہے تو آئرن آسمانوں سے نہیں آئے گی۔ وہ اسی زمین سے لیکر میرے جسم میں داخل کردی جائے گی۔ اگر وٹامنز کی کمی ہے تو اسی زمین سے لیکر وٹامنز میرے جسم میں داخل کردیے جائیں گے۔ تو جسم جب بیمار ہوگا۔ جسم میں جب بھی کوئی کمی آئے گی تو وہ کمی اسی زمین سے پوری کی جائے گی۔

لیکن اگر کمی روح میں آئے گی تو روح چونکہ اس زمین سے نہیں آئی، روح آسمانوں سے آئی ہے، تو اس کمی کو پورا کرنے کیلئے اللہ نے اپنے محبوب کو بھیجا ہے۔ روحانی خوراک کیلئے قرآن اللہ نے وہاں سے بھیجا ہے۔ تو جسم کا علاج کرنیوالے اس زمین سے آتے ہیں اور روح کا علاج کرنیوالے وہاں سے آتے ہیں۔ جسم کی جو بھی کمی ہے وہ حکیم اور ڈاکٹر اس زمین سے پوری کریں گے اور روح میں کمی نبی کے در سے یا جس نے بھی وہ روحانی فیض حاصل کیا ہے، وہ کمی وہاں سے پوری ہوگی۔

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[1]۔ اس کی شرح بھی یہی بیان ہوئی ہے۔ رسول کا معنٰی ہے بھیجا ہوا۔ اور اللہ فرمارہا ہےوَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ۔ اور ہم نے آپ کو ارسال کیا۔ ارسال کون کرتا ہے؟ بھیجنے والا۔ اللہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ محمد ﷺ رحمت ہیں۔ میرا رسول رحمت ہے۔ نہیں۔ ارسال اصل میں ہوتی ہے جدائی۔ بھائی پہلے خط آپ کے پاس تھا تو آپ نے ارسال کیا۔ تو اللہ یہ فرمارہا ہے کہ یہ جو میں اپنی رحمت ارسال کررہا ہوں ناں اس کا تعلق پہلے میرے ساتھ تھا، یہ پہلے میرے قریب تھا۔ عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت اس لیے بڑی ہے کہ ارسال میں قرب بھی ہوتا ہے اور جدائی بھی ہوتی ہے۔ تو میرا اللہ فرمارہا ہےوَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ ہم نے ارسال کیا ہی نہیں، جدا کیا ہی نہیں ۔اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اس جدائی میں بھی عالمین کو رحمت عطا کی ہے۔ تو جس نبی کی جدائی رحمت ہے اس کا قرب کیا ہوگا؟ اس کے قرب کا کیا عالم ہوگا؟

---

[1] سورۃ الانبیاء:107

تو روح کی خوراک آپ نے اس ذکر سے لینی ہے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایاوَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ میری روح۔ پہلی آیت آپ نے جو سنی، اللہ نے آدم کے خاکے کو، مجسمے کو سجدہ نہیں کروایا۔ یہ جسم لیے تو بڑی دنیا پھر رہی ہے۔ اگر اللہ اس جسم کو تعظیم کروادیتا تو آج ہم ہندوؤں کو کیا کہتے؟ مشرکین کو کیا کہتے؟ اللہ نے بھی تو آدم کو سجدہ کروادیا۔ فرمایا اس کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنارہاہوں لیکن جھکنا اس وقت ہے جب میری روح اس میں آجائے۔ تو تعظیم روح کی ہوتی ہے۔ امر خداوندی کی ہوتی ہے۔ اس جسم کی نہیں ہوتی۔

دوسری جو چیز سمجھنے والی ہے وہ یہ ہے کہ جسم کا جو ارتقاء ہے وہ چالیس سال تک ہوتا ہے۔ پھر وہی عدد مکمل چالیس کا آگیا۔ چالیس کے بعد پھر decline شروع ہوجاتا ہے۔ چالیس کے بعد ہمارے بابے کہتے ہیں کہ پھر ماں کے دودھ کا بھی اثر ختم ہوجاتا ہے۔ پھر انسان تنزلی کی طرف آنا شروع ہوجاتا ہے۔ لیکن روح کا یہ معاملہ نہیں ہے کہ روح پہلے جوان ہوگی اور پھر بڑھاپے کی طرف آئے گی۔ نہ اس کا بچپن ہے، نہ اس کا لڑکپن ہے، نہ اسکی جوانی ہے اور نہ بڑھاپا ہے۔ روح کا ارتقاء ہوتا ہے اللہ رسول کے قرب کیساتھ اور جونہی آپ اس قرب سے دور ہوتے ہیں تو روح کی تنزلی شروع ہوجاتی ہے۔ روح بیتاب ہوجاتی ہے، پریشان ہوجاتی ہے، بیمار ہوجاتی ہے۔

اب جسم کی بیماریاں ہیں، بخار ہے، یرقان ہے، کینسر ہے وغیرہ۔ روح کی بیماریاں ہیں شرک، کینہ، حسد، بدعت، تکبر، لالچ۔ یہ روح کی بیماریاں ہیں۔ اب جسم کی بیماریوں کیلئے تو آپ طبیب تلاش کرتے پھر رہے ہیں لیکن روح کی بیماریوں کیلئے فکر ہی کوئی نہیں۔ اور تعظیم تو تھی روح کی۔ اس کمی کو تو کسی روح والے نے ہی دور کرنا تھا۔ تو ہم اس جسم کو روح کی بیماریوں کیساتھ لیے پھر رہے ہیں۔

اچھا کئی دفعہ یہ دھوکہ بھی کھاجاتے ہیں۔ جب ہم اپنے متعلق سوچتے ہیں تو بڑا عجیب سوچتے ہیں۔ اپنے متعلق کیا سوچتے ہیں کہ ہمیں تو اللہ معاف کردے گا۔ بھائی تو نے گناہ نہیں کیے؟ نہیں مجھے تو اللہ بخش دے گا۔ تو دوسرے کو؟ نہیں۔ نہیں۔ اس کو نہیں بخشے گا۔ بھائی تیرے گناہوں کو بخشے گا تو اس کے گناہوں کو نہیں بخشے گا؟ یہ بدگمانی کیسے تو نے کرلی؟ تو ہم اپنے متعلق بڑا عجیب وغریب سوچتے ہیں۔ یہ روحانی بیماری ہے۔ کسی کی کیا بات کرنی

ہے، میں اگر اپنی بات کروں گا تو میں کیا کہوں گا کہ میں درس قرآن دیتا ہوں۔ میں تو ہر وقت دین کا کام کرتا ہوں۔ میری زندگی ہر وقت دین کے مشن کیلئے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی خوبی کے پیچھے کوئی مرض چھپا ہوا ہو۔ کوئی بیماری چھپی ہوئی ہو۔ یہ مرشد کا قرب اس لیے ضروری ہے۔ صراط الذین انعمت علیھم، اسی لیے ضروری ہے۔ میں پچاس سال تقریریں کرتا ہوں، ختموں پہ جاتا ہوں، درس قرآن دیتا ہوں لیکن اگر اس کے پیچھے لالچ ہو کہ مجھے دولت ملے یا شہرت ملے۔ تو وہ جو میرا پچاس سال کا ارتقاء ہے ناں روح کا، وہ ایک لمحے میں سارا برباد ہو جائے گا۔ جب کبھی لالچ سامنے آیا اور میری وہ لالچ کی بیماری سامنے آگئی۔ میں برباد ہو گیا۔

تو روح کا ارتقاء اور تنزلی ایسے نہیں ہوتی۔ جیسے فاروق کہہ رہا تھا کہ بچے نے میٹرک کر لیا اور اس نے A+ لے لیا، اب ساری زندگی اس کا وہ گریڈ تو ہے۔ FSc کر لی اس میں اس نے 1000 نمبر لے لیا، اب وہ پکا ہو گیا۔ بی ایس کر لیا۔ بھائی روح میں ایسا نہیں ہوتا کہ آپ نے ایک منزل طے کر لی۔ نہیں نہیں۔ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا[1]۔ تو روح کیساتھ ایسا نہیں ہوتا کہ آپ نے ایک منزل طے کر لی، ہو سکتا ہے کہ آپ کسی بری صحبت میں بیٹھ گئے اور آپ کی پچیس سال کی عبادتیں ضائع ہو گئیں۔ برباد ہو گیا سب کچھ۔ کبھی آپ نے سوچا ہے کہ پانچ دفعہ مسجد میں آکر ہر رکعت میں یہ کہنا کہ یا اللہ مجھے ہدایت دے اور ان لوگوں کے راستے پہ چلا جن پہ تیرا انعام ہوا ہے اور ان کی صحبت سے بچا جن پہ تیرا غضب ہوا ہے۔ اس لیے کہ ہر لمحے تمہارا ایمان بدلتا رہتا ہے، روح کا ارتقاء بدلتا رہتا ہے۔ بھریا اوس دا جانئے جس دا توڑ چڑھے۔ یہ ذکر کی محفل اس لیے ہوتی ہیں کہ ہماری روحانی بیماریاں ٹھیک ہوں۔ اس قرآن سے، نبی پاک ﷺ کے ذکر سے۔

میں کئی دفعہ سوچتا ہوں کہ میں یہاں آیا، آپ نے باہر نکل کر استقبال کیا، ادب سے یہاں بٹھایا۔ کیا کبھی طائف والی صورتحال میرے سامنے ہو کہ میں دین کیلئے نکلوں اور مجھے پتھر پڑیں تو کیا پھر بھی میں وہاں تقریر کرنے

---

[1] سورۃ الانفال:2

جاؤں گا؟ پھر بھی درس قرآن دینے جاؤں گا؟ ایک بندہ ہے، اس کا ماں باپ فوتیدگی کے قریب ہے، وہ کہتا ہے کہ حافظ صاحب آؤ ذرا میرے ماں باپ کے پاس بیٹھ کر سورۃ یٰسین پڑھو، ان کی قبر پہ پڑھو۔ تو کیا اگر پیسے نہ ملیں تو پھر وہ آئے گا؟ کیا میں دین کا کام اپنے لالچ کیلئے تو نہیں کر تا رہا۔ تو اگر وہ روحانی بیماری پیچھے موجود ہو ناں تو آپ کی نیکیوں کی کوئی وُقعت نہیں رہتی۔ اس لیے یہ جو روحانی بیماریاں میں نے آپ کو بتائی ہیں، ان کا علاج بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کی روح پاکیزہ نہیں تو اس وقت تک آپ کو روحانی ارتقاء نصیب نہیں ہو گا۔ تکبر، کینہ پروری، حسد، بغض، بدگمانی، کفر اور شرک، بدعت، یہ روحانی بیماریاں ہیں۔

ایک بندہ ہے وہ آنکھیں جھکا کر چلتا ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ کسی غیر محرم عورت پہ نظر نہ پڑے۔ حیاء کیساتھ زندگی گزارتا ہے لیکن بیماری پیچھے موجود تھی۔ بے حیائی کی بیماری۔ پچیس، تیس سال کے بعد موقع ملا، وہ پچیس تیس سال ضائع ہو گئے، وہ بے حیائی میں پڑ گیا۔ کیوں؟ کوئی مرشد موجود نہیں تھا جو اس بیماری کا علاج کرتا۔ کوئی طبیب موجود نہیں تھا اور وہ بیماری لیے پھر رہا تھا۔ ہماری تاریخ میں ایک بہت بڑا نام ہے، اس کو کہتے ہیں مُلّا داماد۔ بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں۔ ان کو داماد اس لیے کہتے تھے کہ وہ بادشاہ کے داماد تھے۔ تو بادشاہ کی بیٹی نے کہہ دیا کہ میں نے کسی متقی آدمی سے شادی کرنی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، جس کے دل میں خوف خدا ہو۔ تو بادشاہ نے بڑے مشائخ سے، مفتیوں سے، مدرسے والوں سے کہا کہ اگر کوئی متقی نوجوان ملے، تقویٰ والا تو مجھے بتانا، میں نے اپنی بیٹی کی شادی کرنی ہے۔ تو بڑے بڑے خانقاہوں والوں نے بچوں کا انتخاب کیا لیکن وہ بچی کہتی تھی کہ میں نے امتحان خود لینا ہے کہ جب برائی کا موقع ملے تو پھر بچتا ہے کہ نہیں بچتا؟ تو اس کے امتحان میں سارے فیل ہو جاتے تھے۔ تو ایک بزرگ نے کہا کہ میرے پاس ایک بچہ ہے، وہ بڑا متقی ہے، میرے سے جب سبق پڑھ کے جاتا ہے تو اپنے حجرے میں پھر وہ مطالعہ کرتا ہے قرآن حدیث کا، تہجد گزار ہے۔ بچی نے کہا کہ ٹھیک ہے اس کا بھی امتحان لیتے ہیں۔ یہ میں اپنے بچوں کو بھی کہتا ہوں کہ آپ نے یہ فون اٹھایا، نعت سن رہے ہیں، تلاوت سن رہے ہیں، ہاتھ پھیرتے پھیرتے سامنے کوئی فحاشی والی تصویر آ گئی تو کیا نظر جھک گئی یا ٹِک گئی وہاں پہ۔ اس کو آگے پیچھے کر دیا یا دیکھنا

شروع کر دیا۔ موقع ملا تو پھر اس موقع کو ضائع کیا یا پھر اپنا لیا؟ اس کا طریقہ واردات یہ تھا کہ وہ آدھی رات کے بعد اس بچے کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ گھبرا گیا کہ ایک لڑکی میرے کمرے میں آگئی۔ دیا جل رہا تھا اور وہ اپنا مطالعہ کر رہا تھا۔ تو اس نے غصے میں کہا کہ میرے ہجرے سے باہر نکل جا، میں ایسا ویسا بندہ نہیں ہوں۔ تو یہاں کیسے آگئی۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی برائی کے نام پہ ہی آپ کو جذباتی کرے۔ نیکی کے نام پہ بھی کر سکتا ہے۔ نیکی کے نام پہ بھی ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ تو اس لڑکی نے کہا کہ دیکھو، تم مجھے اپنے ہجرے سے باہر نکال رہے ہو، اگر باہر کسی نے میری عزت پہ ہاتھ ڈالا تو پھر تم ذمہ دار ہو گے۔ تو اس کو نیکی کے نام پہ جذباتی کیا کہ میں تو یہاں پناہ لینے آئی ہوں، رات کا اندھیرا ہے، راستے میں کوئی ڈاکو پڑ گیا، میرے ساتھ بد تمیزی کرے گا تو تُو مجھے سیکورٹی فراہم کر۔ تو وہ واقعی جذباتی ہو گیا کہ واقعی اگر اس کو باہر کسی نے پکڑ لیا تو اللہ مجھ سے پوچھے گا کہ تُو نے کیوں اس کو نکال دیا تھا۔ تو اس نے کہا اُدھر کونے میں بیٹھ جا۔ خود وہ اپنے مطالعہ میں لگے ہوئے تھے، دیا جل رہا تھا۔ اب اس نے وہ حرکتیں شروع کیں، اپنی طرف متوجہ کرنے والی۔ اس نے جب دیکھا کہ یہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ تو اس نے آگے بڑھ کے ہاتھ لگانے کی کوشش کی۔ اس نے جب دیکھا ناں کہ یہ نوجوان میری طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اس نے اُٹھ کر پھر دیکھا کہ یہ کر کیا کر رہا ہے؟ تو تاریخ میں لکھا ہے کہ اس وقت تک اس کی یہ چاروں انگلیاں جل چکی تھیں۔ چار انگلیاں اس نے اپنی جلا ڈالی تھیں۔ صبح جب بادشاہ نے بلایا تو اس نے کہا کہ دیکھو میرے اندر بھی ظاہر ہے نفس ہے۔ خواہش ہے۔ جب یہ مجھے اپنی طرف بلاتی تھی تو میں اپنی انگلی دیے پہ رکھ دیتا تھا کہ اگر اس دنیا کی آگ برداشت نہیں کر سکتا تو پھر جہنم کی کیسے کرے گا؟ تو میں نے اپنی خواہش پہ غلبہ پانے کیلئے یہ چاروں انگلیاں جلا دیں۔ تو یہ برائیاں ہماری نیکی کے پیچھے بھی چھپی ہوتی ہیں۔

اسی لیے ہمارے سلسلہ میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہمیں تربیت کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اگر کہیں پیسے نہیں ملیں گے، گالیاں ملیں گی تو پھر ہم وہاں تبلیغ کرنے ہی نہیں جائیں گے۔ لوگ برا بھلا کہیں گے تو کیا وہاں درس قرآن دینے نہیں جائیں گے؟ نہیں۔ اس دین کی راہ میں طائف بھی ہے اور کربلا بھی ہے۔ تعظیم

آج بھی روح کی ہے۔ اگر روح گندی ہو گئی تو اس کا جلوہ اس دل میں نظر نہیں آئے گا۔ تو اس سے بڑیا طریقہ اور کوئی نہیں ہے جو میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے ان بیماریوں سے۔ اس کو اتارنے کے دو ہی طریقے ہیں یا قرآن کثرت سے پڑھو یا موت کو کثرت سے یاد کرو۔ تو یہ برسی پہ، ان کے والد محترم اور پیر و مرشد کیلئے کہ وہ بھی اس دنیا سے چلے گئے، موت کو بھی یاد رکھا جائے اور قرآن کریم کا ذکر بھی کیا جائے تاکہ روحانی بیماریاں دور ہوں۔ تو اگر کسی بندے کے اندر یہ بیماریاں پنپتی رہتی ہیں تو اس کی روح کبھی ترقی نہیں کرتی۔ ہاں پھر جس مقصد کیلئے اللہ نے پیدا کیا ہے پھر وہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔

فنافی اللہ اور بقاباللہ

قرآن: فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ(83)وَ اَنْتُمْ حِیْنَىٕذٍ تَنْظُرُوْنَ(84) وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ(85) فَلَوْ لَآ اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ(86)تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ(87) سورة الواقعه

ترجمہ: پھر کیوں نہیں جب جان گلے تک پہنچے۔ حالانکہ تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔ تو اگر تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا تو کیوں نہیں۔ روح کو لوٹا لیتے، اگر تم سچے ہو۔

خاکہ:-

1۔ نیک کام میں تسلسل قبولیت کی نشانی ہے۔

2۔ زندگی میں توازن ضروری ہے۔

3۔ عورت کیلئے خاوند کی گواہی کافی ہے۔

4۔ اپنے آپ کو اللہ کے اختیار میں سمجھنا

5۔ فنافی اللہ اور بقاباللہ کی منزلیں

6۔ یہ جتنے گلے ہیں زندگی کے یہ شک کی وجہ سے ہیں۔

7۔ عبادت کرو اور یقین تک پہنچ جاؤ۔

8۔ اللہ بھی پاکیزہ رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

9۔ قرآن بھی شک والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

10۔ جس کی بارگاہ میں بیٹھنے سے دنیا چھوٹی نظر آئے اور دین بڑا نظر آئے وہ اللہ کا ولی ہوتا ہے۔

11۔ تمہاری دنیا کی قیمت اللہ کی نزدیک اس مری ہوئی بکری کے برابر بھی نہیں ہے۔

12۔ اصل تعلق بقاباللہ کا تعلق ہے۔

13۔ یہ نہیں دیکھنا کہ بہن بھائی، رشتے دار کیا کرتے ہیں، تم نے اپنے فرائض پورے کرنے ہیں۔

یہ تقریباً 25، 26 سال ہو گئے اس محفل کو، والدہ صاحبہ کا 1997 میں انتقال ہوا تھا اور بھائی دلاور صاحب اللہ کی توفیق کیساتھ اس وقت سے لیکر آج تک ہر سال اس محفل کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور یہ تسلسل، یہ 26 سال کا عرصہ یہ بتاتا ہے کہ یہ قبولیت ہے تو یہ عرصہ گزرا ہے۔ کیونکہ جب قبولیت نہ ہو تو یہ تسلسل باقی نہیں رہتا۔ یہ میرے حضرت صاحب قبلہ نے یہ بات بتائی تھی کہ کیسے پتہ چلے کہ میری نماز قبول ہوئی ہے کہ نہیں ہوئی؟ تو سرکار نے فرمایا تھا کہ اگر ظہر کے بعد عصر کی توفیق مل جائے تو سمجھنا کہ ظہر قبول ہوئی ہے کہ تو اس نے عصر کے وقت بلایا ہے۔ اگر ظہر قبول نہ ہوتی تو وہ تجھے عصر کے وقت کیوں بلاتا۔ اس لیے یہ باتیں کتابوں کے اندر نہیں ہوتیں اور اس کے اندر ایک اپنی لذت ہوتی ہے۔ یقین جانیے جب یہ مجھے حضرت صاحب کا جملہ ذہن میں آتا ہے تو کیا اپنے رب کیساتھ تعلق قائم ہوتا ہے کہ جب میرے مالک نے دوسری نماز کی توفیق دی ہے تو مجھے یقین ہونا چاہئے کہ پہلا سجدہ اس نے قبول کرلیا ہے۔ ویسے بھی ہم جو کام کرتے ہیں وہ اللہ کے قرب کیلئے کرتے ہیں۔ ہمارا کوئی بھی کام فضول نہیں ہوتا۔ محفل ہو، نماز ہو، روزہ ہو، ذکر ہو، تلاوت ہو، درس قرآن ہو۔ ہمارا ہر کام قربۃ الی اللہ ہے۔ کیونکہ جس کام سے اللہ کا قرب نصیب نہ ہو، اس کام کو عبث کہتے ہیں، فضول کہتے ہیں چاہے وہ کتنا ہی اچھا کام کیوں نہ ہو۔

انسان کے متعلق جو یونانی فلاسفہ نے باتیں کیں تھی کہ یہ جو نیک لوگوں کا ہم بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں۔ انسان کی جو خوبیاں اس وقت سے ہیں ناں، کبھی کبھی میں ارسطو کی تحریر دیکھتا ہوں، کیوں کہ وہی سب سے بڑا افلاسفہ سمجھا جاتا ہے۔ تو وہ کہا کرتا تھا کہ بڑیا انسان کے اندر تین خصوصیات ہوتی ہیں، شجاعت، حکمت، یہ علم کیساتھ ہے اور سخاوت۔ یہ تین چیزیں ہیں جو انسان کو بڑیا کرتی ہیں۔ اس کے اندر شجاعت ہو، علم و حکمت ہو اور سخاوت ہو۔ لیکن قرآن کریم ان تینوں کا ذکر کرتا ہے لیکن اس میں ایک چیز کا اضافہ کرتا ہے اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ[1]۔ سخاوت بھی بہت اچھی چیز ہے، شجاعت بھی ابہت اچھی چیز ہے علم و حکمت بھی بہت اچھی چیز ہے لیکن ان تینوں میں توازن ہو،

[1] سورۃ الرحمٰن:9

عدل ہو۔ اگر شجاعت میں عدل نہیں ہو گا تو ظلم بن جائے گا۔ سخاوت میں عدل نہیں ہو گا تو فضول خرچی میں بدل جائے گی۔ علم و حکمت میں توازن نہیں ہو گا تو جہالت بن جائے گی۔ یہ جو میں کبھی کبھی آپ سے کہتا ہوں ناں کہ قرآن اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ہی نہیں کہتا بلکہ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بھی کہتا ہے کہ اپنی زندگی میں توازن قائم کرو۔ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ ہو۔ میرے پاک پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا دو نفل پڑھ لو، لیکن روزانہ، تسلسل کیساتھ۔ اس میں فائدہ ہوتا ہے۔ اس لیے میں جو کہہ رہا ہوں کہ یہ جو سالانہ محفل کا تسلسل ہے، یہ فائدہ دینے والی چیز ہے۔

دیکھئے میری مائیں بہنیں بیٹیاں بھی اگر سن رہی ہیں۔ اگر نہیں سن رہی تو آپ جا کر ان بتا دیں۔ عورت تو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہیں رکھ سکتی، نفلی عبادت نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے واجب عبادت ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ اس کا خاوند ہے۔ اسی کی گواہی ہے۔ یہ اللہ کا شکر ہے کہ والدہ صاحبہ کی نیکی کی، سخاوت کی، شجاعت کی گواہی حضرت صاحب دیا کرتے تھے۔ یہ ذہن میں رکھنا کہ جن کی گواہی حضرت صاحب قبلہ جیسی ہستی دیں اور اگر گھریلو معاملات میں بھی کبھی اونچ نیچ ہو جاتی تو حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے کہ یار تمہاری ماں بڑی نیک تھی، ہو سکتا ہے مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ یہ درجہ اللہ نے ان کو دیا تھا، سخاوت میں، علم و حکمت میں اور یہ چیزیں ہم نے بھی اپنی زندگی میں پیدا کرنی ہیں کہ جن چیزوں نے ان کو عظیم بنایا تھا۔ ہم بھی ان کے نقش قدم پہ چلیں، عدل کیساتھ، توازن کیساتھ۔ عورت کیلئے اس کے خاوند کی گواہی کافی ہوتی ہے۔ اس کو زیادہ گواہیوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر اس کا خاوند اس سے راضی ہے تو اس کے لیے یہی ایک گواہی کافی ہے لیکن یہ علم ہونا چاہئے کہ بیوی کی مسکراہٹ بھی خاوند کے علاوہ کسی کیلئے نہیں ہونی چاہئے۔ یہ وفا ہو اس کی اپنے خاوند کیساتھ، اپنے مالک کیساتھ اور اس سے بڑا جملہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ اگر اللہ کے علاوہ کسی کو سجدے کی اجازت ہوتی تو بیوی اپنے خاوند کو سجدہ کرتی۔

یہ باتیں اس لیے کرنا ضروری ہیں کہ دو طرح کے انسان ہیں۔ ایک وہ ہیں جو ہر وقت اپنے آپ کو اللہ کے اختیار میں سمجھتے ہیں۔ وہ کسی منزل پہ پہنچ جائیں، کسی منصب پہ فائز ہوں وہ اپنے آپ کو اللہ کے اختیار میں سمجھتے ہیں۔

ہمیں کوئی دیکھ رہا ہے۔ ہمارا کوئی مشاہدہ کر رہا ہے۔ وہ تنہائی میں بھی ڈرتے رہتے ہیں اور ایک وہ ہیں کہتے ہیں کہ ہم کسی کے اختیار میں نہیں۔ ہم جو جی چاہے کریں۔ ہم جھوٹ بولیں، بد دیانتی کریں، رشوت لیں، سود لیں، ظلم کریں، ہمین کونسا کوئی دیکھ رہا ہے۔ بس یہ میرے ذہن میں ایک بات آئی تو میں نے یہ سورۃ واقعہ سے آیات آپ کے سامنے رکھیں۔ میرا اللہ فرماتا ہے ان لوگوں کے متعلق جو کہتے ہیں ناں کہ ہم کسی کے اختیار میں نہیں۔ اللہ نے فرمایا فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ۔ گھر جا کر آپ نے بھی سورۃ واقعہ کا آخری رکوع دیکھنا ہے۔ فرمایا ہم روح کو کھینچ کر حلقوم تک لے آتے ہیں، حلق تک لے آتے ہیں۔ وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔ جب روح حلق تک پہنچتی ہے تو تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔ شور کرنا شروع کر دیتے ہو، فلاں کو بلالو، فلاں کو بلالو۔ اللہ نے وہ نقشہ کھینچا کہ تم اس کیفیت کو دیکھ رہے ہوتے ہو۔ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۔ ہم بھی وہیں پہ موجود ہوتے ہیں لیکن تم ہم کو نہیں دیکھ رہے ہوتے۔ اب اللہ نے یہ کیفیت بیان کر کے آگے جو جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ تم سمجھتے تھے کہ ہم کسی کے اختیار میں نہیں، ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو ہم نے ابھی روح کو نکالا نہیں ہے، حلق تک لے آئے ہیں۔ تم بھی ہو، ہم بھی ہیں، اگر تم کسی کے اختیار میں نہیں ہو تو اس روح کو دوبارہ جسم میں لے جاؤ۔ تَرْجِعُوْنَهَآ۔ لے جاؤ ناں اب اس کو واپس، اس لیے کہ ہم اس کو اب نکالنے لگے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو نہ نکالنے دو؟ تو یہ وہ بے بسی انسان کی اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ ہم نے چند دنوں کیلئے جو تمہیں اختیار دیا تھا، اس کو تم نے دائمی سمجھ لیا؟ حتمی سمجھ لیا؟ ہم نے تجھے آزمائش کیلئے چند دن دیے تھے اور تم نے سمجھا کہ میں اب فرعون بن گیا ہوں اس دنیا میں؟ تمہیں کوئی پوچھنے والا ہی نہیں؟ نہیں۔ تُو ہر وقت کسی کے مشاہدے میں ہے۔ ہر وقت تجھے کوئی دیکھ رہا ہے۔

تو یہ عقیدے کی جو بات تھی کہ جب آپ اس تصور میں آتے ہیں کہ میرا خدا، میرا الہ، میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں under observation ہوں۔ یقین جانیے پھر جو آپ کے تخیلات کی پرواز ہوتی ہے وہ کمال کی ہوتی

ہے۔ تصوف کی زبان میں جملے تو آپ سنتے رہتے ہیں ناں، فنافی اللہ اور بقاباللہ۔ یہ ہے وہ مقام کے جن کے ذکر میں ہم بیٹھے ہیں کہ ان کا ہر لمحہ اللہ کے سامنے فنا ہو جاتا ہے کہ مجھے کوئی دیکھ رہا ہے۔ یہ ہے فنافی اللہ کی منزل۔ یہ بڑی پیچیدہ بحثیں ہیں، جن کو میں سادہ کر کے آپ کے سامنے لے آیا ہوں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ ہر لمحے اس تصور میں رہنا کہ میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اب اس کے بعد ہے بقاباللہ۔ جب تم نے اپنی زندگی اس کے سامنے فنا کر دی، اب تیری بقا اس کی بقا کیساتھ ہے۔ اب ہے بقاباللہ۔ اس کی بقا کیساتھ تیری بقا ہے۔ اب وہ کتنا باقی ہے، اب اس کی بقا کیساتھ جو باقی رہتا ہے، اس کے ذکر کو کون ختم کر سکتا ہے؟ کسی کی کیا حیثیت۔ وہ تو کسی کا محتاج نہیں۔ سیر وسلوک کی یہ منزلیں ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم اپنے اعمال کی وجہ سے باقی ہیں۔ اپنے علم کی وجہ سے باقی ہیں۔ نہیں، نہیں۔ جو باقی ہے وہ اس باقی کی وجہ سے باقی ہے۔ تو فنافی اللہ ہو جائیں، بڑا لطف ہے اس میں۔ میں ہوں گا تو میری کوئی عزت ہو گی۔ لوگ عزت کیلئے لڑتے پھرتے ہیں۔ بھائی پہلے میں ہوں گا تو میری کوئی عزت ہو گی ناں۔ جب میں ہی نہیں تو میری عزت کیا۔ اب اگر یہ عزت اس کی عزت کیساتھ جڑ جائے تو یہ ہے بقاباللہ۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کا خاص شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس سلسلہ عالیہ سے منسلک کیا ہے، حضور شمس الدین پانی پتی رحمتہ اللہ، جن کو حضور صابر پیا سرکار محبت سے ترک شہزادہ بھی کہا کرتے تھے۔ یہ سید تھے، سادات تھے۔ بابا فرید سرکار کی خدمت میں رہے، پہلی بیعت بھی بابا فرید سے تھی۔ پاک پتن شریف انہوں نے بڑی خدمت کی مہمانوں کی، آستانے کی۔ تو پھر ان کو بھیجا تھا حضور صابر پیا کے پاس۔ تو یہ بابا فرید سے فیض لیکر حضور صابر پیا کے پاس آئے بقاباللہ کی منزل کیلئے۔ کبھی آپ تاریخ دیکھیں تو سرکار صابر پیا رحمتہ اللہ علیہ، چونکہ اس کیفیت میں رہتے تھے، حجام کہتا کہ میرے لیے حجامت رہنا مشکل ہو جاتی تھی کہ کوئی لمحہ اللہ کے ذکر کے بغیر نہ گزرے، اللہ کی یاد کے بغیر نہ گزرے۔ اپنے آپ کو اللہ کی یاد میں اتنا فنا کر دیا تھا۔ علامہ اقبال نے بھی اپنی تھیسس میں شیخ عبدالقدوس گنگوئی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے۔ تو حضور شمس الدین پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے اس منزل کو پایا، بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کے توسل کیساتھ۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی فیض حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوئی رحمتہ اللہ علیہ سے لیا۔ تو

بڑے بڑے مجدد اس سلسلہ میں پیدا ہوئے، جنہوں نے اس دین کی تجدید کی۔ تو یہ فیض اللہ تعالیٰ نے یہاں تک پہنچایا اور حضور قبلہ عالم سرکار پیر محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ۔ کل بھی میں ایک جگہ بیٹھا تھا رشتہ داروں میں، فوتید گی ہو گئی تھی۔ تو وہ رشتہ میں ہماری پھپھو لگتی ہیں، بہت ضعیف ہو گئی ہیں، 70 سال سے زائد عمر ہو گئی ہے۔ ہماری والدہ صاحبہ کی قریباً ہم عمر تھیں لیکن انہوں نے ہمارے رشتہ داروں میں آ کر جو جملہ کہا۔ انہوں نے کہا کہ میری ماں نے میری تربیت نہیں کی بلکہ میری بھابھی نے یعنی میری والدہ نے، انہوں نے میری تربیت کی۔ ہوا یہ تھا کہ چند دن پہلے جنوبی کوریہ میں ان کا جوان بیٹا فوت ہو گیا تو لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ کتنی صبر والی عورت ہے۔ اپنے ہاتھوں سے دو جوان بیٹے رخصت کیے تو اس پہ وہ کہہ رہی تھیں کہ میری تربیت میری بھابھی نے کی ہے، میری ماں نے نہیں کی۔ یہ صبر میں نے ان کی بارگاہ سے سیکھا، یہ شجاعت میں نے وہاں سے لی۔ یہ کل رات کا واقعہ ہے۔ بھائی دیکھئے جو صابر پیا کا ماننے والا ہو گا، وہ بے صبرا تو نہیں ہو گا۔ بے صبرے کا کیا تعلق ہے اس سلسلہ سے۔ پھر وہاں جب یہ باتیں چل نکلیں تو ہماری رشتے میں چچا ہی لگتے ہیں۔ وہ کہنے لگے۔ لوگ تو پتہ نہیں ان کی کرامتوں سے واقف ہوں گے لیکن ہم نے جو ان کی کرامت دیکھی ہے کہ ظاہراً کوئی انکم کا سورس نہ ہو اور ایک نوکری ہو اور پیر و مرشد کہیں کہ ریزائن کر دو۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور اللہ کی رضا کی خاطر ریزائن کر دینا، یہ بہت بڑی کرامت ہے۔ اور جو بڑیا بات انہوں نے کی وہ میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، کیونکہ انہوں نے ختم کل عشاء کے بعد رکھا ہوا تھا۔ سارے ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے حضرت صاحب کو ڈھول شریف میں یا ادھر ننگل شریف میں کوئی رشتہ دار، کوئی گاؤں والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی زبان سے کبھی گلہ سنا ہو۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے اللہ کا گلہ کیا ہو۔ یہ ہیں وہ باتیں سیکھنے والی۔ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ[1]۔ اللہ کی عبادت کرو یہاں تک کہ تم یقین کی منزل تک پہنچ جاؤ۔ یہ جتنے گلے ہیں زندگی کے یہ شک کی وجہ سے ہیں۔

[1] سورۃ الحجر:99

آج خطبہ جمعہ میں بھی میں نے ایک جملہ کہا تھا لیکن اس کی وضاحت نہیں کی تھی۔ قرآن کہتا ہے کہ جب بھی کسی نے فساد کیا تو لالچ کی وجہ سے کیا۔ کسی نے ظلم کیا تو لالچ کی وجہ سے کیا۔ لالچ کون انسان کرتا ہے؟ کس کے اندر یہ لالچ والی صفت آجاتی ہے۔ جس کو اللہ کے وعدوں پہ یقین نہیں ہوتا۔ جس کو اللہ کے وعدوں پہ یقین ہوتا ہے وہ لالچی نہیں ہوتا۔ جو لالچی نہیں ہوتا وہ فسادی نہیں ہوتا، وہ ظالم نہیں ہوتا۔ تو قرآن کریم اس یقین تک آپ کو لیکر آنا چاہتا ہے۔ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ یقین کیساتھ عبادت کرو؛ اللہ نے فرمایا کہ عبادت کرو اور یقین تک پہنچ جاؤ۔ یہ بندگی، یہ ذکر کی محفلیں اس لیے ہیں کہ ہمیں یقین نصیب ہو جائے۔ کس بات کا یقین؟ اس بات کا یقین کے ہم کسی کے مشاہدے میں ہیں۔ ہمارا اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس فنافی اللہ کی منزل تک آنا ہے۔ یہی ہے لا الہ الا اللہ۔ یہ توحید ہے۔ یہی اللہ کی معرفت ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہو اور میں ملاوٹ کر رہا ہوں۔ نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا اللہ مجھے دیکھا رہا ہو اور میری آنکھوں میں بے حیائی آجائے؟ اس لیے فرمایا تھا کہ سب سے پہلے تیرے اوپر تیرے رب کا حق ہے۔ یہ نہ ہو کہ تم دنیا سے تو شرمسار ہوتے ہو کہ میں یہ کام کروں گا تو دنیا کیا کہے گی اور اللہ سے تجھے شرم ہی نہ آئے؟ حیاء کرنی ہے تو سب سے پہلے اللہ سے کرنی ہے۔ ڈرنا ہے تو سب سے پہلے اللہ سے ڈرنا ہے۔ دیکھئے حضرت صاحب قبلہ کو تو آخری دور میں بھی دیکھا ہے، تہجد اور نماز جیسے وہ پڑھتے تھے، جسمانی طاقت کیساتھ کوئی پڑھ ہی نہیں سکتا۔ جو بندہ آسرے کے بغیر چل نہیں سکتا، کھڑا نہیں ہو سکتا، نماز کیلئے وہ کیسے اتنی دیر کھڑا رہ سکتا ہے، رکوع و سجود کیلئے، تہجد کیلئے، آخری دن تک؟ پھر ایک بڑا پیارا جملہ جو فرمایا کرتے تھے۔ بندہ بیمار ہو جاتا ہے نکاہت آجاتی ہے لیکن فرمانا بیٹا میں لیٹا رہوں گا تو تکلیف تو پھر بھی ہونی ہے تو کیوں نہ ہم اس تکلیف کے دوران اپنے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں۔

بڑیا بات ہماری والدہ کے متعلق، فرمایا تم جب چھوٹے ہوتے تھے تو ان دنوں یہ پیمپر وغیرہ نہیں تھے ہوتے اور تمہاری والدہ نے کبھی تمہیں بستر پر پیشاب نہیں کرنے دیا۔ چونکہ انہوں نے نماز پڑھنا ہوتی تھی۔ پھر بھی ایک لباس علیحدہ رکھا ہوتا تھا۔ بچے بھی سنبھالنے، تہجد بھی پڑھنی اور ہر نماز کے ساتھ پھر تازہ وضو کرنا اور بیماری

کی بھی حالت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ جو بات انہوں نے فرمائی جو حضرت صاحب قبلہ ہماری والدہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا بیٹا اگر وہ اتنی طہارت کا خیال نہ رکھتی تو میری تہجدیں ضائع ہو جاتیں۔ میرے اعمال برباد ہو جاتے۔ اگر میں کسی منزل پہ پہنچا ہوں تو تمہاری ماں کی پاکیزگی کی وجہ سے پہنچا ہوں۔ طہارت کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ بھی آپ کو پتہ ہے وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ[1]۔ اللہ بھی پاکیزہ رہنے والوں سے محبت کرتا ہے، جسمانی طور پہ بھی اور فکری طور پہ بھی۔ روحانی طور پہ بھی جو لوگ پاکیزہ رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے ذہنوں میں فساد نہیں ہوتا۔ تو یقین کی منزل ان یقین والوں کے ذکر سے ملتی ہے۔ یہ ہے اصل منزل۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرتے کرتے جب میں پندرھویں پارے کے اس آیت پہ پہنچا، یقین جانیے ہوش اُڑ گئے۔ واقعی قرآن تو ساری دنیا ہی پڑھتی ہے لیکن ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ[2]۔ اللہ فرماتا ہے،اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ بیشک یہ قرآن يَهْدِيْ لِلَّتِيْ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے هِيَ اَقْوَمُ جو یقین کیساتھ اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ قرآن بھی شک والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یقین کیلئے ظاہر ہے کسی یقین والے کے پاس ہی جانا پڑتا ہے۔

آگے سورۃ واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کا ذکر کیا ہے، جنت والوں کا بھی اور جہنم والوں کا بھی۔ لیکن ہم نے آج یہیں تک سمجھنا تھا کہ کبھی اپنے آپ کو اللہ کے اختیار سے باہر نہیں سمجھنا۔ کبھی ذہن میں یہ خیال بھی نہ آئے کہ یہ کام میں اپنی چالاکی سے کرلوں، نہیں۔ میں کسی کے اختیار میں ہوں۔ تو یہ کیفیت اگر کسی کے پاس بیٹھنے سے نصیب ہو جائے تو میرے غوث پاک سرکار، چونکہ یہ ربیع الثانی کا بھی مہینہ ہے، حضور شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کی بارگاہ میں بیٹھنے سے دنیا چھوٹی نظر آئے اور دین بڑا نظر آئے وہی اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ وہ اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ جس کے پاس بیٹھنے سے یقین کی منزل حاصل ہو جائے۔ آگے پھر اس کے درجے

[1] سورۃ التوبہ:108

[2] سورۃ بنی اسرائیل:9

قرآن نے بیان کیے ہیں۔ علم الیقین ہے، عین الیقین ہے اور حق الیقین۔ کم از کم علم الیقین تک تو آجائیں۔ آپ کیلئے خوش قسمتی ہے کہ آپ اس مرشد سے وابستہ ہیں جہاں عین الیقین ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے یقین کی کیفیت دیکھی ہے۔ حق الیقین کی تو منزل علیحدہ ہے۔ پھر وہ مقام آتا ہے۔ حضور بڑی تکلیف میں ہیں۔ کیا کسر نفسی ہے۔ حضور بیماری ہے، تکلیف ہے، پریشانی ہے، ارشاد فرمانا کہ جتنی غلطیاں ہوئی ہیں، اتنی پکڑ تو نہیں کی مالک نے۔ کیا کیفیت تھی۔ ہم تو گلا کرتے ہیں ناں؟ اگر کسی نے یہ بات کرنی بھی تو آگے سے فرمانا کہ جتنی غلطیاں ہیں اتنی پکڑ تو نہیں کی مالک نے۔ یہ ہے یقین کی منزل اور اللہ تعالیٰ بھی پھر جن کو آزمائش میں، ابتلا میں ڈالتا ہے، اسی توفیق کیساتھ، اس کی مہربانی کیساتھ، انسان تو ظاہر ہے کمزور ہے، اللہ تعالیٰ پھر ان کو مرکز نگاہ بناتا ہے۔

میں سوچتا ہوں کئی دفعہ کہ یہ جو فلسفے والے لوگ ہوتے ہیں یہ دلائل کی دنیا میں رہتے ہیں اور دلائل بھی عقلی۔ اقبال بھی چونکہ فلاسفر ہے لیکن جب خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی قبر انور پہ گئے۔ یہ جو بات میں آپ کو کر رہا ہوں کہ کوئی یقین والے کے پاس تو کوئی بیٹھے اس کو یہ دنیا چھوٹی نظر آئے گی اور ہے بھی چھوٹی۔ بھائی مثال کیا دی، بکری ہے بدبو آرہی ہے، کیڑے پڑے ہوئے ہیں اور میرے پیغمبر ﷺ فرمارہے ہیں کہ کیا کوئی خریدے گا اس کو؟ کوئی ایک درہم میں یا دو درہم میں؟ یارسول اللہ ﷺ یہاں سے جلدی گزر جایئے تعفن پھیلا ہوا ہے، یہاں تو کھڑا نہیں ہوا جارہا۔ فرمایا تمہاری دنیا کی قدر و قیمت اللہ کی نزدیک اس مری ہوئی بکری کے برابر بھی نہیں ہے۔ کون فخر کرے گا اس پہ اور باقی ہے بھی کیا؟ ابھی سانس نکل جائے تو کیا ہے؟ تو یقین والوں کے پاس بیٹھنے سے یقین حاصل ہوتا ہے پھر یہ دنیا چھوٹی نظر آتی ہے۔ اقبال جب خواجہ صاحب کی قبر پہ حاضر ہوئے۔ اس سے پہلے ویسے اقبال نے بڑی کمال کی بات کہہ دی۔ نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو۔ اگر دل میں عقیدہ ہے، ارادت ہے، محبت ہے تو پھر کسی ولی کے پاس بیٹھ۔ اگر دل ارادت سے خالی ہے تو پھر تجھے وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر تیرے دل میں ارادت ہے کہ یہ اللہ کا بندہ ہے تو پھر جب اقبال اس نظریے کے ساتھ قبر

انور پہ حاضر ہوئے تو کیا باتیں کیں وہاں پہ جاکر۔ فرمانے لگے، فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا۔ ان کی بارگاہ میں بیٹھنے والا ایک فلسفی، اس کی پرواز دیکھیں۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری، فیض عام ہے تیرا

ذہن میں رہے جو اس کے سامنے فنا ہو جاتا ہے، اب بقا اس کے ساتھ جڑ گئی ناں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ عالم برزخ میں رہے یا عالم دنیا میں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اُونچا مقام ہے تیرا

مسیح تو بتوں کو دنیا میں زندہ کرتے تھے، تیری قبر نے اقبال کے دل کو زندہ کر دیا۔ زندگی دل کی کہا ہے۔ تو یہ کیفیتیں پھر انسان سمیٹتا ہے، دیکھتا ہے۔ پھر وہ کہیں بھی بیٹھا ہو۔ اب تو یہ سائنس نے مہربانی کر دی کوانٹم تھیوری آگئی۔ جدید فزکس میں، آپ کہیں ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر بھی بیٹھ کر صدقِ دل سے کسی کو یاد کریں تو ایک خاص فریکونسی سے تمہارے اندر سے نکلنے والی انرجی اس شخص کی انرجی سے مل جائے گی۔ تو یہ میرے جسم سے نکلنے والی انرجی ہے۔ باہر کے ملک میں بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، وہ تکلیف میں ہے، زخمی ہے اور فرط محبت میں ماں کو یاد کر رہا ہے، باپ کو یاد کر رہا ہے، اب ہزاروں میل دور یہاں بیٹھی ماں کہہ رہی ہے پتہ نہیں کیا وجہ ہے دل بے چین ہے۔ خلوص دل سے نکلی ہوئی فریکونسی یہاں آکر مل گئی۔ بس کچھ ہی دیر کے بعد ٹیلیفون آگیا کہ تیرے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ یہ ہیں وہ تجربات اس دنیا میں اور اگر کسی کا روح کا تعلق ہو کسی کیساتھ وہ پھر اویس قرنی، قرن میں بھی بیٹھا ہو، اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ معین الدین چشتی اجمیر میں بیٹھے ہوں، مدینے سے ویسے ہی فیض لیتے ہیں۔ بابا فرید پاکپتن میں بیٹھے ہوں۔ یہ تو اپنی اپنی فریکونسی کی بات ہے۔ اگر وہ فریکونسی موجود ہے روحانی طور پہ آپ کہیں بھی بیٹھے ہوں، فیض حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کا تو مجھے نہیں پتہ، مجھے تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ کبھی اپنے آپ کو تنہا مت سمجھنا۔ جہاں بھی رہو گے مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔ بڑے بڑے مشکل وقت آئے ہیں، یقین جانیے بڑے بڑے مشکل وقت لیکن یہ جو سہارا ہوتا ہے ناں کہ کبھی اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھنا۔ جب کوئی بندہ اس دنیا میں پھنس بھی جائے ناں تو کہتے ہیں کہ یہ بے مرشدا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مرشد وہ دیے جنہوں نے اپنی زندگی فنافی اللہ کے طور پہ گزاری۔ اللہ کی رضا کیلئے گزاری۔ ان کے پاس بھی مواقع تھے جائیدادیں بنانے کے، زمینیں خریدنے کے، بہت سے مواقع ان کے پاس بھی آئے۔ بھائی اعظم صاحب یہ بات بتایا کرتے تھے کہ حاجی محبوب صاحب کو جب کبھی ہم ملنے جایا کرتے تھے تو انہوں نے ہمیں یہ کہنا باؤ اعظم اللہ دا شکر اے میرا واسطہ کسے فقیر نال پے گیا۔ جو اس بات سے بھی ناراض ہو جاتے ہیں کہ محبوب اگر تو نے نماز نہیں پڑھی تو میں نے تیری کار میں ہی نہیں بیٹھنا۔ تو کیا سمجھتا ہے کہ مجھے کار میں لے کر سیر کروائے گا اور پیر خوش ہو جائے گا۔ اعظم صاحب اکثر یہ بات بتایا کرتے تھے کہ محبوب صاحب نے یہ بات بتانی اور اپنے بھائی کے سامنے یہ بات کہنی اور کہنا یہ میرے دنیا کے بھائی ہیں، مر جائیں گے تو یہ رشتے ختم ہو جائیں گے۔ باؤ اعظم تو میرا قیامت تک کا بھائی ہے، قبر، حشر کا بھائی ہے۔ یہ ہے اصل میں وہ تعلق، بقاباللہ کا، ختم نہ ہونے والا۔

آج کا اتنا ہی پیغام تھا کہ اپنے آپ کو under observation سمجھو۔ یہ جس ہستی کی محفل میں آپ بیٹھے ہیں انہوں نے ساری زندگی اسی طرح گزاری ہے کہ میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں پتہ نہیں یہ مثال، پہلے کبھی آپ کو دی یا نہیں دی۔ یہ عید الفطر تھی، میں مغرب کی نماز پڑھ کے مسجد سے آیا تو ماں جی دروازے پہ کھڑی تھیں۔ طبیعت ان کی زیادہ خراب ہی رہتی تھی۔ تو ہماری ایک ہمسائی تھی قریب ہی۔ وہ بہت تنگ کرتی تھی، ستایا کرتی تھی۔ ماں جی کو بہت دکھ دیا کرتی تھی۔ تو میں نماز پڑھ کے آ رہا تھا تو دروازے میں کھڑے تھے تو کہنے لگے کہ تیرے پاس 500 روپیہ ہے؟ اس دور میں بڑی رقم ہوتی تھی۔ اوہ بھائی! 750 تو مہینے کی میری تنخواہ تھی۔ اب آپ اندازہ کر لیں۔ میں جب 1990 میں بھرتی ہوا تھا تو 750 تنخواہ پہ بھرتی ہوا تھا اور ہاؤس رینٹ کے بعد ٹوٹل تنخواہ 1100

بنتی تھی۔ میں نے کہا ماں جی کیا کرنے ہیں؟ دیکھئے پھر وہ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ کسی کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو۔ شام کا اندھیرا ہونے دیا۔ کہنے لگیں یہ جو ہے ناں۔ میں نے سوچا کہ شاید اس کی کوئی شکایت لگائیں گی چونکہ بد تمیزی بڑی کرتی تھی۔ کہنے لگیں کہ میں نے ایک بچہ بھیجا تھا عصر کے وقت، اس کا خاوند کراچی ہوتا ہے۔ صبح عید ہے، اس کا خاوند نہیں آیا۔ یہ 500 روپیہ اس کو دے کر آتا کہ وہ بھی اپنے بچوں کیلئے کوئی عید کی تیاری کرلے۔ یہ ہوتا ہے اپنے آپ کو under observation سمجھنا۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی مجھے برا بھلا کہتا ہے، نہیں۔ میں نے یہ دیکھنا ہے کہ میرے اللہ نے ہمسایے کہ حقوق کیا رکھے ہیں۔ وہ دن پھر دیکھنے والا تھا، جب ماں جی 1997 میں اس دنیا سے گئے اور وہ ہمسائی پھر مجھے 500 روپیہ واپس کرنے آئی۔ اس نے کہا کہ میں تو اپنی ماں کو بھی اس درجے میں نہیں پاتی۔ میں نے کتنے دکھ دیے اور ان کو اس دن بھی یاد تھا کہ عید ہے اور اس کا خاوند گھر نہیں آیا۔ یہ اپنے آپ کو under observation سمجھنا ہوتا کیا ہے؟ یہی وہ بات تھی جو حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا یہ نہیں دیکھنا کہ بہن بھائی، رشتے دار کیا کرتے ہیں، تم نے اپنے فرائض پورے کرنے ہیں۔ جس دن تم نے یہ سوچ لیا ناں کہ جیسے یہ کر رہے ہیں میں بھی ویسا کروں تو پھر تم اپنے فرائض ادا نہیں کر سکو گے۔ اس لیے کبھی زندگی میں یہ نہیں دھوکا کھانا جیسا اگلا کرتا ہے میں بھی ویسا کروں، نہیں، تم نے یہ دیکھنا ہے کہ اللہ نے تمہیں کیا حکم دیا ہے۔ یہ ہے وہ یقین کی منزل، اگر نصیب ہو جائے تو یہ زندگی بڑی اطمینان والی ہو جائے۔ بہت اطمینان والی زندگی اور یہ اربوں روپیہ کا بھی اطمینان نہیں ملتا۔ جو ان کے ذکر سے ملتا ہے، ان کی بارگاہ میں بیٹھنے سے ملتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بار بار آپ کو یہ کہہ رہا ہے صراط الذین انعمت علیھم۔ مولا ہمیں ان انعام یافتہ لوگوں کے رستہ پہ چلا۔ تو دنیا میں بھی اطمینان اور آخرت میں بھی اطمینان۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جس نے نفس کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا

قرآن: وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا(7) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا(8) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا(9) وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (10) سورة الشمس

ترجمہ: اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیز گاری کی سمجھ اس کے دل میں ڈالی۔ بیشک جس نے نفس کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اور بیشک جس نے نفس کو گناہوں میں چھپا دیا وہ ناکام ہو گیا۔

خاکہ:-

1۔ آیات کا ترجمہ

2۔ تذکیہ کا معنیٰ گروتھ اور پاک کرنا

3۔ ہر وہ چیز جو توحید سے جڑتی ہے وہ قابل احترام ہوتی ہے۔

4۔ مرشد کا پہلا کام یہ ہے کہ اس کے عقیدے کی گندگی دور کرے۔

5۔ عقیدہ رسالت اور قادیانیوں کی گندگی

6۔ سجادہ نشین کون ہوتا ہے؟

7۔ پردہ پوشی کا نام درویشی ہے۔

8۔ تقویٰ کی پہلی سیڑھی کیا ہے؟

9۔ اللہ کے احکامات کا مذاق نہ اڑاؤ۔

10۔ سجادہ نشین کی صفات

11۔ اگر تم بھی علی والے ہو تو تم ابو بکر کو برا نہیں کہہ سکتے۔

12۔ عقل شریعت پیغمبر کے نیچے ہو اور باقی جذبات اس کے نیچے۔ 13۔ نچوڑ

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء کے بعد اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام بزرگوں دوستو عزیز بھائیوں۔ اسلام علیکم!

اللہ تعالیٰ نے بہت سی قسمیں اٹھا کے وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا(1) وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا(2) وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا(3) وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا(4)[1] سورج کی، چاند کی، آسمانوں کی، زمین کی، یہ ساری قسمیں اٹھا کے اللہ نے صرف ایک بات آپ کو سمجھائی ہے۔ تم گم ہو جاتے ہو اتنی بڑی کائنات میں لیکن تم غور نہیں کرتے۔ سورج، چاند ستارے، سمندر، دریا، زمین، آسمان، سب کی قسمیں اٹھائیں ہیں وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا۔ انسانی نفس کی عظمت جو ہے وہ بیان کی۔ قسم ہے اس نفس کی اور اس کے پیدا کرنے والے کی۔ اس کو برابر کرنیوالے کی، اس کو مساوی کرنیوالے کی۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا۔ فرمایا کیا نفس ہم نے انسان کا تخلیق کیا ہے کہ اس کے سامنے ہم نے دونوں راہیں رکھیں۔ وہ رک کر بھی چل سکتا ہے اور بے باک ہو کر بھی چل سکتا ہے۔ غلط راستے پر بھی جا سکتا ہے اور نیکی کے راستے پر بھی جا سکتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ بس نفس صرف وہی کامیاب ہو گا جس نے اپنے آپ کو آراستہ کر لیا۔ تذکیہ کر لیا۔ پاکیزہ کر لیا۔ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ اور وہ خاک میں مل گیا، برباد ہو گیا۔ جس نے اپنے نفس کو گندا کر لیا۔ تو اللہ کائنات کی قسم اس لیے اٹھا رہا ہے اور ایک ایک چیز کی قسم اس لیے اٹھا رہا ہے کہ نفسِ انسانی اس کائنات سے بڑا بنایا ہے۔ اور پھر اس کے پیدا کرنے والے کی قسم اٹھائی۔

یہ جو تذکیہ نفس آپ سنتے ہیں مَنْ زَكّٰهَا۔ اسی سے لفظ زکوٰۃ بھی ہے۔ عربی زبان میں زکوٰۃ کا معنیٰ ہے گروتھ، بڑھوتری۔ یعنی آراستہ کب ہو گا ناں جب اس میں ارتقاء آئے گا۔ اوہ بھائی! جمود سے تو کوئی آراستہ نہیں ہوتا۔ آپ کو چونکہ زکوٰۃ کے معنی نہیں آتے، آپ سمجھتے ہیں کہ 100 میں سے اڑھائی روپے نکال دیں تو زکوٰۃ ہے۔ ان کو چونکہ زکوٰۃ کے معنی کا پتہ تھا کہ زکوٰۃ کے معنی ہیں گروتھ ہے، نشو نما ہے۔ تو اس لیے وہ یہ سوال اٹھاتے تھے

---

[1] سورۃ الشمس

کہ 100 میں سے اڑھائی روپے نکال دیں تو یہ تو کم ہوتے ہیں، یہ گروتھ تو نہ ہوئی۔ آج یہ موضوع نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو مثال دے دی قرآن میں۔ common sense کی مثال۔ تم ایک بیج زمین میں بوتے ہو۔ وہ کہتے تھے بڑھتا کیسے ہے؟ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں کیسے بتاؤں۔ اللہ نے فرمایا میں بتاتا ہوں تمہیں۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ[1]۔ جو مال تم فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہو۔ كَمَثَلِ حَبَّة۔ اس کی مثال ایک دانے کی ہے۔ تم نے ایک دانہ بویا تھا۔ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ۔ اس ایک دانے کو ہم نے سات بالیاں لگائیں۔ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ۔ ہر بالی کو 100 دانہ لگا دیا۔ اب پتہ چلا وہ ایک کو 700 کیسے کرتا ہے۔ ان کی سمجھ میں تو نہیں آتی تھی یہ بات کہ یہ بڑھوتری کیسے ہوتی ہے۔ لیکن اس کا دوسرا معنی پاکیزہ کرنا ہے۔ زکوٰۃ آپ اس لیے دیتے ہیں کہ آپ کا مال پاکیزہ ہو۔ یعنی اسلام یہ کہتا ہے کہ کسی چیز کی گروتھ ہو نہیں سکتی جب تک کہ وہ پاکیزہ نہ ہو۔ یعنی مال پاک ہو گا تو اس میں اضافہ ہو گا۔ پاکیزگی شرط ہے۔ اب مرشد کی بھی اسکو ضرورت ہے، قرآن کی بھی اس کو ضرورت ہے، پیغمبر کی بھی اس کو ضرورت ہے جو اپنے نفس کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ بھائی جس کی یہ منزل نہیں ہے ناں، اس کو بیعت ہونے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسکو مرید ہونے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بیعت صرف اس لیے ہوا جاتا ہے کہ ہمارے نفس کا تزکیہ ہو جائے۔ نفس کا تزکیہ ہو جائے تو اس کی گروتھ ہو، اس کی بڑھوتری ہو۔ یہ سنور جائے اور اپنی منزل پہ پہنچ جائے۔ یہ ذلیل ورسوا نہ ہو۔

اب یہ جو نفس کا تزکیہ ہے یہ عقائد سے شروع ہوتا ہے۔ اگر کسی بندے کا عقیدہ گندا ہو تو آگے اس کے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ عقیدے میں بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ اسلام کا جو بنیادی عقیدہ ہے وہ عقیدہ توحید ہے۔ باقی ہر چیز اسی عقیدے سے جڑی ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا چار

[1] سورۃ البقرہ: 261

دفعہ جہاں نام لیکر ذکر کیا ہے۔ آپ حیران ہوں گے۔وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ[1]۔چوتھا پارہ۔ سورہ فتح کے آخر میں فرمایا محمد رسول اللہ۔ ختم کی آیت میں آپ کیا پڑھتے ہیں مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ[2]۔ اور کلمہ میں بھی کیا پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ۔ اب محمد ﷺ قابل احترام کیوں ہیں؟ اس لیے کہ وہ اللہ کے ہیں۔ اب یہ رسالت جڑ گئی اللہ کے ساتھ۔ محمد رسول اللہ۔ یہ قرآن کریم کی باتیں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ فی سبیل اللہ اموات۔ مرنا سب نے ہے۔ لیکن زندہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں مرے۔ ولی قابل احترام کیوں ہے؟ ولی اللہ۔ اس لیے کہ وہ اللہ کا ہے۔ شہید اللہ کا ہے۔ رسول اللہ کا ہے۔ تو ہر وہ چیز جو توحید سے جڑتی ہے وہ قابل احترام ہوتی ہے۔

اب اگر عقیدہ توحید میں کفر ہو، شرک ہو، بدعت ہو تو عقیدہ توحید گندا ہو گیا۔ برباد ہو گیا ناں۔ اب مرشد کا پہلا کام یہ ہے کہ اس کے عقیدے کی گندگی دور کرے۔ اس کے عقیدے میں کفر نہ ہو، شرک نہ ہو، بدعت نہ ہو۔ خالص توحید ہو۔ ایک جملے میں عرض کر دوں۔ اس دن میں نے عرض کیا تھا ناں مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ[3]۔ کیا نبی سچے نہیں ہوتے؟ نبیوں سے بڑا سچا کون ہوتا ہے۔ پھر قرآن نے یہ ترتیب کیوں بیان کی کہ انعام ہوا نبیوں پہ اور صدیقین پہ۔ نبیوں سے بڑا گواہ کون ہوتا ہے؟ الشہدا۔ نبیوں سے بڑا صالح کون ہوتا ہے؟ والصالحین۔ ہاں نبی تو سب سے بڑے سچے ہیں، صدیق ہیں، شہید بھی وہی بڑے ہیں، صالح ہیں۔ لیکن نبیوں کے بعد۔ آج یہ میرا موضوع نہیں۔ میں صرف ایک جملے میں عرض کرنے لگا ہوں۔ نبیوں کے بعد جس کی طلب میں صرف اللہ ہے وہ صدیق ہے۔ طالب مولا۔ یہ مرشد کا کام ہے کہ اسکی طلب میں مولا آجائے۔

---

[1] سورۃ آل عمران:144

[2] سورۃ الاحزاب:40

[3] سورۃ النساء:69

دیکھئے شیطان کے بڑے روپ ہوتے ہیں۔ ایک واقعہ ذہن میں آ گیا۔ قادیانیوں کا ایک طریقہ ہے کہ جس کو پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اس کو پیسے فراہم کر دیتے ہیں۔ عورت کی ضرورت ہو، عورت فراہم کر دیتے ہیں۔ ایک میجر صاحب تھے تو ایک خوبصورت بچی اس کے پیچھے لگا دی قادیانیوں نے۔ لیکن اس نے ایک شرط لگائی۔ اس نے کہا کہ میں قادیانیوں کے گھر شادی نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر یہ بچی مسلمان ہو جائے۔ منافقوں کا طریقہ، انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے یہ مسلمان ہو جاتی ہے۔ اب انہوں نے اپنا وہ کام آہستہ آہستہ شروع کر دیا۔ ایک دن اس نے کہا کہ تم استخارہ کر لو کہ مرزا سچا نبی ہے یا جھوٹا نبی ہے؟ استخارے میں تو اللہ اشارہ کرتا ہے تو تم استخارہ کر لو۔ دیکھئے شیطانی وسوسے۔ اس نے کہا کہ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ استخارہ کیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ مرزا بیٹھا ہوا ہے اور لوگ اس کے ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں اور اس کی نبوت کے کلمے پڑھ رہے ہیں۔ مرزئی ہو گیا۔ قادیانی ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اب تو میں نے اللہ سے مشورہ کر لیا۔ اگر کوئی اس کو سمجھانے جاتا تو کہتا کہ میں اللہ کی مانوں کہ مولوی کی مانوں؟ اس نے آگے بہت سی فیملیز قادیانی بنا دیں کہ دیکھئے میں نے استخارہ کیا ہے۔ یہ بات بتانے لگا ہوں کہ مرشد کتنا ضروری ہے۔ پھر ایک دن کوئی مرشد مل گیا۔ تو اس نے پھر وہی کہا کہ بابا جی میں اللہ کی مانوں یا آپ کی مانوں؟ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تھوڑی دیر کیلئے میری مان لو۔ اس نے کہا جی بتائیں۔ تو نے کیا کیا؟ کہنے لگا میں نے استخارہ کیا۔ انہوں نے کہا بیٹا استخارہ شک پہ ہوتا ہے۔ تجھے مرزا پتہ خواب میں کیوں نظر آیا اس لیے کہ تو نے اللہ کے محبوب کی نبوت پہ شک کیا تو تیرا ایمان ضائع ہو گیا۔ تیرا ایمان برباد ہو گیا۔ اگر تجھے رسول اللہ کی نبوت پہ یقین ہوتا تو تُو استخارہ ہی کیوں کرتا۔ اس استخارے کے شک کی وجہ سے جب تیرا ایمان برباد ہو گیا تو اب تجھے مرزا ہی نظر آنا تھا۔ تجھے محمد ﷺ تو نظر نہیں آنے تھے۔ اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی بندہ نبوت کا دعویٰ کرے اور آپ اس سے دلیل مانگیں۔ امام پاک فرماتے ہیں کہ دلیل مانگنے والا بھی کافر ہو گیا۔ اس لیے کہ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ پہ شک کیا تو اس سے دلیل مانگی۔ کیا سمجھیں مقام نبوت کیا ہے؟ اس لیے یہ کفر، شرک، بدعت، ان تمام چیزوں کی پاکیزگی کیلئے مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تزکیہ نفس ہے۔

مرشد کامل ہو۔ جو احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ناں کہ اس کا سلسلہ متصل ہو پاک پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ بیعت کرتا پھر رہا ہے اور خود کسی کامل کا مرید نہیں۔ پہلے وہ خود کسی کامل کا مرید ہو۔ اعلانیہ گناہ کرنیوالا نہ ہو۔ یہ بھی آج کل بد بختی ہے ناں کہ لوگ اعلانیہ گناہ کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں شریعت کا اور ہم انکی بیعت ہو جاتے ہیں۔ ان کو ولی اللہ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ رسول کا گستاخ، اللہ کا ولی کیسے ہو سکتا ہے۔ کیسے ممکن ہے۔ اور اتنا اس کے پاس علم ہو اور وہ اپنی ضرورت کے مسئلے کتابوں سے خود نکال سکے۔ اتنا علم تو ہو۔ میں فتوح الغیب کا اکثر ذکر کرتا ہوں اور جہاں کہیں پیر خانوں پہ بھی جاتا ہوں تو انکو بھی یہ کہتا ہوں کہ یار کم از کم یہ کتاب تو پڑھ لو۔ حضور غوث پاک کی کتاب ہے یہ فتوح الغیب۔ سرکار غوث پاک فرماتے ہیں اس کتاب میں کہ سجادہ نشین کون ہوتا ہے؟ اچھا میں مزے کی بات بتاؤں، میں اللہ کے گھر میں بیٹھا ہوں، قرآن میرے سامنے ہے۔ اکثر درباروں میں، الاماشاء اللہ، ان کو اس لفظ کا معنٰی نہیں آتا۔ ان کو سجادہ نشین کا معنٰی نہیں آتا۔ لیکن ضد ہے کہ ہمیں پیر مانو۔ سجادہ، اس مقام کو کہتے ہیں جس مقام پہ سجدہ کیا جاتا ہے۔ نشین، اس مقام پہ بیٹھنے والا۔ یہ مصلےٰ ہے ناں اس پہ میں سجدے کرتا ہوں تو جس مقام پہ سجدے کیے جائیں اس مقام کو سجادہ کہتے ہیں۔ اب شیخ اس دنیا سے چلا گیا۔ اب اس کی سجدوں والی جگہ پہ کون بیٹھے گا؟ معنٰی کوئی چھوٹا ہے یہ۔ کون ہے جو اس سجدے والی جگہ پہ بیٹھے؟ اس شب بیداری کا خیال رکھے۔ میرے غوث پاک سرکار یہ معنٰی بیان کرکے فرماتے ہیں کہ اللہ کی دو صفات تو اس کے اندر نظر آنی چاہیئے۔ ایک غفار اور ایک ستار۔ معاف کرنیوالا اور پردہ پوشی کرنیوالا۔ آج کل تو مریدوں کو اس بات پہ بھی جھڑکیاں پڑتی ہیں کہ مجھے نذر نیاز کیا دی ہے۔ میرے بچپن کا یہ واقعہ ہے کہ ایک بڑے شیخ ہمارے اُدھر آئے ہوئے تھے اور حضرت صاحب قبلہ سے گفتگو کر رہے تھے۔ سرکار فرمانے لگے کہ میرے مرشد کریم صوفی محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے یہ فرمایا تھا کہ بیٹا اگر کوئی ہدیہ دے، تحفہ دے تو مٹھی بند کر کے۔ تاکہ کوئی دوسرا اس کو طعنہ نہ دے کہ اس نے ہدیہ تھوڑا دیا ہے۔ کس حد تک پردہ پوشی کا خیال۔ اور اگر کسی کو دینا ہے تو بھی اس طریقے سے۔ تو

سرکار غوث پاک فرماتے ہیں کہ دیکھ لیا کرو کہ جو اپنے آپ کو سجادہ نشین کہتا ہے وہ سجدوں کا خیال کرتا ہے کہ نہیں کرتا؟ جس کو اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کا سلیقہ نہیں ہے وہ سجادہ نہیں ہوتا۔ وہ اس مقام سے واقف ہی نہیں ہے۔

فوائد الفوائد میں بھی خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی سرکار نے بھی یہ واقعہ لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے باباجی فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ باباجی درویش کسے کہتے ہیں؟ پتہ نہیں یہ منزلیں میں نے آپ کو بتائی تھیں کہ نہیں کہ جب آپ پیدا ہوتے ہیں تو بنی آدم ہیں۔ آدمی سے انسان کا سفر اور ہے اور انسان سے پھر عبد کا سفر اور ہے۔ آدمی نہیں رہنا، انسان بننا ہے۔ انسان سے پھر عبد کا سفر طے کرنا ہے جس کیلئے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ تمہارے پیدا کرنے کا مقصد ہے کہ عبد بن کر رہو۔ خوٰاجہ نظام الدین محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ جب میں نے باباجی سے پوچھا کہ باباجی درویش کسے کہتے ہیں؟ بابا فرید سرکار نے فرمایا بیٹا نظام، پردہ پوشی کا نام درویشی ہے۔ تو حضور غوث پاک سرکار فرماتے ہیں کہ جس سے اللہ کی یہ دو صفات ظاہر ہوں۔

دیکھئے یہ معاملہ بڑا نازک ہے سجادہ کا۔ تقویٰ کی بنیادی سیڑھی جو ہے، پہلی سیڑھی جو ہے، وہ ہے اللہ کے حلال کو حلال سمجھنا اور اللہ کے حرام کو حرام سمجھنا۔ یہاں سے تقویٰ شروع ہوتا ہے۔ یہ مسئلے کا آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ حرام کو حرام سمجھ کر استعمال کیا تو وہ گناہ گار ہے۔ گمراہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر کسی نے حرام کو حلال سمجھ کر کھایا تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ کسی چیز کو حرام کہے اور بندہ کہے کہ وہ حلال ہے؟ یہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ جو حرام کو حلال کہتا ہے وہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔ مثلاً غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ[1]۔ مثلاً ایک بندہ خنزیر کا گوشت کھالیتا ہے۔ مر رہا ہے، زندگی کے لالے پڑ گئے۔ تو اس نے اتنا سا کھا لیا جس سے اس کی زندگی بچ جائے۔ یہ آیت سنا رہا ہوں آپ کو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دل میں اس کو برا سمجھے۔ زندگی بچانے کیلئے بھی کھا رہا ہے تو اس کو حرام ہی سمجھے۔ اس کی طرف رغبت نہ ہو اور صرف اتنا سا لے جس سے اس کی زندگی بچ جائے۔ اس کو رخصت کہتے ہیں۔

---

[1] سورۃ البقرۃ:173

رخصت اور عزیمت پہ پہلے بھی میں نے بتایا ہوا ہے۔ یعنی زندگی بچانے کیلئے بھی اگر کسی نے تھوڑا سا حرام کھایا ہے تو شرط کیا ہے؟ حرام کو حرام سمجھ کر کھائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے احکامات کا مذاق اڑانا۔ اللہ کے واجبات کا اگر کوئی مذاق اڑاتا ہے۔ یہ جو کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی ظاہری نمازیں نہیں پڑھی۔ کس نے کہا ہے اقیموا الصلوٰۃ۔ خالق کا حکم ہے۔ یہ پانچ وقت کی نماز تو صرف تیرے مسلمان رہنے کیلئے ہے۔ شریعت کس کی ہے؟ اللہ کی۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ[1]۔ یہ وہ شریعت ہے جس کی وصیت نوح کو بھی کی گئی، ابراہیم کو بھی کی گئی۔ شریعت، یہ راستہ کس کا ہے؟ اللہ کا۔ اور شریعت میں تبدیلی کا اختیار نبی کو بھی نہیں ہوتا۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضان کے روزے فرض کرے۔ نبی اپنی مرضی سے آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔ لوگ شریعت شریعت کہہ کر مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ کے احکامات کا مذاق اڑانے والے شیخ نہیں ہوتے۔ بے غیرت ہوتے ہیں۔ شیطان ہوتے ہیں۔ شیخ کا کام یہ ہے کہ وہ تمہارے قلب کو کفر، شرک، بدعت، یہ ساری چیزوں سے پاک کر دے اور دل کو طالب مولا بنائے۔ اس دل کی یہی ایک حقیقت ہے کہ یہ طالب مولا ہو۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ اس کی ضرورت صرف اس بندے کو ہے جو اپنے نفس کا تذکیہ چاہتا ہے۔

صفات تو حضور غوث پاک نے 12 بیان کی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ دو صفات اللہ تعالیٰ کی ہوں کہ معاف کرنیوالا ہو اور عیبوں پہ پردہ ڈالنے والا ہو۔ اور دو صفات پاک پیغمبر ﷺ کی ہوں۔ رفیق اور شفیق ہو۔ نرم دل ہو اور مہربان ہو۔ دو مولا علی والی صفات، عالم ہو اور شجاع ہو۔ بے علم سجادہ نشین نہیں ہوتا۔ عالم ہو اور شجاع ہو۔ حق بات کرنے کا وقت آئے تو ڈر نہ جائے۔ آج کل تو یقین جانیے میں نے یہاں تک بھی دیکھا ہے، پیروں کو بھی اور علماء کو بھی، یار یہ ہمارے مدرسے کو چندہ بڑا دیتا ہے، اب اس کو کیا کہیں، ناراض ہی نہ ہو جائے۔ وہ شجاع نہیں ہوتا۔ یہ

[1] سورۃ الشوریٰ:13

مرید پیسے زیادہ دیتا ہے، یہ ناراض نہ ہو جائے۔ وہ سجادہ نشین نہیں ہوتا۔ اس کو سجدوں کا خیال نہیں ہوتا، وہ نفس کا غلام ہوتا ہے۔ نفس کے غلام سجادہ نشین نہیں ہوتے۔ اس لیے سرکار غوث پاک فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے تو وہ اپنے کامل شیخ کے سجدوں کا خیال کرے۔ جس مقام پہ وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے تھے، اس کو بھی سجدہ ریزی کا سلیقہ آتا ہو۔ شعور آتا ہو۔

میں ایک مثال آپ کو عرض کر دوں، اپنے حضرت صاحب قبلہ کی۔ میرا تو اکثر لوگ پوچھتے ہیں، آپ کو تو پتہ ہے کہ ختم نبوت کے پروگرام ہوتے ہیں، ہم تو دیوبندی، اہل حدیث، سب کے پاس جاتے ہیں۔ سب کو دین کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ فکر ظاہر ہے بڑی فکر ہے۔ توحید کی فکر ہی بڑی ہے۔ تو کسی نے کہا کہ سرکار یہ جو سنی شیعہ کا اتنا بڑا جھگڑا ہے۔ یہ کیسے حل ہو گا؟ سنی کہتے ہیں کہ ہمارے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ نہیں حضرت علی بلا فصل پہلے خلیفہ ہیں اور ان کیساتھ زیادتی ہو گئی۔ پہلے خلفاء نے ان کیساتھ زیادتی کی ہے اور یہیں سے جھگڑا جو ہے وہ آگے بڑھتا جاتا ہے۔ آج تک لڑ رہے ہیں مسلمان۔ ہاں یہ بات ہے کہ جب اسرائیل والے مارتے ہیں تو یہ نہیں دیکھتے کہ یہ سنی ہے یا شیعہ ہے۔ وہ تمہیں مسلمان سمجھ کر مارتے ہیں۔ الکفر ملة واحدة۔ سارے کفار اسرائیل کے پیچھے کھڑے ہیں اور ہمارے 33 ممالک کے سفارتی تعلقات ہیں اسرائیل کیساتھ اور کسی نے اپنا سفیر بھی واپس نہیں بلایا۔ مسلمان مسلمان کی پشت پہ کھڑا نہیں ہے لیکن سرکار نے فرمایا تھا کہ کافر تو ایک ہی ملت ہیں اور وہ سب اسرائیل کے پیچھے کھڑے ہیں۔ بہر حال میں وہ جملہ آپ کو عرض کر دوں۔ سرکار فرمانے لگے کہ تمہارا کا خیال ہے حضرت علی سے زیادتی ہوئی ہے؟ خلافت ان کا حق تھا، نہیں دی گئی؟ کہنے لگا کہ ہاں جی۔ تو فرمانے لگے کہ حضرت علی مدینہ پاک میں موجود رہے یا کہیں چلے گئے تھے۔ کہنے لگے کہ مدینہ پاک میں ہی رہے۔ امام حسن بھی مدینہ پاک میں ہی رہے۔ امام حسین بھی مدینہ پاک میں ہی رہے۔ حضرت علی نے کبھی ابو بکر کو گالی دی ہو؟ بھائی آپ کہتے ہیں ناں کہ ان کی خلافت کا معاملہ تھا۔ سرکار فرماتے کہ کوئی بندہ یہ بتائے کہ کبھی مولا علی نے حضرت ابو بکر کو برا بھلا کہا ہو۔ امام حسن نے کبھی ان کو برا بھلا کہا ہو۔ امام حسین نے کبھی ان کو برا بھلا کہا ہو۔ یہ جملہ

میں نے، بھائی سلیم صاحب کو پتہ ہے کہ قلعہ کالر والا میں بھی علماء سے کہا تھا کہ ہم تو علی کے در پہ بیٹھے ہیں۔ یہ مولا علی نے ہمیں سکھایا ہے کہ کسی کو گالی نہیں دینی، کسی کو برا بھلا نہیں کہنا۔ اگر تم بھی علی والے ہو تو تم ابو بکر کو برا نہیں کہہ سکتے۔ تم عمر کو برا نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ حضرت عثمان کے گھر کی پہرہ داری کون کر رہا تھا؟ امام حسن اور امام حسین کر رہے تھے۔ پانی لیکر مولا علی آرہے تھے۔ سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیٹا محمد بن ابی بکر چار سال کا یتیم ہو جائے تو اس کی پرورش مولا علی کرتے ہیں۔ اسماء بنت عمیس بیوہ ہو گئیں، حضرت ابو بکر کی بیوی تو انکو مولا علی نے اپنی زوجیت میں لیا۔ وہ کرو جو علی کرتے تھے۔ لیکن یہ تو کوئی شجاع ہی کر سکتا ہے۔ غوث پاک سرکار فرماتے ہیں کہ عالم بھی ہو اور شجاع بھی ہو۔ اگر علم نہیں ہے تو بھی سجادہ نہیں ہے۔

اصل میں لوگوں نے اس کو کاروبار بنالیا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کمائی کا ذریعہ ہے۔ اوہ بھائی! جس کا اپنا تذکیہ نہیں ہے کہ وہ کسی کا تذکیہ کیا کرے گا۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا۔ تو تمہارے اندر بھی اللہ نے فہم رکھا ہے۔ آج میں اس کی تفسیر تو ساری نہیں کر سکا۔ بس جاتے جاتے، وقت ہو گیا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا کی جو مختلف تفاسیر میں نے دیکھیں۔ اس میں یہ ہے کہ تمہاری قوت عقلیہ، تمہاری قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ پہ غالب رہے۔ اگر قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ غالب آجائیں تو پھر فرمایا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ وہ برباد ہو گیا جس کی یہ قوتیں اس کی عقل پہ غالب آ گئیں۔ پھر معاملہ یہاں ختم نہیں ہوا۔ یہ امام غزالی کی کتاب میں میں نے یہ ٹرائی اینگل دیکھی تھی۔ اوپر قوت عقلیہ ہے اور سائیڈوں پہ قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ ہے۔ عقل ان پہ غالب رہے گی تو یہ فرشتوں سے افضل ہے اور اگر یہ دونوں چیزیں عقل پہ غالب آ گئیں تو یہ جانوروں سے بدتر ہے۔ لیکن بات ابھی بھی ختم نہیں ہوئی۔ قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ، قوت عقلیہ کے نیچے ہوں اور قوت عقلیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے ہوں۔ یہ نہیں ہے کہ عقل جدھر جی چاہے پھرتی رہے۔ اگر عقل شریعت پیغمبر کے نیچے ہے اور باقی جذبات عقل کے نیچے ہیں تو پھر مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ کی یہ آیت کہہ رہی ہے کہ وہ کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنے نفس کا تذکیہ کر لیا۔

باتیں تو اور بھی ہیں لیکن یہ باتیں ذہن میں رہیں۔ یہ ایک sequence ہوتا ہے۔ ادھر غفار اور ستار کا۔ رفیق اور شفیق کا۔ عالم اور شجاع کا۔ ہر سجادہ نشین اسی لیے دن رات روتا رہتا ہے کہ جس مقام پہ شیخ نے سجدے کیے تھے میں ان کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اصل میں اس کے دن رات رونے کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ تو یہ ہمارا خطبہ جمعہ امجد صاحب ریکارڈ کرتے ہیں۔ یوٹیوب پہ ڈالتے ہیں۔ لوگ وہاں سے استفادہ کرتے ہیں۔ زوار حیدر صاحب نے ہارڈ کاپی اس کی بنائی ہے خطبات کی۔ اس کی جلد اول اور دوم آگئی ہے۔ یہ کاپی حاصل کر سکتے ہیں جنہوں نے استفادہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سوانح عمری (مختصر جائزہ)-صوفی محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

(پیرو مرشد حافظ محمد حامد چشتی صابری صاحب)

ولادتِ باسعادت:-

آپ کی ولادتِ مبارکہ 1932ء کو ضلع سیالکوٹ کی تحصیل پسرور کے معروف گاؤں "دھول باجوہ" میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ مڈل سکول شہزادہ (موجودہ ہائی سکول) سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے تبلیغ الاسلام ہائی سکول چونڈہ (المعروف اسلامیہ ہائی سکول) میں داخلہ حاصل کیا۔ تبلیغ الاسلام برِصغیر کے معروف تعلیمی اداروں میں سے ایک تھا۔ دیگر دو اداروں میں سرسید سکول علی گڑھ اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور مشہور تھے۔ 46-1945ء کے عام انتخابات کے لیے قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات بھی اسی ادارہ میں ہوئی جب آپ کلاس نہم میں زیرِ تعلیم تھے۔ اس ملاقات کے نتیجہ میں آپ نے تحریکِ پاکستان میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ نے اُن تمام تحریکوں میں حصہ لیا جن کا مقصود اللہ اور اس کے رسول کے مشن کو فروغ دینا تھا، دین کی اِشاعت اور عوام الناس کو راہِ حق پر گامزن کرنا تھا۔ حکومتِ وقت کی طرف سے دھمکی آمیز خطوط بھی موصول ہوئے مگر آپ نے اُنکی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ ایک خط کی پُشت پر ایک شعر کی صورت میں اپنا جواب تحریر فرما کر واپس بھیج دیا۔

غلامانِ محمدؐ جان دینے سے نہیں ڈرتے
سر کٹ جائے یا رہ جائے، کچھ پرواہ نہیں کرتے

آپ کا یہ شعر آپکی ایسی پہچان بنا کہ بڑی دیر تک زبان زدِ عام رہا۔ آپ نے اِن تمام پروگراموں میں حصہ لیا جو کہ تحفظِ ختمِ نبوت کے سلسلے میں منعقد ہوئے یا تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کے حوالے سے انعقاد پذیر ہوئے۔ آپ کی زندگی کے ابتدائی دور کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ یہ کوئی عام ہستی نہ تھی بلکہ اس ذات سے اللہ

کریم اپنے محبوبِ کریم ﷺ کی امت کے قلوب و اذہان کو منور کرنے والا تھا۔ محبتِ رسول کا بیج جس دل میں ہو اِسے پھل عملِ صالح کا ہی لگتا ہے۔ مگر اللہ کریم کی خاص عنایت کہ صرف پھل ہی عطا نہ کیا بلکہ قریب ایک صدی تک کئی نسلوں کی آبیاری بھی کی۔ مشتاقانِ حق کے قلوب کی تشنگی دور کی۔ اللہ نے جو عزت و عظمت عطا کی اسکا زمانہ شاہد ہے۔ جو بھی ایک نظر آپ کو دیکھ لیتا وہی اسیر ہو جاتا اور اسکی زبان سے بے ساختہ یہی جملہ نکلتا کہ یہ تو کوئی اللہ کا خاص بندہ ہے۔ آپ نام کے ہی یوسف نہ تھے بلکہ سیرت و کردار کے بھی یوسف تھے اور بلاشبہ آپ کو یوسفِ زماں کہا جاتا تھا۔ چہرے کا حسن و جمال دیکھ کر ہی انسان کا دل یہ گواہی دینے پر مجبور ہو جاتا کہ یہ کسی سچے انسان کا چہرہ ہے۔

خاندانی پس منظر:-

آپ کے داداجان کا نام محمد عبد اللہ شہریا (شہر والے) کے نام سے مشہور تھے۔ آپ اُس وقت جنوبی افریقہ کے محکمہ ریلوے میں اعلی عہدہ پر فائز تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کو شہریا کہا جاتا تھا اور پھر یہی نام آپ کے خاندان کی پہچان بن گیا۔ دورانِ ملازمت آپ دین کی ترویج واشاعت کے سلسلے سے بھی منسلک رہے۔ آپ دنیا سے بے رغبتی و بے ثباتی کے قائل تھے۔ جس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ جب آپ جنوبی افریقہ سے گھر واپس آتے تو اتنا مال لے کر آتے کہ گاؤں سے لوگ گھوڑے لے کر جاتے تاکہ وہ مال جو کہ سِکوں کی صورت میں ہوتا اسے گھوڑوں پر لاد کر لاتے۔ یہاں قیام کے دوران زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت اور مخلوقِ خُدا کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔

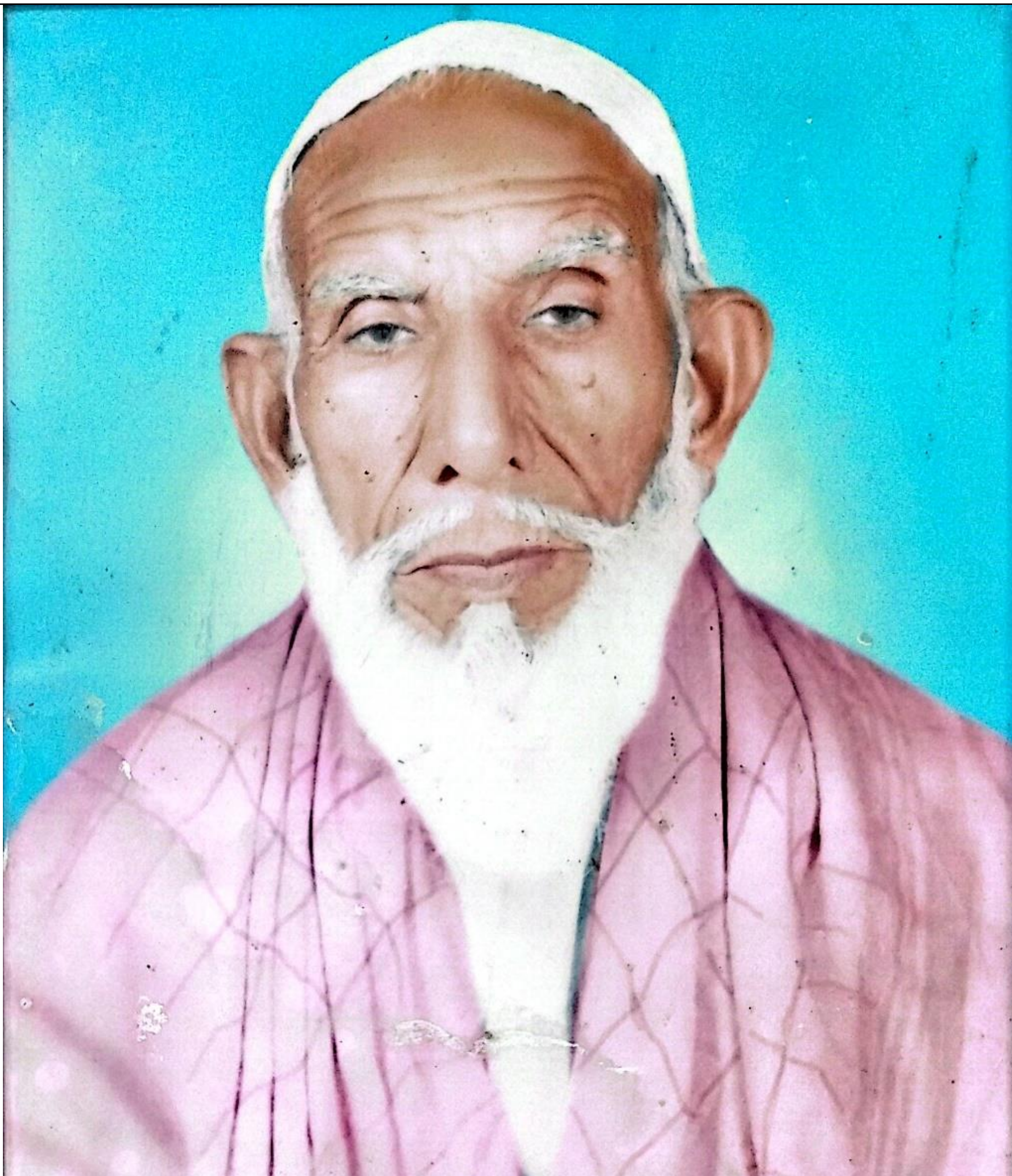
جب کسی شخص کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اپنی زمین بیچنے کی نوبت آتی تو وہ زمین بیچنے کی غرض سے آپ کے پاس ہی آتا۔ آپ چاہتے تو اُس کی مجبوری کا فائدہ اُٹھا کر اونے پونے داموں زمین خرید سکتے تھے مگر ایسا نہ کرتے بلکہ اس سے سوال کرتے کہ اپنی ضرورت بتاؤ کہ کتنے پیسوں سے تمہارا کام چل جائے گا۔ اس کے بتانے پر

آپ اُس کی ضرورت پوری کرتے اور بعد میں اس سے رقم کی واپسی کا کوئی مطالبہ نہ کرتے۔یوں وہ تمام مال و دولت جو گھوڑوں پر لاد کر لاتے تھے وہ سب اسی طرح ضرورت مندوں اور محتاجوں میں تقسیم کر کے واپس لوٹ جاتے۔یہ اُن کی دنیا سے بے رغبتی کا منہ بولتا ثبوت تھا جس کا ایک زمانہ گواہ رہا ہے۔ آج بھی یہ بات زبان زدِ عام ہے کہ اگر آپ کا مقصد دنیا کی دولت اکٹھی کرنا ہوتا تو آپ ساری زمین خرید لیتے اور آج یہ علاقہ آپ کی ملکیت ہوتا مگر آپ کو دنیا کے حصول سے کچھ علاقہ نہ تھا۔



حضرت صاحب قبلہ کے داداجی محمد عبد اللہ

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی سے دو بیٹے غلام رسول اور کرم رسول پیدا ہوئے اور دوسری شادی سے تین بیٹے پیر محمد، فتح محمد، محمد بشیر اور ایک بیٹی فاطمہ تھی۔ میرے حضرت صاحب کے والدِ محترم کا نام "کرم رسول" تھا۔ بڑے بیٹے غلام رسول کاشتکاری کے پیشے سے وابستہ تھے۔ "کرم رسول" محکمہ انہار میں ملازمت کرتے تھے۔ پیر محمد فوج سے صوبیدار کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ اُن کو بہادری کے صلہ میں سرگودھا میں دو مربع زمین الاٹ ہوئی جس وجہ سے آپ وہیں شفٹ ہو گئے۔ فتح محمد محکمہ پولیس میں خدمات انجام دیتے رہے۔ محمد بشیر بھی کاشتکاری سے وابستہ رہے۔ آپ کی اولاد تعلیمی میدان میں نمایاں رہی۔ جس کی وجہ سے آپ کو لاہور شفٹ ہونا پڑا۔



حضرت صاحب قبلہ کے والد محترم کرم رسول صاحب

دادا جی کرم رسول صاحب جو کہ میرے حضرت صاحب کے والدِ محترم تھے ان کی پیدائش "دھول باجوہ" میں ہی ہوئی۔ 1922ء میں آپ کی شادی ہوئی۔ دس سال تک اولاد نہ ہوئی۔ جب اس بات کا علم آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ معصوم بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا تو انھوں نے دریافت کیا۔ آپ نے عرض کی جی حضور دس سال شادی کو ہو گئے مگر اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔ تب آپ کے پیر و مرشد نے "بسم اللہ شریف" کا ایک وظیفہ عطا فرمایا۔ چنانچہ اِس وظیفہ پر عمل پیرا رہنے کے ایک سال بعد میرے حضرت صاحب کی ولادت ہوئی۔ آپ نے اپنے مرشدِ کریم سے عرض کی کہ سرکار آپکے بتائے ہوئے وظیفہ پر عمل پیرا رہا ہوں اور ایک سال بعد اللہ کریم نے اپنے فضل و کرم سے بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے۔ حضرت صاحب کے والدِ محترم چونکہ اُس وقت جڑانوالہ لائل پور (فیصل آباد) میں ملازمت کرتے تھے۔ یوں میرے حضرت صاحب کا بچپن زیادہ تر اپنے دادا "عبد اللہ" کی زیرِ سرپستی گزرا۔ آپ ناشتے میں چائے اور کیک نوش فرماتے تھے۔ اُس وقت یہاں چائے کا کوئی رواج نہ تھا۔ بلکہ اُس وقت تو چائے صرف حکیم کی دکان سے ملتی تھی اور وہ بھی کسی مریض کے لیے۔ آج کی طرح عام نہ تھی۔ اور میرے حضرت صاحب کی والدہ محترمہ حسین بی بی کو چائے بنانے میں ملکہ حاصل تھا جبکہ باقی خاندان کے افراد اِس علم سے نابلد تھے۔ چونکہ حضرت صاحب کے والدِ محترم ملازمت کی وجہ سے گھر سے دور تھے اِسی وجہ سے دادا جان حضرت صاحب کے گھر ہی مقیم رہے۔ جب آپکی عمر مبارک دس سال ہوئی تو دادا جان میرے حضرت صاحب کو اپنے پیر و مرشد کے پاس لے کر گئے اور بیعت کے حوالے سے عرض کی اُنھوں نے ماتھے پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ اِن کو کہیں لے کر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اِن کے پیر و مرشد اِن کو خود ہی تلاش کر لیں گے۔

دادا جان دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے اپنا زیادہ تر وقت مسجد میں گزارتے تھے۔ ماسوائے کسی ضرورت کے باہر نہ آتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ گھر کھانا کھانے آتے اور بارش شروع ہو جاتی تو حضرت صاحب کی والدہ محترمہ عرض کرتیں کہ میاں جی (ابا حضور) آج نماز گھر پر ہی ادا کر لیں تو دادا جان فرمایا کرتے کہ اللہ کا مجاہد تو وہ ہے جو آج نماز کے لیے مسجد جائے گا۔ میرے حضرت صاحب بھی دادا جان کی صحبت میں رہتے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ

آپ کو کپڑے بدلنے اور دودھ پلانے کے لیے گھر لایا کرتی تھیں۔ دودھ پلانے کے دوران آپ کی والدہ محترمہ آپ کے کان میں "اللہ ہو" کا ذکر کرتی رہتی تھیں۔ بچپن کی تربیت کا یہ صلہ ملا کہ آگے جا کر جب سکول میں داخلہ لیا تو وہاں کمال کے شفیق استاد ملے۔ حضرت صاحب فرمایا کرتے کہ میرے استاد سکھ تھے اور وہ برطانیہ سے ایم-اے کی ڈگری حاصل کر کے آئے تھے کیونکہ اُس وقت یہاں یہ سہولت موجود نہ تھی۔ آپ بڑے معاملہ فہم تھے اسی لیے جب بھی دین کی تعلیم کا وقت ہوتا تو وہ مجھے ہندو اور سکھ طلباء سے علیحدہ دینیات کی تعلیم دیتے تھے بلکہ یہاں تک کہ جب صبح اسمبلی میں "بندے ماترم" (ہندوؤں کا ترانہ) پڑھا جاتا تو اُس وقت بھی آپ مجھے علیحدہ کر دیتے اور مجھے دیگر مذاہب کی تعلیمات سے محفوظ رکھا۔

آپکی والدہ محترمہ کی بھی دنیا سے کوئی خاص رغبت نہ تھی۔ آپ کے ننھال (نانکے) شہزادہ سے تھے۔ آپ کے خاندان کے افراد جو ابھی سکھ مذہب سے ہی وابستہ تھے۔ جب برِصغیر کی تقسیم ہوئی تو وہ سب اکٹھے ہو کر آئے اور اپنا سامان اپنی اِس بہن کو دینا چاہا تو آپکی والدہ محترمہ نے فرمایا کہ جب میرے بھائی ہی میرے پاس نہ رہے تو میں سامان کا کیا کروں گی۔ یعنی آپ کو بھی دنیاوی غرض اور لالچ سے دور کا واسطہ نہ تھا۔

والدہ محترمہ چونکہ قرآنی تعلیم وتربیت کا سلسلہ بھی گھر پر جاری وساری رکھے ہوئے تھیں۔ اس حوالے سے بھی میرے حضرت صاحب کی پہچان تھی اور لوگ بخوبی واقف تھے کہ یہ حسین بی بی کا بیٹا ہے۔ دھول باجوہ کے قریب ہی ایک گاؤں تھا کوٹلی سیداں جو کہ سادات خاندانوں کی نسبت سے مشہور تھا اور زیادہ تر مذہبی تعلیم وتربیت کے لیے لوگ اسی گاؤں کا رُخ کرتے تھے۔ جب میرے حضرت صاحب تعلیم کے سلسلہ میں چونڈہ جاتے ہوئے یہاں سے گزرتے تھے تو والدہ محترمہ کی نسبت سے اس گاؤں کے لوگ نہ صرف عزت واحترام سے پیش آتے بلکہ خدمت بھی کیا کرتے تھے۔ جب داداجان کا وصال ہو گیا تو گھر کے حالات بہت خراب ہو گئے۔ تب میرے حضرت صاحب سکول جانے سے پہلے ایک زمیندار کے کھیتوں میں ہل چلاتے اور پھر سکول کے لیے پیدل روانہ ہو جاتے

حالانکہ سکول وہاں سے پانچ کلو میٹر دور ہوتا تھا۔ آپ کا بچپن بھی اس باعزت طریقہ سے گزرا اور محنت مزدوری کر کے باوقار زندگی گزاری۔ کبھی بھی اپنے خدا کا گلہ نہ کیا۔

میرے حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب46-1945ء کے انتخابات کے سلسلہ میں جب قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ چونڈہ تشریف لائے تو میرے حضرت صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے تحریکِ پاکستان میں اپنا کردار ادا کرنے کی یقین دہانی کروائی۔ ممتاز دولتانہ نے سکھوں کو یہ بات باور کروانے کی کوشش کی کہ وہ سب قائدِاعظم رحؒ کا ساتھ دیں کیونکہ ہم ایک چوتھائی حصہ حاصل کر چکے ہیں اگر آپ بھی ہمارا ساتھ دیں تو آپ کو بھی کچھ حصہ ضرور مِل جائے گا۔ یہ ہندو آپ کو دھوکا دیں گے۔ مگر سکھوں نے یہ بات نہ مانی اور آج تک وہ پچھتاوا اُن کے گلے پڑا ہوا ہے۔

عملی زندگی کا آغاز:-

53-1952 میں پولیس کی نوکری کے حصول کے لیے ضلع شیخوپورہ گئے جہاں ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ بھرتی کا یہ سارا عمل ایک انگریز آفیسر کی زیرِ نگرانی ہو رہا تھا ایس پی صاحب اپنے بھتیجے کو بھرتی کرنا چاہتے تھے۔اِس ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سر توڑ کوشش کرنے لگے۔ان کا ارادہ یہ تھا کہ کسی طرح آپ کو میڈیکل میں فیل کر دیا جائے اس لیے آپ کو گراؤنڈ کے تین چکر لگوائے گئے آپ کی تیز دھڑکن کا عذر پیش کر کے آپ کو اَن فٹ قرار دیا جائے اور اپنے بھتیجے کی بھرتی کی راہ ہموار کر سکیں ۔ مگر جب تین چکر لگوانے کے بعد آپ کی دھڑکن چیک کی گئی تو وہ بالکل نارمل تھی۔اِس کے بعد ایک اور حربہ استعمال کیا گیا اور انگریز آفیسر سے کہا کہ اِن کو کوئی کھیل نہیں آتا انگریز آفیسر کے دریافت کرنے پر میرے حضرت صاحب نے فرمایا کہ میرا تعلق دیہاتی علاقہ سے ہے مُجھے صرف کبڈی کا شوق ہے تو اُس آفیسر نے خوش ہو کر کہا کہ یہی تو اصل کھیل ہے جو طاقت، مضبوطی اور

مہارت کی علامت ہے اور یوں اُس روز تین سو افراد میں سے بھرتی ہونے والا واحد جوان میرے حضرت صاحب ہی تھے۔ اللہ کریم نے مخالفین کی تمام تر کوششیں ناکام کیں اور میرے حضرت صاحب کو کامیابی سے سرفراز کیا۔

بھرتی کا عمل مکمل ہونے کے بعد ٹریننگ کا آغاز ہو گیا۔ جس کے دوران رمضان المبارک کا مہینہ بھی آگیا۔ ٹریننگ سنٹر میں چونکہ نماز تراویح کا اہتمام نہیں ہوتا تھا لہٰذا نماز تراویح کے لیے قریبی مسجد میں تشریف لے جاتے جہاں قریب ہی ہمارے انگریز آفیسر کی رہائش تھی۔ اُس نے نوٹس کیا کہ ایک رکروٹ روز رات کو یہاں سے گزرتا ہے۔ صبح دریافت کیا کہ وہ کون سا رکروٹ ہے جو روزانہ رات کو یہاں سے گزرتا ہے تو آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نماز تراویح کے لیے جاتا ہوں کیونکہ یہاں اِس کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اِس پر ہمارے آفیسر نے اپنے تمام انسٹرکٹر صاحبان کو حکم دیا کہ اِن کو نماز کے اوقات میں کوئی نہیں روکے گا اور دوسری طرف مُجھے حکم دیا کہ جب بھی آپ کی نماز کا وقت ہو تو آپ کو کسی سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ یہ اللہ اور بندے کی ملاقات کا وقت ہے اِس میں کسی انسان کی اجازت کی نہ ہی کوئی ضرورت ہے اور نہ کسی کو اِس میں حائل ہونے کی اِجازت دی جاسکتی ہے۔

اُس وقت ایک ضلع میں چار آفیسر ہوتے تھے۔ ایک ایس-پی، دوسرا ڈی-ایس-پی، تیسرا اِنسپکٹر (دیہی علاقہ کے لیے) اور چوتھا سِٹی انسپکٹر (شہری علاقہ کے لیے)۔ باقی تمام مدات پر سپاہی فرائض سرانجام دیتے تھے۔ اِس سلسلہ میں انہیں ٹریننگ دی جاتی تھی تاکہ مختلف عہدوں کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور کل کو ترقی پانے کے بعد اپنے فرائض بہ احسن وخوبی سرانجام دے سکیں اور انھیں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اِس حوالے سے میرے حضرت صاحب کو بھی ایک مدکی ٹریننگ کے لیے پاسپورٹ آفس میں تعینات کیا گیا۔ جہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص برطانیہ جانے کے لیے فائل جمع کروانے آیا۔ جب اُس کی فائل چیک کی گئی تو اُس میں تیس روپے بطور رشوت رکھے ہوئے تھے۔ جبکہ اُس وقت ایک سپاہی کی تنخواہ چوبیس روپے تھی۔ میرے

حضرت صاحب نے فرمایا بیٹا! تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اگر میں چاہوں تو ابھی تمہارے خلاف رشوت دینے کی پاداش میں ایف-آئی-آر درج کرواسکتا ہوں۔ وہ شخص گھبرا گیا اور منت سماجت کرنے لگا۔ میرے حضرت صاحب نے فرمایا کہ بیٹا تم سارا عمل کھڑکی سے دیکھ بھی رہے تھے پھر بھی تم نے رشوت دینے کی کوشش کی۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم میری داڑھی کا لحاظ ہی کر لیتے۔ اس نے کہا کہ حضرت صاحب اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں ایک بات عرض کروں۔ آپ نے فرمایا، کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟ اُس نے کہا کہ مجھے علم نہیں تھا کہ یہ داڑھی رشوت والی نہیں ہے۔ حالانکہ آپ سے پہلے میں نے فائل پر دستخط کروانے کے لیے جس شخص کو ساٹھ روپے دیے تھے اُس کی داڑھی آپ سے دوگنا بڑی تھی۔ پاسپورٹ آفس میں دورانِ ڈیوٹی یہ بات بھی آپ سے کہی گئی کہ اِس مد پر تعینات ہونے والے رات کو افسران کو بھی خوش کرنے کا انتظام کرتے ہیں اور اُنکے لیے شراب اور پیسے کا اِنتظام کرتے ہیں۔ میرے حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا کہ میں تو ایسا نہیں کر سکتا اگر ایسا ہے تو میرا تبادلہ کر دیں۔ جس پر آپ کا تبادلہ ایک ماہ بعد پولیس لائن میں کر دیا گیا اور آپ کی ڈیوٹی انڈیا سے آنے والی ڈاک کو دیکھنے پر لگا دی گئی۔ یہاں انڈیا سے ایک کرنل صاحب کا claim کا ایک لیٹر موصول ہوا جس کی فائل تیار کر کے آگے بھیجنے کے لیے ڈاک میں رکھ کر محفوظ کر لیا گیا۔ اب جس صندوق میں یہ فائل رکھی گئی تھی اُس کی ایک چابی میرے حضرت صاحب قبلہ کے پاس تھی اور دوسری ایک انسپکٹر کے پاس تھی۔ وہ اِنسپکٹر آپ سے حسد کی آگ میں مبتلا تھا اور ہر وقت آپ کو زچ کرنے کے لیے موقعہ کی تلاش میں رہتا تھا۔ اُس نے اِس موقعہ کو غنیمت جانا اور صندوق سے کرنل صاحب کی فائل سے claim کا لیٹر پھاڑ دیا اور کرنل صاحب کو کہہ کر آپ کے خلاف اِنکوائری لگوا دی۔ اور ساری انکوائری لکھ کر دستخط کروانے کی غرض سے ڈاک میں رکھ دی۔ اب یہ سازشی ٹولہ دل ہی دل میں بہت خوش تھا کہ اِن کی نوکری تو جائے گی ساتھ گرفتاری اور جو سزا ہو گی وہ الگ۔ جب میرے حضرت صاحب قبلہ کو اِس بات کا علم ہوا تو آپ نے صُبح نمازِ فجر ادا کر کے وہ ڈاک چیک کی تو کرنل صاحب کی فائل سے وہ claim والا لیٹر پھاڑ دیا گیا تھا۔ آپ نے اِس سارے معاملہ کے متعلق ایس پی صاحب کو بتانے کا فیصلہ کیا اور ایک درخواست بھی لکھ لی۔ جبکہ دوسری طرف

انسپکٹر صاحب نے بھی میرے حضرت صاحب کے خلاف انکوائری کی ایک درخواست لکھ کر ڈاک والی فائل میں چھپا کر ایس پی صاحب کے آگے دستخط کروانے کے لیے رکھ دی۔ اُس کا اِرادہ تھا کہ ایس پی صاحب حسبِ معمول ڈاک پر دستخط کر دیں گے جس کے ساتھ ساتھ اِس درخواست پر بھی دستخط ہو جائیں گے اور یوں ہم اِن کو گرفتار کر لیں گے۔ مگر خدا کی کرنی دیکھیں کہ ایس پی صاحب دستخط کرتے ہوئے جب اُس درخواست پر پہنچے تو رُک گئے اور اُس درخواست کو پڑھنے لگے اور انسپکٹر صاحب سے سوال کیا کہ درخواست کِس کے خلاف لکھ کر لائے ہو۔ انسپکٹر کہنے لگا جناب اِن کے خلاف لکھی ہے جس کو آپ نے وردی نہ پہننے کی چھوٹ دی ہے اور جس کے پاس سارا دن لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ یہ سارا کیا دھرا انہی کا ہے۔ اِس پر ایس پی صاحب نے آپ کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ تو اللہ کے ولی ہیں یہ ایسا کام کیوں کریں گے؟ اب جب انسپکٹر صاحب نے دیکھا کہ یہ تو سارا معاملہ ہی اُلٹ ہو گیا ہے تو اُس نے میز کے نیچے سے میرے حضرت صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑے کہ خدا کے لیے ایس پی صاحب کے سامنے میرے خلاف کوئی بات نہ کریں ورنہ آج میری نوکری ختم ہو جائے گی۔ میرے حضرت صاحب نے اُسے معاف کر دیا اور جو درخواست آپ لے کر آئے تھے وہ آپ نے پیش ہی نہ کی۔

پھر آپ کو پولیس لائن میں مختلف کام تفویض کیے جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کسی مد پر ڈیوٹی سرانجام دے رہے تھے۔ آپ کو حکامِ بالا کی جانب سے وردی کا استثناء دیا گیا تھا ایک دن دورانِ ڈیوٹی کام میں مصروفیت کی وجہ سے آپ ڈیوٹی اِنسپکٹر کو سلام نہ کر سکے۔ جس پر وہ خفا ہو گیا اور اُس نے آپ کو تنگ کرنے کے لیے رات کے گشت پر بھی ڈیوٹی لگا دی۔ آپ دِن کو بھی ڈیوٹی کرتے اور رات کو گشت پر بھی جاتے اور رات آپ مسجد میں تہجد کی نماز ادا کرتے تھے۔ جب ایس-پی صاحب نے دورانِ گشت آپ کو دیکھا تو بہت پریشان ہوئے۔ صبح اپنے دفتر بُلوا کر دریافت کیا کہ گشت پر آپ کی ڈیوٹی کِس نے لگائی تھی؟ تو آپ نے متعلقہ شخص کے بارے میں بتایا۔ اِس پر ایس-پی صاحب نے آرڈر جاری کیا کہ آئندہ کوئی بھی آپ کی کسی قسم کی ڈیوٹی نہیں لگائے گا۔ یوں آپکی ڈیوٹی عدالت سے محکمانہ

کیسز کی تواریخ کی اپڈیٹ لینے تک محدود کر دی گئی۔ ایس-پی صاحب نے کہا کہ آپ اپنا باقی وقت اللہ، رسول کے ذکر میں مشغول رہیں۔

کبھی بھی رشوت کے حوالے سے کوئی کام سر انجام نہ دیا۔ یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ آفیسر بھی فٹیگ اسی کو ڈالتے ہیں جس کے متعلق انھیں علم ہو کہ یہ رشوت لیتا ہے۔ چونکہ میرے حضرت صاحب ایسے کسی کام میں ملوث نہ تھے اِسی وجہ سے آپ کو کبھی کسی نے کوئی فٹیگ نہ ڈالی۔ نارووال تعیناتی کے دوران ایک آفیسر نے کہا کہ آپ کے علاقے کے آم بہت مشہور ہیں کبھی ہمیں بھی کھلائیں آپ نے نے فرمایا کہ رقم دیں تاکہ آتے ہوئے آم لے کر آؤں۔ تو وہ کہنے لگا کہ رہنے دیں میں پھر کبھی منگوالوں گا۔ اِسی وجہ سے آپ اِس قسم کی فضول فرمائشوں سے بچے رہتے اور اپنے کام میں مشغول رہتے۔ آپ کو پولیس لائن میں ایک علیحدہ کمرہ الاٹ کیا گیا۔ اِس وجہ سے دیگر افراد آپ سے حسد کرتے تھے کیونکہ کمرہ صرف آفیسر کو الاٹ کیا جاتا تھا اور دوسرے لوگوں کو کوارٹر میں رہنا پڑتا تھا۔ اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر آپ اسی کمرے میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔

مُرشد کریم جناب صوفی محمد صادق صاحب سے پہلی ملاقات:-

ایک دن لاہور سے جناب صوفی محمد صادق صاحب کی کسی کیس کی انکوائری کے سلسلہ میں سیالکوٹ تشریف آوری ہوئی۔ رات کو قیام کے لیے اُن کو ایک کمرہ درکار تھا میرے حضرت صاحب قبلہ نے اُنھیں اپنے کمرہ دیا تاکہ اُن کو کوئی دُشواری نہ ہو اور خود بیرک میں رات گزاری۔ یہ میرے حضرت صاحب قبلہ کی اپنے پیر و مرشد سے پہلی مُلاقات تھی۔ اِس کے بعد آپکا خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر آپ کی لاہور آمد و رفت کا آغاز ہو۔

جب میرے حضرت صاحب کے متعلق پولیس لائن میں ہونے والے واقعات کا علم جناب صوفی صادق صاحب کو علم ہوا تو آپ نے نوکری چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ یہ حکم آپ کی دور اندیشی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ آپ کے

نوکری چھوڑنے کا حکم دینے کے پیچھے یہ حکمت کارفرما تھی کہ بہت سے لوگ آپ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں کہیں کوئی بڑا واقعہ پیش نہ آئے۔

اُس وقت نوکری چھوڑنا بڑا مشکل تھا کیونکہ آپ کے بہن بھائی بھی چھوٹے تھے اور بچے بھی۔ جبکہ آپ کی زوجہ محترمہ کا بھی اِنتقال ہو چکا تھا مگر آپ نے پیر و مرشد کے حکم پر اِستعفٰی دے دیا اور اپنے معاملات اپنے اللہ کے سپرد کر دیے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اپنے خاندان کی کفالت کیسے کریں گے۔ ایس پی عبداللہ خاں نے آپ سے کہا کہ میں آپ کا میڈیکل بورڈ کروا دیتا ہوں تاکہ آپ کی پنشن لگ جائے اور خاندان کی کفالت کا سلسلہ چلتا رہے مگر آپ نے صاف اِنکار کر دیا اور فرمایا کہ میں بالکل فٹ ہوں۔ اِس لیے میں جھوٹ بول کر ناجائز پنشن نہیں لے سکتا۔

نوکری ترک کر کے آپ نے اپنے آبائی گاؤں میں ہی رہائش اِختیار کی۔ مخلوقِ خُدا کو یہاں پہنچنے میں کافی دُشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ پسرور سے یہاں کا فاصلہ دس کلومیٹر بنتا تھا جبکہ دوسری طرف چونڈہ سے آنے والوں کے لیے رستے میں برساتی نالہ کی رکاوٹ حائل تھی۔ چنانچہ آپ نے یہاں سے رہائش منتقل کرنے کا اِرادہ کیا اور سڑک کے قریب کہیں رہائش کی تلاش شروع کر دی۔ 1977ء میں یہ ننگل شریف میں رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہاں ماموں جان اللہ رکھا صاحب کے پاس عارضی رہائش رکھی۔ اُن کے دو ہی کمرے تھے جہاں رہائش پذیر ہوئے۔ دن کے وقت ایک درخت کے نیچے ڈیرا جمایا۔ پھر کچھ دیر کے بعد اپنے علیحدہ دو کمرے بنائے۔ قریب ہی مسجد بھی تھی جس کی حالت انتہائی ناگُفتہ بہ تھی اور ایک عرصہ سے بے آباد تھی۔ آوارہ جانوروں کا یہ مسکن بنی ہوئی تھی۔ میرے حضرت صاحب قبلہ نے اِس کی صفائی کا اہتمام کیا اِس کی چار دیواری کی، دروازہ لگوایا، وضو کرنے کا اہتمام کروایا اور اِس مسجد کو آباد کیا۔ جتنے بھی مہمان آتے تھے اُن کی خاطر تواضع بھی مسجد میں ہی کی جاتی تھی۔

یہاں پر چونکہ طاقت ور طبقہ کمزوروں کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بناتا تھا۔ عیسائیوں کا ایک مرلہ زمین کا مسئلہ تھا جس پر یہاں سب سیاست کر رہے تھے آپ نے دونوں گروہوں کو بلا کر جگہ برابر تقسیم کر دی اور اُن کا مسئلہ حل کر

دیا۔ اُس وقت ایشین ڈویلپمنٹ بینک سکولوں کی تعمیر میں فنڈ فراہم کرتا تھا مگر شرط یہ تھی کی دو تہائی رقم بینک دے گا اور ایک تہائی رقم مقامی لوگ ادا کریں گے۔ اب ساتھ گاؤں کرنگالی کے باسی ایک تہائی رقم کا بندوبست نہ کر سکے تو وہ سکول ننگل شریف منتقل کر دیا گیا یہاں میرے حضرت صاحب قبلہ نے اپنے پاس سے ایک تہائی رقم ادا کر کے بچیوں کا سکول تعمیر کروایا۔

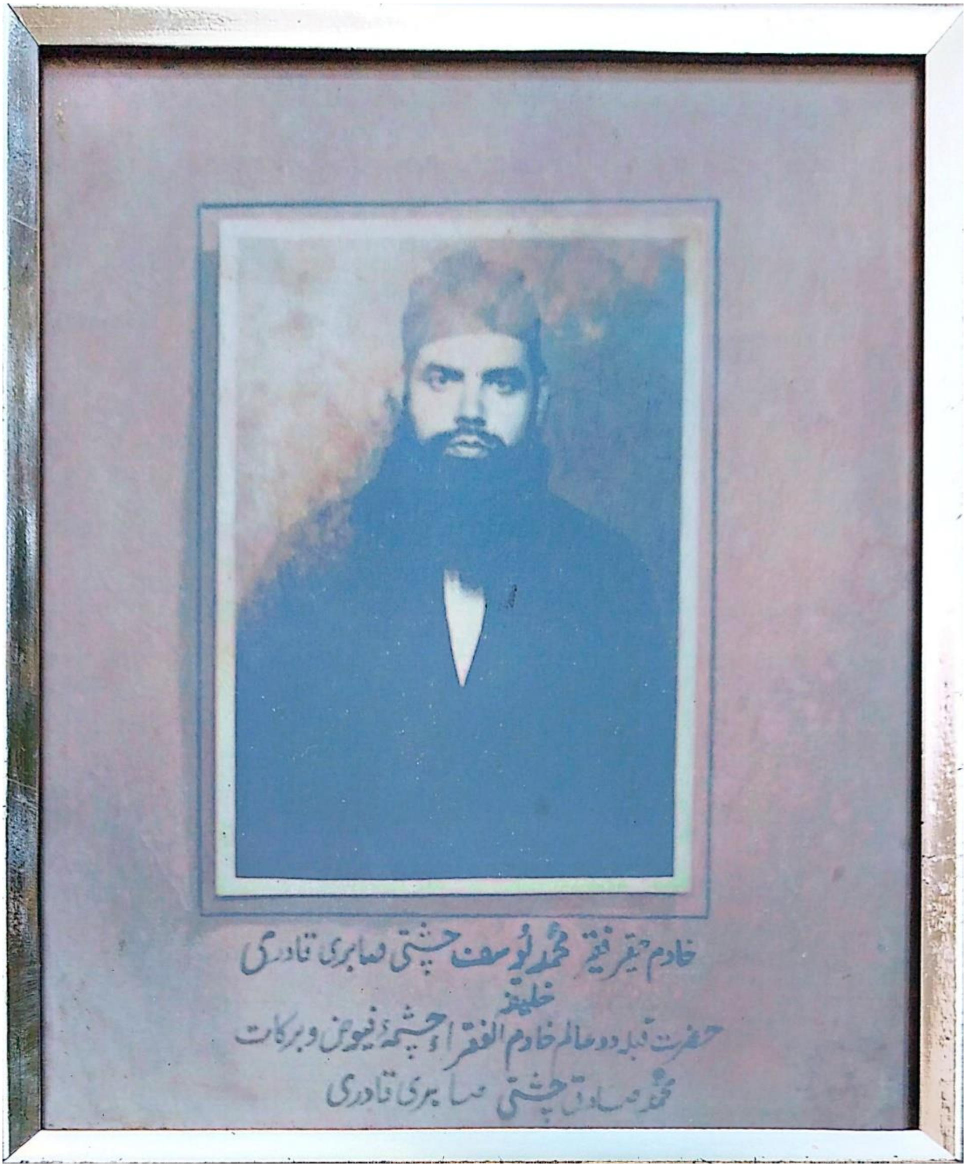
جب میرے حضرت صاحب قبلہ نے یہاں کے لوگوں کے مسائل حل کیے، اُن کے خلاف بننے والے جھوٹے مقدمات ختم کروائے۔ عیسائیوں کا معاملہ حل کیا۔ الغرض تمام سماجی کاموں میں بھرپور حصہ لیا تو مقامی چودھری آپ کے خلاف متحد ہو گئے اور کمزور طبقہ کو حیلے بہانوں سے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ محمد علی لوہار نامی ایک شخص آپ کہ پاس آیا اور زار قطار رونے لگا آپ نے جب وجہ پوچھی تو بولا کہ آپ ہی ہمیں اِن کے ظلم وستم سے نجات دلا سکتے ہیں اِن لوگوں نے تو ہمارا جینا محال کیا ہوا ہے۔ ظاہر ہے ظلم کا مقابلہ تو ہر میدان میں کرنا ہوتا ہے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ ہمیں اِن طاقتوروں کے چنگل سے آزاد کرائیں تا کہ ہم بھی باعزت زندگی گزار سکیں۔ آپ نے اُن لوگوں کو بارہا سمجھایا کہ میرا سیاست سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن عوام الناس کے پُرزور اسرار پر آپ نے 1979ء میں اور پھر 1983ء میں یکے بعد دیگرے دو بلدیاتی اِنتخابات میں حصہ لیا اور فاتح قرار پائے۔ آپ نے یہاں چار کنال زمین خریدی جس پر مقامی لوگوں نے شُبہ کر کے معاملہ خراب کر دیا۔ تب ماموں اللہ رکھا ولد شکر دین نے جگہ خریدی۔ پھر میرے حضرت صاحب قبلہ نے اُن سے جگہ خرید کر 1990ء میں مسجد و مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ یوں آپ نے اپنی ساری زندگی دین کی سربلندی اور مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔

جاری ہے۔۔۔



حافظ محمد حامد چشتی صابری صاحب خلیفہ صوفی محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ ننگل شریف پسرور



صوفی محمد یوسف چشتی صابری قادری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ صوفی محمد صادق چشتی صابری قادری رحمۃ اللہ علیہ



صوفی محمد صادق چشتی صابری قادری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شاہ محمد حسین فرد عالم رحمۃ اللہ علیہ



حضرت شاہ محمد حسین فرد عالم رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شاہ محمد پیر شاہ رہبر رحمۃ اللہ علیہ